

JANUARY 2008

پہلی کتاب نامہ

شعاع



پاک
ڈاک

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM



شعر

- 136 گھڑی تلی کا پیرا، ثمرہ بخاری
- 56 طلب کی تلی، بیوی خورشید

نثر

- 128 وہم کا علاج، آمنہ مفتی
- 84 روشن خیال، نعیمہ ناز
- 116 بزرگ خور، ثروت نذیر
- 214 بات کو چھینے لگا، ثمنیہ عظمت
- 242 تیری آنکھ میں آنسو، عقیقہ بخاری

قصیدیں

- 280 گیت، میراجی
- 280 نظم، نفا فاضل
- 279 غزل، انشا جی
- 279 نظم، فریہ سہیل

مجموعہ

وزیر سائنس اور ٹیکنالوجی
پاکستان (سالانہ) 500 روپے
ایشیا افریقہ یورپ 3500 روپے
انٹرنیشنل 4500 روپے

- 10 رضیہ جمیل، پہلی شعاع، حمر
- 11 آغا سہراب، نعت
- 14 زہیر کجیابی، نبی کی باتیں، صحابیات
- 12 صیانا عابدی
- 17 سلیمان زیدی

انٹرویو

- 30 یازن آتیس، سابر علی
- 24 وسنگ، شاہین رشید
- 300 شاعری، رشنا جلالی
- 304 شعاع کے ساتھ، ادارہ
- 18 سیر و جہاں، سائو غلامی

ناول

- 36 زرد موسم، راحت جبین

نارت

- 94 رنگ چاہت کے، نازیر کنول
- 182 دل بے دھوکا ویا، سدق سحر
- 256 میرے چاہ کر، رخسانہ تنگ
- 220 چاک داماں کی خیر، فریہ ممتاز

شعر

- 312 خطاب کے، خالد جیلانی
- 320 مسکراہٹیں، خواجہ صورت بیگی
- 292 آنکھ خالے میں، رضیہ جمیل
- 284 کھٹلا گئی پیر، سائو غلامی
- 308 ہاتھوں سے خوشبو کے، غزل مہر
- 289 تاریخ کے جھروکے، خالد جیلانی
- 316 تارخ کے جھروکے، امت الصبور

جنوری 2008
جلد 22 نمبر 5
قیمت 35 روپے



انہی میں سے شمال میں کیا حضور ہیں
پہلے نور و مستنیر و اسب الا حضور ہیں

دونوں جہاں کی رونقیں ہیں آپ ہی ہیں
کچھ تک نہیں ہے عزت والا حضور ہیں

جو تھے فقیر ان کو تو نگر بنا دیا
ہر ایک بنے نوا کا و سید حضور ہیں

میرا تو دروہ صبح و سائے کا نام ہے
گو یا صدائقوں کا خضرینہ حضور ہیں

صحراب نہیں آپ کی آہ پر مر غزار
ہر گل میں ہر شجر میں ہویدا حضور ہیں

میں ہوں نہ میر ان کے غلاموں کا بھی غلام
سب میں غلام اور شہنشاہ حضور ہیں

زہد و کتبہ جابھی

تیری یاد کا جب پڑا دل پر مسایا
قلم میں نے تیری شام کا اٹھایا

تو گل ہیں گلستاں میں جلوہ نما ہے
یہ سچ ہے تو دونوں جہاں کا خدا ہے

تیرا روپ تاروں میں بہر طرحیاں ہے
تیرا نور خورشید میں صوفشاں ہے
تو دولت و خیر میں تو کو وہ دامن میں
معدنہ معطر، گل میں چمن میں

غیاں ہر طرف سے تیری کبریائی
ازل سے ہے قائم تیری بادشاہی

میرے سائے رنج و اطمین دور کر دے
میرا دل مسرت سے بھر لو کر دے

کہ سہا ب رہتا ہے تیری لگن میں
تیرا ذکر ہے اس کے کام و دین میں

آغا علی علیہ السلام

شعبان کا جنوری کا شمار آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
ایک بار ہم خوشخوش آئینہ امیدوں کے نئے چراغ جلانے سے سال کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

ادارہ شہدائے اربعہ سے آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔
اس دن کے ساتھ کرنا سال آپ کے لیے، ہم سب کے لیے خوشیوں کی نوید ہے کر کے۔ وطن عزیز کو ترقی اور انصاف
نصیب ہو کر دنیا میں امن اور خوش حالی ہو۔ ہمیں ان سانحات کا سامنا نہیں کرنا پڑے جن سے کچھ سالہ دور ہوتے۔
جائے والا سال پاکستان کی تازگی میں گھبراہٹ کے المناک واقعات رقم کر گیا جن کی یاد ہمیشہ خون کے آنسو لاتی رہے گی۔
آئین کی پائمانی مہنگا اور معصوم شہریوں کا خون نہلنے کی کاسیلاب آنے کی نایابی جس حوالے سے بھی دیکھیں نابالوغ
کا اتمام سن رہے ہیں۔

ہجری سال کا آغاز بھی اسی مہینے میں ہوتا ہے۔ محرم الحرام ہجری سال کا پہلا مہینہ جس سے شہادت کے ایک
عظیم واقعے کی یاد دہاست ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ظلم اور آمریت کے خلاف
جدوجہد کا نام ہے۔

ریگ زار تمنا (آخری قسط)

سالِ بیدار کا آخری مہینہ میں ماہِ ایک اور ان کے گھر والوں کے لیے ایک بڑی خوشی ہے کہ آیا ماہِ ایک کے
بھائی خیر اللہ نے اپنی ہم سفر کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اس خوشی کے موقع پر ہماری جانب سے دلی مبارکباد
اور دعا ہے۔
بھائی کی شادی کی مسروغیات کی بنا پر ماہِ ناول کی قسط نہ لکھ سکیں۔ اس لیے اس ماہ ان کے ناول کی قسط
شامل اشاعت نہیں ہے۔
آئندہ ماہ ان شاء اللہ ناول ریگ زار تمنا کی آخری قسط شائع ہوگی۔

اسٹس شمارے میں

- 6 شہزادہ بھاری اور مہرہ خورشید علی کے ممکن ناول،
 - 6 رشادہ نگار عدنان، زہرہ ممتاز، سندھ سحر عمران اور نازہ کنول نازی کے ناول،
 - 6 نعیم ناز، عینہ عظمت علی، آمنہ مفتی، شروت نذیر اور حسین اختر کے افسانے،
 - 6 راحت جیس کا سلیبل وار ناول،
 - 6 کچھ باتیں کچھ باتیں - بی بی کے مشہور فنکار باہر علی کی باتیں،
 - 6 معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ - دستک،
 - 6 بیٹھ کر سرد جہاں کرتے - سنہرے جیس تانہ کی کتاب پر تبصرہ،
 - 6 صحابیات آپ کے لیے نئی مٹی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلیبل شامل ہیں۔
- شہدائے اربعہ کے بارے میں جاننے کے لیے آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔ خط ضرور لکھیں گا۔

میاں علی احمد پاکستان کی تاریخ

عرب دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے۔ فصاحت و بلاغت اور قاور انکالی میں ان کا کوئی ہمساز نہ تھا۔ آزادی و خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔ شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے۔ عقیدہ کے برعکس صاف گو اور جری حافض کے قوی مساوات بے تکلفی اور چٹا کٹی کے عاوی ارادہ کے کے زبان کے سچے و قاراری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے یوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے متعیر رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کا سبب روہی و اخلاقی حیثیت سے بہت گریختے تھے۔ چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے۔ کھلی ہوئی بہت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے نام تھے۔ انظار و اجتماعی امراض ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھارے تھے۔ سب کی اکثر خوبیوں سے وہ محروم اور جاہلیت کی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بہت عید تھا جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بہت کو جھیل پرکت کے لیے چھوٹا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر مسلا کام یہ کرتا کہ اپنے بہت کو شکر کا ہاتھ لگاتا۔

کسی نے تو ایک بہت خانہ بنا رکھا تھا کسی نے بہت

تیار کر لیا تھا جو بہت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بہت نہیں تیار کر سکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے اور اگر اچھی قسم کا پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو بھینک کر اس سے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لٹا کر وہ پتھر اسی کا طواف کرتے۔

مشروکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو طوفی رہا ہے وہی حال عرب کا تھا۔ ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں قوتیں اور ساری سبک شامل تھے۔ فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لیے ان سے شجاعت کے طلب کیے جوتے ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے ان کی قدرت اور اثر و انداز پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ شراب عام طور سے لی جاتی تھی اور ان کی سختی میں بڑی تھی۔ شراب کی دکانیں عام تھیں اور عذابت کے طور پر ان دکانوں پر بھٹا لہراتا جو بہت بڑی اور خوب کی پالت تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بڑی کی عذابت تھی۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو دبو پر رکھ دیتا۔ پھر حیرت سے اپنے گئے ہوئے مال کو وہ سروں کے ہاتھ میں دیکھتا اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی۔ حجاز کے عرب اور یودی سووی ہیں دین اور سود و سود کا معاملہ کرتے۔ اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور

مختصری کے مظاہرے ہوتے۔

عورت کے ساتھ ظلم و بد سلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی۔ اس کے حقوق پامال کیے جاتے۔ اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے۔ وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پائی۔ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے۔ دوسرے سالن اور حیوانات کی طرح جوہر بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔ مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفیذ نہیں ہو سکتی تھی۔ کھانے میں بہت سی انکی چیزیں تھیں جو مردوں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔ لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا بعض جنگ و غار کی بنا پر بعض خراج و مفلسی کے ڈر سے لڑکوں کو قتل کرتے۔ عرب کے بعض شرفاء اور روسا ایسے موقعوں پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے۔ بعض ایسے تھے جن کا خیال تھا کہ اگر لڑکے ظہور کے وقت میں زمین سوزندہ و زور ہونے والی لڑکیوں کو قیدی بنے کر بچاؤ کا تھا۔ بعض اوقات کسی سفیرا مشغولت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی۔ تو ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور وہی ہے ورنہ سے زندہ دفن کر دیتا۔ اسلام لانے کے بعد بعض عرووں نے اس سلسلے میں بڑے اندر ہٹاؤ اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔

عرب کے سفاکانہ اعمال میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معبود پرستوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا کیونکہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علامہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ اس

کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔ بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی مائیں اور زمانہ رسول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الہی کے ساتھ غلط فطرت نہیں کر دیا گیا۔ یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے۔ اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔ اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔ یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی شروع ہوئی تھی اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھوانا شروع کر دیا تھا۔ جب کوئی دینی آئی اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کتاب کو بڑاتے اور اسے لکھو دیتے تھے۔ لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جاتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان کر لیتے تھے کہ کتاب نے اسے صحیح لکھا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے۔ ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آقا اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے اس لیے صحابہ کرام اس کے نزل کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی

جنہوں نے کم و بیش اس کے مختلف حصے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد صحابہ جو بڑھے لکھے تھے قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خود لکھ بھی رہے تھے۔ اس طرح قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا۔ پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک استنبول میں دوسری دمشق میں۔ جس کا تعلق چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملا لے۔ کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں۔ ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی قلمی پکڑ لیں گے۔ پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میسن کو بیورسٹی کے ایک اسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ بیانیس ہزار نسخے جمع کیے تھے۔ پچاس سال تک ان پر تحقیق کام کیا گیا۔ آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے۔ انہوں نے کہ دوسری جنگ عظیم میں جس جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ اسٹی ٹیوٹ

تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیائے تباہ نہیں ہوئے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی لگا میں رکھیے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراد تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور بڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر اس کی نکتہ اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے چونہ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی دماغ اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح خود سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے ہدایت کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح انسان کی ہدایت کے لیے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اپنی اصل زبان میں ہی اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیر و تبدل موجود ہے۔

ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہو گا وہ الگ میں جا پڑے گا۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے۔ ظالم کی مدد اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔

مظلوم کی مدد سے ڈرو اس لیے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے۔ یعنی زیادہ لگتا ہے۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے پہلے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آئی ہے۔

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے۔

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے انہوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے اور تین کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے۔

غراخی و خوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔ انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے۔ اس لیے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کر دو۔

دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہیں۔ محنت و فراغت۔ اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کر دو جو تمہیں پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دل کا اندھا پان سب سے بڑا اندھا پن ہے۔ راستوں میں مت بٹھو۔ اگر چہنتا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو اسلام کا جواب دو جتنے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔

اگر انسان کے پاس دو مچھلی کی دانیاں بھی ہوں تو وہ تیسری دانوی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی تعداد کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چیزوں والا (مناجق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔

مومن تو اسے حسن اخلاق سے روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بڑی چیز نہیں دی گئی۔

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا۔ موسم بہار جو کچھ اگا تا ہے اس میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہوتا ہے۔ مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

عمل کا دار نسبت برے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

جھوٹ کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سے اس کو بیان کرتا پھرے۔

جس نے لوگوں کو شکر یہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر یہ بھی ادا نہ کیا۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مشورہ کر لینے کے بعد کوئی انسان تباہ نہیں ہو گا۔ مجھے بلند اخلاق کی تشکیل کے لیے بھیجا گیا۔

مشکر کے ساتھ تبلیغ کرنا صدقہ ہے۔ چغل خور حسرت میں داخل نہیں ہو گا۔

ہر نیک صدقہ ہوتی ہے۔ انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔

دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔ بھلائی کا راستہ جانے والا اس کے کرنے والے کی طرف ہے۔

امیری دل کی امیری ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

یا نکلنا آت ہے۔
 اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔
 ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہوگا۔
 جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امن ہوتا ہے۔
 مومن ایک نورخ سے دوبار نہیں ہٹا جاتا۔
 طاقتور مومن کمزور مومن سے ہلکتا ہے۔
 آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔
 عداوت بھی تو ہے۔
 شکر کا دامن چھوڑو نا بھی صدقہ ہے۔
 ایک اور امتحان سامنے آیا۔

عبیدہ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔
 حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن
 عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر نے اپنے ہاتھوں عامر بن
 ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔
 حضرت عمر نے اسیران جنگ کے معاملہ میں رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان سب کو قتل
 کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے رشتہ دار کو
 قتل کرے۔

قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے آدم
 کے بیٹے! میں نے تمہارا توٹے میری عیادت نہیں کی۔ وہ
 کہے گا۔ اے پروردگار! میں تیری کیسے عیادت کرتا تو تو
 رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تجھے نہیں
 معلوم کہ میرا فلاں بندہ بھارت تھا تو نے اس کی عیادت
 نہیں کی کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو
 مجھے اس کے بارے میں خبر نہ آتی۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے
 تمہارے کھانا کھا لیا تو تم نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ تم نے
 اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھانا تو تو خود رب
 العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا۔ کیا تجھے
 نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تمہارے کھانا
 مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے معلوم
 نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔
 اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے
 مجھے پانی نہیں پایا۔ وہ کہے گا۔ اے پروردگار! میں تجھے
 کیسے پانی پاتا تو تو خود رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ
 فرمائے گا۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا
 تو نے اس کو پانی نہیں پایا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر
 تو اس کو پانی پاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

بدو کا معرکہ ایشاد اور جاناہزی کا سب سے بڑا حیرت
 انگیز منظر اور ایک نیا امتحان بن کر سامنے آ گیا تھا کیونکہ
 اس سے پہلے مکہ کا شہر ہی کوئی مسلمان ہو گا جو
 رضائے الہی کی خاطر ظلم و ستم کے دوپٹوں کے درمیان
 گندم کی طرح چپسیا نہ گیا ہو۔
 اس جہاں اللہ کے بعد ان پروردگار امتحان کیا اور
 یہ ماں کاروبار تجارت گھر بار اعزہ و اقرباء اور وطن کی
 محبت سے دستبردار رہی اور سب معلق سے دامن چھوڑ
 کر مکہ کی سرزمین کو خیرباد کہنا اور مدینہ کی جانب ہجرت
 کرنا تھا۔
 اور اب معرکہ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان
 سامنے آیا۔
 جو لوگ صحیح مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب
 کی آنکھوں کے سامنے ان تمام رشتوں کو کات پیچھا کا جو
 اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں جا رہے
 ہوئے۔
 بھائی کے سامنے بھائی اور باپ کے سامنے اس کا بیٹا
 سینہ تان کر کھڑا تھا۔ جب دونوں فوجیں آئے سامنے
 کھڑی ہوئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے
 ٹکڑے ان کے سامنے ہیں۔
 حضرت ابو بکر صدیق کے بیٹے (جو ابھی تک ایمان
 نہ لائے تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابو بکر
 ان کے مقابلہ میں تلوار کھینچ کر نکلے حضرت ابو

صحابہ کرام

کیاں نبوی

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”مگر خدا
 اس کی اجازت سے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔“
حضرت حمزہ بنت حکیم
 نام و نسب حمزہ نام حضرت زینب کی ہم شیر ہیں۔
 سلسلہ نسب اوپر گزر چکا ہے۔
 نکاح حضرت مصعب بن عمیر سے نکاح ہوا۔
 اسلام اور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل
 ہوئیں۔

تمام حالات مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا
 اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور
 انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل
 ہوئیں۔ سند بن غنبل اور ابن سعد وغیرہ میں اکثر
 عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کثرت من السبا یعنی
 اس سے کہی بیعت مراد ہے چنانچہ حضرت اسما بنت
 یزید کے حالات میں ہم اس کا ذکر کر آئے ہیں۔
 غزوات میں سے احد میں نہایت نمایاں شرکت
 کی وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کئی کئی ان
 کے علاوہ اور عورتوں میں بھی یہ خدمت انجام دے رہی
 تھیں۔ چنانچہ رفیدہ اور ام کبشہ وغیرہ کی نسبت بھی
 اس قسم کی تصریحات موجود ہیں۔
 اس واقعہ میں حضرت حمزہ کے شوہر حضرت
 مصعب بن عمیر نے شہادت پائی جن کے بعد
 انہوں نے حضرت طلحہ سے جو کہ عشرو مشورہ میں سے
 تھے نکاح کیا۔
 ایک کے واقعہ میں مزینتین کے ساتھ غلطی سے

حضرت خولہ بنت حکیم
 نام و نسب : خولہ نام ام شریک کنیت قبیلہ
 سلیم سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ
 ہوئی ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے خولہ بنت حکیم بن امیہ
 بن حارث بن الاوقص بن مرثد بن مال بن ثعلبہ بن ذکوان
 بن ثعلبہ بن بہتان بن سلیم
 نکاح : حضرت عثمان بن مظعون سے جو
 بڑے رشتہ کے صحابی تھے نکاح ہوا۔
 عام حالات : مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی
 اور مدینہ میں رہنے کے بعد حضرت عثمان بن
 مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہ نے دوسرا نکاح
 نہیں کیا، اکثر نشان رہتی تھیں۔ صحیح بخاری میں
 روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔
فضل و کمالات : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 سے پندرہ حدیثیں روایت کیں، اور ان حدیث میں
 حضرت سعد بن ابی وقاص، سعید بن مسیب، شیبان
 سعید عمرو اور ریح بن الکرک داخل ہیں۔
اخلاق : اسد الغابہ میں ہے۔ ترجمہ ”وہ ایک
 نیک بی بی تھیں۔“ مسند میں ہے۔ ترجمہ : ”یعنی وہ
 دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو عیادت کرتی
 تھیں۔“

ابتداء میں زبور کا پڑھا شوق تھا چنانچہ ایک مرتبہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر
 ظالمیہ صحیح ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو فلاں
 عورت کا زور دے دیجئے گا۔

ماڈل	_____
شاہ نسیری	_____
موسیٰ رضا	_____
میک اپ	_____
رشد ہونی پادری	_____

بیتھ کر سید کی وجہ سے کتنا خارج حرام میں ایک رات

مصنف: مستنصر حسین گارڈ
تصنیف: علامہ غلام نبی

مسافروں سے نہیں زیادہ بخت والا ہو جاتا ہے کہ وہ دوبارہ ان ہی کیفیتوں، مسرتوں، لذتوں اور مشقتوں اور خوب صورتوں میں سے لڑتا ہے۔ کچھ طور میں نے خار حرام میں تو صرف ایک شب بسر کی۔ جو سرسری دیکھا تھا اس کی تفصیل میں گیا ہوں اور دیکھا تھا وہ بھی اسٹڈی کی نشانی میں نظر آئے لگا۔ ایک شب کا بیچان اور کیفیت سینکڑوں شیوں پر محیط ہو گئی تو گویا اب بھی۔ اس لمحے جب کہ اس شب کو گزرے ہوئے ایک برس ہو چکا ہے۔ میں ہنوز خار حرام کی رات میں ہوں۔" نارڈ صاحب نے بے شمار سفر کیے ہے جو از بھی بے ارادہ بھی اور جو تازہ سفر و پیش تھا۔ اس کے حوالے سے ان کے احساسات عجیب ہو رہے تھے وہ ان کیفیات کو دیکھنے کی نگاہوں میں تھا۔ اس بارے میں دیکھتے ہیں۔

"میں تجھے میں رہ گیا۔ بہت اچھے گیا۔ ہزاروں خواہشیں بے حوازم ہو سکتی تھیں لیکن خار حرام میں رات بسر کرنے کی خواہش ہرگز بے حوازم نہیں ہو سکتی تھی۔ حوازم اگر میرے پاس نہ تھا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ حوازم نہ تھا وہ مقام بہ ذات خود ایک حوازم تھا اور اس نے میرے اندر یہ خواہش بھری تھی۔"

اور یہ خواہش کوروسوس سے جا سکتی۔ اور اب میں آپ کو دل کی اس بات میں شریک کرتا ہوں۔ جوں ہی جدہ انیس پورٹ پر اترتا ہوں پہلا قدم رکھا ہے تو گویا بوگلو میٹر اور جیل نور کے واسطے میں جا قدم رکھا ہے تو میرے پاؤں میں شدید خوف، ایک

معروف سیاح و مصنف مستنصر حسین گارڈ نے یوں تو کئی سفر کیے اور ان میں قلم بند کیا۔ تارڈ نے اب کے جو سفر کیا۔ خار حرام کے مقام تک تھا۔ اس مقدس مقام پر شب بسر کرنے کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ عازم سفر ہوئے اور وہ ایک رات جو وہاں انہوں نے گزارا۔ اس رات کی کیفیات و احساسات کو انہوں نے "خارج حرام میں ایک رات" کے عنوان سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایف ایف ایف کی حسن بیان تارڈ کی یہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک رات کو جو وہ خار حرام میں بسر کیا ہے اس کی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب پر کتابت سے چھاپا گیا ہے اور پھر وہ مقدس مقام اور اس کی فیوض و برکات کہ اس کی چاہ میں دنیا ایک طرف رہ جائے۔

اس کتاب میں اپنے ساتھ ہی دو روزوں اور پھر زیر تصویر کتاب کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں۔

"میں لوگ پوچھتے ہیں جانا چاہتے ہیں کہ کیا میں سفر محض اس لیے اختیار کرنا ہوں کہ واپسی پر سفر نامہ لکھ سکوں۔ کیا ہرگز نہیں ہے۔ میں نے زندگی کے بیشتر سفران زمانوں میں کیے جب میں واپسی پر پہنچتا تھی نہ لکھتا تھا۔ میں ایک ایسا بند بھی ہوتا تو بھی لکھتا ہی سفر کرتا جتنے کہ میں نے کیے۔ کہ میرے لیے آوارگی جذبہ اول ہے اور اس کی رویداد کو قلم بند کرنا ہوں تو لوگوں کو اپنے سفر میں شریک کرنے کے لیے اور اس سفر کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے۔ گویا میں ایک اور سفر پر نکل جاتا ہوں اور یہاں ایک سفر نامہ نگار دوسرے

حرام کے گھر تھے اور کھانا نوش فرماتے تھے۔ حجیہ انوار کے بعد ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھانا کھا کر حرام فرمایا چند لمحوں بعد کب کو نیکو آئی اللہ تعالیٰ تمہاری در کے بعد سگراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا۔

"میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غرور کے ارادے سے سوار ہیں" حضرت ام حرام نے کہا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سمجھتے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔" آپ نے دعا کی اور پھر حرام فرمایا۔ کچھ روز کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اس خواب کا اعادہ کیا حضرت ام حرام نے پھر اپنی شرکت کی درخواست کی وہ فرماتے کے لیے کہا۔

فرمایا۔ "تم یہ بھی دعاؤں کے ساتھ ہو۔" اس خواب کی تعبیر 28 میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ "حضرت عمر" کی طرف سے شام کے حکم تھے انہوں نے متعدد بار حوازم پر قلم کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت عمر نے اجازت نہیں دی۔ حضرت عثمان "کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور انہوں نے حوازم پر قلم کرنے سے اجازت حاصل کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا اس قلمبند میں حضرت سے صحابہ شریک تھے حضرت ابوذر "حضرت ابو روا" حضرت عمار "میں حضرت ام حرام" بھی ان ہی میں داخل تھے۔ بیڑا جمع کے ساحل سے روانہ ہوا اور حوازم پر قلم کیا واپسی میں حضرت ام حرام سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ بیڑے گریں اور یہاں تک کہ بیڑے لوگوں سے دور ہیں ان کو دھن کر دیا۔

اولاد : حضرت ام حرام "سے تین لڑکے پیدا ہوئے پہلے ظہور سے تھیں اور عبد اللہ اور حضرت عثمان سے پھر۔

فضل و کمال : حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں راویوں میں حضرت امیر "حضرت انس" عمرو بن اسود و عطاء بن یسار اور یحییٰ بن شداد بن اسد ہیں۔



جو مسلمان شریک ہو گئے تھے ان میں حضرت حسان اور حضرت مسطح کے ساتھ حضرت حمزہ بھی تھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ ترجمہ یعنی حضرت زینب کی بہن حمنہ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک کہ اور اصحاب اقل کی طرح بہادری ہوئیں۔

صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت حمزہ کے شریک ہونے کی وجہ سے بھی کہ حضرت عائشہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرا کر حضرت زینب (اپنی بہن) کو ہشت کریں۔ لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینب نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

یہ سچ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔ وفات : وفات کا سن صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ حضرت زینب کی وفات تک زندہ تھیں حضرت زینب نے 20 ہجری میں وفات پائی ہے۔ اولاد : حضرت طلحہ سے حضرت حمزہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے محمد اور عمران محمد کو سجاد کے لقب سے حضرت تھی۔

حضرت ام حرام

نام و نسب : نام معلوم نہیں انہم حرام کنیت تھی قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ سب سے پہلے ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن عدس بن عامر بن عدس بن عدی بن غفار والدہ کا نام علیہ کہ تھا جو مالک بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی زوجہ تھیں اس بنو ام حرام حضرت ام سلیم کی بہن نور حضرت انس کی خالہ بیوی ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح : عمرو بن قیس انصاری "سے نکاح ہوا لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ میں صامت کے عقد نکاح میں آئیں اور بڑے رشتہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی قبائلی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام

آکاش میں نئی مانند لپٹ گیا ہے۔ ان میں ڈر بھر گیا ہے۔ ایسا ڈر جو نہ گھٹتا ہوا میرے پاؤں سے سرکاتا انہوں کے راستے میرے دل کے گرد گھومتا ہے۔ ایک آسپ کی مانند مسلط ہو جاتا ہے اور پھر اس ڈر سے سیاہ گونپٹیں پھوٹتی ہیں اور بڑھتی جاتی ہیں ان کے ان غلیظوں کے گرد لپٹی جاتی ہیں۔ ان میں غار حرا میں ایک رات بسر کرنے کا خطیر مقیم ہے۔



ایک مسموم جو پور خوف و سوسہ میں پشت ڈال رہا ہے اور اراو کے کی تکمیل کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ گریہ سہاں اور حقیقت ایک روحانی سفر کی جستجو رکھتا تھا اور درج کی مسافرت اتنی آسان نہ ہو سکتی تھی۔

”بس یوں سمجھ لیجیے کہ جندہ میں قدم رکھتے ہی میں یکدم شدید طور پر یوں خوف زدہ ہو گیا کہ یہ میں کیا سوچتا رہا ہوں۔ یہ میں کیسے سوچ سکتا تھا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتیں بسر کرتے تھے وہیں آج وہاں رات بسر کروں۔ جہاں جبریل امین یہ نفس نفیس اترے اور ہم کلام ہوئے۔ کہاں میں؟ جو عرب با انسان گزر چکے کہ جو ارب بال انسان اس روئے زمین پر موجود ہیں۔ ان سب نے جس کتاب میں شکر نہیں اس پر سر جھکا کے اور اس کتاب کا پہلا آئینہ ہونے والا ”تعمیر“ پڑھا اور پڑھتے ہیں تو جہاں وہ نازل ہوا اس مقام پر۔ جہاں جبریل پھولوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں کا لمس ہوا۔ کن کے سامنے ان پر تم ہوئے۔ جہاں وہ سوائی کرتے تھے۔ ان کے ذہن میں جو سوال جنم لیتے تھے ان کے جواب چاہتے تھے۔ بیٹھتے تھے۔ سوتے تھے اور جاتے تھے تو میں وہاں؟ ایک انسان سے شک و دوام کی کی ہر سرحد عبور کر جاتے لیکن اس سرحد کے پار اگر یہ مقام ہو تو اس کی دیوانگی میں بھی لٹل آجائے گلے و رک جائے گا۔ ڈر جائے گا۔“



اور پھر یہ سفر شروع ہوا جس کی تیاری کچھ آسان نہ

تھی۔ دل و بدن کی تازگی کے ساتھ ساتھ کوئی توانائیاں جمع کرنا تھیں۔ اور تار اس سفر کی راہ پر اپنا قدم رکھ چکے تھے۔ نیت کے لیے۔

”ہمارے کئی واپس جا چکی تھی۔ واپسی کے راستے مسدود ہو چکے تھے اور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ آگے جلیا جائے اور آگے جیل نور تھا۔ جس پر سائے طوٹیں سو رہے تھے۔ واپس کی دکانوں سے آگے ایک کچی کی سڑک اور اٹھتی بلند ہوتی تھی، کہیں وہ اونچا جالی گریڈ کہیں سینٹ شہرہ کچھ حصے پاؤں میں آتے تھے اور یہیں سنگ ریزے بنتے چھوٹے پتھر اور روڑے۔ میں آہستہ آہستہ سڑک سے سنبھال چڑھتا جاتا تھا۔

یہ تو میں نے پہلے قدم سے ہی طے کر لیا تھا کہ میں بہت دیریں اور اطمینان سے آہستہ آہستہ بڑھوں گا۔“



اور یہ سمجھنا کہ لوٹا جائے یا اور بلندی کا سفر کیا جائے۔ اس کے اندر کی دنیا میں چھان بھان کرنا اور ایک منہ پر آواز آنہوں کے آگے گھر کے باغ کے۔

”نصیر سے تن بدلیں جس ایک تمہارا سا مہوم گیا تھا۔ ایک چکر لپکا۔ ایک بکول سا تھا کہ آنکھوں کے سامنے دھندلیں چھلی کہ میں اس چٹان کو فوراً نہ تمام لیتا تو یقیناً گر جاتا یہ کیا ہے؟ میں نے شدید خوف و غم کا شکار ہو کر اپنے آپ سے بچھڑا۔ ایسا پہلے تو کبھی نہ ہوا تھا۔ کبھی بھی بلندی پر شدید ہتوں حالت میں بھی یوں سے اختیار نہ ہوا تھا یہ کیا ہے؟ بلندی سے تمہاری عمر سے اور تمہاری حماقت سے۔ مجھے واقعی آج تک اس قسم کا بے جان گروہی والا چکر نہیں آیا تھا۔

میں نے بہت شجیدگی سے بہت ٹھنڈے دل سے غور کیا کہ اگر بدن کی یہی کیفیت رہی تو کیا لوٹ جانا مناسب نہ ہو گا۔ ابھی تو قریش نگاہ میں تھا اور عرش کہیں بلندی پر فاقہ تھا۔ میں نے سوچا چند قدم اور سہی۔ اتنا تردد کر کے آیا ہوں۔ اتنی تمنا لے کر آیا ہوں۔ ایک دھچکا لگے تو فرار کے راستے سوچنے لگا ہوں تو ایک

آخری کو شش تو سر دیکھوں۔ جیسے کے ٹوکی چوٹی بانٹیں قریب پانچ ایک ٹھکانے میں چکا کوہ اور ایک اور قدم بھر طور کو شش کر کے اٹھ لیتا ہے۔ میں حوصلہ ہارنے کو تھا کہ ایک اپنا فقیر نے مجھے حوصلہ دے دیا۔“



نیت کی تھی اور وہ ہاندھا تھا۔ حوصلہ انگن شوق، توجہ ساتھ ساتھ تھی۔ مگر منزل۔ اس بارے میں دیکھیے۔ وہ کیا کہتے ہیں۔

”کیسے میں جڑھتا تو جاتا تھا لیکن سراسیمگی کے عالم میں پھونک پھونک کر قدم و حشرتا تھا کہ کہیں میں عمر کے تابع ہو کر پھرانہ جاؤں۔ لاجاڑہ ہو جاؤں اور وہ مقام آئی گیا ہو جیل نور کے دامن سے یوں دکھائی دیتا ہے جیسے یہی منزل ہو۔ یہی آخری بلندی ہو۔ وہاں پہنچ کر کھٹکتے کہ نہیں۔ ابھی تو منزل بلا در راست۔

اور منزل قریب تھی۔

آخری سیڑھی کی آخری قدم۔ اور میں شش نور کی چوٹی پر ایسٹان پھیرتے تھا۔ جوں ہی پھیرتے گیا مارینی بڑھتی، وہاں صوب اندھیرا تھا، آسمان دکھائی نہ دیتا تھا کہ راستے میں پھیر جا کل تھا۔“



اور پھر منزل آئی۔ جس کی جستجو تھی۔

”وہ سوری پانچ سرنگ کے اختتام پر ایک چکی ملائم روشنی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیسے سور ہونے کو ہے اور وہ چار قدموں کے بعد میں سویر میں آ گیا۔ اور جب میں اس سویر میں آیا تو گویا آج تک کا نکات بھر میں چلتی بھی سویر میں آچکی تھیں ان سب میں سے ممتاز ایک ایسی انوکھی سویر میں آیا کہ میرا لگا قدم ایک گھن میں تھا۔ جو کہ غار حرا کا صحن تھا۔

غار حرا دراصل۔ لغوی معنوں میں ایک غار نہیں ہے۔

غار میں تو ایک خاص نیت ایک مخصوص شکل رکھتی ہیں اور بدقل سے غاروں کے طور پر پیدائش جانی

ہیں۔ جیسے موہرا مراد کی خانقاہ کے کھنڈروں کے صحن اور پورا نول میں ٹیکسٹ کی راوی میں ایک واضح غار ہے جس میں ہزاروں چنگاڑیں قیام کرتی ہیں اور وہ غار جانے کہاں اختتام پذیر ہوئی ہے۔

یا قرآن اور انجیل کی غار میں ہیں، جن میں قدیم عہد کے انسان کے مسوری کے نمونے محفوظ ہیں۔ اصحاب کف کی غار تھی۔

یہ غار ویسی نہ تھی۔ کچھ نہ انوں میں۔ شاید انہوں میں پہلے کے زمانوں میں کسی ڈالنے کے نتیجے میں کسی قدرتی آفت کے اٹھل پٹھل کے باعث جیسے یہاں تک آئے والی سرنگ جو میں آئی تھی۔ تقریباً ایسی چند بہت بڑی بڑی چٹانیں گریں۔ یا انہوں نے مقام چھوڑا اور جب وہ ساکت ہو میں تو ان کے درمیان میں کچھ جگہ بن گئی۔ ایک کھوہ وہ وہو میں آئی۔ بے ترتیبی سے اونٹھے سیدھے پڑے پتھروں اور چٹانوں میں ایک خلا سا پیدا ہوا۔ چنانچہ حرا کی پہاڑی کی ڈھلوان پر اس کھوہ نے جنم لیا۔ جسے آج باقاعدہ غار نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے اندر آٹھ، تار کی تھی۔

تو میں اس غار میں تھا جسے ایک شخص نے اجالا تھا۔ میں شعوری طور پر کوئی بھی کیفیت اپنے آپ پر طاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنے آپ کو تیار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ جو کچھ ہونا ہے ٹھوہ ہوا اس میں میرا کچھ عمل دخل نہ ہو۔

میں اگرچہ ایک حالت سکون میں تھا۔ گھر سے اطمینان میں تھا اور مسکراہٹ ابھی تک میرے لبوں سے رخصت نہ ہوئی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ غار صحنی ثابت ہوا۔ ایک دم مجھے اس ویران اور تاریک چٹان آماجگہ کے اندر پوری رات بسر کرنے کے خیال سے وحشت ہونے لگی۔ وہ ڈر پھر سے میرے اندر جڑیں کھڑنے لگا کہ اس مقام پر۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوا کرتے تھے۔ میں کھڑا ہوں۔ جہاں جبریل زمین آتے تھے۔ تو میں کیسے ایک رات یہاں مسہرہ سکوں گا۔ میں ایک ڈر پوک شخص ہوں۔ مجھ

میں نہ وہ وہاں پہنچی ہے اور نہ اجاں جس کی روشنی میں مجھے یہاں سب کچھ دکھائی دیتا رہتا تھا تو اندھروں میں بھٹکنے والا تھا مجھے یہاں کچھ دکھائی نہ دے گا۔ یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔“

غار حرا کی بناوٹ کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں۔

حرا کی غار کمال کی پوشیدگی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانوں سے بھی پہلے جو "مضیف" تھے جو تلاش میں تھے۔ چٹوڑ میں تھے معاشرتی اور مزون مذہبی اقتدار سے مطمئن نہ تھے ایک بڑے اورش کے نمائندے تھے تو وہ سب سے الگ ہو کر غور و فکر کی دنیا میں غرق ہونے کے لیے اگر اس بلند مقام میں پہنچتے ہیں تو یہ قابل فہم تھا۔ جبل نور کی چوٹی سے ذرا نیچے ایک عمیق ڈھلوان میں تھوڑی سی جگہ ہموار اور چھ آڑی ترچھی چٹانیں منہدم حالت میں ایک دوسرے کے سہارے قائم اور ان میں ایک کھوہ اس میں صرف اتنی گنجائش کہ ایک شخص اطمینان سے لیٹ سکے۔ بیچہ کے یا عبادت کر سکے۔“

تارڑ وہاں جا کر اپنی آنکھ ماضی کے دریچوں پر رکھ دیتے ہیں جہاں نکل گیا کچھ دیکھ رہا ہے اس کا بیان دیکھیے۔

غار حرا تک پہنچنا ہوتا تھا۔ اس لیے غالب امکان یہی ہے کہ وہ اس مقام سے جہاں زائر وہاں جانب مڑتے ہیں وہ وہاں سے سیدھے بلند کی جانب چڑھتے جاتے ہوں گے اور میں اس مقام پر جہاں میں پیشا تھا۔ اس سنگ سرنگ کے پہاڑ پر آجاتے ہوں گے۔ چوٹی سے اسیں کچھ غرض نہ تھی۔

یہ شخص حساب کتاب ہے کہ کوہ نور کی حساب سے شہدائے سزا سر غلط ہے اور وہ کسی اور رخ سے

آتے تھے لیکن سب اشارے سب نشان یہی گواہی دیتے ہیں کہ اوہر سے ہی آتے تھے اور اس سرنگ تک پہنچ کر جہاں لیتے تھے کہ غار اس کے پار ہے۔

یہاں پہنچ کر وہ اپنا ساماں بھی درست کرتے ہوں گے۔ فوری طور پر سرنگ میں داخل نہیں ہو جاتے ہوں گے اور ساماں درست کرنے کے لیے بھی یہی جگہ تھی۔ کھائی کے کنارے جہاں بگال کا پتھر تھا اور میں تھا۔

تو ان زمانوں میں نہ یہ پتھر تھا اور نہ میں تھا۔ اگر میں ہوتا تو کیا ہو گیا ہوتا۔ اگرچہ میں کیسے ہو سکتا تھا۔ لیکن ہونا تو کیا ہوتا۔“

اس مقدس ترین مقام پر آنے کے بعد میں انہوں نے کیا کیا۔ اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

غار میں داخل ہو گیا تو کچھ دیر کھڑا رہا۔ سر کھجاتا رہا۔ اس کی حالت میں اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

غار حرا میں داخل ہو گیا تو کچھ دیر کھڑا رہا۔ سر کھجاتا رہا۔ اس کی حالت میں اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

یہاں بھی کچھ حساب کرنا ہے کتاب کرنا میرے بس میں نہ تھا کہ میں بابا کے گھر میں پہنچ کر اسے نامہ اٹھان میں نوہن اور نمازوں کے طویل اندراج کر لیتا۔ چنانچہ میں نے یہ پریچہ جو میرے بس میں نہ تھا خالی چھوڑ دیا۔ غار میں داخل ہوا تو مٹھنے پر جو کڑی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ نفل اور ادا کر لوں۔ وہ بھی کر لے۔ تو اب کیا کروں۔ اب میں لیٹ گیا۔“

غار حرا وہ مقدس مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی یاد میں عبادت میں وقت گزارتے تھے۔ تارڑ نے وہ ایک رات وہاں گزار کر اور رات کے ایک حصے میں کیا کچھ سوچا۔

یہ جو رابطہ ہے میری تہذیب کا اس غار سے اس کے ضمن سے۔ ہر ایک پتھر سے اس میں ہوا آجائے گی۔ اس لیے کیا بے کار چاندنی کے تماشائی بنے لیٹے ہو۔ اگر کوئی عرضی پیش کرے تو اسی کر دو۔ کچھ بانگنا سے تو بس کی وقت ہے۔ اگر کچھ بھڑنا ہے تو شمالی سے پہنچ کر کوئی کوئی کوئی کوئی کا یہ سحر و سحر ہو جائے گا۔ کیسوی بھر جائے گی۔ اگر کوئی آجاتا ہے تو تم اس سے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ تم یہاں نہیں آسکتے۔ بھائی صاحب یہ میری غار ہے۔ اسے میں نے اپنا گھر بنا رکھا ہے۔ میں یہاں رہتا ہوں۔ تم نہیں آسکتے۔ یہ نہیں کہہ سکتے۔“

ان لمحات میں ان کے دل کی کیا کیفیات تھیں اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں۔

پتھر اے رکھنا ہاں اور کبھی انگریزی میں جو کچھ سوچتا اور آکر پنجالی میں کہ اس نے جتنے بھی پتھر اٹارے انہوں نے اپنی ماوری زبان میں ہی اس کے پیغام پہلے۔ چنانچہ جو کچھ بھی۔ اور جس زبان میں بھی لکھے سوچتا تھا کے چلا جاتا تھا۔ باتیں کیے جاتا تھا۔“

اور پھر اس مقدس مقام سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔

مجھے یوں نفل ادا کرنے کی عبادت ہی نہ تھی کہ پشت پر آوازوں کا شور ہو۔ پتھر لوگ ہوں جن کی سبے چین آنکھیں میرے کندھوں کو جلاتی ہوں۔ ایک ہجوم ہوں میں نے اس مقام پر پتھر کے بہت پہاڑے بنا سکے۔ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ ایک ایک کر کے پڑھتا کہ کچھ وقت گئے۔ مسجد کے میں گیا تو کیا ہی رہا۔ سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ دعا میں اٹھائے تو غار حرا کے آخر میں جو شگاف تھا جس میں سے ہلکی سی معلوم سی روشنی آ رہی تھی اسے نکلتا رہا۔ دعا کے بعد میں نے اس پاس کے پتھروں پر ہاتھ پھیرے۔ انہیں الوداع کی۔“

اس کتاب کا آخری پیرا گراف جو اس سفر کا اختتام پہنچا ہے۔

غور کے پہاڑ سے اترتے ہوئے۔ میرا قبیلہ تھیلا بانکا ہو چکا تھا۔ بابا کی مانند میری بوٹی میں جو خوراک تھی وہ میرے کام آچکی تھی۔ کچھ دیر چلی اور سینڈویچ اور ایک سیب اور میں بھی ہکا بھکی اور کڑھکون ہو چکا تھا۔ کوئی تھکاوٹ نہ تھی جیسے ایک موسیٰ کوہ طور سے اترتے ہوئے سکون اور سرخوشی میں ہوتا ہے۔ ایسے میں جبل نور سے اس سویرا اترتا تھا۔



دیکھتے دیکھتے

شاہین رحید



عثمان وڑائچ (ایف ایم 103 کے پریزنٹر)

بعد اپنا "سی وی" ڈیو لیکن وہاں پر اسٹیشن ڈائریکٹر "نویڈ وڑائچ" صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہت چلا کہ ان سے تو ہمارے بہت اچھے فیملی تعلقات ہیں کیونکہ وہ بھی وڑائچ تھے اور میں بھی تو انہوں نے میری بہت مدد کی ایف ایم 103 میں آنے کے لیے۔ یوں مجھے کہہ دیا وہ وڑائچ کی وجہ سے ہی اس فیلڈ میں آیا۔

"پہلے پروگرام کے وقت کیا محسوس کر رہے تھے اور کیا اسکرپٹ لکھ کر آیا تھا؟"

"میرا پہلا شو کہا تھا شو تھا اور میرے ساتھ لاہور کا ایک پروڈیوسر بھی تھا اور اس وقت اس کے پاس کوئی شہر کا کوئی اسکرپٹ نہیں تھا بلکہ لائیو آپ اسکرپٹ تھی اور ایک بات آپ کو بتاؤں احساسات کیا ہونے لگے تھے کیونکہ اس شو میں کچھ بھی نہیں تھا اور اس شو کے بعد مجھے دو ہفتے شوٹنگ کی کوئی امید بھی نہیں تھی۔ لیکن مجھے دوبارہ چانس ملا اور پھر میں نے اپنے آپ کو منوایا بھی۔"

"کتنے سال ہو گئے آپ کو اس فیلڈ میں۔ اور کتنے دن چلتا ہے آپ کا پروگرام؟"

"تقریباً تین سال سے میں اس فیلڈ میں ہوں۔ پہلے تو میں 103 میں سات دن مسلسل کرتا تھا لیکن میری مصروفیات کچھ اس طرح کی تھیں کہ پھر مجھے ویک ہاپیٹ پر شو کرنا پڑا۔ تو میں سنڈے ہاپیٹ کو شو کرتا ہوں، رات بارہ سے دو بجے تک۔ "ڈیٹا سٹ چیٹ" کے نام سے۔"

"تو کن مصروفیات کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا؟"

"مصروفیات کچھ یوں تھیں کہ لاہور میں جا ب کرتا

تھا اور مجھے فیصل آباد سے لاہور جانا پڑتا تھا اس لیے میں۔۔۔ سنڈے ہاپٹ کو ہی شو کر سکتا تھا اس لیے فیصل آباد ایک ہی شو کر رہا ہوں۔"

"فیصل آباد سے لاہور اور لاہور سے فیصل آباد خاصا فاصلہ ہے۔ اور راستے میں اور کوئی ٹھک کرے نہ کرے۔ پولیس ضرور ٹھک گئی ہے۔ آپ کے ساتھ ایسا کچھ ہوا؟"

"ایسا بہت دفعہ ہو چکا ہے۔ پولیس سے پلا رہتا ہے اور میں اپنے پروگرام میں بھی اس کا ذکر کرتا رہتا ہوں۔ پولیس بہت اچھی ہوا کرتی تھی لیکن اب پولیس کو کچھ کر غصہ آتا ہے کیونکہ پولیس کا رویہ اس طرح ہوتا ہے کہ جب تک نہیں کچھ ہیں گے نہیں وہ ہمارا جان نہیں پہنچو نہیں گئے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پورے ملک کی پولیس ہی گریٹ ہے۔"

"جی ہاں بالکل اور میں نے اپنے پروگرام میں خاص طور پر کراچی کا ذکر کیا تھا کہ میرے ایک دوست کراچی کے ایک ایجنٹ کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ کراچی کی پولیس اتنی ایمان دار ہے کہ اگر انہیں 100 روپے دو تو انہوں نے 90 روپے فولڈ کر کے رکھے ہوسکتے ہوتے ہیں جو وہ آپ کو واپس کر دیتے ہیں۔"

"آپ کے دوست نے غلط کہا ہے کراچی کی پولیس اب اتنی بھی ایمان دار نہیں ہے۔ خیر اتنا کہتا ہے کہ خیر کچھ بھی اسی طرح کرتے ہیں کیا؟"

"پھر کڑ نہیں۔ میں بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہوں۔ اپنی کمائی کو فضول خرچی میں نہیں اڑاتا۔"

"سفر کے دوران کو وقت کب ہوتی ہے؟"

"جب سنگٹن پر کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ بندہ روٹم میں جا رہا ہوتا ہے کہ ایک دم ریڈ لائٹ آگن ہو جاتی ہے۔ پھر انتظار کا یہ لمحہ بڑا بھاری ہوتا ہے جب لائٹ سٹیو سے گزرن ہوتی ہے تو سگن ہٹتا ہے۔"

"آپ رات کو پروگرام کرنے کے گھر آئیں اور پھر آپ کو کوئی کے کہ فلاں چیز لادو تو؟"

"یہ چیز کی نوعیت پر منحصر ہے کہ کیا چیز منگوانی جاری ہے اگر میری پسند کی چیز بھی شامل ہوگی تو میں بھاگا بھاگا جاؤں گا۔ اور چیز لادوں گا ورنہ سوری کر کے سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا جاؤں گا۔"

"آپ کئی عرصے سے ہیں اس فیلڈ میں ہی کوئی زیادہ وابستہ ہو تو بتائیے۔"

"ہاں جی۔ ایک یاد آپ کو بتاؤں کہ آٹھ نومبر 2004ء کا دن میرے لیے بہت یادگار ہے۔ اس دن میری ساگرہ بھی اور میں پروگرام کر رہا تھا۔ بارہ بجے کے بعد ایک منہ رکنے والا فون کا سلسلہ شروع ہوا اور بے شمار لوگوں نے مجھے میری ساگرہ کی مبارکباد دی۔ اور میں چار گھنٹے تک ان ایر لوگوں سے مبارکدیں وصول کرتا رہا۔"

"آپ گھر میں بڑے ہیں۔ رعب کس پر چلتا ہے آپ کا؟"

"بہنوں پر۔۔۔ میری تین بہنیں ہیں اور بہنیں ہی ایک ایسی ہنسی بھری ہیں جن پر آسانی سے چیخا چلا یا اور رعب چلا جاسکتا ہے۔ ویسے ایسا نہیں کہ میں ہر وقت ہی ہنسیوں چلاؤں۔ مجھے اپنی بہنوں سے بہت پیار ہے۔"

"آپ کی اس بات سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ غصے کے تیز ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں غصے کا تیز ہوں۔ اور اپنی یہ عادت مجھے خود بھی پسند نہیں ہے لیکن غصہ میرے اختیار میں بھی نہیں ہے۔"

"شو بڑے اسکینڈلز تو بہت مشہور ہیں۔ آپ کی آواز کی دنیا میں بھی اسکینڈلز بنتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ اس فیلڈ میں بھی اسکینڈلز بنتے ہیں اور بعض اوقات تو بندہ اسکینڈلز کو انہوائے کرتا ہے۔ اکثر لڑکیاں کہتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ یا اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا مگر اب وہ میری بات نہیں سنتا۔ تو مجھے میں تو ان کو چانتا بھی نہیں ہوں۔ میں شادی کا وعدہ کیسے کر سکتا ہوں۔"



میرے پاس بہت کام ہے۔ کسی سیریز یا ڈرامہ پر روشنی نہیں ہے تو کوئی سیریز آئی ہے تو آپ تو کچھ ہی دیکھ رہی ہوں گی۔

”ہاں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ بس نے نہ یہ عل“ ہم نے دیکھی ہے۔ آن ایر ہے اور بہت مختلف رول ہے تمہارا دیکھ کر مجھے گھنے کروا رہا ہے اور میں سلوکی میں بھی تمہارا رول اچھا تھا مگر یہ بتاؤ کہ تم غائب کہاں ہو گئی تھیں“

”میں ڈرامہ سیریل مندی کرنے کے بعد بیرون ملک چلی گئی تھی اور بیرون ملک جانے کا مقصد اپنی تعلیم کو مکمل کرنا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں پاکستان آئی اور جب میری گورنر کی خیر سب کو ہوئی تو یقین کریں کہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔“

”آپ نے پاکستان آکر سب سے خود رابطہ کیا یا ویسے ہی سب آپ کی آمد کے منتظر تھے؟“

”جب میں پاکستان آئی تو شوہر کے لوگوں نے جن کے ساتھ میری اچھی خاصی دوستی ہے ملاقات ہوئی تو سب کو پتہ چل گیا کہ میں پاکستان آچکی ہوں تب پھر ڈائریکٹر اور پروڈیوسرز نے مجھ سے رابطہ کیا اور پوچھا کہ آپ کام کریں گی۔ میں نے کہا Why not اور بس تو پھر یہ خبر پھیلنے لگی کہ عائشہ خان آئی ہیں اور

مجھے اپنی وی کے ڈراموں سے ہی فرصت نہیں ہے تو فلم میں جھلا کیے جا سکتی ہوں۔“

”اور فرصت مل جائے تو؟“

”جو بھی نہیں۔ ہاں شعیب منصور کہیں کے تو ان کی فلم میں ضرور کام کروں گی۔ ورنہ نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے اونٹ پانگ فلموں میں کام کرنے کا۔ میں تو کمرشلز میں کام نہیں کرتی حالانکہ کمرشلز میں ٹھیک ٹھاک پیسے ملتے ہیں۔ کمرشلز میں کام کرنا مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں ہے۔“

”لوگ کہتے ہیں غم میں کچھ غور آگیا ہے۔ بات ہی نہیں کرتیں۔“

”غور کیا؟ نہیں اللہ نہ کرے۔ غور کس بات کا۔ شہرت تو آئی جانی چیز ہے اور یہ کام بھی ایک طرح سے غم سے اور میں بھی غم میں ہی گزار رہی ہوں۔ اور یہ کس نے کہا کہ میں بات نہیں کرتی۔ آپ بتائیں کہ کبھی ایسا ہوا کہ آپ کا فون آیا ہو اور میں نے بات نہ کی؟“

”جی ہاں۔ اور یہ سیریز میں بھی بہت سی باتیں تھیں۔“

”ابھی بھی ٹھیک ہیں اور غم بھی کتنے غائب۔“

”اب اجازت دو تمہاری ٹی وی فلمز دیکھ کر کان کنوں گی۔“

”ابو کے ڈرامے۔“

عائشہ خان

عائشہ خان جب اس فیلڈ میں آئی تھی تو ہم نے ان کا انٹرویو کیا تھا پھر ہوا اور ان کے منتظر سے غائب ہو گئیں۔ پتہ یہ چلا کہ عائشہ نے یہ فیلڈ چھوڑی ہے۔ اب کچھ عرصے سے یہ قوت کے ساتھ ڈراموں میں نظر آ رہی ہیں۔ سوچا کہ کچھ بارہ باتیں ہو جائیں۔

”ایسی ہیں عائشہ اور فیلڈ میں دوبارہ آمد کو سب سے وہ حکم کیا ہے۔ آپ کو خود کہا رسپانس ملا ہے؟“

”مجھے بھی بہت اچھا رسپانس ملا ہے۔ لوگوں نے میری آمد کو پسند کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب آنٹل

”اس کا احساس تو مجھے بھی ہو رہا ہے کہ میں ہر وقت اسکرین پر ہوتی ہوں۔ دراصل ہونا یہ ہے کہ ہر ٹیلی ویژن سے سیریل چنانچہ شروع ہو جاتے ہیں۔ سارا ریکارڈ کیا ہوا ہاں باہر آجاتا ہے اور پھر جب وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو ٹیپ آجاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ جب میں غائب ہوتی ہوں تب کوئی نہیں پوچھتا۔ مگر جب آ رہی ہوتی ہوں تو سب ہی کہتے ہیں کہ کیا بات بہت نظر آ رہی ہے۔“

”بزرگے زمانے میں بارہ پندرہ اقساط کے سیریل اور طویل ڈراموں کے کھیل ہو کر تھے اب ”سوپ“ کا رول چل رہا ہے۔ تمہیں کیا پسند ہے؟“

”پسند تو مجھے نئی چیزیں ہیں لیکن سوپ سے مجھے اب چڑسی ہو گئی ہے کیونکہ اس میں نام بہت لگتا ہے کئی نئی سوا اقساط پر مبنی سوپ ہوتے ہیں۔ سیریل اور طویل ڈراموں کے کھیل جبیں اب ہم اپنی فلم کہتے ہیں مجھے اچھے لگتے ہیں اس لیے اب میں نے سوچا ہے کہ زیادہ سیریل فلمز اور سیریز میں کام کروں گی۔“

”جی ہاں۔ اور یہ سیریز میں بھی بہت سی باتیں تھیں۔“

”ابھی بھی ٹھیک ہیں اور غم بھی کتنے غائب۔“

”اب اجازت دو تمہاری ٹی وی فلمز دیکھ کر کان کنوں گی۔“

”ابو کے ڈرامے۔“

”آجھا۔“ کچھ بڑاؤ ان کے بارے میں۔“

”بھید بھانوں۔ میں لڑکی لڑکے کا کردار ہے۔ اس میں لڑکی کو اپنے لڑکی ہونے پر شرمندگی ہوتی ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ لڑکا بن جائے اور لڑکا بن کر عیش و عشرت کی زندگی گزارے اور حسینہ میں یہ لڑکی کی حسین لڑکی کا کردار ہے۔ دونوں ہی بہترین ہیں۔“

”تم خوبصورت اور اہمات ہو۔ فلم کی فیکانڈری پوری اترتی ہو۔ جانے کا ارادہ ہے؟“

”نہیں لگی۔ لی حال تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”ساراؤن کی مشق کے بعد گھر آتے ہیں تو کیا خواہش ہوتی ہے۔“

”میں کہ کوئی مجھ سے زیادہ بات نہ کرے بلکہ میں جو چیز کو ترسا ہوا ہوں تو مجھے سونے دیا جائے۔“

”کبھی ڈیپ ریٹرن ہوا؟“

”بہت مرتبہ۔ ایسی حالت میں میں گھر سے چلا جاتا ہوں اور مجھے بھوک بہت زیادہ لگتی ہے یعنی میں کھانا بہت ہوں۔“

”لوگ تعریف کرتے ہیں یا تنقید؟“

”یہ سچ ہے کہ لوگ میری تعریف ہی کرتے ہیں۔ میری آواز کی بھی بہت تعریف کرتے ہیں اور میرے یونٹ کے انداز کو بھی لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔“

”اور کوئی خاص بات جو آپ بتانا چاہتے ہوں۔“

”ہاں جی۔ ایک خاص بات کہ نومبر کے مہینے میں ہی میری بہنوں کی سالگرہ ہوتی ہے اور نومبر کے مہینے میں ہی میری بھی سالگرہ ہوتی ہے۔ جبکہ ایسا شاندار ہونا ہے کہ سب بہن بھائی ایک ہی مہینے کی پیدائش ہوں۔“

”واقعی ایسا بہت کم ہوتا ہے اور ایسا تب ہوتا ہے جب سب بہن بھائی ایک ساتھ دنیا میں آئیں۔“

ماہرہ خان

”کبھی ہو رہا؟“

”اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“

”بہت دینی ہوتی جا رہی ہو۔ کیا کھائی پیتی نہیں ہو۔“

”آپ مجھے اسارت کہہ سکتی ہیں۔ دینی نہیں کہہ سکتیں۔ کھانا پیتی تو میں ہوں۔ مگر مصروفیات کی وجہ سے کبھی کبھی افرا تقری میں کھانا پڑتا ہے۔ تو کبھی کم کھانا کبھی زیادہ ویسے آپ کہہ رہی ہیں کہ مجھے خیاں رکھنا چاہیے تو ابو کے اپنا خیال رکھوں گی۔“

”لگتا ہے کام بھی بہت زیادہ کرنے لگی ہو۔ تب ہی تو ہر ڈرامے میں نظر آ رہی ہوتی ہو۔“

جنوری 2008 کے شمارے
کی ایک جھلک

خواتین ڈائجسٹ

خواتین ڈائجسٹ جنوری 2008 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے



www.pkdigest.com

- ”ہم سفر“ فرحت اشتیاق کا مکمل ناول کی آخری قسط
- ”پچھرا سال آیا“ معروف شخصیات سے سروے
- مشہور فنکار ”ایوب کھوسہ“ سے ملاقات
- ”سحر ہونے کو ہے“ راشدہ رفعت کا مکمل ناول
- ”صرف اسی کے لیے“ آسیہ رزاقی کا مکمل ناول
- کران کران روشنی باغیچاتی ازرواجی لکھنئیں اور دیگر دلچسپیاں
- فاخرہ افتخار اور شمیمہ عظمت علی کے ناول
- رفعت دہاویوں، صبا نور اور ارشدہ غنیمت علی کے ناول

خواتین ڈائجسٹ جنوری کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔



وہ بھی دیکھیں کہ کتنا مزہ آتا ہے گھر میں فضول وقت گزار کر تھکنے سے تو بہتر ہے کہ بندہ کام کر کے آئے تاکہ پتھہ حاصل تو ہو۔“

”آپ نے بتایا کہ آپ بڑھنے کے لیے ملک سے باہر گئی تھیں۔ آپ کیا پڑھ کر آئی ہیں؟“

”میں نے آرٹیکلنگ اور انٹرن ڈیکوریشن میں ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ اور اس کو ان شاء اللہ پریکٹیکل ٹائٹل میں بھی استعمال کروں گی۔“

”اس ٹیٹل میں آنے کے لیے خوبصورتی کا حصہ کتنا ہے؟“

”خوبصورتی ایکسٹرا کوٹنگی ہے اصل خوبصورتی تو آپ کی صلاحیت ہے۔ اگر آپ کے اندر اداکاری کے جو اہم نہیں ہیں تو خوبصورتی کتنی دیر چلے گی۔ آخر آپ کو لوٹ کر گھر واپس جانا پڑے گا۔“

”شہرت کیسی لگتی ہے؟ پچھلے جانے پر کیا احساسات ہوتے ہیں؟“

وہ کام کرنے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔“

”پاکستان آنے کے بعد کون کون سے میٹرز کن آئے آپ کے ہیں اور کن پر مزید کام ہو رہا ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ پہلا سیریل ”مقدس“ چلا تھا جو میں نے لیا تھا۔ اس کے ساتھ لیا تھا۔ اس کو لیا تھا۔ اس نے ڈائریکٹ کیا تھا اور ہالیوڈ محبوب نے پروڈیوس کیا تھا اس کے بعد من و سلوٹی چلا اور اب اسے شہ دل کن آئے ہے اور مزید ہو کام ہو رہا ہے اس میں یا سرنو اڈ کا سیریل ہے جاوید قاضی صاحب کا سیریل ہے۔ کچھ کے لیے بات چل رہی ہے۔“

”اچھا خاصا کام آپ کر رہی ہیں۔ گھر والوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوتا۔ گھر والوں کو ٹائم دے پاتی ہیں۔“

”شہرت کا ان مزو اور ان ہی نشیبی عمر میں اس وقت حاصل ہوا ہے۔ آپ اپنی صلاحیت کے ساتھ آپ کو منوائتے ہیں لوگ پچھاتے ہیں عزت کے ساتھ بلاتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے اور آپ نہیں کریں کہ اتنے سال گزرنے کے باوجود میری پہچان ”مہندی“ سیریل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سیریل مقبول بھی ہے اتنا ہوا تھا۔“

”ہائینگ چل رہی ہے؟“

”ہاں۔ مگر کم۔ کیونکہ بڑے میزراہم نہیں ہے مجھے اداکاری کا جنون ہے اور فن جنون ہو گا لگتا ہی زیادہ اچھا میں پر فارم کر سکتی گی۔“

”باہر کے خوبصورت ملکوں میں جا کر پاکستان آنے کے لیے دل مچلتا ہے یا وہیں رہنے کو دل چاہتا ہے؟“

”اگر وہیں رہنے کو دل چاہتا تو شاید میں اپنی تعلیم مکمل کر کے باہر آتی ہی جا رہی ہوں اور مزے کی زندگی گزار رہی ہوں۔ لیکن پاکستان ہمارا ملک ہے اس لیے باہر کی خوبصورتی نہیں اس لیے ملک کی آزادی کے لیے دل مچلتا ہے اس لیے ہی واپس آئی ہوں۔“

”اچھا خاصا کام نہیں ہے بس کام ہے۔ ورتہ تو لوگ مجھ سے زیادہ کام کر رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اس ٹیٹل میں جو لڑکیاں ہیں۔ وہ تو بہت زیادہ کام کر رہی ہیں۔ جہاں تک گھر والوں کی بات ہے تو میرے والدین نے مجھے اجازت دی ہوئی ہے۔ ہاں وہ اگر کہیں گے کہ کام نہیں کرو یا کم کرو تو پھر یقیناً ”میں ایسا ہی کروں گی۔“

”آپ تھک نہیں جاتیں کیا؟“

”کام کوئی بھی ہو خواہ چاب ہو یا کچھ اور جس میں مصرت ہوگی سکتی تو ہوگی۔ اور مصرت کا جو ریشہ لگتا ہے

جاہلی علی

شاہین رشید



بھی شامل تھے۔ ہمارے خیال میں۔ خیر اب باہر علی کی بیوی میں وہی ہو چکی ہے اور یہ کئی ڈراموں میں کام کر رہے ہیں باہر علی کی شخصیت میں شہزاد اور پروباری ہے جو ان کو دوسرے فنکاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

”کیا انہیں سے ہی اداکار سینے کی خواہش تھی جیسا کہ عموماً فنکاروں کو ہوتی ہے؟“ ہم نے پہلا سوال کیا۔

”جی ہاں“ عموماً فنکار لوگ یہی کہتے ہیں کہ ہمیں تو بچپن سے ہی شوق تھا اداکار بننے کا۔ اور اسی لیے ہم اداکار بن گئے۔ جبکہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہے میں نے تو بچپن میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے کیا بننا ہے۔ تو بچپن سے ہی اداکاری کے میدان میں گئے۔“

”سچ تو یہی ہے کہ اچانک ہی اس میدان میں آ گیا۔ میدان کی بات کی تو آپ کو بتاؤں کہ مجھے بچپن میں کرکٹ سے بہت لگاؤ تھا اور اگر اداکار نہ بننا تو یقیناً ایک اچھا کرکٹر بننا کیونکہ میرے ہم کی سب ہی تعریف کرتے تھے۔“

”کرکٹ میں کیا رحمان تھا تب کا؟“

”پاننگ؟“

”نہیں پاننگ بہت اچھی کرتا تھا اور وکٹ کیپنگ کا بہت شوق تھا۔ اگر کرکٹر بننا تو ان دونوں خوبیوں کے ساتھ بننا۔“

”جس فیلڈ میں آپ جانتے تھے اور جس میں آپ چلے گئے ہیں۔ دونوں میں ہی بہت پیسہ ہے۔ اس لحاظ سے تو آپ کلی ہیں۔“

”جی ہاں۔ بالکل۔ اللہ نے دولت شہرت سب کچھ ہی عطا کر دیا ہے۔“

”آپ اداکار بننا نہیں چاہتے تھے مگر میں گئے۔ کیسے؟“

”بہت سہیل ہی کہانی ہے۔ کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں ورائٹی پروگرام ہو رہا تھا جس میں بیوی کے نامور فنکار اور ڈائریکٹر بھی آئے ہوئے تھے۔ ہمیں اختر کمپنر تھے۔ میں اس زمانے میں ایک خیر نو جوان تھا۔ جب ہمیں اختر کمپنر تک کر رہے تھے تو ان سے ملنے کی خاطر میں اسٹیج پر چلا گیا۔ مگر مجھ سے کچھ زیادہ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ اب اتفاق دیکھیں کہ میرے لئے یہ سب کچھ نوٹ کر لیا اس پروگرام کا جب پرومو جلا تو مجھے بھی دکھایا گیا۔ اب یہ نہیں کہ قاسم جلالی اور حیدر رام رضوی کو مجھ میں کیا نظر آیا کہ انہوں نے اس پروگرام کے حوالے سے مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ اور اس طرح میں اس فیلڈ میں بغیر کسی منصوبے کے آ گیا۔“

”جب آپ سے رابطہ قائم کیا گیا تو آپ کے کیا خیالات تھے؟“

”بچپن میں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ قاسم جلالی صاحب نے بلایا یا میں پھر انٹیشن لیا اور کہا کہ ہم ایک تاریخی سیریل کر رہے ہیں۔ اس کے ایک اہم کردار ”محمد بن قاسم“ کا رول آپ سے کروائیں گے۔ میری تو خوشی کی انتہا نہیں تھی۔“

”آپ نے کہا نہیں کہ آپ کو اداکاری نہیں آتی؟“

”کہا مگر انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا کام ہے۔ اس زمانے میں میرے ہاں بھی لے جے تھے اور اس زمانے کے لوگوں میں ہاں لے کر لینے کا فیشن تھا۔ اس لیے شاید میں ان کو اس کردار کے لیے فٹ نظر آیا۔“

”بلکہ“

”سیریل بہت کامیاب رہا۔ اس کے بعد محمود خاور مرحوم کا سیریل ”گول“ کیا اور پہلے ہی سیریل نے میرے لیے راستے ہموار کر دیے۔ اس کے بعد حیدر رام رضوی کا سیریل ”ننگے پاؤں“ کیا اور میں۔“

”پھر جمل سو پھل“ والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گھر والوں نے مخالفت کی؟“

”جب تک میں ڈراموں میں کام کرتا رہا کوئی مسئلہ نہیں ہوا کیونکہ میں نے ڈراموں میں بہت اچھے رول کیے تھے ہاں جب فلم کی طرف قدم بڑھایا تو والد صاحب نے اعتراض کیا۔ اور اعتراض بھی ہوئے مگر پھر مان گئے اور کچھ نہیں کہا۔ بس ایک بات کی شرط رکھی کہ رات تو بچے کے بعد گھر سے نہیں لکھنا اور ٹوبے تک گھر پہنچ جانا ہوگا۔ اور میں نے ایسے ہی کیا۔“

”پہلی فلم کون سی تھی گیاریا سائنس ملا تھا؟“

”پہلی فلم ”پینا“ تھی جو کہ سید نور صاحب نے بنائی تھی اور میں پہلی ہی فلم میں ہی ہوا تھا۔ فلم بے حد کامیاب ہوئی تھی اور بہت ہی اچھا ریپانس ملا تھا۔ یہ فلم میں پہلی کامیابی تھی۔ پہلی میڈمی تھی اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک فلمیں ملتی رہیں۔“

”پہلی فلم کس سٹیل ریٹیز ہوئی اور آپ تک کتنی فلموں میں کام کر چکے ہیں؟“

”پہلی فلم 3 مارچ 1995ء میں ریٹیز ہوئی اور تب سے اب تک میں تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار سو کے قریب فلموں میں کام کر چکا ہوں۔“

”آئی وی چھوڑا، فلم میں آئے۔ فلم چھوڑی، آئی وی میں آئے۔ اس کے چھوٹے کیا کہانی ہے؟“

”آئی وی سے فلم کی طرف آیا کہ میں فن اداکاری میں بہت آگے تک جانا چاہتا تھا اور ویسے بھی بہتر آئی وی فنکاری کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ترقی کرے اور خلور اسکرین تک آئے۔ چنانچہ میں بھی فلم کی طرف آیا اور آئی وی میں نے چھوڑا نہیں تھا۔ مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں دے پاتا تھا۔ اور فلم چھوڑ کر آئی وی کی طرف اس لیے آیا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ اب معیاری فلمیں نہیں بن رہی ہیں۔ اس لیے میں نے ٹیپ دیا۔ چھوڑا اسے بھی نہیں۔ جب فلمی مصروفیات کم ہوئیں تو آئی وی سے آفرز آنا شروع ہوئیں اور آپ تو آپ کو یہی ہے کہ کتنا کام کر رہا ہوں۔“

”دو تین سال آپ فلم انڈسٹری سے غائب رہے۔“



Biryani...Mazedaar
Tikka Boti...Shandaar

Tempting Taste



Complete Range available at your Nearest Store.

For Trade Enquiries call us at 111 JAYSON (111 529 799)

<http://jaysonfoods.com>

اچھا فیڈ بیک مانا اصل میں شائقین بھی آپ سے پسندیدہ فنکاروں کو مختلف روپ میں دیکھنا پسند کرتے ہیں اس لیے میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ باہر علی ایک جیسے رول کرتا ہے بلکہ یہ کہیں کہ باہر علی کے کرداروں میں وراکتی ہوتی ہے۔

”انڈین فلموں میں کام کرنے کی پیشکش ہوتی ہے؟“
”نہیں گی۔“
”ہارے آپ جیسے ٹاپ کلاس ہیرو کو آفر نہیں آتی؟“
”سچ کہہ رہا ہوں کہ پیشکش نہیں ہوتی۔ اور اگر ہو بھی تو میں چاہتا پسند نہیں کروں گا اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ مجھے آفر نہیں ہوتی اس لیے میں ایسا کہہ رہا ہوں بلکہ میں تو کام کرنا ہی نہیں چاہوں گا۔ کیونکہ مجھے یہاں اپنے ملک میں بہت کام ہے۔“
”آخر میں کبھی گھنٹا آرٹ فلمیں بھی بن جاتی ہیں۔ آرٹ فلموں کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟“

”ہاں ایسا اندازہ ہوا کہ ہمارے آرٹ فلموں کو پسند کرنے والے لوگ آرٹ فلموں کی اپنی ہی کلاس ہوتی ہے اگر مجھے کبھی کسی آرٹ فلم میں کام کرنے کا موقع ملتا تو ضرور کروں گا۔“
”ہندوستان اور پاکستان میں آپ کے پسندیدہ فنکار کون ہیں؟“

”ہندوستان میں ایک ہی فنکار ہے نصیر الدین شاہ جو آرٹ فلموں کا بہترین فنکار ہے ویسے بھی مجھے اس کی پرفارمنس بہت اچھی لگتی ہے۔ شہناز اعظمی بہت اچھی فنکار ہیں۔ اور پاکستان میں کسی ایک کا نام لینا دو سرے کو ہاراض کرتا ہے۔“

”اب تو آپ بہت زیادہ جانی بچالی شخصیت ہیں“
”ملک سے باہر کیا صورت حال ہے؟“
”پاکل ٹھیک کہا آپ نے۔ اپنے ملک میں تو کسی بھی حلقے میں چلے جاؤ لوگ پہچان گیتے ہیں جبکہ باہر پہچان کا تناسب ذرا کم ہے لوگ پہچان دیتے ہیں مگر

اب وہی آپ نے اس طرف قدم رکھا ہے۔ اب کیا تبدیلیاں آئی ہیں؟“
”میں بی وی اور فلم دونوں کا فنکار ہوں۔ میں پھر فلم کی طرف واپس آیا ہوں اس لیے کہ میں اچھے لوگوں کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی سزا بھائی ہو سکے ویسے بھی آپ نے دیکھا ہو گا کہ اب پبلک کے مقابلے میں فلموں کا معیار کچھ بہتر ہو گیا ہے۔“
”آپ نے اردو اور پنجابی فلموں میں کام کیا۔ کہاں زیادہ مزہ آیا؟“

”مزہ کی تو بات چھوڑیں۔ پنجابی فلموں میں بھی کام کر کے اچھا لگا اور اردو میں بھی۔ مگر اردو میں زیادہ اچھا لگا کیونکہ پنجابی فلمیں حقیقت سے دور ہوتی ہیں۔“
”آپ اس فیلڈ میں کافی کام کر چکے ہیں اور کافی تجربہ بھی حاصل کر لیا ہو گا۔ ہمارے کئی فنکار ریٹائرمنٹ کے بعد یا اس فیلڈ کو اپنا پروفیشن سمجھ کر ریٹائریشن کی طرف آجاتے ہیں۔ آپ کا بھی ایسا کچھ ارادہ ہے کیا؟“

”جی ہاں۔ بالکل میرا بھی ایسا ہی ارادہ ہے لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد نہیں کیونکہ ابھی ریٹائرمنٹ میں بہت وقت باقی ہے میں تو منتظر یہ اس فیلڈ میں آنے والے ہوں۔ بحیثیت پروڈیوسر کے نہیں بحیثیت ڈائریکٹر کے نور ایک اچھی سی فلم بنانے کا ارادہ ہے جس کی ڈائریکشن میں خودیوں گا۔“

”کبھی ٹیکسٹو رول بھی کیے آپ نے؟“
”کبھی؟ کیا مطلب ہے؟ میں تو ٹیکسٹو رول کر رہا ہوں مگر فلموں میں۔ اب بی وی میں بھی ٹیکسٹو رول کرنے کا ارادہ ہے اور مجھے شوق ہے کہ میں ٹیکسٹو رول کروں کیونکہ اس میں کافی چیلنج ہوتا ہے۔ پرفارمنس کا باہر جن کا ہونا ہے۔“

”آپ کہہ رہے کہ آپ نے فلموں میں ٹیکسٹو رول کیے ہیں۔ کن فلموں میں کیے اور کیا فیڈ بیک ملا آپ کو؟“
”میں نے جاوید شیخ کی فلم ”یہ وہی آپ کا ہوا“ میں اور ”مندی واگے ہاتھ“ میں ٹیکسٹو رول کیا اور مجھے

Butterfly®

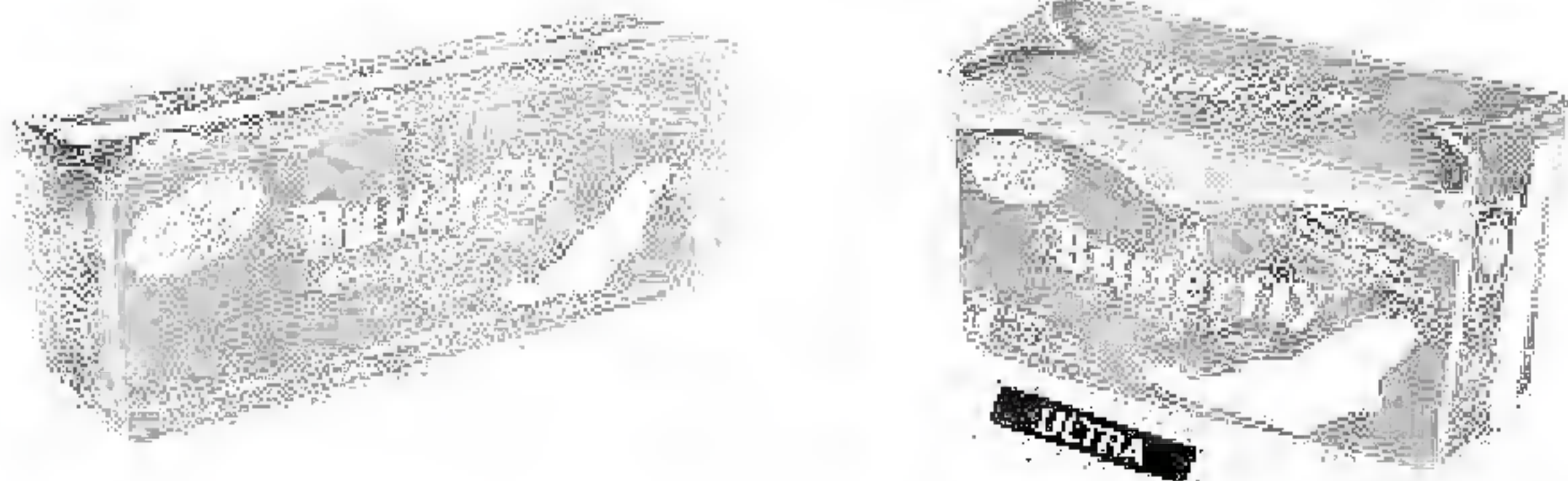
← LONG →

ڈریس ڈیزائننگ کا ڈیزائننگ کروہ واحد نیکیکن

آپ کے لباس کو آرام دہ بنانے میں ڈریس ڈیزائننگ کا کام کرنا ہے
اسی لئے ہم نے بیٹر فلائی ← LONG → نیکیکن کو ماہر ڈریس ڈیزائننگ
سے ڈیزائننگ کرایا ہے

بجٹ میں ← LONG → نیکیکن میں اس طرح اضافہ کیا ہے
کہ یہ استعمال میں اتنی آرام دہ ہو اور آپ کو سائڈ لیجنگ کا کوئی امکان نہ ہو۔
وٹنگ والے بیٹر فلائی ← LONG → نیکیکن میں پلپ کے ساتھ ہانگی
ایزارب جیل بھی استعمال کیا گیا ہے تاکہ بھاری دنوں میں دو نیکیکن کی جگہ
ایک ہی نیکیکن بھر پور جذب کر کے مکمل تحفظ فراہم کرے۔

Butterfly... Protection you can trust...



Noorani

ہے اور سفارش ایک مرتبہ چلتی ہے۔ سفارش سے
ایک مرتبہ تو اس فیلڈ میں آجائیں گے مگر جب آپ
میں فیلڈ ہی نہیں ہو گا تو چون آپ کو بار بار مریج سے
گا اس لئے انسان کا یا صحت ہونا ضروری ہے۔

”اب تھوڑا سا زانی زندگی کے بارے میں بتائیے کہ
کب کہاں جتم لیا۔ کہاں سے تعلیم حاصل کی؟“
”میں کیم مکی کو کراچی میں پیدا ہوا۔ ویسے ہمارا
تعلق سیالکوٹ سے ہے۔ میں نے گلستان شاہ
عبداللطیف بھٹائی اسکول سے میٹرک کیا اور پھر میٹرک
کانج سے انٹرمیڈیٹ کیا اور اس کے بعد کراچی یونیورسٹی
سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔“

”آپ پر حال میں سے تھے اور میں بھائی آپ کے
کتھے ہیں آپ کا میٹرکون سا ہے؟“
”پر حال میں اچھا تھا۔ اس لئے جب بچپن میں
شرار میں کرتا تھا تو زیادہ ڈانٹ مار نہیں پڑتی تھی اور
بہنوں بھائیوں میں میرا نمبر آخری ہے تو کسے ہم پرانچ
بہن بھائیوں اور سب شامی شاد ہیں۔“

”چلیں اور بتائیں کہ فیس کے حوالے پر
”فصلہ ایک فطری عمل ہے لہذا مجھے بھی فصلہ آنا
ہے۔ مگر بہت پر نہیں۔ اس وقت بہت فصلہ آتا ہے
جب کوئی بلاوجہ بھونٹا ہوتا ہے۔ مجھے بھونٹ سے
تخت نفرت ہے۔“

”فارس اوقات میں کیا کرتے ہیں؟“
”فارس اوقات ملتے ہی کہاں ہیں اور اگر قسمت
سے کبھی وقت مل جائے تو پھر میری کوشش ہوتی ہے
کہ وہ وقت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاروں۔“

”اور اب آخری سوال کہ اس ساری کامیابی کا
گریڈ کس کو دیں گے؟“
”صرف اور صرف والدین کو۔ کیونکہ وہ اگر مجھے
سپورٹ نہ کرتے تو شاید میں کج اس مقام پر نہ
ہوتا۔“

”اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔“

انہیں کفر میں نہیں ہوتا کہ یہ میں ہی ہوں۔ لی وی کے
حوالے فنکار زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ
پاکستانی چینل جو میاں ہم کو دیکھتے ہیں باہر بھی دیکھے جاتے
ہیں اور ہمارے ڈرامے بھی ملتے ہیں تو لوگ ڈراموں
کے حوالے سے پہچان لیتے ہیں۔“

”ملک سب سے باہر ہمارا ڈرامہ کیا اب بھی مقبول
ہے؟“

”میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ہمارے ڈرامے اب
بھی شوق سے دیکھتے ہیں بے شک وہ بے والی ہوت
نہیں رہی لیکن اب بھی ہمارا ڈرامہ شوق سے دیکھا
جاتا ہے۔ اور لوگ ڈرامے دیکھتے ہیں تو ہمیں پہچانتے
ہیں اگر نہ دیکھتے ہوتے تو کون ہمیں پہچانتا۔“

”اس مقام تک پہنچنے کے لئے کتنی محنت کرنا
پڑی؟“

”کج جو مقام اللہ تعالیٰ نے مجھے پایا ہے اس تک
پہنچنے کے لئے لوگوں کو بہت محنت کرنی پڑی ہے لیکن
اللہ کا کواکھ شکر ہے کہ مجھے اس مقام تک پہنچنے کے
لئے کوئی خاص محنت نہیں کرنا پڑی۔ میں نے جو
چاہا حاصل کیا۔ میں جب ہیڈ آف تھا تب بھی کامیاب تھا۔
ڈراموں میں آیا تو کامیابی ملی۔ فلموں میں گیا تو اللہ نے
وہاں بھی کامیابی دی۔ تو میں اپنے رب کا بہت شکر گزار
ہوں کہ اس نے مجھے مسلسل کامیابیاں دیں اور وہ
رہا ہے۔“

”عموماً خاندان کا ایک بڑا حصہ اس فیلڈ میں آجائے تو
پھر وہ اپنے خاندان کے سب ہی بندوں کو لے آتا ہے۔
آپ کے علاوہ کون سے اس فیلڈ میں؟“

”کوئی نہیں۔ کیونکہ جب میں اس فیلڈ میں آیا تو
مجھے تھوڑی سی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر سب
سٹ ہو گیا اور اگر کسی کو شوق ہوتا اور وہ آتا تو جس
طرح مجھے تھوڑی سی مخالفت کے بعد سپورٹ ملی اسے
بھی ملتی۔“

”اس فیلڈ میں خوبصورتی چلتی ہے یا سفارش؟“

”خوبصورتی ایک سٹریٹ اسٹ ہے۔ فیلڈ ہمیشہ چلتا

عزت و شہرت



ڈاکٹر شہزاد اور حرا کے جوڑے کو پورے خاندان میں آسٹریڈل حیثیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر شہزاد ایک نیک دل اور منجھے ہوئے سائیکاٹرسٹ ہیں۔ بچکے بچے اور اطفال کی کنسلٹنگ میں ان کا نام کیونکر ہے۔ عمر اور عادل کے خالص صورت قلم کار یا ان کے گھر کی رونق ہیں۔ ڈاکٹر شہزاد کے پاس ایک مشکل لیکن دلچسپ کس آگاہ ہے۔ وہ اس عورت کو یہ جان جاتے ہیں۔ انہوں نے اسے ایک بار ارباب میں دیکھا تھا اور اس کی عجیب و غریب حرکتوں نے انہیں چونکا دیا تھا۔ یہ کس ایک ایسی عورت کے متعلق ہے جس کی ہر گز حالت اور کئے دن نہیں ولے دوڑوں نے اس کے شوہر کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس عورت کا ڈیڑھ بیٹے سیشن میں خاصا حوصلہ شکن رہتا ہے لیکن ڈاکٹر شہزاد کی کوشش سے وہ ان پر اعتماد کر لیتی ہے اور پرت و پرت اپنے ماضی کے واقعات بیان کرتی ہے۔

دکارا حسن اور سارا نے محبت کی شادی کی تھی۔ وقار احمد کی دوسری شادی تھی۔ پہلی بیوی مہر النساء سے جو تار کی خالہ زاد بھی ہے۔ مہر النساء کی زبان درازی اور غیبتی کی وجہ سے اس کے بچے شوہر نے اسے طلاق دے دی تو وقار کی ماں نے وقار کو جو جوڑ کر لیا اور مہر النساء سے شادی کر لیں لیکن وقار کے ساتھ بھی اس کی ماں کی سرد قاری نے یہاں سے تار کی کر لیں مہر النساء کے بچے چلی گئی۔ سارا کے پاس ایک بچی یا میں پیدا ہوئی۔ وقار بہت خوش تھے لیکن اجانک مارا کا انتقال ہو گیا۔ اس ماں کی کی بہت غمگین رہی ہے۔ اس کی خدی طبیعت وقار الحسن کو بے حد پریشان رکھتی ہے اسے سنبھالنے کے لیے وقار نے عمدہ سببی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے جو ان کی دوسری سے کی رشتہ دار ہیں اور اپنے بیٹے سے ہوسے ناراض ہو کر ان کے ساتھ

www.pkd



www.paksociety.com

www.paksociety.com

رہ رہی ہیں۔ وقار الحسن کی مستقل پریشانی کو دیکھتے ہوئے خدیجہ بی بی انہیں مہرا النساء کو لانے کا مشورہ دیتی ہیں جس پر وہ ایک لمحے کو چپ رہ جاتے ہیں۔

ایمن کی بگڑتی ہوئی مادیت وقار الحسن کو اندر بھرنی کا مشورہ مان لینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ مہرا النساء سے ان کی دویشیاں نمودار اور جو جو ہیں جیکہ ایک بیٹا باہر پھیلے ہوئے ہے۔

مہرا النساء وقار الحسن کے ساتھ آجاتی ہے۔ وہ وقار الحسن کے سامنے سارا سے اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر بچھا سونگ کرتی ہے وقار الحسن، مہرا النساء کی قربانیوں کو تہ دل سے تسلیم کرنے لگتے ہیں، اس لیے مہرا النساء کے پہلے شوہر کے بیٹے باہر کو بھی اپنے گھر لے آتے ہیں اور اپنے بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے اس کی اور پورے گھر کو مہرا النساء کے حوالے کر کے بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ وقار الحسن کا جانا ایمن کے لیے اذیتوں کے نئے باب کا آغاز ثابت ہوتا ہے۔ تمام مراعات و برائیاں کو باپ کی موجودگی میں حاصل تھیں جیسے کہ گھر کے کاموں کی ذمہ داری اس کے سر پر ڈالی جاتی ہے۔ ایمن، مہرا النساء کے رویے کی اس تبدیلی پر بعد پریشان رہتی ہے۔ ایک کے بعد ایک جرح کا اسے بڑھانی میں بھی سہمت کر دیتا ہے۔ اپنے دل کا حال وہ صرف اپنی بہن انور سے بیان کرتی ہے۔ مہرا النساء سوموار اور جمعہ کے لیے ٹیوٹر طاہر محمود کا بندوبست کر دیتی ہیں جیکہ ایمن کو گھر کی ذمہ داریوں کے باعث بڑھانی میں شدید مشغول کا سامنا ہے۔

میشک کے رزلٹ ہیں نمودار جو ہوشیار نثار میروں سے پاس ہوئیں جیکہ ایمن بھنگل پاس ہو جاتی ہے۔ اس کے دل میں مہرا النساء کے لیے کدورت کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔ خدیجہ بی بی ایمن سے ملنے آتی ہیں تو اسے سارا کا بریلیٹ دیتی ہیں جسے وہ اپنے ہاتھ میں پھین لیتی ہے۔

ناٹوریٹی مشکی میں ایمن کو مدعو کرتی ہے تو اس کا کرن عفتان اس کی معصومیت اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر پسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بات مہرا النساء کے علم میں آجاتی ہے۔ مہرا النساء اپنے ایک رشتہ دار کی آمد پر کہہ عالی کرنے کا حکم دیتی ہیں۔ ایمن کے انکار پر نمودار جو جو اس کا تمام سامان اٹھا کر باہر بھٹک دیتی ہیں۔ ساتھ ہی تیز بارش کا خیال کیے بغیر مہرا النساء ایمن کو گھر سے نکال دیتی ہیں۔ ایمن محض مہرا النساء کو اپنے باپ کی نظر میں لکھنے کے لیے بغیر ہوتے کچھ گھر چھوڑنے سے منع کا فیصلہ کرتی ہے۔

گھر سے نکل کر تیز بارش میں کوئی امان نہ پاتے ہوئے ایمن ایک گھر میں ٹھہرتی جاتی ہے۔ وہ گھر طاہر محمود کے ہے جہاں وہ اپنے پورے دادا کے ساتھ رہتا ہے۔ باہر ایمن کو زبردستی گھر لے کر جاتا ہے۔ تیز بارش میں وہیں اس کا بریلیٹ گر جاتا ہے۔ جو

دادا جی کو ملتا ہے جسے دیکھ کر وہ بڑی طرح چونک جاتے ہیں۔ یہ بریلیٹ انہیں باقی کی یاد دلاتا ہے۔ طاہر محمود بھی ایمن کے اس بریلیٹ کو پہچان کر اپنی ایمن کو دیکھنے کے لیے ماٹھ لے تو دادا جی، ایمن کو دوبارہ گھر لانے کا کہتے ہیں۔

طاہر محمود باہر کے گھنے پر بہت دقتوں سے ایمن کے کالج میں داخلے کا انتظام کرتا ہے جس پر ایمن مزید رشتے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ تاہم مہرا النساء کے گھانے پر محض مہرا النساء کو بچھا دکھانے کو کالج کا فارم بھردیتی ہے۔ طاہر محمود ایمن کو رکھانے کے لیے دادا جی کے پاس بھیجے کی تجویز دیتا ہے جس پر ایمن فوری وراثی ہو جاتی ہے اور اب ایمن گھر کے تمام کاموں سے کنارہ کش ہو کر مہرا النساء سے دیر بندو مٹا ہے براہ راست آتی ہے۔

پیسے چلنے پر ایمن اور مہرا النساء میں زبردست محروم ہوتا ہے جس پر دادا جی اچھا کر ایمن، باہر کی ہمدردیاں سمیٹ لیتی ہے۔ باہر مہرا النساء کو یاد دلاتا ہے کہ اس کا وقار الحسن سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مہرا النساء، باہر کی خاطر ایمن کے پرہیزگاری سے لائق ہونے کا وعدہ کرتی ہیں۔

ان کے رویے کی تبدیلی سے ایمن کو حیرانی ہوتی ہے۔ ابتدا میں دادا جی کا سخت انداز ایمن کو بے لگ کرنا ہے لیکن بعد میں اسے دادا جی کی شخصیت دلچسپ لگنے لگتی ہے۔ وہ اپنے دل کا بوجھ ان کے پاس آ کر بھگا کرتی ہے۔

کالج میں پہلے ہی روز نمودار جو جو ایمن کی ملاقات لڑکیوں (زنان) سے ہوتی ہے جو انہیں ان کے ایک ایک گھر میں بھاتی جیکہ نمودار اس سے غوراً دوستی کر لیتی ہے۔ ایمن کی بیٹھائی سے بے زاری باہر کو مشغول کر دیتی ہے۔ وہ سر طاہر کو اسے سمجھانے کی ذمہ داری سونپتا ہے۔ باہر طاہر کو ایمن کی خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے۔ باہر سے طاہر کے سامنے لاہر دیا ہے ان کے پر سخت سست

ساتا ہے۔ محمود اور عفتان کے خندے ہوئے برائے مزاجی والدہ اور بیٹی کے ساتھ ایمن کے گھر آتی ہے۔ مہرا النساء ان سب کی آمد کا مقصد ہونے پر بہت اچھی طرح پیش آتی ہیں جن پر ایمن خاصا عزیز ہوتی ہے۔ تاہم تمام معاملہ وقار الحسن کی آمد تک ٹھہر کر دیا جاتا ہے۔ ایمن نے مہرا النساء کی جی جال کھتی ہے۔ وہ شام گھٹنے ہوئے کے لیے دادا جی کے پاس آتی ہے تو طاہر محمود اسے دھوکے سے اندر لے آتا ہے۔ اندر آ کر اسے بتا چلتا ہے کہ اس وقت طاہر محمود کے علاوہ گھر میں کوئی اور موجود نہیں ہے۔

ایمن خوش قسمتی سے طاہر محمود کے بنگلے سے بچ نکلتی ہے۔ طاہر محمود کو اپنی حرکت پر عداوت محسوس ہوتی ہے لیکن وہ بظاہر داخل رہتا ہے۔ ایمن دادا جی کے پاس پڑھنے نہیں آتی تو انہیں تشویش لاحق ہو جاتی ہے۔ طاہر محمود اپنی باتوں سے ایمن کو رام کر لیتا ہے۔

وقار الحسن کی اچانک آمد گھر بھر کو مسرور کر دیتی ہے۔ ایمن ان سے لیا دیا رتے اپنا تکی ہے تو وہ ایمن سے وجہ دریافت کرتے ہیں۔ ایمن جذبات میں آکر اپنے آپ بائیں کوش گزار دیتی ہے جس پر وہ کہتے ہیں اچانک ہیں۔ تاہم وہ مہرا النساء سے اس بہت کچھ دریافت نہیں کرتے تھوڑی ہی دیر بعد ایمن کا رشتہ عفتان سے طے کر دیا جاتا ہے۔ ایمن کے دل کی کلی بھل جاتی ہے۔ ایمن دادا جی اور طاہر محمود کو اپنی مشغلی کے متعلق بتاتی ہے اور یہ جان کر کہ دادا جی کی بیٹی کا نام سارا تھا ایمن بھنگ جاتی ہے۔

مشغلی والے روز سب ایمن کے نوڑے کی تعریف کرتے ہیں جس پر محمود کو جلیا محسوس ہوتا ہے۔ محمود کے علاوہ ایک اور شخص ایمن کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شاید اسے اپنے اندر دیکھنے والے جذبات کا اور ایک نئی وقت ہوتا ہے۔ وہ طاہر محمود چھانچتے ہیں مشغلی کے دل یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ایمن کو پسند کرنے لگا ہے۔ طاہر محمود اپنی فطرت کا مالک ہے۔ وہ کوئی کام مشغول مزاجی سے نہیں کرتا۔ اپنی بد فطرتی سے مجبور ہو کر وہ ایمن اور عفتان میں رنجشیں بڑھاتا ہے۔ ایمن کا معصوم مزاج اس کی عیاراں چھنے میں ناکام ہے۔ وہ اسے اپنا محسن سمجھتی ہے۔ ان ہی دنوں ناناجی ایمن اور طاہر محمود کے ساتھ مل کر عفتان کو تھپتھپاتی ہیں کہ وہ ہی سارا (ایمن کی ماں) کے گھرے باپ ہیں۔ نصابی رشتہ دار کا ہنسر آنا ایمن کو سزاوار ہوتا ہے۔ مہرا النساء ایمن اور طاہر کے بائیں بڑھتی ہوئی بے تکلفی کو اپنے ہی انداز میں سمجھتی ہے۔ ایمن اپنے دل کی تمام باتیں ناناجی سے کہتی ہے۔ مشغلی کے تھپنے کے طور پر طاہر محمود ایمن کو اس کا گھویا ہوا بریلیٹ دیتا ہے جس پر وہ اس کی مشکور ہوتی ہے۔ ناناجی ایمن کو طاہر محمود کے کمرے میں جانے سے منع کر دیتے ہیں جس پر حیران ہونے کے باوجود وہ مان جاتی ہے۔

شاہ میر ایک آوارہ فطرت شخص ہے جو کسی معاملے میں حدود و قیود کا قائل نہیں۔ لندن میں اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے وہ کیتھی کے گھر میں رہائش پذیر ہے۔ کیتھی اور شاہ میر میں دوستی سے پہلے کچھ تعلقات ہیں جس پر شاہ میر کو کوئی شرمندگی نہیں۔ کیتھی اس سے عمر میں خاصی بڑی ہے۔ کیتھی کا باپ پاکستانی تھا جو اس کی کم عمری میں اس کی ماں کو چھوڑ گیا اس لیے اب وہ ہر پاکستانی سے نفرت کرتی ہے۔ شاہ میر کو بھی وہاں تو تھا وہ اس کی اوقات یاد دلاتی رہتی ہے۔ کئی سالوں سے شاہ میر کا پاکستان میں کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اسے اس وقت حیرت ہوتی ہے جب اسے پاکستان سے ایک خط موصول ہوتا ہے۔ یہ خط اسے اپنی طور پر بے حد مضطرب کر دیتا ہے۔ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس کے دوست احمد مال کی کوششوں سے، باغٹ پاکستان سے یہ نامہ آیا ہے۔ وہ احمد عالی سے سخت کچھ میں باہر برس کر آئے۔ ان ہی دنوں جب کیتھی اور شاہ میر کا تعلق تقریباً اختتام پر ہوتا ہے کیتھی اسے ماں بیٹی کی نوید سناتی ہے جس پر شاہ میر کو ہنسنے کا لگا ہے لیکن دوسرے دن ان شاہ میر کیتھی کو شاہ میر کے لیے پرپوز کر دیتا ہے جس پر کیتھی شدید رونا جاتی ہے۔

وہ بہت دیر تک کچھ بھی نہ بول سکی۔
”پہرے۔۔۔ کیتھی۔۔۔ اے اے۔۔۔ ہم شادی کر لیں۔“ شاہ میر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیے۔ کیتھی نے محسوس کیا وہ کانپ رہا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے مرد کو دیکھا جس کے ساتھ اس نے دو سال کا عرصہ گزارا تھا اور جسے چند دن پہلے وہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

وہ سامنے بیٹھا پر امید لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
کیتھی نے اس کی نگاہوں کی عجیب سی کیفیت سے نظریں جڑائیں اور ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔
”لیکن میں تم سے شادی کیوں کر لیں گی؟“
اس نے دھیرے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔
”ہماری کسٹمنٹ ختم ہو چکی ہے۔ تم اپنا سامان باندھ چکے ہو۔ آج کے بعد ہمیں ایک دو ہرے سے نہیں ملنا تھا۔ اگر ہمارے درمیان یہ مصیبت۔۔۔“

”یہ لہجہ۔۔۔ اسے مصیبت مت کہو۔“ شاہ میر نے اسے بے اختیار ٹوکا۔
کیتھی نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اسے لگا وہ ایک بد لگے ہوئے شاہ میر کو دیکھ رہی ہے۔
”میں جانتا ہوں ہمارے درمیان اب کچھ بھی نہیں رہا۔ مجھے اعتراف ہے کیتھی کہ میں بیچھے کچھ عرصے سے تمہارے ساتھ زیادہ اچھا سلوک نہیں کر رہا ہوں۔ میں تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جانے والا تھا مگر کیتھی! قدرت ایسا نہیں چاہتی۔ ہماری تقدیر میں کچھ اور رہا ہے۔ ہمارے درمیان سب کچھ ختم نہیں ہوا۔ ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ یہ جو میرے اور تمہارے درمیان آیا ہے اس میں کیتھی کہہ نہیں سکتے کہ ایک درجے سے دور نہیں ہونا۔ یہ ہمیں دور ہونے ہی نہیں دے گا۔“

وہ تیز تیز لہجے میں بولتا چلا گیا۔ گویا اسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ سامنے بیٹھی عورت کو جس سے کتنے دن شدید نفرت کرنے لگا تھا کیسے قائل کرے۔
کیتھی نے بے حد اکتا کر اپنے چھوٹے سے پرس سے سگریٹ نکال کر اعظمراری انداز میں سلگایا اور اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ سیاہ ریشم کی بوری تھی۔ وہ لہجے لہجے کش بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے لگی۔
”بہت سال پہلے میرے باپ نے ہی ایسی طرح میری ماں کی عزت کی ہوگی۔“
ایک لمبا کش تھر کر دو عورتوں کو گہلی مردانہ کے حوالے کرتے ہوئے وہ تھی سے مسکرائی۔

”اور میری ماں اس کی باتوں میں آکر اس سے شادی بنا بیٹھی۔ اب وہ کہاں سے اور وہ میرا باپ۔۔۔؟“
شاہ میر نے بڑے صبر سے اس کی تکلیف دہ خاموشی کو جھیلنا پھر اٹھ کر اس کے عقب میں اگڑا ہوا اور ایک سنا بانو پھینکی سے پھینکا کر خوب سے قریب کر لیا۔

”عورت مشرق کی ہو یا مغرب کی عزت کا جذبہ ایک سار رکھتی ہے کیتھی! ماں بیٹے کی خوشی بڑی اچھوتی اور انمول ہوتی ہے۔ کیا تم اسے محسوس نہیں کرتا چاہتیں۔“ کیتھی نے بالکل غیر محسوس انداز میں اپنے کے اورتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ گویا اس نے جذبات کو محسوس کرنے کی کوشش کی مگر اندر یا ہر مرد پر فیذا سنا تھا۔
”ہمارے ماں کی عورت لہجہ کن کن کر اس خوش خبری کا انتظار کرتی ہے کیتھی! شاہ میر نے اس کے بالوں میں چھو چھپاتے ہوئے گرفت مضبوط کی۔

”میں تمہارے ماں کی عورت نہیں ہوں شہیر۔۔۔؟“ اس نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور بچا ہوا حصہ گھڑکی سے باہر اچھال دیا۔
”عورت تو ہو۔ کیتھی کیا تمہارے دل نہیں چاہتا ہم ایک گھر بنائیں۔ ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر جس

میں ہمیں تم اور ہمارا بچہ۔“
کیتھی نے اس کی گرفت سے نکلی اور حیزی سے پلٹی۔ اس کی حیز نگاہیں شاہ میر کے چہرے پر جم گئیں پھر وہ پھٹکاری۔
”ہاں ایک دن تم بھی ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ۔ بالکل میرے پاس کی طرح۔ اس نے بھی تو یہی باتیں کی ہوں گی۔“

”سب ایک جیسے نہیں ہوتے کیتھی! شاہ میر نے آہستگی سے کہا۔
”تم میں اس سے مختلف کیا ہے شہیر! کچھ بھی نہیں۔ ہم بالکل ویسے ہی ہو۔ سوچو جب تم ہمیں چھوڑ جاؤ گے اور میں بھی کسی سے شادی نہ لیا جاؤں گی تو اس بچے کا کیا ہوگا۔ پورا چاند کیتھی کی طرح کسی ویلفیئر سینٹر میں لے گا۔“
”ایسا کچھ نہیں ہوگا کیتھی! یہ تمہارے خدشے ہیں اور بالکل بے بنیاد ہیں۔“ وہ بے اس ہو کر بولا۔
”شہیر! تم پارے لڑکے ہو ڈارلنگ۔ ماں نے تمہارے ساتھ اچھا وقت گزارا مگر اب نہیں۔ ہمیں اچھے دوستوں کی طرح جدا ہونا چاہیے۔ سو گڈ بائے ڈارلنگ شہیر۔“
کیتھی نے ایک الوداعی بوسہ دیا پھر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر عقب میں دھکیل دیا۔ گویا اپنے لیے رستہ چاوری ہو۔

شاہ میر کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ ذرا سا لڑکھڑایا پھر گھٹنوں کے بل نیچے گر گیا۔ اس کے بازوؤں نے کیتھی کی ٹانگیں جکڑ لیں۔ کیتھی نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی آہستی گرفت کے ساتھ بولتا چلا گیا۔ وہ رو رہا تھا لول رہا تھا اور کیتھی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔

”میں کیتھی! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ تم اسے نہیں مارو گی۔ وہ میرا اپنا آپ ہے۔ میرے وجود کا حصہ۔ میرے ہونے کا جو ان۔ وہ میرا آنے والا کل ہے۔ میرا مستقبل، میرا نام و نشان۔ تم مجھے بے نشان مت کرو۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ ہے کیتھی۔! میں تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا کہ میں نے تو اپنی جڑیں تمہارے وجود میں گاڑ دیں۔ کہیں اور چلا گیا تو پتھر ہو جاؤں گا۔ میں تمہارے اور اس کے لیے گھر بناؤں گا۔ ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ شاہ میر تم سے وعدہ کرتا ہے کیتھی۔! وہ اسے پال لے گا تم پر بوجھ نہیں بنے گا۔ اسے ختم مت کہو۔ ورنہ شاہ میر ختم ہو جائے گا۔“

کیتھی خود کو چھڑانے کی کوشش میں اسے گالیاں دیتی اور اس کے بال نوچتی رہی مگر شاہ میر کی گرفت کمزور ہوئی اور وہ بولتا بند ہوا۔ یہاں تک کہ کیتھی کو محسوس ہوا وہ پار رہی ہے۔ اس کی مزاحمت دم توڑ رہی ہے۔ آخری کوشش کے طور پر وہ حلق کے بل چلائی۔
”ٹیوٹی باسٹرا۔۔۔“



احمد عالی نے تعجب سے دیکھا۔

وہ اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ نہ صرف موجود تھا بلکہ کام بھی کر رہا تھا۔ احمد عالی کے خیال میں آج اسے نہیں آتا تھا۔ شاہ میر نے جانا تھا وہ بغیر کسی نوٹس کے فیکٹری چھوڑ جائے گا اور آج فیکٹری کیا اسے تو اس شہر میں بھی نظر نہیں آتا چاہے تھا لیکن وہ نہ صرف موجود تھا بلکہ کام بھی کر رہا تھا۔
”کیسے ہو شاہ میر۔۔۔؟“ احمد عالی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

پرسکون، پراعتماد زندگی

Freedom
Get one pouch of
Free
Taste 10 & 20% cost

پرسکون کی زندگی ہے اپنی، یہ زندگی ہے آزادانہ زندگی۔
اپنی عمر کی زندگی ہے پرسکون، یہ زندگی ہے پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون۔
پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون، یہ زندگی ہے پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون۔
اب اپنے زمانے کے گزریں اب کے مخصوص دن

www.pakagest.com

... ہمیشہ کے مسکاتی مقام

پرسکون

پرسکون کی زندگی ہے اپنی، یہ زندگی ہے آزادانہ زندگی۔
اپنی عمر کی زندگی ہے پرسکون، یہ زندگی ہے پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون۔
پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون، یہ زندگی ہے پرسکون اور پرسکون ہے پرسکون۔
اب اپنے زمانے کے گزریں اب کے مخصوص دن

شاہ میر نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرایا۔
”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ احمد عالی نے بہت دنوں کے بعد شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔
”تمہیں تو آج جانا تھا۔“ احمد عالی پوچھے بنا رو نہ سکا۔
”ہاں۔“ اس ایک لحاظ سے وہ کچھ بھی نہ اخذ کر سکا اور شاہ میر کام میں مصروف ہو گیا۔ احمد عالی نے دیکھا
سیر اور ان کی طرف آ رہا تھا وہ اپنی مشین کی طرف بڑھ گیا۔ کام کے دوران بھی اس کا دھیان بھٹک بھٹک کر شاہ میر
کی طرف جاتا رہا جو گین سے انداز میں اپنی مشین پر مصروف تھا۔ آج اس کے انداز میں روزوالا اضطراب نہ تھا
بلکہ عجیب سی طمانیت تھی جو احمد عالی نے پوری طرح محسوس کی۔
”گھر چلیں۔“ آف ہوئے پر احمد نے کہا۔ شاہ میر ذرا سا مسکرایا۔ اس کے کندھے پر تھکی دیتے ہوئے فنی میں
سہلایا۔
شاہ میر کو گھر جانے کی جلدی تھی۔ احمد متعجب سا اسے جاتا دکھتا رہا۔ شاہ میر کچھ دور جا کر پلٹا۔ قریب آ کر کچھ دیر
اپنی بڑھی ہوئی شیو کھانے کے بعد کھٹکھٹا رہا۔
”کیا تم مجھے کچھ رقم ادھار دے سکتے ہو۔ پے ملنے پر لوٹا دوں گا۔“
احمد عالی کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب تک گیا۔ والٹ میں جو کچھ تھا اس نے نکال کر شاہ میر کے حوالے کر دیا۔
”شکر ہے دوست۔“
”شاید وہ یہ قرض لوٹانے بھی نہ آئے۔“ اس نے نظروں سے اوجھل ہوتے شاہ میر کو دیکھ کر سوچا۔ اسے
افسوس اپنی رقم جانے پر نہ تھا۔
”گھر اس نے یہ کیوں کہا پے ملنے پر لوٹا دوں گا۔ کیا وہ مینے کے آخر تک کہنے کا ارادہ رکھتا ہے؟“ ملا بر نے اس
کے سوالوں کا جواب دینے والا جا چکا تھا۔
باہر برف باری ہو رہی تھی اور کیتھی اپنے بستر میں دیکھی مونا کھیل اوڑھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسے گل سے
بٹخا تھا اور شاہ میر نے ساری رات اس کے سر ہاتھ جاگ کر گزارا تھی۔
شاہ میر نے اس کی طلسمی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔
”کیسی طبیعت ہے؟“ بے حد نرم لہجہ۔
کیتھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ تازہ شیو کی نیلاٹھیں اس کے چہرے پر نمایاں تھیں۔ اس کی آنکھیں
نسبتاً ”م سس“ اور چہرہ گزشتہ دنوں کی نسبت قدرے قریش دکھائی دیتا تھا۔
”تم آج دیر سے آئے؟“ وہ گوتہ بدل کر بالکل سپید مٹی لیٹ گئی۔ شاہ میر نے اس کے سر کے نیچے تکیہ لٹک
کیا۔
”تم نے سچ لیا۔ میں لڑا سے کہہ گیا تھا۔“
”ہوں۔“
”کچھ لوگی۔“ وہ لہجے کھول کر حیرت نکالنے لگا۔ کیتھی کے پسندیدہ سینڈویچ پھیل مانی کا ڈیہ ایک خوبصورت
نیلہ گوتہ۔
”تمہارے لیے۔“
کیتھی کی آنکھوں میں حیرت اٹھ آئی۔ انہوں نے گزشتہ دو سالوں سے بہت کچھ شہر کیا تھا لیکن ایک ایک پونڈ
کے حساب کے ساتھ۔
”دیکھیے اچھا لگا۔ سوچا تمہارے لیے خرید لوں۔“

”کتنے کا ہے؟“ کہتی تھی کے منہ سے پچھلا۔
”قیمت کا کیا ہے؟“ تمہیں اچھا لگا۔“
”ہاں۔“ کہتی تھی نے آہستگی سے ہاتھ پھیر کر کوٹ کی نمائندگی محسوس کی۔
”تم مجھے تحفہ دے رہے ہو۔“

”ہمارے ہاں شوہر اکثر بیویوں کو گفٹ دیتے رہتے ہیں۔“ شاہ میر نے خوش گواری لہجے میں بتایا۔ کہتی تھی نے جب جھجلا کر کوٹ ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے ابھی تک شاہ میر سے شادی کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اچانک لگنے والی ٹھنڈ نے اسے بس بڑا ڈال کر شاہ میر کو تارواری کا موقع دے دیا تھا اور وہ اسے یوں منہ جال رہا تھا گویا وہ کوئی شخص کی بیوی ہو۔
”تم میرے شوہر نہیں ہو۔“ وہ تھی سے گویا ہوئی۔
”تم نے شادی کے لیے کون سی تاریخ سوچی؟“ شاہ میر پکن کی طرف جاتے ہوئے پوچھنے لگا۔
”تم سے کس نے کہا میں تم سے شادی کر رہی ہوں؟“

”بہن میں زیادہ مہمان نہیں بلائے۔ تم جانتی ہو میرے پاس کچھ زیادہ سیونگ نہیں ہے۔ بس لڑا لیدی ہار گریٹ احمد علی اور اس کی بیوی۔ تم کسے انوائسٹ کرو گی؟“ وہ پکن ہی سے بات کر رہا تھا۔
”جتنی تم میں جاؤ تم۔“ کہتی تھی چلائی۔

”تم شادی پر کیسا لباس پہنو گی؟“ وہ کافی اور مستند و جڑ سمیت پکن سے ہر آہن ہوا۔
”میں تمہیں یہاں سے دھکے دے کر نکالوں گی۔“ کہتی تھی نفرت سے گویا ہوئی۔
شاہ میر نے نرے ایک طرف رکھی پھر آخری لفافہ نکولا۔ اس میں سے ایک تصویر بے حد احتیاط سے نکالی۔ کچھ لمحے کمرے کی دیواروں کو دیکھنے کے بعد اس نے کلاک اتار کر ایک طرف رکھا اور اسی احتیاط سے تصویر دیوار پر لٹکائی۔ کچھ لمحے بے حد محبت سے تصویر کو دیکھنے کے بعد وہ کہتی تھی کی طرف بٹائی۔

”کیسی ہے؟“
کہتی تھی نے کچھ کہنا چاہا تو وہ دوبارہ گویا ہوا۔
”یہ میں ہوں کہتی تھی۔“
کہتی تھی گرم صدمہ کی تصویر دیکھنے لگی جس میں ایک گول منول سا بچہ صرف نیکر پہنے ٹالاب سے نما کر نکلا تھا۔

”میں شادی کر رہا ہوں۔“
احمد علی کے لیے یہ انکشاف اتنا اچانک تھا کہ وہ حیرت زدہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے شاہ میر کو جھجھوڑ کر رکھ دیا۔
”تم نے کیا کہا۔ تم شادی کر رہے ہو؟“
شاہ میر نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ابھی ابھی احمد کے گھر آیا تھا۔ فاطمہ انہیں کافی اور بیٹو کو کیڑے کر پکوں کو سلاسنے لگی تھی جن کے لیے وہ پھر سارے چاکلیٹ لایا تھا۔
”اوہ شاہ میر! فرط جذبات سے احمد علی کے ہونٹ کا پتھڑے لگے۔ اس نے بے اختیار شاہ میر کو ہنسی بھینچ لیا۔
”تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے دوست۔“
”میں جانتا ہوں۔“
”تو تم اسی لیے اچھے مطمئن اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔“

”اچھا۔ تمہیں ایسا محسوس ہوا۔“ شاہ میر نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔
”میں نے فاطمہ سے کہا تھا شاہ میر کے ساتھ کچھ خاص ہوا ہے۔“
”تم نے کہا تھا۔ تقدیر میری بوائے کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔“
”ہاں کہا تھا۔“ احمد علی نے زور زور سے سر ہلایا۔
”لیکن ایسا تمہیں ہوا۔“ شاہ میر نے کافی کا برتا سا گھونٹ بھرا۔ ”تقدیر نے میری جڑیں اسی سر زمین پر گاڑ دی ہیں۔“

احمد علی نے ٹا سبھی سے اسے دیکھا پھر بس دیا۔
”مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم اپنی بیوی بنانے جا رہے ہو۔“
”تو ٹھیک ہے، اسی بات کو میں اور کہتی تھی تمہارا انتظار کریں گے۔“ وہ خالی گت رکھ کر کھڑا ہو گیا۔
”کہتی تھی۔“ احمد علی نے سر اٹھا کر جب سے اسے دیکھا پھر وہ انگ برا گیا۔
”تم کہتی تھی سے شادی کر رہے ہو؟“
”ہاں۔“ شاہ میر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تم کب سے؟“ وہ کچھ کہتے کہتے رکا پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ شاہ میر سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کمرہ نہ سکا اور شاہ میر اس کی الجھن چاہتا تھا تب ہی آہستگی سے گویا ہوا۔
”پاک باز عورت کی تمنا وہ کرے احمد علی ابو خود پار سا ہو۔“
احمد بمشکل مسکرایا پھر اس نے دونوں ہاتھ شاہ میر کے کندھوں پر رکھے۔
”بہر حال میں خوش ہوں شاہ میر۔“

”میں جانتا ہوں۔“ شاہ میر نے ممنونیت سے اسے دیکھا۔ ”تم میرے واحد دوست ہو۔“
”تمہیں اس بار کسی بیوی ضرورت ہو تو۔۔۔“
”کچھ زیادہ نہیں۔“ وہ تذبذب کا شکار ہوا۔ ”بس شادی کے انتظام کے لیے کچھ رقم۔۔۔ بخدا میں اب نہیں نہیں بھاگوں گا۔ سارا قرض لوٹا دیوں گا۔ دراصل احمد! میں خالی ہاتھ ہوں۔ بہت بڑی عادت ہے میری۔ میں نے کبھی کبھی جوڑ کر نہیں رکھا۔ بری عادت ہے نا۔“

”ہاں تمہیں اب اس عادت سے چھٹکارا پانا چاہیے۔“ احمد علی نے خوش دلی سے کہا۔
”میں چاہتا ہوں کہتی تھی کے لیے سرخ جوڑا بنواؤں۔ میرا خیال ہے وہ دلہن بن کر بیاہی لگے گی۔“
”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ احمد نے تائید میں سر ہلایا۔ ”لیکن کیا وہ سرخ جوڑا بن لے گی۔“
”ہمارے ہاں دلہن کی رنگ پختی ہے۔“ شاہ میر نے سنجیدگی سے بتایا۔
”وہ تمہارے ہاں کی دلہن نہیں ہے۔“ احمد علی کہنا چاہتا تھا مگر کپا نہیں۔
”ٹھیک ہے، تم صبح فاطمہ کو ساتھ لے کر کسی پاکستانی بوتیک پر جائیں گے۔ شاید وہاں تمہاری پسند کا لباس مل جائے۔“

احمد علی واقعی ایک مخلص اور اچھا دوست تھا۔
گھونٹ گھونٹ گرم سوپ اپنے اندر اٹارتے ہوئے کہتی تھی نے شاہ میر کو دیکھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑا آدھی رات کے دھندلے اور ارق پر نجانے کیا لکھ رہا تھا یا وقت کی تحریر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہتی تھی کچھ نہ جان سکی لیکن جیسر جھری ضرور لے کر وہ گئی کہ وہ اس سرو مو سم میں پلکا سا سو پڑے کھڑا تھا۔
”کھڑکی بند کرو شہیر! مجھے سردی لگ رہی ہے۔“ اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

شاہ میر نے فی الفور کھڑکی بند کی اور اس کے قریب آ بیٹھا۔ سوپ کا خالی پیالہ کیتھی کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے کیتھی کی پیشانی چھوئی اور شاش نیچے میں بولا۔

”اب تو تمہارا بخار بالکل ٹھیک ہے۔“
”ہاں۔“ کیتھی نے اس کا ہاتھ بہت عرصے بعد تھما تھا اور بہت عرصے بعد ہی شمیر نے ہاتھ چھڑایا نہیں بلکہ ہولے ہولے سہلانے لگا۔

”تمہارے ہاتھ بہت ٹھنڈے ہیں۔“ کیتھی نے کہا۔
”ابھی گرم ہو جائیں گے۔“
”تم نے اس بیماری میں میرا بہت ساتھ دیا۔“

پچھلے چند دنوں میں شاہ میر نے کیتھی کا جتنا خیال رکھا تھا وہ اس کے سارے نہیں تو آدھے خیالات ضرور تبدیل کر گیا تھا۔ خواہش کی کوئی اس کے اندر ہی سر اٹھانے لگی۔ اگرچہ وہ اس کی خوشبو سے ابھی تک انجان ٹھکی مگر شہر کے بنگاموں سے دور پئی ہوئی گندم کے سنہری خوشوں سے بھرے کھیتوں میں گھرا اک پھوٹا سا گھر یاد آنے لگا تھا جہاں اس کے ماں باپ نے اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بے حد چھوٹے فارم ہاؤس میں وہ سب کچھ میں چند کمیاں اور بہت سی مرغیاں تھیں۔ کیتھی جانتی تھی وہ کھیت وہ گھرا اور وہ فارم ہاؤس اس کے باپ کا نہیں بلکہ ڈانا کا تھا جہاں اس نے اپنے بچپن کا بہت مختصر حصہ گزارا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“
”تمہارے بارے میں۔“ اس نے ہلکا سا تھوٹ بولا۔
”کیا؟“

”تم میری زندگی میں آنے والے عجیب مرے ہو۔“
”اچھا۔۔۔“ وہ لیت گیا اور کمبل ٹانگوں پر ڈالی لیا۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کی تصویر تھی لیکن وہ تصویر میں موجود تھے شاہ میر کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نگاہیں عقب میں موجود درختوں میں گھبرے ٹالاب کے کناروں پر تھیں۔ اسے محسوس ہوا کافی ہنس پائی حرکت کرنے لگا ہے۔ درختوں کی شاخیں ہواؤں کے زور پر لرزاتے لگیں۔ اس نے واضح طور پر ہواؤں کی سرسراہٹیں سنیں۔ کیتھی نے آگے کوچک کر اس کی کھلی آنکھوں میں کچھ پڑھنے کی کوشش کی پھر بے اختیار پوچھا۔

”تم کون ہو؟“
”شاہ میر۔“
”کہاں سے آئے ہو؟“
”پاکستان۔“
”کیوں؟“

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ ترنت نہیں دے سکتا تھا۔ یہاں ہونٹوں پر قفل لگ جاتے تھے۔ اس سوال سے آگے جواب نہیں دینا لگی۔ وہ اس دنگل میں اترتا چلا گیا۔ اس نے کچل کچل بار کیتھی کے سامنے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا۔

”میری ماں میرے باپ کی بچپن کی ٹانگ تھی۔ ہمارے ہاں رشتے یونہی طے ہو جاتے تھے۔ کچھ بھی دیکھے سوتے بغیر۔ عادات خیالات فطرت کی تو بات ہی کیا عمروں کا فرق تک نہ دیکھا جاتا۔ ایک شخص سی بچی کو جوان سال آدمی سے باندھنے کے لیے یہی جواز کافی تھا کہ خاندانی جائیداد باہر نہ جائے۔ خواہ اس کے لیے کسی کے

خداوند کا خون لگی کیوں نہ ہو۔ میرے باپ نے شادی اپنی مرضی سے کی۔ اس کے دھیان کی گرم دھیر میں ماضی کے درجے کھٹ کھٹ چلتے چلے گئے۔

خاندان میں طوفان اٹھا لیکن فائدہ؟ یہ اس خاندان کی پہلی کہانی نہ تھی۔ یہاں پہلے بھی تو خیر جو انہیں رات کے اندر حیروں میں سر جھٹکتے تھے اور بیڑ عمری کی منہ نہیں طے کر رہی تھیں۔ وہ اس خاندان کی پہلی لڑکی نہ تھیں۔ نہ یہ المیہ پہلا المیہ تھا۔

سوچتے میرا باپ تین بچوں کا باپ بن گیا تو اس سے انتہائی گئی کہ وہ خدیجہ بانو کو بھی شرف قبولیت بخش دے اور اس نے یہ عنایت کر دی۔ وہ اسے اپنے گھر نہیں لے کر گیا مگر میرے نھیال والوں کے لیے یہی کافی تھا کہ ان کی بیٹی شوہر والی ہے۔ کنواری بی بی بن کر گھر نہیں آتی تھی۔ اس عینیت کی دین تھا۔ کچھ سال خدیجہ بانو کو برت کر وہ یوں بھولا کہ کبھی اوھر کا رخ ہی نہ کیا۔ کسی کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا مگر میں نے اس عورت کو ساری ساری رات روتے دیکھا تھا۔

وہ سمجھتی تھی میں سوچکا ہوں۔ اس کے آنسو میرا چہرہ بھگوتے رہتے اور میرے اندر نفرت و بغاوت کے وہ بیج بوٹے گئے جو میرے زخمت ہوتے بچپن کے ساتھ ساتھ تنہا دور زخمت بن گئے۔ میں نفرت کی آگ سے نیلوٹیل ہوتا جا رہا تھا جب اس شخص کی پہلی بیوی مر گئی۔ بچے اگرچہ چھوٹے نہ تھے مگر گھر کا انتظام و انصرام بکھرنے لگا تھا۔ تب ہی وہ شخص خدیجہ بانو کو لینے چلا آیا۔ میں نے لاکھ مرچا کہ وہ مت جائیں مگر انہیں نہ مانا گیا نہ ہی گزری ہوئی سفاک راتیں۔ میرا چہرہ ساد محروم بچپن تک بھول گئیں۔ انہوں نے کہا۔

”شاہ میر! میرے ساتھ چلو وہ تمہارا باپ ہے۔ وہی تمہارا اصل گھر ہے۔ سیرت سہی، تمہیں تمہارا چاچا جازم مقام ملنے جا رہا ہے۔ یہاں کیا ہے تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔“ میں نے کہا۔

میرا کوئی بھائی نہیں تھا۔ میرا بھائی تھا اور میری ماں تین جوان بچوں کی ماں بن کر میرے لیے مر گئی۔ میں نے وہ شہری نہیں ملک بھی بچھوڑ دیا۔ مگر گھر بھٹکا ہوں، صحرا صحرا آبلہ پا سفر کیا ہے، بھوک کا عذاب سا مزوری کی مشقت سہی۔ لوگ کہتے ہیں میں اپنے باپ جیسا ہوں۔ انہر بہت قصدی ہوت و حرم شاید ایسا ہی ہو، خون کا اثر تو ہوتا ہی ہے۔ یہ سن کر مجھے تو خود سے ہی نفرت محسوس ہوتی تھی سب ہی اپنے آپ کو تھکا تارہا۔

جنگری گھری پھر اسے فر گھر کا رستہ بھول گیا۔
کبھی واپس جانے کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوئی۔ شاید بے سستی مجھے بھانگی تھی۔ جو کھانا غور ڈاڑا دیا۔ سر چھپانے کا ٹھکانا ملا تو ٹھیک نہیں ملا تو جہاں رات ہوئی وہیں سو گئے لیکن اب میں کھلتے رگا ہوں۔ بھانگے بھانگے گر سا گیا۔ دل چاہتا ہے اب انکر ڈال دوں، کہیں مرک جاؤں، تھوڑا ستالوں۔ کیتھی! دل چاہتا ہے ایک گھر ہو۔“
کہتے کہتے اس کی آواز سرگوشی میں بڑھل گئی۔

”شام بڑھلے گھر لوٹنے کی خواہش میرے قدموں میں بجلی بھر دے۔ میری بیوی دروازے پر میری منتظر ہو۔ مجھے درہ ہو تو فون کر کے پوچھو۔ یہ سب۔ یہ سب۔ یہ ساری خواہشیں اس آئے والے کی بدولت ہیں۔ اس نے مجھے روک لیا ہے باندھ دیا ہے۔“

اس کے لیے میں وہاں جوش پیدا کر دیا۔
”کیتھی! محسوس تو کرو سوچو۔ اس کی کلکاریاں، کھانکھلا نہیں۔ اس کے نرم ہاتھوں کا لمس۔ اس کی معصوم آواز۔“

اس نے دھیرے سے کیتھی کی طرف کرکٹ بدلی۔ وہ پوری آنکھیں کھولے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی پُرجوش ہرگوشیوں نے کیتھی کے وجود میں سنسنی بٹ سی دوڑا دی۔ کوئی تھا جو اس کے اندر کرکٹ بدھنے لگا۔

”وہ مجھے بابا کے گاؤں اور تمہیں مئی۔ کیتھی اُدھیراں میرے سینے پر سر رکھ کر سوئے گا۔ میں کیتھی سے! وہ۔۔۔“
ایک خوش گوار سنڈے کو مقامی چرچ میں وہ دونوں رشتہ ازواج میں بندھ گئے۔ چرچ میں تقریب کیتھی کی خواہش تھی جس پر شاہ میرے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیتھی اپنے روایتی سفید لباس میں اپنی عمر سے کہیں کم اور معصوم دکھتی تھی۔ اسی سنڈے ایوننگ میں اسلامک سینٹر میں ان کا نکاح ہو گیا۔ شاہ میری خواہش پر کیتھی نے روایتی پاکستانی من چوڑا پہنا تھا جس میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی۔

”نئے جوڑے کے لیے سلاؤنڈرا احمد علی کے گھر۔“ اسلامک سینٹر سے نکلنے ہی احمد نے اعلان کیا۔
”لیکن آخری ہرگز نہیں۔ ہم اکثر تمہیں تنگ کرتے رہیں گے۔“

سیاؤنڈر سوٹ میں بلوس شاہ میرے حد مسرور و شادمان دکھائی دیتا تھا۔ گتا ہی نہ تھا یہ وہی وحشت زدہ زندگی سے بے زار انسان ہے۔

انہوں نے واقعی ایک گھر کی بنیاد رکھ دی ہے۔
احمد علی اور فاطمہ نے چپکے سے سوچا۔



گاڑی گوئی کی سی رفتار سے آگے بڑھی۔
اروگرد گاڑیوں میں موجود لوگوں نے سر نکال کر بلی کی سائیں۔ کچھ نے نوجوان نسل کی ایڈوانسڈ طبعیت کو کوسا۔

ایک کے اندر ایک خون سا پیدا ہوا۔ اس کا جی چاہا وہ یونہی گاڑی دھکا لے جائے۔ یہاں تک کہ زمین کا آخری کنارہ سامنے ہو اور خلد اس کا مقدر سامنے آتے ٹرک کو دیکھ کر اس نے اپنے انجام کے بارے میں سوچا تو تین وقت پر اسٹیمرنگ گھماریا۔

”کیا سوچ کر اس نے میری جگہ کسی اور کو دی۔“
ہستا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا۔

”وہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہے وہ جو مجھ پر جان چھاؤر کیا کرتا تھا۔“

سامنے سے آنے والوں نے اس کی بڑی ڈرائیور سے چپکے کے لیے اپنی اپنی سٹی کی۔ اگر وہ بیچ کر ڈیبل سڑک پر نکل آئی تھی تو یہ اس کی لاشعور کی کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ کا مجھ سے تھا۔ وہ وہاں تک گئی جہاں اس سڑک کا خاتمہ ہوتا تھا۔ سامنے جھیلوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ سورج گول تھا کی شکل میں دھرتی کی ہیرائی کو نارنجی رنگت میں ڈبو تا آفتاب کے آخری کنارے کو چھو رہا تھا۔ چار سو برس سکون سا چھایا تھا جس میں گھر لوہے پر ندوں کی سرسراہٹیں دم توڑ رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ اسٹیمرنگ پر جھانکے تیز تیز سانس لیتی رہی۔ یوں لگتا تھا اور بہت دور سے دوڑتی ہوئی آ رہی ہے۔ تھوڑا وقت پونہی گزرا۔

پھر اٹھل پھٹل ہوئی سانسوں میں ہمواریت ظاہر ہوئی۔

اسٹیمرنگ پر جی سخت گرفت کمزور ہو گئی۔

تھے ہوئے اعصاب پر احوال کی خاموشی اثر انداز ہوئی۔ یہی سناٹا دھیرے دھیرے اس کے اندر سرایت کر گیا۔ اس نے ہلکی سی سانس چھٹی ہوئی باتھ گوب میں رکھ لیے اور خالی خالی نظروں سے آفتاب کے کنارے کو دیکھنے لگی۔ آفتاب کا سرخ شہم ہوا۔ وہ جاتے جاتے اپنے رنگ چھوڑ گیا تھا جس میں دھیرے دھیرے برسات کی تاریکی نے لگنا تھا۔

خیالات کی شوریدہ سروری دم توڑ چکی تھی۔
”ہاں! وہ کر سکتا ہے۔ اس کے پاس جو ہے۔“ آخران گزشتہ سالوں میں ہمیں نے اسے دیا ہی کیا۔ بے توجہی بے اشتیاقی بے برہمی۔ یہی تھے تو ملتے رہے اسے پھر شکوہ کیا۔ ”اور کس سے۔۔۔؟“ وہ ہارے ہوئے سیاہی کی طعن مسوج رہی تھی جس کے ہتھیار اس کے سامنے پڑے ہوں مگر نہ بازوؤں میں اٹھانے کی سکت ہو نہ دل میں لڑنے کی خواہش۔

”میں بی بی بابہ پارتم نے خود اپنے نصیب میں لکھی ہے۔ آقا زتم نے خود کیا تھا اب انجام تو دیکھو۔“ کھیتوں کے بارگاہوں کے گھروں میں روٹھیاں جھٹکوں کی طرح ٹٹھمٹانے لگیں۔ اندھیرے کی چادر دھیرے دھیرے کھلنے اور کائنات پر پھیلنے لگی۔ تھوڑی دور کسی نے آگ جلائی۔ لیکن نے محسوس نہیں کیا۔ آگ کے گروہ بٹھکتے تین نفوس پار پار لیک کر گاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

وہ تو اپنے دم توڑتے وجود پر خود ہی نوحہ کناں تھی۔ اندر کہیں واپسی کی خواہش ہوتی تو ہی حرکت کرتی۔ اسے تو احساس ہی نہ تھا کہ وہ کس طرف نکل آئی ہے۔ واپسی کا راستہ کون سا ہے۔

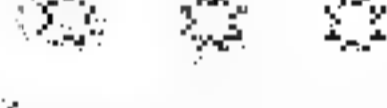
”پچھتاؤوں کا یہ سفر کہاں تک جائے گا ایمن!“

ایک ساہ سا گھڑی کے شیشے پر لہرایا پھر کسی نے زور سے شیشے پر ہاتھ مارا۔ وہ بڑی طعن ڈونگی۔
گاڑی کے شیشے کو زور زور سے کھٹکھٹاتے وہ کچھ کہہ رہا تھا۔

ایک نے بوٹھا کر چال گھمائی اور گاڑی اشارت کر لی۔

وہ اب دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک نے گاڑی پر بوس کی۔ وہ شخص لڑکھا کر پیچھے گرا۔ ایمن تیزی سے گاڑی نکال لے گئی۔



ان کا خیال تھا کہ ماں جی کے لیے یہاں ایڈجسٹ کرنا ذرا مشکل ہو گا مگر ماں جی کے کسی بھی انداز سے ایسا محسوس نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے اس گھر کی روٹھیں کا حصہ بن گئیں بلکہ ان کے آنے سے حرا کو دوسرا ہٹ مل گئی۔ فارغ بیٹھنے کی عادی نہ تھیں۔ حرا کچھ جاتی تو اس کی غیر موجودگی میں ملازمہ کے سر پر کھڑی ہو کر صفائی کرواتیں۔ کھانا اپنی نگرانی میں پکواتیں بلکہ اکثر کھانا اپنے ہاتھوں سے بناتی تھیں۔ بچے بھی اسکول سے آکر ان ہی کے ساتھ لگے رہتے۔

بظاہر یہی لگتا تھا وہ یہاں خوش ہی نہیں اور مطمئن بھی۔ اب یہ تو کوئی ان کے دل سے پوچھتا جو جوڑی کی رونقیں بھولتا ہی نہ تھا۔

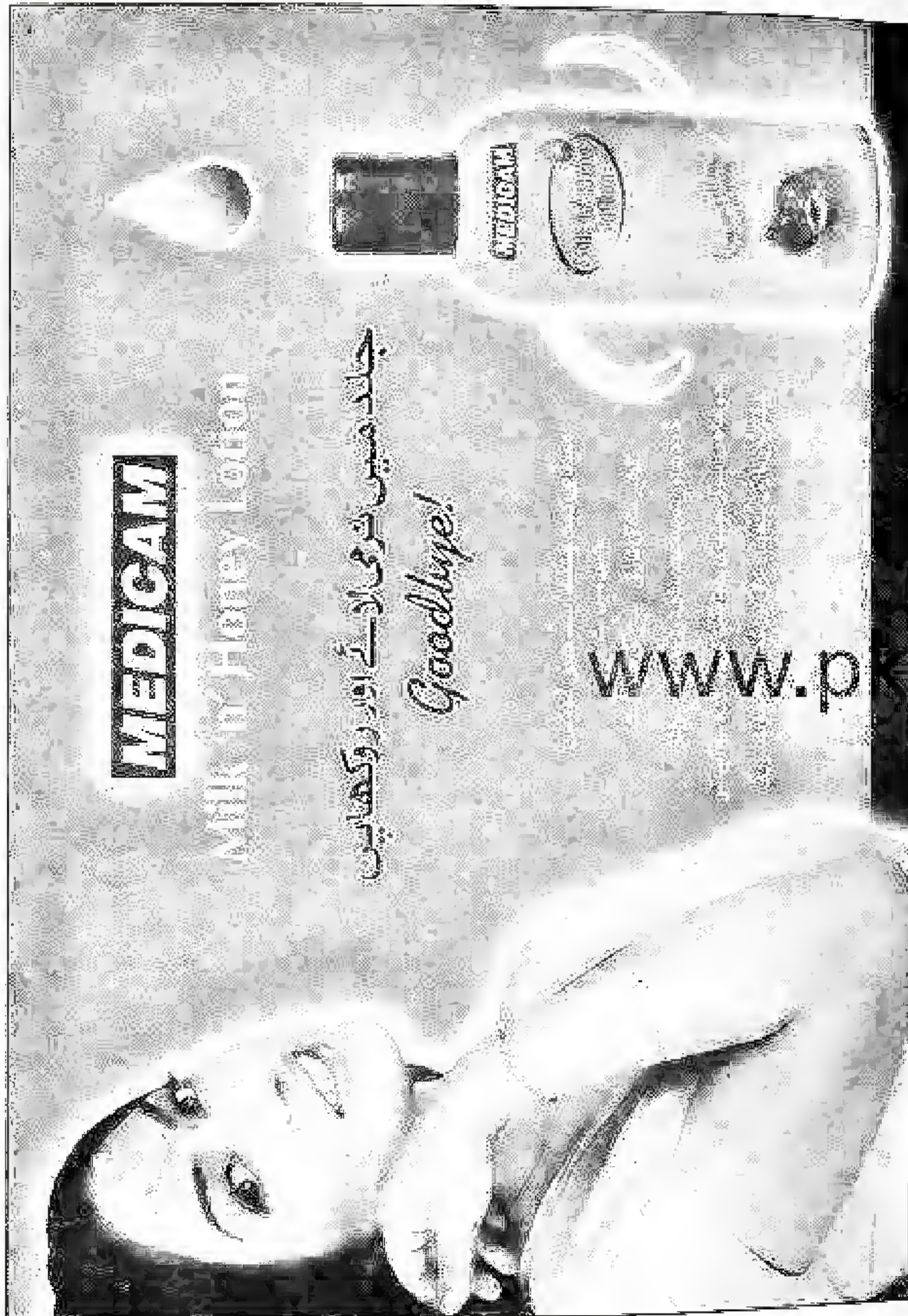
”یوں ہی چلتے پھرتے لیٹوں کے پودوں کی ترش و خوش گوار منک ابن کا احاطہ کرتی۔“

”موتی کے جھنڈ تو سو کہنے لگے ہوں گے۔“

ہلکی سی مایوسی واداسی دل میں اترتی پھر ایک ایک کر کے گاؤں کی وہ ساری عورتیں یاد آنے لگیں جو ان کے پاس اپنے اپنے مساکن لے کر آئی تھیں۔

جانے نماز پر بیٹھی وہ تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں گمراہ تھی کہ ادھر ادھر ہی بھٹک رہا تھا۔ جب حرا نے جھانک کر پوچھا۔

”ماں جی! آپ غائب ہو گئی ہیں تو کھانا لگا دوں۔“



انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ عموماً "وہیں جائے نماز پر بیٹھی رہتی تھیں۔ حوائی کھانا لگایا۔ بچوں کو آواز دی پھر اسٹڈی میں چلی آئی جہاں ڈاکٹر شہروز مولیٰ کی کتاب میں گم تھے۔

"کیونکہ سے نکلے اسٹڈی میں گھس گئے۔ زندگی میں کچھ اور بھی ہے یا نہیں۔" اس نے کتاب بند کر کے اس پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

"کیوں نہیں میری زندگی میں بہت کچھ ہے۔ ہمہ وقت دعا کرنے والی ہاں تو پیارے پیارے شہزادی بچے اور ایک ہنجر نما بچہ جو ہمہ وقت میرے ہی پیچھے پڑی رہتی ہے۔"

"اس کے باوجود آپ ہاتھ کھینک آتے ہیں۔ اب اٹھ جائیں کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔"

باہر سے بچوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ڈاکٹر شہروز نے ہی اپنی چیزیں سمیٹ لیں۔

"لہاں جی ٹھیک تو رہتی ہیں حوا؟" انہوں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بظاہر تو سچی لگتا ہے کہ ایڈجسٹ کر گئی ہیں۔"

"تو بھی کر سکیں تو وہ تھیں کی تھوڑا ہی۔"

"ہیوں۔ کل شاہ زیب کا بھی ٹون آیا تھا۔"

دونوں باتیں کرتے ڈانٹنگ سہیل تک آگئے جہاں ماں جی بچوں کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو کر رہی تھیں۔

"بچے آپ کے ساتھ بہت مانوس ہو گئے ہیں ماں جی!"

"وہ پہلے بھی میرے ساتھ خاصے مانوس تھے۔" وہ مسکرائیں۔

"اب آپ نے جانے کا نام بھی لیا تو یہ رونے لگیں گی۔" حوا نے کھانا سرو کرنا شروع کر دیا۔

"میں نے کب جانے کا نام لیا ہے۔ میں جانتی ہوں مجھے اپنے واپس آنا چاہیے۔" انہوں نے حوا کی طرف دیکھا۔

ہاٹ پاٹ سے روٹی نکالی۔

حوا اور شہروز ایک دوسرے کو دیکھ کر رو گئے۔

"کتنی کوئی بات نہیں ہے لہاں جی! جب آپ کہیں گی میں آپ کو لے چلوں گا۔ ہم تو صرف آپ کے تنہا رہنے کے خیال سے کہہ رہے تھے۔"

وہ چپ کر کے عادل کے منہ میں نواٹے دینے لگیں۔ جب سے آئی تھیں وہ ان ہی سے کھانا کھاتا تھا۔ ابھی پہلا نواٹہ سب کے ہاتھ میں تھا جب مسلسل ہوتی پیش نے انہیں ہنسی بھر دیا۔

"اس وقت کون آ گیا؟"

ڈاکٹر شہروز اٹھتے نکلے تھے حوا نے فریاد کیا۔

"مگر یہ دیکھ لے گا۔"

کریم کے ساتھ آنے والی ہستی کو دیکھ کر جہاں باقی لوگ حیران ہوئے وہیں ڈاکٹر شہروز پریشان ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"ایس۔ اے۔ اے۔"

وہ بے حد پریشان اور حواس باختہ نظر آتی تھی۔ ننگے پاؤں اور جوتے ہاتھ میں۔

"اے۔ اے۔ اے۔" وہ کچھ کہتے کہتے ہنکرائی۔

"جو بیٹھو۔" ایک کرسی گھسیٹ کر اسے بٹھاتے ہوئے انہوں نے پانی کا گلاس بھرا۔

www.paksociety.com

”وہ میرے جوتے ٹوٹ گئے تھے۔“ ایمن نے حاضرین کی طرف شرمندہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جوتے ایک طرف ڈال دیے۔

”تم پیدل آ رہی ہو؟“ ڈاکٹر شہروز نے کہا اس کے پیرنگزے اور جوتوں سے بھرے ہوئے تھے۔

”جی ہاں۔ میری گاڑی۔“ اس نے پانی کا گلاس لیوں سے نکال لیا۔ وہ بیٹھی نہیں تھی ایک ہاتھ سے کرسی کی پشت سنبھالنے کھڑی تھی۔

”خراب ہو گئی؟“

”اور لوٹا۔“ اماں نے شہروز سے اصرار کیا۔

”بس۔“ وہ نشو سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ اماں نے سوالیہ نظروں سے شہروز کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ہنسنے سے انکارت میں سر ہلا دیا۔ اماں جی مطمئن ہو گئیں۔ ایمن اب سر جھکائے نجانے کیا سوچ رہی تھی۔

”یہی بات آج گھر جانے کوئی نہیں چاہ رہا۔“

وہ اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اماں نے اٹھا کر ہر نکل گئیں۔

”آج میں نے اسے دیکھا۔“ ایمن نے آہستگی سے سہرا اٹھایا تو انہیں ابا سب پتیلوں سے بھری تھیں۔

”اپنے شوہر کو وہ کسی اور کے ساتھ تھا۔ وہ گاڑی میں اس کے برابر بیٹھی تھی خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔“

”تمہیں اچھا نہیں لگا؟“

”میرا گھر تیار ہو رہا ہے۔“

ڈاکٹر شہروز نے کبلی بار سے اپنے گھر کی فکر میں مبتلا دیکھا تھا۔ یہ ایک مثبت تبدیلی تھی۔

”تو تمہیں وہاں ہونا چاہیے تھا۔ اپنے گھر میں۔“ انہوں نے آہستگی سے بتلایا۔

”یہی تو ایسا ہے ڈاکٹر! کہ ایمن کبھی وہاں نہیں ہوئی جہاں اسے ہونا چاہیے۔ ایمن نے ہمیشہ اپنی راہیں خود کھولی ہیں۔ جب مجھے عثمان کی بنا میں ہونا چاہیے تھا تب بھی میں ظاہر کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ ایمن کبھی وہاں میں طویل نہیں ہوئی جہاں اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے تو یہ بے سکونی ہے۔“

ڈاکٹر شہروز ایک طویل سانس لے کر کہنے لگے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ایمن خود ہی اپنی کہانی سناتے پر آمادہ ہے اور انہیں بہر حال اس بے وقت ٹپک پڑنے والی مریضہ کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگانے رکھنا تھا جب تک اس کے گھر سے کوئی پینے نہ آجاتا۔ گویا ایمن کا اگلا سیشن چند گھنٹوں کے وقفے سے ان کے گھر کے اسٹڈی روم میں شروع ہو گیا تھا۔

کچھ عجیب سی کیفیت میں وہ عثمان سے ملنے گئی تھی۔ کوئی خاص تیاری بھی نہ کی۔ یونی الٹھ کر رہی تھی۔ دو روزہ مارنے کھولا تھا۔

”تم۔“ اس کے انداز میں گرم جوشی منتقو تھی۔

”ہاں میں۔“

وہ دستہ دے کر اندر چلی آئی۔ نہ سلام نہ دعا نہ آنے پر خوشی کا اظہار۔ ایمن اس کے رویے پر کچھ حیران ہوتی اندر آئی۔ اس کی ممالیتہ حسب معمول گرم جوشی سے ملی تھیں۔

”ڈراٹنگ روم میں سہان پٹھے ہیں تمہارے کمرے میں چلی جاؤ۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ایمن کو اندازہ ہو گیا مسلمان کوہن ہے۔

”بامقہ کی طبیعت ٹھیک ہے۔“ ایمن نے کچھ الجھ کر پوچھا۔

”اماں کیوں؟“ انہوں نے ٹیٹ کر حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں ویسے ہی سست لگ رہی تھی۔“ ایمن ٹال کر مارو کے کمرے میں گئی۔

ایمن نے پانی شہروز اور نفی میں سر ہلا دیا۔

”اس میں پتیلوں کا کھنڈا تھا۔ آپ کا گھر تو ایک تھا اس لیے۔“

”تم گھر نہیں گئی تھیں۔“ ڈاکٹر شہروز نے پوچھا تو ایمن نے شرمندگی سے گروہن تھکالی۔

”کھانا کھاؤ گی؟“ انہوں نے اس کے چہرے سے بھوک بڑھتی تھی لیکن ایمن نے نفی میں گروہن ہلا دی۔ تب ہی ڈاکٹر شہروز کو پانی بگوں کا خیال آیا جو منہ اٹھائے ان ہی کو دیکھ رہے تھے۔

”اماں جی! یہ ایمن ہے میں اسے اسٹڈی میں لے جا رہا ہوں۔ خراب ایمن کے لیے کھانا تو ہیں بھو اور۔“ ڈاکٹر شہروز نے محسوس کیا کہ وہ نہ تو وہاں بیٹھنے پر آمادہ ہے اور نہ ہی کھڑی ایزی چل کر رہی ہے۔

”تو ایمن! اسے لے کر اسٹڈی کی طرف بڑھ گئے۔“

”مما! یہ کون ہیں؟“ بچوں نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

”خاموشی سے کھانا کھاؤ۔“ خزانے ڈانٹا۔ باگواری اس کے چہرے سے ہوا اٹھی۔ اماں جی نے ہنور اسے دیکھا۔

پھر سرسری انداز میں کہا۔

”شہروز کی مریضہ کتنی ہے۔“

”جی! اب تو مریضوں نے گھر کا رستہ بھی دیکھ لیا ہے۔“ اگرچہ اس نے لہجہ ساوا ہی رکھا تھا مگر اماں جی جانتی تھیں وہ اندر ہی اندر جھنجھلا رہی ہے۔

”کڑے بناؤ نہیں دے آتی ہوں۔“ انہوں نے رسائیت سے کہا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

”گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔“ ڈاکٹر شہروز نے بے اجد احتیاط سے پوچھا۔

”کون گھر والے۔ میرا شوہر۔“ وہ تکی سے مسکرائی۔

”وہ اس وقت مجھے یاد کرنے کے لیے بانٹل بھی فارغ نہیں ہے۔ خوب صورت چہروں کی سنگت میں مجھ جیسے بچھے ہوئے چہرے کے یاد رہتے ہیں۔“

”میں اسے فون کروں۔“ ڈاکٹر شہروز نے موبائل نکالا۔

”آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں میں جی جاؤں گی۔“ وہ زور زور سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

”ایمن! میں تمہارے لیے کمر رہا ہوں۔“ انہوں نے بے حد نرمی اور رسائیت سے کہا۔ وہ چپ چاپ ابھر اؤھر دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر شہروز خاموشی باہر نکلتے۔ اماں جی نے اٹھائے آ رہی تھیں۔ وہ ڈرا کی ڈرا رگے۔

”آپ اسے کھانا کھلائیں۔ میں اس کے گھر والوں کو فون کر کے آتا ہوں۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کلینک پر آکر فائل میں مطلوبہ نمبر تلاش کر کے واپس آنے میں انہیں دس چندرہ منٹ لگے تھے۔ واپس آئے تو وہ کھانا کھا رہی تھی۔ اماں جی پاس ہی بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر شہروز کو دیکھ کر اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

”خیریت لہر آئے مسلمان کے ساتھ ایسی بے مروتی۔“
بانو نے قدرے سنجیدہ اور شاک کی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور چپ رہی۔
”میں بانو! میں تم سے مخاطب ہوں۔“ وہ میاں آتے سے قبل ہی ذہنی غلجوان کا شکار تھی۔ بانو کے رویے سے چڑکی گئی۔

”من رہتی ہوں ہماری نہیں ہوں۔“
”تو اس طرح کیوں بات کر رہی ہو؟“ ایمن کو غصہ آیا۔ ”واپس چلی جاؤں۔“

”مرضی ہے تمہاری۔“
ایمن کو غصہ تو شدید آیا مگر کچھ بے بس ہو کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر یوں کے مابین خاموشی چھائی رہی پھر بانو نے رخ بدل کر اسے دیکھا تو ایمن پوچھ بیٹھی۔

”اس طرح کیوں بیٹھ کر رہی ہو؟“
”جو کیا کروں تم نے مجھے بہت شرمندہ کر دیا ہے ایمن!“
”میں نے...“ ایمن نے کچھ حیرت سے پوچھا۔ ذہن عقاب کی طرف گیا۔ شاید اس نے کچھ کہا ہے پہلا خیالی بھی کیا تھا۔

”میں نے کیا کہا ہے؟“ اس کا لہجہ خود بخود جھم ہو گیا۔
”ایمن! بانو نے فیصلہ کن انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”تم نے وہ سارے گت کس کو دیے تھے؟“
”کون سے؟“

”انجان مست ہو، وہ سب کچھ جو تم میرے ساتھ جا کر خرید لائی تھیں جس کے بارے میں تم نے اپنی من سے جھوٹ بولا کہ بانو کی برتھ ڈے ہے۔“ وہ چبا چبا کر بولی۔
”اوہ تو تم اس لیے ناراض ہو۔“

”وہ سب کچھ عقاب کے لیے نہیں تھا۔“
ایمن کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے بولی۔
”میں نے تم سے کب کہا تھا کہ وہ سب عقاب کے لیے ہے۔“
”تو پھر وہ سب کے لیے تھا ایمن! اور میں... میں بے وقوف عقاب سے کہہ بیٹھی کہ ایمن نے آپ کے لیے

بہت کچھ خریدا ہے۔“
ایمن کو عقاب کی فکر نہ تھی کہ وہ اسے خود بتا چکی تھی۔
”تم نے خود ہی فرض کر لیا۔ میں نے بتایا تو تھا کہ۔“

”ایمن! تم نے وہ سب کچھ کس کو دیا تھا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں۔ تم گھر میں بھی جھوٹ بول کر گئی تھیں۔“ بانو اتنی پریشان تھی۔
”تم سے کس نے کہا؟“ ایمن نے پوچھا۔

”تمہاری منی نے اور کس نے ایمن! بانو! بانو! تم نے وہ سب کس کو دیا؟“
بانو نے بے اختیار اس کے قریب آکر جھنجھوڑ ڈالا۔
”تم مجھ پر شک کر رہی ہو بانو! ایمن اپنا آپ چھڑا کر چھپ چکی۔“

”تم بتاؤ گی نہیں تو میں کیا کر لوں گی۔“

ایمن پلٹ کر گری پر بیٹھ گئی۔
”میں نے وہ سب ظاہر بھائی کو دیا تھا۔“ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے بتا دیا۔
”کون ظاہر بھائی؟“ بانو کچھ لمحے کو غائب دماغ ہوئی پھر بری طرح چوکی۔ ”وہ تمہارے ٹیوشن ماسٹر!“
”وہ صرف ٹیوشن ماسٹر نہیں ہیں۔“ ایمن ناگوارگی سے گویا ہوئی۔ ”وہ میرے کزن بھی ہیں۔“
”تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

”میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں بانو!“ ایمن کو غصہ آیا۔ ”لیکن تم میری واحد دست ہو اس لیے بتا رہی ہوں کہ ظاہر بھائی میرے کزن ہیں اور ان کے دادا میرے نانا جان ہیں۔“ اس نے مختصر ترین الفاظ میں اپنی تفصیل سنائی۔

بانو سب بچتی سے اسے دیکھتی رہی پھر ایمن کے چپ ہونے پر سر جھٹکتے ہوئے بولی۔
”تم مجھے قلبی کمائی سنار ہی ہو۔“

”تم جو مرضی سمجھو۔“ ایمن نے رکھائی سے کہا اور اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی جہاں سے پچھلا حتم رکھائی دیتا تھا۔

بانو متذبذب سی اس کی پشت کو گھورتی رہی۔
”اب عقاب سے کیا لگوں گی؟“

”میں ابھی عقاب کے سامنے بھی جواب دہ نہیں۔“ ایمن نے اپنی بی بی بھاری صرف متنی ہوئی ہے نکاح نہیں۔ ایمن میں اپنے باپ کے حرم میں بیٹھی ہوں۔“ ایمن کے لہجے میں سختی اور آئی۔
”عقاب بھائی! تم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟“ بانو نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ گویا عقاب اس سے کہہ چکا تھا۔

”وہ خود جانتے ہوں گے۔ بہر حال ملنے کی خواہش میں نے نہیں کی تھی اور نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھے اپنے ہر عمل کے لیے ہر کسی کے سامنے یوں جواب دینا ہو گا۔“

”یہ بات نہیں ہے ایمن! اور اصل تم جھوٹ بول کر گئی تھیں اس لیے۔“ بانو نے صفائی دینا چاہی۔ ایمن نے تیزی سے اس کی بات قطع کی۔

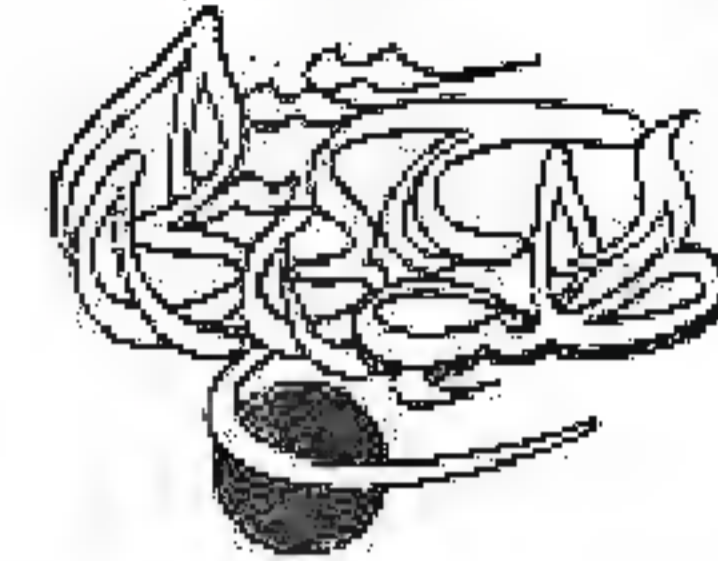
”تم میرے حالات بہت اچھی طرح سے جانتی ہو بانو! اگر میرا لٹا بیگم کو معلوم ہو جائے تو کیا وہ مجھے اپنے تھیوٹالی عمریوں سے ملنے دیں گی۔ وہ تو کیا شاید ڈیڈی بھی ایسا نہ چاہیں۔ میں انہیں کھونا نہیں چاہتی کسی بھی قیمت پر نہیں اور تم لوگ ہو کہ میری باتنی سی خوشی بھی برداشت نہیں کر رہے۔“

بانو نے اپنے قریب عقاب کی موجودگی کو محسوس کیا۔ سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر خاموشی سے ہا پر نکل گئی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا ایمن کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ ایمن چپ ہو گئی تھی۔
”نہیں ہوا ایمن!“

ایک بار تو ایمن کا دل ڈوب کر ابھرا پھر وہ تیزی سے بیٹھی۔

سچائی آئینہ سحر ہے

میں نے خورشید علی



جب تخیل اماں سے لڑ کر گھر سے اٹھا تو وہ دروازے
 تھیں۔ آنسو صاف کرتے ہوئے اچانک ان کی نگاہ جھاڑو
 یہ بڑی انجوسیدھی کھڑی تھی۔ بس پھر کیا تھا اماں کی توپوں
 کا رخ میری طرف ہو گیا۔
 ”مکمل نعت کو پڑھا رہا تھا ہے جھاڑو کو سیدھا نہ گھرا لیا کر

اس سے گھر میں جھڑا ہوتا ہے۔ گھر بڑی ہی نہیں آئی۔
 بجائے کیا کروا کر ہے کی یہ لڑکی۔“
 اماں کے ایمان و اعتقاد یہ سب معمول مجھے نہیں آنے
 سکتے۔
 ”اس میں جھاڑو کا کیا قصور ہے؟ قصور تو تپ کی سوچ کا

مکمل ناول

www.pkdigest.com



ہے نہ بیٹے کو سر پر چڑھائیں نہ سونچ پھینکتا ہوں۔
میں سوچ کر رہ گئی۔ اماں سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
میں جانتی تھی اماں ان توہمات پر دل سے کار بند ہیں
اسی لیے میں کچھ لٹا سیدھا ضرور کرنی رہتی نہ یہ سب کچھ
کر کے میں دراصل ان محرومیوں کا بدلہ لیتی تھی جو مجھے
بچپن سے ملی تھیں۔ بچپن سے ہی میں سب بہن بھائیوں
سے مختلف تھی۔

بیتول اماں کے ہیں درحقیقت والوں پہ مٹی مٹی تھی اور
درحیال دانے اماں کو ایک آنکھ نہ بھانپتے تھے۔ اس لیے
امیں مجھ سے بھی محبت نہیں کرتی تھیں۔ وہی سہی کسر اس
طرح پوری ہو گئی کہ میری پیدائش کے بعد ابا فوت ہو سکے۔

اماں کا بس نہ چلتا تھا کہ مجھ منوں کو اٹھا کر باہر پھینک
دیتیں۔ بہنوں نے مجھے ایک طرف ڈال دیا اور یوں بڑی
بڑھوں بے رحمی پالی۔

اماں کی ناانصافیوں نے میرے اندر جارحیت اور ہٹ
دھرمی پیدا کر دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں کسی کو بھی خاطر
میں نہ آتی تھی۔ اور اماں ان سے تو میرا پیشہ معرکہ رہتا۔
تھیجتا وہ میری خوب لنگائی کرتیں۔ تب میں بہت
چھوٹی تھی اور یہ آسانی اماں کے ہاتھ لگ چلا کرتی لیکن ذرا
سی بڑی ہوئی تو جیسے ہی اماں ہونٹیاں اٹھاتیں میں گھرتے بھاگ
جاتی اور کئی گھنٹے کے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول
ہو جاتی۔ نینل میرے ساتھ ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ سنی کے
سارے لڑکوں سے میری ٹھیک ٹھاک دوستی تھی۔

نینل مجھ سے ڈیڑھ برس ہی چھوٹا تھا۔ لیکن اماں کی
بے پناہ توجہ اور پالی بہنوں کی محبت کی وجہ سے وہ بالکل
چھوٹی ہوئی اور ڈر پوک بنا گیا۔

میری وجہ سے اسے بھی سنی میں کھیلنے کا جو صلہ ہو گیا۔
پھر جب تمام بھلے ہم دونوں گھر آئے۔ تو نینل کو شکلا
دھلا کر اسے صاف شہرے کپڑے پہنا کر اسے اپنے ہاتھ سے
لے کر سنی کی چوریاں کھلائی اور مجھے وہی بسنوں کی جالی
جس سے بچ کر نہیں گھرتے بھانپتی تھی۔ مجھے اماں کا یہ وہ ہرا
رویہ سخت برا لگتا تھا اور اتنی ان دونوں بسنوں کا بھی جو چہرہ
وقت اماں کی پیچیاں بننے کی کوششیں کرتی رہتیں۔ مجھے
اماں۔ صدف اور ایلا یہ ہی نرسہ آتا تھا نینل سے میری
کبھی لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ڈر پوک اور بد حوسا
تھا۔ اور اماں وہ اسے چوریاں کھلاتی تھیں۔ وہ مجھے بھانپتا

چھپا کر دے دیا کرتا۔ اس لالچ میں کہ میں اسے باہر لے کر
جاؤں گی۔
اماں نے جب ہمارے درمیان اتنی دوستی دیکھی تو
انھیں کوئی خیال آیا کہ ہم دونوں کو ایک ہی اسکول میں داخلہ
دیا گیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کا انوکھا سخت جبر ٹھنڈا
کے۔

اسکول جاتے ہوئے اماں مجھے خوب سمجھاتیں۔
"بھائی کا خیال رکھنا۔ دیکھنا اور سہارے سے اسے نہ ماریں
۔ اسے پاس لگے تو اس شخص سے پالی پالی نہ ہو۔ یہ پکڑو
یہ بھائی کا پر اٹھا ہے اور یہ تمہاری روٹی۔ یہ کچھ بچو باکس۔
بھائی کا ہتھ لے کر تم تیار کیا گیا کرو۔ بھائی انہی چھوٹا ہے اور
کمزور بھی بہت ہے۔"

یہ نصیحتیں میں گھر کے دروازے تک سنتی۔
باہر نکلتے ہی میں سب کچھ نینل کو تھما دیتی اور اسے
ڈیڑھ سے ماٹکتی ہوتی چلتی۔

بریک میں برا بھلا خور کھاتی۔ روٹی اسے کھانے کی
کو شش کرتی۔ وہ کھانا تو ٹھیک۔ ورنہ روٹی بھی خود ہی کھا
لتی۔ وہ بلاندر کی چیزیں کھانے کا شوق نہیں تھا۔ اماں جو میرے
دوڑی تھیں۔ اس کی ذرا ذرا سی اور وہی حوریاں ہی کھاتا
خوش ہو جاتا۔

اس نے کبھی گھر آکر اماں سے میری شکایت نہیں کی۔
کیونکہ اسے ابھی طرح یہ تھا جب تک اسکول میں اسے
ہارتے تھے۔ تو میں ہنسا لٹا کر ان کی ایسی ٹھکانی کرتی کہ وہ
آئندہ کے لیے توبہ کر لیتے تھے۔ دوسرے مجھ سے بھگتے
کا مطلب تھا۔ اسے گھر میں قیدی بن کر رہنا پڑتا۔

"نینل یہ کھانا نینل وہ کھانا نینل اور نہ چڑھو تیرے
دوڑی ہاں ایٹ جاؤ چپ نیوں بیٹھے ہو۔"

تین عورتوں کی ان پالیات کی وجہ سے نینل بھی دل ہی
دل میں فرار کے راستے تلاش کرتا تھا اور وہ فرار میں ہی
اسے دوا لگتی تھی۔ پراگمندی دور آ کر گزر گیا۔ نینل میں ہم
دونوں علاحدہ ہو گئے۔ اماں تو نہیں چاہتی تھیں کہ ہمیں
علاحدہ کریں لیکن میری اٹھان دیکھ کر انہیں اپنے دل پہ پھر
رکھنا پڑا۔

میرا قدیکم ہی نکلا چلا گیا تھا اور ایسا قد نکلا کہ میں نے
صدف اور ایلا دونوں کو ہی پیچھے چھوڑ دیا۔ میں سمجھتی ہوں
اللہ کے ہر کام میں ضرور انسان کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔
اگر میرا قد کاٹھ نہ نکلتا تو مجھے اب بھی ایلا اور صدف کی

لڑائی ہوتی۔ لیکن اب معاملہ اس تھا۔ ہر گھر کی سروری
کے آغاز میں اماں کو سب سے پہلے میرے کپڑوں کا پتھر
ہوتی اور میں قدرت کے اس احسان پر دل و جان سے شکر
کرتی تھی لیکن جوں جوں وقت گزر گیا مجھے یہ احساس
ہوئے گا کہ میں اپنی تمام کلاس فیلوز سے لڑی اور ٹکڑھ لگتی
ہوں۔ میری آواز بھی کچھ بھاری ہی تھی۔

اپنی ہم عمر لڑکیوں کو چھوٹی مونی سبایا کر مجھے اندر ہی اندر
احساس کتری نے آٹھیرا۔ میرے اندر شدت سے خواہش
اُبھرتی کہ میں بھی ان تمام لڑکیوں کی طرح عام سی لڑکی ہوں
لیکن یہ احساس زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکا۔

پھر کئی مہینے داخلہ ہوتے ہی میری دوستی سنی سے ہوئی۔
سنی چھوٹی مونی ہی خوب صورت ترین لڑکی تھی۔ میں اس
کی تعریف کیا کرتی لیکن وہ تو خود میرے لڑکیوں کی لڑائی اور
پھر مجھے معلوم ہوا۔ نقطہ ذی نہیں بہت سی لڑکیاں بہت سی
پیرا میری بہت کو توصیفی لگا ہوں سے دیکھتی ہیں اور یہ
بانت میری بچکانہ سن گئی ہے۔ تو میرا لہذا ضرور تھا لیکن
اسو اہت کا میں کھل چکی تھی۔

اور اسے شش شخصیت کا نتیجہ تھا کہ نینل نے مجھے
کلیں کے لالچ سے کھینچ کر اس کی لڑائی میں لگوانے
کا موقع اور اس طرح میں پورے کئی مہینوں ہو گئی۔

کلیں کے ان چار ساتوں نے میرے اندر کی اس لڑکی کو
ختم کر دیا جو اپنے قد اور توانائی کی وجہ سے احساس کتری
شکار ہوتی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کب اور کیسے میری
فطری جارحیت ہٹ دھرمی نرم اور حساس سی طبیعت میں
ڈھل گئی۔

بالآخر کلیں کے چار ساتوں بھی گمز گئے اور مجھے پھر گھر کی
چار دیواریں میں ٹھنڈا پڑا۔ صدف کی شادی کے بعد ایلا کی
شادی کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اماں نے ساتھ ہی مجھے بھی
ٹھکانے لگانے کا سہا جوا اور میرے رشتے کے بے ہاتھ پیر
بارنے لگیں۔ لیکن اگر رشتے اس طرح آسانی سے ٹھنڈے
لیکن تو کیا ہی بات ہے۔

یوں ایلا گھر سے اٹلی ہی رخصت ہوئی۔ اماں کو اس
بات کا قلق تو بہت ہوا۔ پھر انہوں نے شاید یہ سوچ کر اس
کو تسلی دی کہ مجھے ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔
"یہ تم کا روالی نہیں کیوں کہتمنی ہو۔ جب دیکھو نینل
کی لڑائی اور شرت بیٹے پھرتی رہتی ہو۔ کھلے کی عورتوں
میرے پاس آتی ہیں کیا کہتی ہوں گی کہ ساجدہ کی تیسری

ہی ہونڈا اپنی پھرتی ہے۔"
"تو آپ کہہ دیں ناں ان سے کہ یہ بھی میرا بیٹا ہی ہے؟"
"تو یہ توبہ تھی۔" اماں نے ناگوار سی سے گل پھینکے۔
"اللہ کی رضا میرے لیے تو ایک بیٹا بہت ہے۔ اللہ اس
کو زندگی دے۔" اماں کی بات پر میں نے بے ہنگم قہقہہ
لگایا۔ اور نینل کی موٹیرا نینل کی سب کا کپڑھوئے گئی۔
"ایسا بیٹا ہونے سے تو بھتر تھا کہ جو کچھ بھی میں ہی ہوں
جاتی۔"

میری بات پر اماں کے دل پر گھونسا تو لگا لیکن دل ہی دل
میں انہوں نے مانگہ ضرور کی ہوگی۔

ان کے بے جا لڑائی کی وجہ سے نینل گھڑتا چلا گیا تھا۔
نہ تو وہ میٹرک کے بعد آگے تعلیم حاصل کر سکا۔ اور نہ ہی
اس کے اندر یہ احساس ذمہ داری پیدا ہوا کہ وہ اس گھر کا
واحد و تنہا حرا ہے اور اس لیے کچھ ذمہ داریاں ناکارہ ہوتی
ہیں۔ اناہہ اماں سے مت کے مطالبات کر رہتا نہیں
اماں کو ہانسی پڑا تو کہہ کر نہ اسے اسے تورو دو دن وہاں شش
ہی نہ کھانا جس سے مجھے تو کبھی ٹھنڈی نہ ہوتی البتہ اماں کی
چارپائی کے نیچے آگ لگ جاتی اور انہیں ایک ہی بہن نہ
تھا۔ اس میں اپنی اماں ہی تصور دار نہیں تھیں۔ صدف
اور ایلا کا بھی بڑا ہاتھ تھا جنہیں وہ اب کچھ نہیں سمجھتا تھا۔
جہلہ میں میرا معاملہ ذرا کچھ اور تھا۔ میں اسے احساس ہی
نہیں دانتی تھی۔ ایلا اور صدف کی طرح اس کی خدمت میں
بھی بھی نہیں کہیں۔ کبھی اسے کھانا نکال کر نہیں دیا اور
ناشنہ بنانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں صبح بھی جلد ہی اٹھتی
ہی نہیں تھی۔ اماں جڑ بڑھوں لیکن میں سنی ان سنی کر
دیتی۔

عمران طوبیہ جیٹا مال ایک حیرت انگیز سلسلہ
ایڑ پوسٹس
آپ کو صحت مند بنانے کا بہترین طریقہ ہے
مکتبہ عمران ٹولڈ جیٹا مال ۴۴ دو بازار کراچی

”کچھ کمانے دھالنے کے لائق تو ہے نہیں“ لانا بوجھ ہے ہمارے لیے۔“
”اماں سے ایسی باتیں کہاں بر داشت ہوتی تھیں۔“
”نورا بول پڑتیں۔“

”وہ بوجھ کیوں بنتے لگا۔ جیسے اپنے باپ کی جائیداد کا کرایہ تم کھاتی ہو ایسے ہی کھار رہا ہے۔“
”میں تو اتنی ہوں۔ اس کی شادی کروں۔ کم از کم ایک سو تو گھر میں آسکے گی۔ محترم کے بھی یاہوں بندھیں گے اور گھر میں کام کاج کا مسئلہ بھی حل ہو گا۔“
”تم کو تو کیسے پتہ چلا۔ پھر اس کے بارے میں بھی سوچ لوں گی۔“ اماں بھڑک کر کہیں اور میں پھر بیٹھے غصے

”ایچھا نا میں اپنی دوا کا پرچہ دیں۔ ٹپ کی دوا لے کر آؤں اور ایٹلا اور صدف کے لانا کے سوٹ مٹوانے میں تو اس کے بھی پیسے دے دیں۔ ابھی کے ابھی تمنا تو کن گئی۔“
اماں نے ہوشی کی طرح بلا جوں چڑھا دوا کا پرچہ اور پیسے میرے ہاتھ پر رکھ دیے۔ ایٹلا اور صدف کی طرح میں بھی ٹپ کی ٹپ کی ٹپیں نہیں کرتی تھی۔

”جو کچھ کرنا ہو آ کر گزرتی۔۔۔ ٹپ کی عدم توجہی کی وجہ سے اماں نا شعوری طور پر مجھ پر انحصار کرنے لگی تھیں۔ اماں کو ڈاکٹر کے ہاں لے جانا گھر کا سوا سلف ایساں تک کے بجلی اور گیس کے بل بھی میں خود ہی بھر آیا کرتی اور اماں کو پتا بھی نہ چلتا۔ کم از کم روز کی سچ سچ سے توجہ جان چھوٹ گئی تھی۔ ہر کام کے عوض ٹپ کی کاکولی پنہ کوئی مصلحت اور اماں کی مجبوریاں میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے جب باہر کی ساری ذمہ داریاں اٹھالیں تو اماں کی ٹپیشن اور ٹپیل کی اہمیت ختم ہو گئی۔ اماں دل ہی دل میں اعتراف کرنے لگی تھیں کہ میں ان کے بیٹے سے زیادہ ان کا خیال رکھتی ہوں۔“

لیکن جب اماں یہ غور کرتیں کہ گھریلو معاملات کچال ڈھال کھانے پینے سونے جانے کے حوالے سے میرے معاملات ایسے تھیں کہ میں اگلے گھر یا کران کا نام روشن کر سکوں گی تو وہ بے چین ہو جاتیں اور میری تربیت کے لیے کمر کس پٹتیں۔ میرا اس بچے کو کراہنا نہیں کھٹکنے لگتا۔ ”کم محنت اگلے گھر جائے گی تو کون اتنی دیر تک سونے دے گا۔ دن چڑھ رہا ہے اور ابھی تک پڑی ایشہ رہی ہے۔“
اماں نے میری کمر باندھو کا جڑا۔

صبح صبح میں ایسی ناگمانی کے لیے تیار نہ تھی۔ سو بڑا کربولی۔
”دیکھیں اماں اب یہ ہارنے بیٹے والے کام نہ کیا کریں۔“
”اب میں بڑی ہو چکی ہوں اور اٹھ سٹھ کر بچت ہوں۔“
”سب کچھ بیٹیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ جب آگے با آگے کھلے“ لگتیں گے۔“ اماں نے ڈرایا۔

”کون لگائے گا کھلے؟“ میں سنے کان پر سے کھٹی اڑائی۔
”میرے گے تو لے بندھے لگا۔“ میں نے اسے پتہ نہیں پات
کو اڑا دیا۔“ ایٹلا اور صدف کو بھی آپ بھی کہا کرتی تھیں
بھول گئیں۔ صدف کے سسرال میں صبح صبح اٹھ کر
سناں صاحب کے کمرے میں جانے۔ کیوں اعتراض ہوا تھا۔
ہو صاحبہ چھین سے اپنے کمرے میں کیوں نہیں آتیں صبح
ہی صبح فینڈ خراب کرنے آجاتی ہے اور ایٹلا۔ ایٹلا یہ تو
باقاعدہ التزام لگ گیا تھا کہ وہ صبح اٹھ کر ہی ہاتھ دھوئے
جاتی ہے۔ جاکا تکہ آپ کے دھالے ہوئے سونے۔ کچھ
مطابق وہ تو آئیندار سمجھ سوسکی طرح سب کے ہاتھ کی خبر
گیری کرتی تھی۔ لیکن چہ بچہ منہ کی کھٹائی پڑی۔ میری
پیاری اور بھولی اماں۔ یہ ایڈوانس دور ہے۔ آج کے دور
میں کوئی کسی کی بد اظہت برداشت نہیں کرتا۔ سسرال
والے بھی اور صاحب ہوتے ہیں اور میری اماں ایٹلا
ہیں جو سویرے سویرے آ کر حلاسیاں نہ کے اور جگے پیرن
لی کی طرح نہ پھرے۔ وہ دور کے سب میرا منہ اندھیرے
ہی کمرے سے بھاگ جایا کرتے تھے اور بسوں پیکے چپکے
کمرے سے نکل کر سناں پانچھوٹے مند پورول کے کمرے
میں جا کر بیٹھ جاتیں اور ایک کونے میں بیٹھ کر کوٹھنے لگتیں
۔ سچے سو کر اٹھتے تو کھتے بھابھی حضور رات بھرا سی کونے
میں بھی شغل فرماتی رہی ہیں۔“

اماں نے میری لڑ لڑ پٹکی زبان پر سر پکڑ لیا اور بیٹھے بیٹھے
ہوئے برواشن روم کی طرف بڑھ گئی۔

صدف اور ایٹلا کا روز روز اور روزانہ اماں کی ان سے
کھسر پھسر کا نتیجہ آئے روز نئے نئے مسائلوں کی آمد کی
صورت سامنے آیا۔

میں نے ان کاموں میں ذرا بھی کن سونیاں لینے کی
ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ
مجھے شادی سے دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے شادی سے سونپنے

دلچسپی تھی۔ میرا ایک اکیڈمیل تھا۔ ایک خوب خندہ ہت
دھرم اور اپنی ہی بات منوانے والے شخص کا پیکر۔
نظارہ یہ پیکر میری اپنی شخصیت کا عکس تھا۔ وہ بیکر جس
میں میں نے خود کو عکس کا عکس کے روپ میں دھارا تھا۔
اس روز میں بہت خوش تھی۔ میری تمام سہیلیاں
مجھے گھر سے لے چکی تھیں۔ اماں نے دو بڑے ڈانڈا بھی اٹھتے
ہی ڈھونڈے تھے۔ سو میرے لیے بھی اچھا ہی بر دیکھا ہو
گا۔ میں اندر تک شانت تھی۔ تب ہی میری سہیلیوں نے
صدف اور ایٹلا سے پوچھا کہ موصوف کا نام تو بتا دیں۔ اماں
کو تو وہ نام لینا ہی نہیں آتا تھا۔
”موصوف محبوب“ صدف نے بتایا۔

”موصوف“ مجھے کچھ زمانہ سا نام لگا۔ لیکن میری
مادری سہیلیاں نام سن کر چلا اٹھیں کہ نام مختلف اور
اچھا ہے۔

باقی کے دن خواب دیکھتے ہوئے مرگ کر اڑنے لگا۔
ایٹلا اور صدف رہنے کے لیے آگئی تھیں اور شادی کی
تاریاں زور و شور سے بخاری تھیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ
اپنی شادی کی ذمہ داریاں میں نے خود کیں۔
ایٹلا اور صدف کی توجہ اور ان کی اگلی تھی اور نہ ہی
ان میں اتنا اعتماد تھا جتنا مجھ میں تھا۔ کیونکہ تعلیمی قابلیت
میں بھی اور بچپن سے باہر کی ہوائی کی بدولت میں زیادہ
بڑا تھا۔ ہوان میں سے جو بھی بازار جاتا مجھے ساتھ ضرور
گھینٹا۔ اماں بھی میری خریداری سے مطمئن رہتیں۔
حیثیت اکتیز طور پر ٹپیل نے بھی میری شادی کی تیاریوں
میں حصہ لیا۔ بلکہ ایسی خاصی ذمہ داری اٹھائی۔
اللہ اللہ کر کے میری زندگی میں وہ دن بھی آیا جس کا ہر
لڑکی کو ارمان ہوتا ہے۔

میں نے سوچا ارمان ہونے کی کو خوش کروں۔ مگر میں
خوش اتنی تھی کہ ارمانی نامراد میرے قریب ہی نہ پہنچی تھی۔
اس خوشی کی سب سے اہم وجہ کہ میں کسی کے لیے خاص
بننے جا رہی تھی۔ میں اپنی اچھی ہوں کے درمیان اس کی
تجلی بھی اور ان کی پچھیز پچھاڑیہ میرے دانت نکل رہے
تھے۔ تب ہی میری بہنیں منہ بخور تے ہوئے نظر آئیں۔
پھر اماں نے آ کر مجھ اپنے ساتھ چنایا۔

اور تب میں نے محسوس کیا جو حجاز میں اماں کے ساتھ
قائم رکھی تھی۔ وہ دراصل ہزار کی محبت تھی۔ یا محبت کا
کوئی انداز تھا۔ میں اماں کے دھان پان سے وجود سے لپٹ

گئی اور رونے لگی۔ یہ خیالی ہی روج کو نوج رہا تھا کہ اب
اماں بالکل اکیلی رہ جائیں گی۔ ٹپیل کی طبیعت میں جو
ڈر پڑائی تھی وہ تو نہیں بدلتا تھا۔ میں نے جو روزنا شروع کیا تو
چپ کر اپنی مشکل ہو گیا۔ اور اماں بھی رو رہی تھیں۔
”میں نے ٹپ کو بہت ستایا ہے اماں مجھے معاف کرنا۔“

”تو میرے گھر کی رونق تھی۔ آج جو رونق میرے آگن
سے رخصت ہو کر کسی دوسرے گھر میں جا رہی ہے۔ اللہ
تجھے اس گھر میں بے حد خوش رکھے۔“ اماں مجھے پیار کرتے
ہوئے بولیں۔

”ہم جلد ہی ٹپیل کی شادی کر دیں گے۔ اب اس کے گھر
میں پھر سے رونقیں آجائیں گی۔“ صدف نے اماں کو اور
مجھے بیک وقت بلا سا دیا۔

”ٹپیل کی شادی تو کرنا ہی ہے۔ مگر نمبر کی کمی پوری
نہیں ہو سکتی۔ یہ میری بیٹی ہی نہیں بیٹا بھی تھی۔“

اماں کے منہ سے ایسی بھریف سن کر میں پھولی نہ سکتی
اور اماں کے گلے میں یا نہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

”آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔ ذب آپ حکم کریں گی۔
آپ کا نام آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرے گا۔“
”تو سن سارا اڑ بیٹا؟“ میری سسکھوں نے مجھے پچھڑا
میں ذرا شرمندہ بولی۔

”یعنی ابھی کئی بھی نہیں بخور اور ابھی سے اماں سے
موصوف۔۔۔“

اب میں کیا کہتی۔ کمر لحوں میں زعفران زار بن گیا
تھا۔ اماں بھی مسکراتے لگی تھیں۔



تمام روایتی رسوم کے بعد میری سسرالی خواتین نے مجھے
میرے بیل روم میں لٹایا دیا۔ جو میرے چہرے کے سناں سے
سجا ہوا تھا۔ درمیانے سناں کا کمرہ۔ فریج کی سارہ سی
آرائش سے دلکش لگا رہا تھا۔ میں نے اپنی نگاہوں سے
قی کمرے کا جائزہ لے ڈالا تھا پھر میں نے خود یہ خود کیا تو مجھے
بڑا عجیب سا لگا۔

یوں ہے وہ قوتوں کی طرح بیٹھ کر میں کون وقت شام کر
رہی تھی۔ کیا اپنی زندگی کی ابتدا کے لیے میرا ذہن اسکا
درجے کی ان روایتی حرکتوں کے لیے تیار تھا۔ میرے اندر
سے جواب آیا۔ ”نہیں۔“

جنس شخص کو میں جانتی تھی نہیں اس کے حوالے خود کو چپ چاپ کرونا کتنا عجیب لگتا ہے۔
 یہ خیال آئے ہی میری ساری شرم و حیا رٹو چکر ہو گئی اور میں نے بڑے اطمینان سے میک اپ اور زیور اتار کر کپڑے تبدیل کیے اور صوفے پر بیٹھ گئی۔
 یہ تو میں جانتی تھی کہ منظر اب محمود پر ہا کھنا ہے اور اس کی اسپتال پر اس کی بہت بڑی دکان ہے جو شخص بڑے شخص اور اوروں سے ڈانگ کرتا ہے کیسے ممکن ہے کہ اسے گفتگو کا پتہ نہ آتا ہو۔ وقت کی سوئیاں رک رک کر چل رہی تھیں۔ اور رات نئے خیالات و سب پاؤں میرے نزدیک آ رہے تھے۔

تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور محترم اندر تشریف لے آئے۔ چہرے پر عجیب کھیانی سی مٹی سجائے سفید لیکن اور پاجامے میں ملبوس وہ شخص میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے سلام کیا اور میرے نزدیک آ گیا۔
 اور اصل میں اپنی بہنوں کو نیک دے رہا تھا۔ اسی وجہ سے زہر ہو گئی۔ میری بہنوں کو میری شادی کا بہت ارمان تھا۔ مگر میں شادی یہ تمنا نہیں تھا۔ (یہ مجھ سے کس قسم کی گفتگو کر رہا ہے) سوچتا تھا مجھے آنے والی کہنی ہو۔ نہیں وہ ہم بہن بھائیوں کو ایک دوسرے سے دور نہ کر دے۔ مگر اب یہ بھی ممکن نہیں تھا وہ مجھے کنوارا ہی رکھتیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور میرے سر پر سراسیمہ دیا۔

یہ کہتے ہوئے وہ پھر کھیانے سے انداز میں ہنسا۔
 "اب یہ آپ پر منحصر ہے کیسے ان رشتوں کو بھاتی ہیں۔ میری پانچ بہنیں ہیں اور میں ان کا اکلوتا بھائی ہوں۔ دو بہنیں مجھ سے بڑی ہیں اور تین مجھ سے چھوٹی ہیں۔ ابھی نے آپ کا انتخاب کیا ہے تو ضرور آپ میں کچھ صلاحتیں دیکھی ہوں گی۔ میں نے تو آپ کے متعلق کچھ بھی جانتے کی کوشش نہیں کی۔ سب کچھ گھر والوں پر چھوڑ دیا تھا۔ اگر آپ میرے گھر والوں کو خوش رکھیں گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

(یعنی کہ میں بلا واسطہ نہیں بالواسطہ تم تک رسائی حاصل کروں گی) میں اس کی گفتگو پر اندر ہی اندر تھملا رہی تھی۔
 "ارے میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا تعارف تو کر لیا ہی نہیں۔" اس کی وہی کھیانی سی مٹی جس

سے مجھے اب چڑھنے لگی تھی۔
 "میرا نام منظر اب محمود ہے۔" میں سیدھا سا دوسرا شریف بندہ ہوں۔ آپ سے پہلے میری زندگی میں کوئی عورت نہیں گئی۔
 "عورت! میں چلا کر احتجاج بھی نہ کر سکتی۔"

"آپ پہلی خاتون ہیں اور شاید آخری بھی۔" اس نے اسی کھیالی مٹی سے کہا تو میرا دل ابولہبان ہو گیا۔ آگر وہ کسی جملے کسی اور طرح سے کہتا تو میں ہواؤں میں اڑنے لگتی۔ پھر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک سرخ مٹھی کی ڈبیا نکالی اور اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔
 "یہ میری طرف سے آپ کی رونمائی ہے۔ بس جلد ہی میں توڑکی بن سکتی تھی۔ اگر آپ کو کچھ اور پسند ہو گا تو میں دوں گا۔"

اور میں نے ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی کہ جو میرا اپنی بیوی کو رونمائی میں آگوا بھی دیتا ہے وہ کس خصوصیات مالک ہوتا ہے۔ مگر لاکھ کوشش کے میں زیادہ کر پائی۔ اس کا تختہ دینے کا انداز ہی اتنا زالا تھا کہ میری سوچ جامد ہو کر رہ گئی۔

اس کے شہر میرے گھنے کے اندر ایک گھر تھا۔
 "اگر آپ نہیں تو میں خود بنا دیتا ہوں۔"
 اب اتنی عاززی میری برداشت سے باہر تھی۔
 "آپ کچھ بولیں نہیں رہیں۔ بولنا تو میں بھی زیادہ نہیں ہوں۔ بس آپ کی وجہ سے بول رہا ہوں۔ آخر اس خاموشی کو کسی ایک نے تو توڑ دیا ہے۔"

وہ یہ کہہ کر باکسا مسکرایا تھا میں شخص ہی بیٹھی رہی اور سوچتی رہی۔
 کیا کوئی شخص اتنا بدبو بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ میں سنگھار سے "پاک" کیوں ہوں؟
 آخر وہ کچھ تو احتجاج کرنا۔ یعنی طعن کرنا ناراض ہونا۔ پھر سہا ہتا کچھ تو کہتا۔

"لگتا ہے آپ بہت تنگ گئی ہیں۔"
 میں نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔
 "ارے یہ سب سامان کون رکھ گیا تھا؟" اس کی نگاہوں پر رکھی اشیاء کی طرف اب گئی تھی۔
 "لگتا ہے یہ میری بہنوں کی کارگزاری ہے۔ شاید یہ بھی کچھ رسم ہوئی ہو۔" اس کی لاطنی مٹی یا جان بوجھ رہا تھا۔ دونوں میں سے جو بھی وجہ تھی مجھے سخت زہر

لگ رہی تھیں اس کی باتیں۔
 "دلزکریوں کو تو ویسے بھی بہت چٹیاں بڑھانے والی مل جاتی ہیں۔ مگر میرا تو کوئی توڑکی دوست نہیں ہے جو مجھے یہ سب کچھ بتاتا۔ آپ کو تو ان سب رسومات کا علم ہو گا۔"
 اس نے مٹھائی کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا تو میں جمل کر خاک ہو گئی اور میرا دل جاپا کھوں جی ہاں میں تو اس کو بھگتا کر آئی ہوں۔

"مشالی میں کون سی چیز آپ کی فیورٹ ہے؟"
 بجائے کچھ اٹھا کر میرے منہ میں ڈالنے کے اس نے سارا ڈبہ ہی میرے آگے کر دیا۔
 مجھے ابھی طس اندازہ ہو گیا تھا کہ میری قسمت پھوٹ چکی ہے اور میرے خواب پرہیز پر ہو چکے ہیں۔ یا تو یہ شخص مجھے کی کوشش کر رہا ہے۔ یا واقعی لیرا ہے۔ اگر واقعی مسٹر صاحبزادہ ہیں تو تمہاری تو ہو گئی غلاب۔

میں تنگ کر اس کے نزدیک سے اٹھ گئی۔
 "مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے مٹھائی کا ڈبہ رکھ کر فوراً "میرنی کھانی پکلائی۔" کی گزرت اتنی گزیر تھی کہ میں بنگلے سے نکلنے سے پھر آگئی تھی۔ لیکن ناشتہ کھانے ایسا بھی کیا۔
 "اگر آپ کی طبیعت خراب ہے تو آرام کر لیجئے۔ میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔"
 مجھے تو پہلے ہی ایسے حالات دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی باتیں سب اعتباری ہیں میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اور میں خود بھی سمجھ نہ پائی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ میں جو منظر اب کے آنے سے پہلے سوچ رہی تھی کہ پہلے اندر اسینڈنٹنگ ہو گی پھر اب نہ جانے کیوں اس کی سوز مری مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"ارے آپ رو رہی ہیں؟" وہ کچھ بچ پریشان ہو گیا۔
 اور اس کا پریشان ہونا مجھے پہلی بار کچھ اچھا لگا۔ تم از کم اس پریشانی کا محور صرف اور صرف میں تھی۔ وہ میرے نزدیک آ گیا۔

"اگر آپ آرام کرنا چاہتی ہیں تو آرام کر لیجئے۔ میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔"
 اس نے نہایت سادگی سے یہ جملے کہے اور اپنی آنکھیں پھیر کر اٹارنے میں مصروف ہو گیا۔ پھر وہ کمرے سے ملحقہ

دانش روم میں چلا گیا۔
 میں کھینے میں منہ کھینچ کر لیٹ گئی اور پچھلے چپکے اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگی۔
 پھر جسے ہی اس نے ناٹھت آپ کی میری ساری حسرتیں بیدار ہو گئیں۔ ظاہر ہے کمرے میں آرام کرنے کے لیے فقط ایک ہی بستر تھا اور جب اس نے یہ پوچھا۔
 "اگر آپ پسند کریں تو میں یہاں لیٹ جاؤں؟" تو میرے سارے ہی اندازے غلط ہو گئے۔ اور میرا دل چاہا کہ میں کچھ کر دوں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اگر آپ کو پریشانی ہوتی ہے تو میں اوپر صوفے پر لیٹ جاتا ہوں۔ ویسے بھی دن تو اکل ہی چکا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ دوسری طرف جانے لگا تو میں تنگ کر بستر سے اٹھ گئی۔

"اگر میری وجہ سے آپ یہ ڈرامہ کر رہے ہیں تو میں اوپر صوفے پر لیٹ جاتی ہوں۔" رونے کی وجہ سے میری آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور لمبے میں ترشی تھی۔ وہ ہنسی دہی میرا چہرہ دیکھنے لگا۔

یہ کہتے ہوئے میں صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ نیند تو مجھے کیا آتی تھی۔ بس کروٹیں ہی بدلتا تھا جس چاہے بیڑ ہو یا صوف۔ میں نے آنکھیں میچا لی تھیں۔ میں اس قلاب منظر سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر آنکھوں میں جو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کہنیاں تھیں وہ خیمہ کو کوسوں دور بھی گاد رہی تھیں۔

کچھ دیر تک وہ کمرے میں خاموشی رہی۔ پھر وہ کمرے سے چلا گیا۔
 اس کے جانے کے بعد جو میں اتنی دیر سے گنٹ گنٹ کر رو رہی تھی۔ دل کھول کر روئی پھر نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔



کمرے کا دروازہ ظاہر ہے کھلا ہوا تھا۔ اس لیے میری شادی شدہ مندریں کمرے میں آ گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ان کے بچے بھی آگے اور کواڑی مندریں بھی۔ شور سے میری آنکھ کھلی تو بڑی مندریں بچوں کو شور کرے اور چیزوں کو چھیڑنے سے روک رہی تھیں۔

اسے سارے افراد کو اپنے سر پر دیکھ کر پہلے تو مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا کیونکہ ماشاء اللہ روز ہی اس بچے سو کر اٹھتی

تھی۔ وہ بھی فقط انہاں کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد۔
پھر کچھ مہینے میرا فکریں بیدار ہو گیا۔ اب میں انہاں کے گھر
میں نہیں تھی۔

"ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کی خیر خراب ہو گئی۔ کیا وہ
بچ رہے ہیں ناشتہ کر نہیں پھر سو جائیں۔" یہ میری بڑی مند
تھی۔ جو خوشگوار ہی خوش مزاجی کا وارثہ کر رہی تھی۔ میں
خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

"تم لوگ بچوں کو لے کر باہر جاؤ۔ ہم ابھی کتے ہیں
دوسری والی بند میرے قریب بیٹھ گئی۔

میں اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ میرے ہاتھوں
پر ہندی رنگ کر رہی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں
نے زندگی میں پہلی بار ہندی رنگائی تھی۔ ہندی کی وجہ سے
میرے ہاتھ بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ اس سے
قبل میں عام لڑکیوں کی نسبت اپنے ہاتھوں کو بڑے اور
مرواندہ ہی سمجھتی تھی۔ لیکن آج اپنے ہاتھوں کا حسن دیکھ
کر میں خود بھی حیران تھی۔ یہ جو ٹیڑوں اور ہندی کا حسن
تھا یا واقعی مجھ پر بہت خوب چڑھا تھا۔

"ہم نے آپ سے چند باتیں کرنی ہیں۔ ہمارا خیال تھا
کہ آپ ہمیں فریض میں لیں گی۔ لیکن ابھی تو آپ... " جملہ
اور پورا چھوڑتے ہوئے وہ وہی انداز میں مسکرائی۔

میں کچھ جھل سی ہوتے ہوئے دانش روم میں چلی گئی۔
دانش روم میں جانے کے بعد میرے ذہن میں رات کی
باتیں مازہ ہو گئیں اور میں مضرب کی شخصیت میں دیکھنے
لگی۔ رات اس نے مجھ پر ارا بھی اچھا آثار نہیں چھوڑا تھا
آخر وہ مجھ سے ہر بات پوچھ پوچھ کر یہاں کر رہا تھا۔ کیا دنیا
میں ایسے مرد بھی ہوتے ہیں؟

وہ شخص لگا لگا سے مجھے کتنا کمزور اور بے وقوف تھا۔
میں نے شاور لے لیا تھا۔ وہیں کھڑی یہ میرا سادہ لہانہاں
اور ایک عددہ ناکی بھی لٹک رہی تھی۔ میں نے وہ سادہ گاہن
کا سوتہ پہن لیا۔

جست دانش روم سے باہر نکلی سینٹل ٹیبل پر ناشتے کے
انوں کو اٹھانے کو آمات رکھے تھے۔ رات کا تمام کھانے
پینے کا سامان وہاں سے غائب تھا۔ مضرب صاحب صوفے
پر ایستادہ تھے۔ گھر کے گلر کے نیچے شلوار میں بیویوں وہ
رات کی نسبت کچھ اٹھرا رہا اچھا لگ رہا تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر مجھے یک دم حیا سی آگئی اور میں جو
قولیہ بانوں میں بیٹھے جانا دینے کے کمرے میں داخل ہوئی

تھی۔ جلدی سے روپوش اٹھا کر اوڑھ لیا۔ یہ میری اچھا لگ
لا شعوری حرکت تھی۔
میرا رازہ تھا کہ ہاں کھول کر دکھاؤں۔ لیکن میرا رازہ
بھانپتے ہوئے اس نے کہا۔

"ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ پہلے ناشتہ کر لو۔ پھر ہاں بٹانہ مار
مجھے اس کے اس خشک دے دیے یہ جب چڑھ گئی۔
اس کی رات والی ساری زیادتیاں مازہ ہو گئیں۔
"مجھے ناشتہ نہیں کرنا۔" میں نے اٹھتے ہوئے انداز
میں کہا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم مجھ سے جس بات پر ناراض ہو۔ مگر
تم فکر نہ کرو۔"

میں جو آہستہ کے سامنے کھڑی تھی۔ شرمندہ ہو کر رہ گئی
مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ ہو سکی کہ پٹ کر اسے دیکھوں۔
آہستہ میں نے اسے دیکھا۔ وہ یہ کہہ کر سنجیدگی سے
ناشتہ کرنے لگا تھا۔ رات کی نسبت اس وقت وہ خالص
پراعتاد لگ رہا تھا۔

وہ ناشتہ کر کے کمرے سے چلا گیا۔ میں ناشتے کی ٹیبل پر

آگئی۔ اس وقت میں ایک سیڑیوں کے نیچے بیٹھی تھی۔ وہ وہی
نہندی اور بد ذائقہ۔ اس کے لفظوں کی بارگشت مجھے اب
بھی شرم سار کر رہی تھی۔ اتنی بڑی بات کو اس نے کس
قدر معمولی انداز میں کہہ دیا تھا۔ اس پر میرا کیا تاثر رہا ہے؟
میں جانے کب تک اس بات پر غور و فکر کرتی۔ مگر
میری وہی دونوں منڈیں بگڑے کمرے میں آئیں۔
ان کی آنکھوں میں شمرات اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہمارا بھائی آپ کو کیسا لگا؟" ہمارے مجھ سے پوچھا۔
میں اس بات کا کیا جواب دیتی۔ میں تو خود ابھی ہولی گئی۔

"نو بھلا یہ بھی کوئی بات بہت پوچھنے کی۔" امیرین نے
ہنس کر کہا۔ پھر کہنے لگیں۔ "یہ تو وقت کے ساتھ ساتھ ہی
تم دونوں ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرو گے۔ لیکن
اپنے بھائی کے بارے میں اتنا ضرور بتا دو کہ وہ ہم باج ہوں
کا اگلا بھائی ہے۔ ہمارے ساتھ کھیلا کورا ہے اسی وجہ
سے نظریہ شرمیلے مزاج کا ہے اور تمہاری ہی سادہ ہے۔ تم
اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو اس لیے مضرب
تمہیں عام لوگوں سے مختلف سمجھتا گا۔ وہ ہم سب سے بہت
محبت کرتا ہے۔ اس نے باہر کی دوستیاں نہیں پائیں۔ تم

میں بھائی ہی ایک دوسرے کے دوست رہتے ہیں۔
خبر لگاؤ اور اب کو محفوظ رکھتے ہوئے ہم ہمیشہ تو پھر کچی
ایک دوسرے سے قری ہو جاتی ہیں۔ لیکن مضرب ہم
سے بھی عکاظ ہی رہا ہے۔ اس لیے ہم چاہتے تھے کہ
خانہ لائی اور نیک سیرت لڑکی لائیں تاکہ ہمارے گھر کا سکون
اسی طرح برقرار رہے۔ تمہاری بڑی دونوں بہنوں کو میں
اچھی طرح جانتی ہوں ایک تو میرے مسرالی رشتہ اندروں
میں ہی آئی ہے۔ ان ہی کے کردار کو دیکھتے ہوئے ہمارا
دھیان تمہاری طرف آیا تھا۔ ہمیں امید ہے تم ہمارے گھر
کا سکون قائم رکھو گی اور اپنی ابو کا مضرب کی طرح ہی خیال
رکھو گی۔"

میں چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی۔
دوسرے ٹک میری ہمیشہ مجھے لینے آئیں۔ مجھے دو ٹیبل
مجھے کے لیے جانا تھا۔ کیونکہ رات کو بوسہ تھا۔

مج سے میری ساس میرے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔
مجھے یہ بات عجیب سی لگ رہی تھی۔ لیکن اس سے بھی
بڑا عجیب شب نگاہ سب جاتے ہوئے میں نے انہیں
سلام کیا تو وہ ذرا حیرت مندی ہو گئیں۔

"ہاں اور امیرین کو میں نے تمہارے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ
کوئی باتوں کے کمرے میں جاتے ہوئے کچھ شرم آئی ہے۔
اس کے لیے میں تمہارے پاس نہیں آئی۔"

اپنی سانس کی شرم پر مجھے شرم سے ذوق مڑا چلا ہے
تھا۔ وہ سب چاروں بھائیوں میں اتنی اوپ لحاظ والی تھیں۔
بلکہ میں نے مجھے تو ایک بار بھی شرم نہیں آئی تھی۔
لیکن جیر جو کچھ بھی تھا گھر کا ماحول میری ساس کے زیر
ا تھا۔ اسی وجہ سے مضرب محمود بھی شرمیلے مزاج کے
تھے۔ میں رات بھر مختلف نتائج کا نتیجہ رہی۔

"کیا بات ہے تمہاری بالکل بولتی بند ہو گئی؟" مثال نے
مجھے پوچھا۔

میں اتنی ابھی ہوتی تھی کہ بات کا کوئی سراغ نہ نکال
سکی۔ اہاں نے میری خوب آؤ بگھٹ کی۔

انہاں اصرار اور منہ کی چھیڑ چھاڑ میں وقت گزر گیا۔
شرم کو مجھے مضرب کی سمن لینے آگئی۔ وہ مجھے سیدھا بیوی
پارہ لے گئی۔ پھر وہیں سے ہم صبح ہال چلے گئے۔

وہ سب کا فکشن بالکل سادہ سا تھا۔ مختصر سے مہمان تھے
مرد حضرات کا علیحدہ انتظام تھا اور خواتین کا علیحدہ۔
علاوہ ہمارے یہاں تو لڑکا لڑکی و محمد کے روزا کھٹے بیٹھے

تھے۔ میری سہیلیاں مضرب سے ملنا چاہتی تھیں۔
لیکن ایسا موقع ہی نہ بن سکا اور وہ نقشہ خواہش لے چلی
گئیں۔ رات کے ہم لوگ بھی گھر آ گئے۔ میں مضرب
کے ہمراہ گاڑی میں تھی۔ ساتھ ہی ساس سسر اور ایک مند
بھی تھی۔ اسی وجہ رات سا خاموشی سے طے ہوا۔ گھر آنے
کے بعد سب ہی کھٹے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے کمروں
میں چلے گئے۔

میں اپنے کمرے میں آگئی۔ ابھی مضرب اندر نہیں آیا
تھا۔ میں چاہتی تو پوچھ کر لیتی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔
میں مضرب کی نظروں سے اپنی ستائش چاہتی تھی۔

آج سب ہی نے میری بہت تعریف کی تھی۔ بقول
مناج کے نکال دالے دن سے زیادہ میں آج اچھی لگ رہی
تھی۔ فالسٹی رنگ کا گدار غوارہ والی بچھو بہت اچھے رہا
تھا۔ میں نے آہستہ میں خود کو دیکھا۔ تو اسانہ کیا۔ میرا
ٹیک اپ ابھی تک ٹرو مازہ تھا۔ میں صوفے پر بیٹھی تھی۔
جب ہی مضرب اندر آیا۔ اس نے بلکہ تو نہیں پہن رکھا
تھا۔ اس نے آہستہ سے مجھے سلام کیا۔

آج وہ بہت مختلف اور بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے
اچانک دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا۔ میں سیدھی ہو گئی۔
پھر وہ میرے نزدیک آکر بیٹھ گیا۔

میرے سن میں بالکل ہونے لگی۔ میرا خیال تھا وہ میری
تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گا۔ لیکن اس
نے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے ایسی سادگی سے کہا۔

"نہ جانے خواتین اتنا میک اپ کیوں تھوڑی ہیں مجھے تو
سادہ چہرے اچھے لگتے ہیں۔" حالانکہ اس کے انداز میں طنز
نہیں تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگا بلکہ میرے لیے یہ کوئی عجیب
بات نہیں تھی۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جنہیں میک
اپ پسند نہیں ہوتا۔ لیکن جب میں کل بنا میک اپ کے
تھی تب تو اس نے اس قسم کے خیالات کا اظہار نہیں کیا
تھا۔

"کوئی بھی دلہن بنا میک اپ کے تیار نہیں ہوتی۔" میں
نے قدر سے روکھا سا جواب دیا۔ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میں
دو دن کی دلہن ہوں۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔
"اگر آپ کو میک اپ پسند ہے تو میں بھی اعتراض
نہیں کر دوں گا۔" اس کی غلامت مجھے ایک آنکھ بھائی۔

"ہندسے میں کچھ تو کوئی ہونا چاہیے۔ پسندنا پسند
مرضی یا نامرضی۔ یہ کیا کاتھ کے لوکی طرح بیوی کی پاس

میں ہانپتا ہوا۔

"دو بجتے والے ہیں۔ رات کافی ہو رہی ہے۔ آپ سو جائیں۔ میں بھی سو جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ میرے پاس سے اٹھ گیا۔ مجھے شدید غصہ آیا۔

اور میں بھی بچوں کی توں بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سادھی لیموں شکر اور ٹین ڈاش روم سے نکلا تو مجھے پونہ بیٹھا دیکھ کر بولا۔

"کیا بارہ ہے آپ کا؟"

"دیکھا مطلب؟" میں انجان بنی۔

"ظاہر ہے آپ نادان تو نہیں ہیں اور نہ ہی بچی ہیں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی کمرے کی لائٹس آف کر کے زبرد اور کالمب چلا دیا۔

وہ میرے نزدیک آیا اور اٹھتے ہی سے میرے کان کا آؤرہ چھوڑتے ہوئے بولا۔

"اگر تھکی ہوئی ہو تو میں بیلب کراؤں گا۔"

"کل تو آپ کو اس بات کا خیال نہیں آیا۔" میری زبان بھلا کب تک رک سکتی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

"کل آپ نے سب کچھ خود ہی اٹھا لیا تھا۔ میں بھلا کیا بیلب کراؤں گا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے غور سے قریب کر لیا۔

"آپ نے تو کل اس قابل امین سمجھا ہی نہیں۔ اب میرے لیے کیا حیثیت ہے ان باتوں کی۔"

میرے دلخ میں چھٹا گاسا ہوا۔ میں تو اسے بدھو سمجھ رہی تھی لیکن وہ تو گھٹا مینٹا نکلا۔

وہ آہستہ سے ہنسنا۔ "پہلے اپنے متعلق کچھ غلط فہمیاں دور کروں۔"

"مجھے تو کوئی غلط فہمی نہیں ہے آپ کے متعلق۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ پھر آپ کا رویہ اتنا اگھڑا اگھڑا کیوں ہے مجھ سے؟"

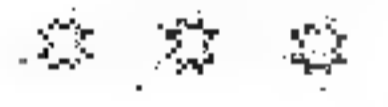
تھا۔

"کیا ضرورت تھی خرمے دکھانے کی۔ اتنا دیر اور کمزور مرے تب ہی تو وہ ہر معاملے کو میرے سر تھوپ رہا ہے۔ اتنا جبر و استغفال آج سے پہلے میں نے کسی مرد میں نہیں سنا۔ نہ جانے یہ آزمائش میرے لیے کیوں بندھ گئی۔"

میں نے آنکھیں کھول کر پونہ ہی جانتا بیٹھا چاہا۔ مضطرب محمود سے آنکھیں چار ہوئیں وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

میں نے غور کیا اس کے چہرے پر آنکھیں تھیں۔ میں سمجھ چکی تھی۔ اس کا سارا سسٹم جو صلے کی کمی ہی ہے۔ اس چیز نے مجھے سب سے خرد دل شکستہ کیا تھا۔ میں تو زندگی میں اس سے کبھی خنجر بھی نہیں دکھا سکتی تھی۔ خرمے کا مطلب تھا اس چیز سے ہاتھ دھو بیٹا۔

ابھی میں خیالوں کی رو میں بند رہی تھی کہ کسی نے میرے بازو پر ہاتھ رکھا تو میں چونک گئی اور یکدم آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں ٹیپ اندھیرا تھا اور مضطرب میرے بالکل من یک۔ اتنا کہ میں کچھ بول نہ پائی۔



مجھے کئی اظہار رہا تھا۔ مجھے اس وقت خرمے کا اتنا دل تھا کہ باوجود وہ سب کچھ نہ کہتا تھا۔ میں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ کسی بھاری سے ہاتھ نے میرا کان چھو لیا۔ مجھے جھنجھلا کر آنکھیں کھولنا پڑیں۔ یہ میرے شوہر ناندرا تھے۔ میرا جی چاہا کہوں۔ ایک ہی ٹوٹی دکن کو ایسے دگایا جاتا ہے۔ او خرمو چہرے پر بے زار دیکھے کہہ رہے تھے۔

"وقت دیکھیں کیا ہو رہا ہے۔ ابھی کوئی کمرے میں آجائے گا۔ تم آؤ تم اپنا حلیہ تودرست کر لیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے کے سامنے کھڑا ہو کر بالی سنوارنے لگا۔ میں شرمندہ ہوتے ہوئے چپ چاپ وائس روم میں چلی گئی۔ میں باہر آئی تو مضطرب کمرے میں نہیں تھا۔ میں نے بیڈ کی چار دروست کی۔ اتنا زبردیوں میں رکھا۔ رات کے کپڑے ڈش میں لٹکائے تب ہی میری سندانہ رہ گئی۔

"آپ ناشتہ نہیں کریں گی یا تم سب کے ساتھ؟"

"سب کون؟" میں پوچھ تو نہ سکی لیکن شاید اس نے میرے چہرے پر یہ سوال بڑھ لیا تھا۔

"ابھی کون؟" میں نے سوال ہی نہ کیا۔ میں نے ہنسی بھری آنکھوں کے ساتھ کہہ دیا۔ مضطرب اور ابو تہ چائے پئے۔

"میں آپ لوگوں کے ساتھ ہی ناشتہ کر لوں گی۔" میں نے

نے دوپٹہ درست کیا اور اس کے ساتھ ساتھ باہر نکلی۔ پہلی بار میں گھر کا چائے لے رہی تھی۔

چار کمرے تھے۔ مشین یہ گھر کوئی سات تھوڑے مہرے کا ہو گا۔ دو کمرے کے آگے درمیان سا بڑا کمرہ تھا اور اس کے بعد چھوٹا سا کھن کھن کے ایک طرف کچن اور باہر روم تھا۔

دوسری طرف میرا کمرہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم تھا۔ سامنے کچن میں داخل ہونے کے لیے دروازہ تھی جہاں میں نے موٹر سائیکل کھڑی رکھی تھی۔

جو اس وقت نہیں تھی۔ یقیناً وہ مضطرب کے استعمال میں ہو گی۔ گھر کی کنڈیشن اور سٹرو سامان ان کی اچھی حیثیت کا پتہ دیتا تھا۔ میں سلام کرتے ہوئے ان لوگوں کے درمیان میں بیٹھ گئی۔ وہ سب برآمدے میں بیٹھی تھیں۔

میرے بیٹھے ہی دسترو ان کچھ گیا۔

"کل سے ناشتے پر ای ابو تم اور مضطرب ہو گے۔"

میں نے اپنی بولی بھری طرف سوائے لگا ہوں سے دیکھا۔ میں خود بھی اپنی اس حرکت پر حیران تھی۔ میں جو بیٹھ سے جواب دے رہی تھی اب بنا بولے کیے رہ رہی تھی۔

اب میرے ہنسی ہنسی میں تو آج شام کو اپنے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی اور اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ناشتے پر گپ شپ بولی رہی میں چپ چاپ صرف مسکرائی رہی۔

دن ایسے ہی مصروفیات میں پر لگا کر گزار گیا۔ شام کو ٹیبل کھانے کے کرایا تو میں حیران رہ گئی۔

"کس نے بتایا ہے یہ سب کچھ؟"

"سب اہل کے ہاتھ کا تو نہیں تھا۔"

"مضطرب کئی بولی تھی۔ اس نے بتایا ہے سب کچھ۔"

ٹیبل نے بتایا۔ وہ اور بھی رسکے کی۔ شاید میں صبح کا ناشتہ بھی لے لوں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے لائق خرمے کرنے کی۔" میں نے ٹیبل کو بتایا۔

وہ ہنسنے لگا۔ "ابھی تک وین کی دسک ہی ہو۔" میں نے ٹیبل کو کھورا ٹیبل اور مضطرب کے درمیان بس دعا سلام ہی ہو گئی۔ ٹیبل چلا گیا تو مضطرب نے اس مارے کھانے کو کھانا میں چکن میں رکھنے جاری تھی۔

"کیا ضرورت تھی اس تکلیف کی۔ یہ سب کچھ تو تمہارا بھی ہمارا ہوتا ہے۔"

"یہ سب کچھ میں نے کبھی نہیں منگوا یا۔" میرے لہجے میں کئی سی تھی۔ مضطرب خاموش ہو گیا۔ اسے شاید زیادہ تو میں میں کی عادت نہیں تھی۔

میں بھی خاموشی سے برتن کچن میں لے آئی۔ رات کو سب نے ہی کھانا اور ہمارے گھر کے کھانے کی تقریب کی کھانا کھا کر بند ہو چکی تھیں۔

مضطرب اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور میں جو پر یہ مارے کے ہزار اپنے سانس سسر کے پاس بیٹھی رہی۔ گپ شپ ہوتی رہی۔ درمیان میں ٹیبل نے دوبارہ چائے کی بیانی۔

"رات کافی ہو رہی ہے۔ جو پر یہ مارے تم لوگوں نے سوچ اسکو بھی جانا ہے اور تمہارا کچن بھی جا کر آرام کرو۔ مجھے بھی ابھی بے شمار کئی کام پڑھنی ہے۔"

اس کے کہنے پر ہم سب باہر ہی ہار دی گئے۔

میں کمرے میں آئی تو وقت دیکھ کر مجھے کئی حیرانی ہوئی۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ مضطرب کو وی دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے ضرور پوچھے گا کہ اتنی رپ سے تم کہاں تھیں۔ ظاہر ہے وہ میرے اظہار میں ہی تو بیوی دیکھ رہا تھا۔ مگر میری یہ خوش تھی تو برا ہی دور ہو گئی۔

جب میں بستر کی طرف بڑھی تو اس سے عام سے انداز میں کہا۔

"لائٹ آف کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" یہ کہتے ہی اس کے ریموٹ سے لی وی آف کیا اور لیٹ گیا۔

"ابھی دور سے کیوں جاگ رہے تھے۔ سو جاتے۔" میں نے لہجے ہوئے کہا تو مضطرب نے میری طرف کروٹ لے لی اور مجھے غور سے قریب کر لیا۔

"تمہارے بغیر اب نیند نہیں آتی۔" اس کی یہ سرگوشی میرے من کے تار ہانپنے لگی۔

"کیوں کہی کیا خاص بات ہے مجھ میں؟" میں نے اترا کر پوچھا۔ شاید میں اپنی عمر نہیں سنا چا رہی تھی۔

"پوچھ نہیں۔" مضطرب کا لہجہ بوجھل اور نشیلا تھا۔

میں اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ گھٹنگو کے موڈ میں نہیں تھا۔ رات خاموشی سے سرگئی چلی گئی۔



آج صبح پہلے میری آنکھ کھلی تھی۔ مضطرب یہ سو

سو رہا تھا۔ میں اسے دیکھنے لگی۔ اس کے خدو حال جاؤب نظر نہ آئے۔

"بندہ ٹھیک ٹھاک ہی ہے۔ میں مسکرائی اور بال سمیٹتے ہوئے دوش روم میں چلی گئی۔

"کیوں نہ آج موصوف کو اس طرح جگایا جائے کہ ہوش ٹھکانے آجائیں۔ یعنی کوئی درویشک ما اندازیا کوئی شرارتی اندازتہ۔

گمراہی روم سے نکلے سارا روم منٹ کھا اور شرارتی انداز دھرا کا دھرا رہ گیا۔ جب میں نے گمراہی ڈالیا۔

کچھ مہینے میرا سوز آف ہو گیا۔ میں سنبھل کر پیچھے کیے تب ہی میرے بالوں میں سرسراہٹ ہی ہوئی۔

میں ڈر کر جو اچھلی تو کسی سے ٹکرائی۔ پیچھے ہی مضرب کھڑا تھا۔

"صبح بخیر۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ ابھی تو وہ کمرے میں نہیں تھا۔ اچانک کہاں سے آیا۔

"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"یوں ہی بس۔" میں نے سر جھٹکا اور خفیف سا مسکرا دی۔

"یہ بتائیں میں آپ کو کبھی لگی؟"

"کیا مطلب؟ کبھی تم ہو سکی ہی تکیوں۔ کتا ہرے تمہیں یہاں مشترکہ پینڈ سے ہی لایا گیا ہے۔"

"اٹووا" میں اس کے جواب پہ جھنجھلائی۔

"میرا مطلب ہے پچھلے دن سے اور اب تک۔"

"پچھلے دن مغزوری کو سر سے دن روٹھی ہوئی۔ تیسرے دن کم مہم اور آج چوتھا دن ہے۔ کچھ کچھ سب وقوف ہی۔"

"کیا مطلب؟" میں پتا پڑی۔ مجھے سخت غصہ آیا۔

"ایک بھی دن آپ نے میری شخصیت کی صحیح ترجمانی نہیں کی اور یہ بتائیں میں نے کن کیاے وقوف کی ہے؟"

"یہ بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ خواہ تو وہ وقت صاف کر رہی ہو۔ تمہیں شائستگی کی نظر ہی نہیں۔ مجھے سارا سہ سہات بچے جانا ہوتا ہے۔"

"وقت میں نہیں آپ شروع کر رہے ہیں۔" میں نے اس کے ہاتھ بھٹک کر کہا۔ میں اپنے اصل موڈ میں آچکی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔ "ایک ہی بات ہے" میرے بالوں کو چھیڑتا ہوا دوش روم میں چلا گیا۔

میں بالوں کی چوٹی بنا کر دوپٹہ درست کرتے ہوئے کچھ میں لگی اور ہاتھ ہالے لگی۔ میرا ذہن ایک ہی سمت پرواز کر رہا تھا۔ وہ سمت میرے لیے کچھ ناگوار تھی۔ وہ سارے ڈرامے جن میں میں نے ہیرو کا کردار کیا تھا۔ میرے ذہن میں آرہے تھے۔ اگر میں مر رہا ہوتا تو کتنا اچھوٹے کرتا ان سٹوں کو۔ اور اس لڑکی کو اسے پیار بھرے جذبات کا کتنی خوب صورتی سے یقین دلاتا کہ وہ میری جیون ساتھی ہونے پہ فخر کرے گی۔ مگر یہ قسمت کی ستم ظریفی نہیں تو کیا تھی۔ بیشہ میرے ساتھ ایسا ہی ہونا آیا تھا۔ مجھے کیا محسوس سا مڑا ملا تھا۔

"ذرا گئی تھیں مجھ سے؟"

مجھے ہنس آگئی "اتنے بھی ڈر ڈانے نہیں ہیں آپ۔"

"یعنی کچھ کچھ ڈر آؤنا ہوں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ میں نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا۔

میرا دل چاہا۔ مجھے یونہی قلم جائیں۔

"چاؤنا۔" کیا تمہیں پتا نہیں تھا کہ میں کمرے میں ہوں؟ میں جو اس سے کسی پیار بھری بات کی توقع کر رہی تھی ایک دم بیزار ہو گئی۔

"کیا ان لحاظ میں ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے؟"

"مثلاً"۔۔۔" وہ کچھ سی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"یعنی اب یہ بھی مجھے ہی رہنا پڑے گا۔" میں نے سر دھکے کھینچی تو وہ ہنس پڑا۔

"ظاہر ہے بات تم نے شروع کی ہے۔"

اور میں نے سوچا۔ اگر میں چل چل کر ایک طرف بیٹھ لگی تو مضرب کی گھج سے دلچسپی ختم ہو جائے گی۔ اس وقت میں اس کی توجہ کا مسخور ہوں اس لیے اپنی بے لڑکی پر قابو پا کر بولی۔

مجھے نے اس وقت پریشان تھا۔ اماں و بخار ہو یا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ اماں کی حالت دیکھ کر میں نے اسے اور جو بے دن اور بے لڑکی مجھ پر طاری تھی سب بھول کر لگی۔

میرے آنے کے بعد مضرب بھی اماں کی طبیعت دیکھنے آیا تھا۔ وہ دن بعد وہ دن بارہ آیا۔ پچھلے کی نسبت اماں کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی۔ اماں کا اور نیل کا خیال تھا کہ مضرب مجھے آج ضرور ساتھ لے جائے گا۔ لیکن وہ مجھے ساتھ لے کر نہیں گیا۔ جس سے اماں اور نیل کو تو بہت غوشی ہوئی۔ لیکن مجھے کچھ اچھا نہیں لگا۔

مجھے پرے سات دن ہونے کے تھے یہاں آئے ہوئے۔ ایک بھی دن اس نے نہ تو مجھے فون کیا تھا۔ نہ ہی مجھ سے کوئی بات کی تھی۔ بس اماں کے سامنے ہی جو دعا سلام ہو جاتی تھی وہی ہوتی تھی۔ پھر اماں مضرب کے بیٹھے ہی مجھے اس کی خاطر توجہ کے لیے دوڑا کر رکھتیں۔ کیا میں اس کے لیے اتنی ہی غیر اہم تھی۔ مضرب بڑا رویہ اکثر میری گھج میں نہیں آتا تھا۔

اس کی ذات میں کتنا ٹھیراؤ اور سکون تھا۔ مجھے مضرب سے دلچسپی ہونے لگی تھی۔

معاذے خدا! اس کی کب تک قائم رہے گی کہ اچانک موسم بدلے گا۔ کتنا اس قدر اس قدر ہی بد حال اور تیز ہوا جس اور پھر یہاں پہنچاں برساتا میند سا دن کا بھیے آتا ہو گیا تھا۔

بارش بھی ایسی ہوئی تھی کہ ہر تھے کچھ تھی تھی۔ ہوا کی محسوسات سے کچھ ہی طاری ہونے لگی تھی۔ میں دوڑ دوڑ کر اماں کے کمرے آ گیا۔ کمرے میں رکھ رہی تھی۔ اس وقت اماں اور میں ہی کمرے میں اکٹھے تھے۔ اماں برآمدے میں بیٹھی مجھے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

"نیل اچھا لگ جائے گی مجھے۔ دیکھنے سے بارش میں نماز ہی ہے۔ ہوا بھی تیز ہے۔"

"اماں! میں تمہارے گلوں کو مٹا رہی ہوں۔ دیکھنا کیسی کو نظریں پھونکیں گی۔ سارے گئے بھر جائیں گے۔"

"اچھا بس کر۔ نیل آئی ہوگا۔ کلی ہونے چھٹی لے کر آ رہا ہے۔ وہ تو چھٹی سے نما کر پڑے بدل لے۔ شاید آج مضرب بھی مجھے لے آجائے۔"

میں نے جو تک گرا اماں کی طرف دیکھا۔ اماں اپنی ذہن میں لیکن چھالے کاٹ رہی تھیں۔

اس نماے چکی لگی۔ کسی رنگ کے شیٹوں دوپٹے کا لٹن کا یہ جوڑا میں نے اسی خیال کے تحت پہنا تھا کہ مضرب مجھے لے آئے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا بارش ختم تھی۔ پھر شام سے رات ہو گئی۔ اور رات سے پچھلا پھر مجھے کمرے میں بدلتے بدلتے بیت گیا۔

"کیا وہ مجھے یاد آ رہا ہے؟ نہیں۔ پھر میں کیوں شام ڈھنے سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ کیا سافن کی پکلی بارش نے اس کے من کو نہیں چھوڑا ہوگا۔ کیا اسے میری یاد نہیں آئی ہوگی؟ کیا مجھ میں ایسا کچھ بھی نہیں جو مضرب محمود کو چھوڑ سکتا۔" اتنی کم مانگی کے احساس سے میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

نیل باہر برآمدے میں سو رہا تھا اور اماں مجھ سے کچھ ڈھلے پر خزانے لے رہی تھیں۔ میرے بچپن کی محرومیاں پھر سے میرا اعلاظہ کرنے لگی تھیں۔ اس وقت مجھے منزل بہت یاد آئی۔ اور میرا دل چاہا کہ میں اس سے اپنا دکھ شیر کروں۔ لیکن رات کے گیارہ بجے اسے ڈسٹرب کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا اور یونہی کمرے میں بدلتے بدلتے میری آنکھ لگ گئی۔

اپنی صحیح نہایت ہی خوشگوار تھی بلکہ ہلکی دھوپ ہر سو چھیلی تھی اور ہوا میں ہر شور تھیں۔ کمرے میں غیر معمولی چہل چل سے میری آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ اماں نے مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ میں اٹھی تو رنگ رہ گئی۔ سامنے ہی منال اماں سے باتیں کر رہی تھی اور پھر مجھے اٹھا کر کمرہ مجھ سے لیٹ گئی۔

"رات ہی میں تمہیں یاد کر رہی تھی اور تم صبح تن بھی چھینیں۔" میری غوشی بھی دیدنی تھی۔

"اسے ہی تو کہتے ہیں دل کول سے راہ و روپے کا لیس ایچ نہیں کرنے کی بھی فرحت نہیں تھی تمہیں۔ یاد ہے؟ کوئی بھی بارش ہم نے اکیلے اچھوٹے نہیں کی۔ بیشہ تمہارا فون پیلے آ جانا تھا اور میں سوچتی رہ جاتی تھی۔ اور اب رات بارش چھینے تک میں تمہارا انتظار کرتی رہی۔"

منال کی بات نے مجھے رنجیدہ کر دیا۔

"پھر دل کو یہ سوچ کر سمجھانا کہ اس وقت تمہارے پاس کے ساتھ بارش میں تمہاری ہوگی۔ لیکن جب صبح آئی

بھی میں ہسٹائی سے بیٹھی رہی۔
 "تو اٹھائے میں کوئی جرم کر رہی ہوں۔" مستراب نے
 مجھے چونک کر دیکھا۔
 "نون میں خاصا صبح آگیا تمہیں۔"
 ایک اور دن جلانے والا جملہ۔ میں نے بڑی مشکل سے
 ضبط کیا اور مسکرا کر بولی۔
 "آپ نے مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ورنہ میری
 خوش اخلاقی تو آپ سے چھپی نہ رہتی۔"
 "خوش اخلاقی؟" وہ ٹھہرے مسکرایا۔
 "آج سے قبل تو میں نے تمہیں کبھی مسکراتے ہوئے
 نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ہی مجھ سے لڑتی پاتا رہی ہی رہی ہو۔
 بلکہ میں تو خود حیران ہوں کہ مجھے بیمار یا کمرہ میں کلبے کی
 خوشی ہو رہی ہے۔"
 میری برواشت جواب دے گئی۔ میں نے مستراب کا
 ہاتھ چموز کر کھڑی ہو گئی۔
 "ورست آجھا آپ نے۔ آپ کو بیمار یا کمرہ میرا کمرہ تو
 کافی یاد ہو رہا ہے۔ مجھے تو خوب "شمن منانا چاہیے۔"
 وہ چپ چاپ میرا منہ دیکھا رہا۔ پھر مجھے خود ہی خیال
 آیا۔ اور میں نے خود کو ناراض کیا۔
 "اگر آپ کی طبیعت اتنی ہی خراب تھی تو مجھے فون
 کیوں نہیں کیا؟"
 "میری دیکھ بھال کرنے کے لیے یہاں بہت سے لوگ
 تھے۔ وہی نہ تھا سا جواب۔"
 "تو کیا ان بہت سے لوگوں میں میری کوئی اہمیت نہیں؟"
 میرے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔
 "دن ہی کتنے ہوئے ہیں تمہیں میری زندگی میں آئے
 ہوئے۔ کتنے دن اور ان دنوں میں سے نون تو تم
 اپنے میکے میں رہی ہو۔"
 "میں اپنی مرضی سے تو جا کر نہیں بیٹھی تھی۔ ضرورت
 تھی تو بلا لیتے۔" میں نے شک کر کہا۔
 "الہ اللہ۔ میری سب ضرورتیں ہمیشہ بغیر کے پوری ہو
 جاتی ہیں۔" مجھے کی لٹھک نے مجھے اندر تک بھڑکایا۔
 "تم تو آپ کی ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟" میں
 اس کے سر پہ جا پڑی۔
 "میرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے دوائی ہونے سے
 اور مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے اسی سرد انداز میں کہا اور
 آنکھیں بند کر لیں۔

اس نے چہرے پہ وہی مسکرائی تھی۔ اس کے ہنسنے
 اندر تک تھلکا کر رکھ دیا تھا۔ بہت دیر تک میں صوفے پہ
 یونہی بیٹھی رہی۔ جب کہ وہ صوفے کا تھا۔
 رات کافی ہو گئی تھی۔ میں نے کمرے کی ڈائننگ آف
 گئیں اور بیڈ کے دو سرے کنارے پہ پڑ گئی۔ اس شدید
 گرمی میں اسے ہی کو کولنگ نے کمرے کو ٹھیک ٹھیک
 بہت بیمار لکھا تھا۔ مستراب کو شاید سوزی لگ رہی تھی۔
 اس نے کسل ناگہوں پہ بچھلار کھا تھا۔ یونہی لیٹے لیٹے مجھے
 خیال آیا تو میں نے اس کی بیٹھائی پہ ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ جو
 اس کے مزاج کی طرح بالکل سرد ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ
 کر کولنگ تھوڑی سی کم کر دی اور واپس آ کر لیٹ گئی۔
 صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں ہستہ اٹھ گئی۔ بیمار
 صاحب تھا۔ میں بڑبڑا کر تیزی سے اٹھی تو مستراب کو بیماری
 میں کچھ تلاش کر لیا اور بہت جگت میں تھا۔ اور اپنی رکن
 پہ جانے کے لیے بالکل تیار تھا۔
 "اگر آج کی بھی پھٹی کر لیتے تو کیا ہو جاتا۔" میں نے
 اس کی طبیعت کے خیال سے ہی تو کہا تھا۔
 "مگر اس بہت کاسٹل کے ساتھ ہوا۔ وہی
 جوابات کاروں میں دیکھا گیا۔
 "پہلے ہی وہ پھٹیاں ہو چکی ہیں اور پھر میں پر کرتا
 بھی کیا ہے۔"
 یہ دو سراسر جملہ جو ذرا آہستگی سے کہا تھا میں نے با آسانی
 سن لیا تھا۔ میں اس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔
 "ایک بیمار انسان کو گھر میں رہ کر سکون ہی چاہیے ہوتا
 ہے اور وہ آپ کو آسانی مل جاتا ہے۔"
 "سکون انسان کے اندر ہوتا ہے اگر وہاں نہ ہو تو پھر
 کہیں نہیں ہوتا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ٹھنکا چلا گیا اور میں
 اس کے اس چھوٹے سے جملے میں جو فلسفیانہ بھی تھا اور
 معنی سمجھ ہی نہ سکی تھی۔
 زندگی پھر معمولی ہو گئی۔
 میں دوپہر کا کھانا پکا کر اسی فارغ ہو کر لیٹی ہی تھی کہ
 منال کا فون آیا۔
 میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے سن گمن لینے کے لیے یہ
 چین ہوگی۔ مگر میرے پاس تو کوئی خوش کن خبر نہ تھی۔
 میں نے بے دلی سے فون اٹینڈ کیا۔ وہ مجھے سالگرہ کی

بیماری یاد دلا رہی تھی۔ میری گفت و گو دور ہونے لگی۔
 میں اس کے لیے تو اہم تھی۔
 منال سے لب خیال آیا ہے۔ میں نے شکوہ کر ڈالا۔
 "پورے دن میں میسج دیکھو کتنے ہیں۔" وہ لانا ڈیٹ
 کر بولی تو میں خاموش ہو گئی۔ اب یہ فراڈاٹ دیکھنے کی
 فرسٹ کہاں گئی۔
 "اچھا سنو۔ رات کھانے پہ ہماری طرف آ جاؤ۔
 مستراب بھائی کے ساتھ۔"
 "میں وہ کیا محسوس کر رہی ہوں۔" میں نے جھجکتے
 ہوئے کہا۔
 "کیا پوریت ہے یا۔ میں کیا تمہیں کسی کلب یا ہوٹل
 میں انوائٹ کر رہی ہوں۔"
 "اچھا" میں نے بارمان لی۔ "شام کو آئیں گے تو پوچھ
 لیں گی۔"
 "شام کو کیوں۔ ابھی فون کر کے پوچھ لو نا۔" کیا فون نمبر
 نہیں ہے تمہارے پاس؟"
 "چلو ٹھیک ہے۔ میں ابھی کال ریک کر رہی ہوں۔"
 میں نے مستراب کا نمبر لیا۔ دو سوزی ہی تھی یہ اس نے
 فون اٹھا لیا۔ میں نے پہلی بار مستراب سے فون پہ بات کر
 لی تھی۔
 "جو کچھ میں نے اس کے سلام کی آواز ابھری اور تب ہی
 میرے من اچانک شرارت جالی۔ کیوں نہ اسے ستاؤں۔
 رائف نمبروں کے۔"
 "میرا" میں نے آواز بدل کر کہا۔
 "جی" مجھے میں وہی شعراؤ آگیا جو میرے لیے مخصوص
 تھا۔ اور جس سے مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ میری آواز
 پہچان گیا ہے۔ میں خاموش ہو گئی۔
 "یہ فون کیا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا اور میری خوش
 دہلیاں "مجھ پہ نہیں رہی تھیں۔ جتنا ہر دو میں اسے سمجھتی
 تھی وہ اتنا بد خوش نہیں تھا۔"
 "میں یہ پوچھ رہی تھی کہ شام کو آپ مصروف ہیں یا
 نہیں۔"
 "کیا مطلب کوئی کام ہے کیا؟" ابھی میرا جملہ پورا ہی
 نہ تھا تھا کہ اس نے سوال جڑ دیا۔
 "ہاں نہیں جانا تھا۔ ہم لوگ ڈنر پہ انوائٹ ہیں۔"
 "ٹھیک ہے میں گھر آؤں گا تو پھر بات کریں گے۔" اس
 نے کتنی ہی فون بند کر دیا۔

اور میں سوختے لگی۔ دو دنے نوپے میاں بیوی کے
 درمیان ان کی گفتگو بھی ہو سکتی ہے۔ ایک بے ربط اور بے
 رس۔۔۔ خیر میں نے رات کی ساری تیاری مکمل کر لی۔
 رات کو آتے ہی اس نے پوچھا تھا "کہاں جانا ہے؟"
 "میری دوست ہے مٹی اس نے انوائٹ کیا ہے۔"
 میں نے تاپا۔
 "کس قسم کا ڈنر ہے؟"
 "وہ یہ ڈنر میری ہی خوشی میں دے رہی ہے۔ تمام گزرتے
 اور دوست وہاں آگئی ہوں گی۔"
 "کیسی خوشی؟" مستراب کی نظریں میرے چہرے پر
 مرکوز ہو گئیں۔
 "آج میرا جنم دن ہے۔" میں نے آہستگی سے تاپا۔
 میرا خیال تھا شاید وہ بھی مجھے خوش کرے اور کہے کہ "تم
 نے مجھے کیوں نہیں تاپا۔"
 "تو تم ہر سال اپنی سالگرہ پہ ایک کاٹتی ہو۔" اس کے
 چہرے پہ استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ "اگر ایسی ہی بات تھی
 تو مجھے یاد دہشتی میں کیا وغیرہ نہیں لانا تھا۔ اب یہ سب
 تکلیف کرنے تم اس کے گھر جاؤ گی۔ مجھے تو یہ حال یہ سب
 اچھا نہیں لگا۔ اگر تمہیں یہ سب کچھ اچھا لگتا ہے تو میں
 دو گوں گا بھی نہیں۔ لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔"

اپنی بے قدری اور اس کے شک دہیے پہ میری
 آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے منال کو فون پہ انکار کر دیا یہ
 اپنی آنکھوں میں آئی ہی کو نہ روک سکی۔
 رات کے کھانے سے فارغ ہو کر جب میں بستر میں لیٹی
 تو میرا تکیہ بھیلکا چڑا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مستراب
 کمرے میں کب آیا۔ جب وہ لائٹ آف کر کے میرے
 قریب لیٹا تو اسے محسوس ہو گیا کہ میں دور رہی ہوں۔
 اپنے شک کو یقین میں بدلنے کے لیے اس نے لائٹ
 جلا دی اور میرے سامنے آیا۔
 "تم رو رہی ہو؟" اس کے لیٹے میں محبت نہیں حیرت
 تھی۔
 میں نے آنکھوں سے آنسو جذب کر کے ہونے آنکھیں
 میچ لیں۔
 "اگر تم اپنی سالگرہ منانا چاہتی ہو۔ تو میں ابھی تمہیں
 ایک اور دیکر اشیاء لادیتا ہوں۔ مگر اس نے رونے والی
 گون ہی بات ہے۔ تم اب بھی اپنی سالگرہ منا سکتی ہو۔ اور



جلد شاداب، چہرہ گلاب

100% خالص عرق گلاب جس کا روزانہ استعمال جلد کو رنگے
پیرل جواں اور خوبصورت
میں جھونکے جھونکے اور آتش اور آتش جو شہم میں بھی نہایت مفید و موثر



www.pksociety.com

ان میں بیان نہیں کر سکتی۔ مشراب کے پڑنا اس
بہت مجھے آشکار ہونے تو میری کیا حالت تھی تم اچھے سدا
میرا ہی تھا کہ اپنا سر جھانکوں یا اس ہنڈے کو کچھ نہ ہوں۔
تھے تھا کف تو محبت پر جانے کے لیے ہوتے ہیں۔ بلکہ
حقیقت پسندی کچھ لوگوں کی طبیعت کا خاصہ ہوتی ہے۔ تم
ایسی بھی کیا حقیقت پسندی کہ کسی کے دل کا بھی نہیں ر
رہا جائے۔

ایک تخی تو میں بھی پکڑ ہی لیتا
پاتھ میں پھول اگڑے کر لیتا میں بھی
بہت میں نے یہ شعر دھا تو صوفیہ کھنگھال کر نہیں پڑا
اور میں اس کی ہنسی کے ترنم میں کھولے لگا۔ مہر کی نسبت
صوفیہ میں تخی سادگی اور معصومیت تھی یہ اندازہ لگتے
صوفیہ سے مل کر ہوا تھا۔
صوفیہ میری زندگی میں آئے وہ ان دو مہری عورت تھی۔
سال تک جب میں نے شادی کے بعد کروا کر لکھا تھا تو یہ
تھا کہ وہ میری زندگی میں آئے وہ انی میلی اور آہری عورت
ہے۔ تب میں نے شہوت تھوٹ لگی نہیں ہوا تھا۔
میری زندگی میں آئے وہ اللہ جی عورت تھی۔ مجھے اندازہ
بھی نہیں تھا کہ جلد ہی ایک اور لڑکی میری زندگی میں آئے گی
ہو جائے گی۔ مہر میری زندگی میں باقاعدہ داخل ہوئی تھی۔
جبکہ صوفیہ بالکل ایسا تک۔

وہ مجھے بڑے عجیب عجیب سے نہیں ایم ایس بھیجا کرتی
تھی۔ اور یہ سلسلہ شادی کے ٹھیک تین ماہ بعد سے شروع
ہوا تھا۔ پہلے پہل تو میں سب ہاتھ نظر انداز کرتا رہا۔ لیکن
اس کی مستقل مزاجی ہی تھی کہ میں جواب دینے پہ مجبور
کیا۔
پھر یہ سلسلہ فون کالز تک پہنچا۔ میں ان خرافات
فطری طور پہ قائل نہیں تھا۔
لیکن تمہاری سست سی باتوں نے مجھے اس کی طرف متوجہ
کر دیا تھا۔ تمہارے اندر ریت دھری اور جاہلیت کو تکیہ
کر چھڑی ہوئی تھی۔ جبکہ میں سچ جانتا تھا۔ میں نے
اپنے اندر گروائی خواہش نہیں دیکھی تھی جیسی تمہاری
مردانہ قسم کی خاتون۔
حالانکہ وہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔ اور اس نے
کسی بھی شخص کو محبت ہو سکتی تھی۔ لیکن...

یہ بات تمہیں مجھے پہلے بتا رہی تھی کہ تم سا مگر
نہی ہو۔
اس کی گفتگو میں اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ اور اس
سے زیادہ خود پر کڑھ نہ خود پہ خوبیاں کر سکتی کیوں تو انخواہ
تھا نہیں رہتی ہوں۔
جو شخص صرف ایک گانے کو ہی سا مگرہ سمجھتا ہو اس
کے سامنے چیزوں کی کیا تشریح کی جا سکتی تھی۔
”وہ کچھ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھ سے کوئی جرم سرزد
ہو گیا ہو۔ پلیز انھو میں ابھی تمہیں ایک ڈیڑھ گھنٹہ
اب بھی سا مگرہ بنا سکتی ہو۔“
”گارڈ ایک۔“ میں چٹا پڑی اور ہاتھ کر پٹھ لگی۔
”کیا آپ کچھ اور مجھے انیٹا نہیں چھوڑ سکتے؟“ میں نے
تھی تو اس میں اتنا ہی کہ سکتی۔ پھر اچھے کروا اس رو میں
پڑی تھی۔ قسمت بہتر سے بھوٹ جاتی یا مشراب سے ایک
ہی بات تھی۔ وہ شخص ہڈیوں سے عاری تھا۔
میں کی ان سے لوٹ کر رہی تھی۔ مشراب اپنے
مواہل سے زیادہ ہی مصروف رہنے لگا تھا۔ اور یہ سب میں
جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔
ہر ماہ کی دو مہری آتے تھے وہ مجھے معمول کے مشراب جیب
خرچ پڑتا تھا جس کی مجھے خاص ضرورت نہیں ہوتی تھی اور
وہ میں ایسے ہی دراز میں ڈال دیا کرتی۔ کبھی جب وہ مجھے
جیب خرچ دے رہا تھا تب ہی اس کا تیل ٹولنگ آٹھا میرے
سامنے ہی اس نے تین ہار لکھ کئی گھر کرنے والا مستقل
مزاج ہی تھا۔ پلا آخر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے
پیسے ڈرا نہیں ڈال لیے۔
پچھ ماہ میں ٹھیک ٹھاک رقم جمع ہو گئی تھی۔ اگر میں
انہیں تجھے تھا کف میں اڑاتی تو ان پساں ایک روپیہ بھی
نہ ہوتا۔ مگر اب میں ختم دیتی بھی تو کے؟ مشراب کو... تو
مجھے اپنی اسلٹ اچھی طرح یاد تھی۔
شادی کے دو ماہ بعد جب میں نے مشراب کے لیے ایک
شرٹ اور ایک ریگنوم خریدے اور اسے اچھی طرح ٹیک کر
کے مشراب کو دیا تو اس نے بڑی بے دلی سے اسے دیکھا
اور کہنے لگا۔
”تم نے خواہ مخواہ اپنا کٹکٹ کیا۔ میرے ہی پتوں سے
مجھے ہی کٹکٹ دے دیا۔ یہ پیسے تو میں تمہیں تمہارے خرچ
کے لیے دیتا ہوں۔ اگر ان کو مجھ پر خرچ کر دو گی تو اپنی
ضرورتیں کہاں سے پوری کرو گی۔“

نہیں روکنے ہی بلکہ سے مجھ پر کیا جاتا چاہتی تھی۔
 صوفیہ کی لیے تکلفی کی جو عمل تھی میں نے اس لیے
 نہیں کی تھی کہ میں عورت کو جاننا چاہتا تھا۔ عمرو کی
 شخصیت نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔
 یہ سب کچھ ایک طرف اور عمرو کا رویہ دوسری طرف
 تھا۔
 میں آج تک یہ کچھ نہیں پایا کہ عمرو نے میرے ساتھ
 ایسا رویہ کیوں رکھا تھا۔
 ”جب میں شادی کی پہلی رات پہ اپنے کمرے میں بیٹھا
 تو عمرو ساڑھ لپاس میں بیٹوس صوبے پہ ایسنا رہی۔ میں
 خلوت میں پہلی بار ایک لڑکی سے ملنے جا رہا تھا۔ ظاہر ہے
 میں کچھ تروس بھی تھا۔ لیکن جب مجھے مقابل فریق شہانا
 لیا تا یہ ملا تو میں اور بھی تروس ہو گیا۔ میں اپنی شریک سفر
 سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن میرے پاس وقت
 بہت کم تھا۔“
 میری اس بات پر صوفیہ کھٹکھٹا کر ہنس پڑی۔
 ”وقت کم تھا کیا مطلب؟“

”ہاں وقت کم تھا۔ جب میں کمرے میں گیا تو صبح کے
 پانچ بج رہے تھے۔ گھر کا اکلوتا فرزند اور بھائی ہونے کے
 تانے سب کو مجھ سے بہت سی توقعات تھیں تو وہاں
 خدشات بھی بہت تھے۔ پوری سے ملتے ہی کہیں میں بیوی
 کا ہی نہ ہو جاؤں۔ اسی لیے میں شادی کی پہلی رات اپنے
 کمرے سے اسی وقت نکلا۔ جس طرح روز نکلتا تھا۔ ٹھیک
 آٹھ بجے۔
 اور اس بات پر میری بہنوں کا اطمینان مجھ سے چھپا نہ
 رو سکا۔ ظاہر ہے ایسا سب کچھ امی ابو بھی چاہتے ہوں گے
 تب ہی وہ مجھ سے خوش تھے۔
 پھر اگر میں کمرے میں رکنا بھی تو اچھا ہی رہتا۔ کیونکہ
 عمرو سے پہلی ملاقات کے بعد میں پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا
 اور دن بھر مجھے یہی احساس ہوتا رہا کہ اس کے بھی کچھ
 حقوق تھے۔ مجھے اس چیز کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے
 تھا۔ وہ بیٹے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔
 اعلیٰ ملاقات پر جب میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو
 اس نے میری تردید نہیں کی اور چپ رہی۔ وہ شادی کی
 پہلی صبح تھی۔ ولیمہ کے بعد جب ہماری ملاقات ہوئی۔ تو
 میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ولیمہ کے ڈرنس میں وہ اتنی
 حسین لگ رہی تھی تو شادی والے روز تو اس سے بھی زیادہ

حسین لگ رہی ہوگی کیوں اس نے اپنا میک اپ اور
 جیولری اتار دی تھی۔ میرا حق تھا کہ میں اس سے پوچھوں
 کہ اس نے ایسا کیوں کیا مگر میں نے نہیں پوچھا۔
 پہلے ہی پہلی رات کو ہی انھیں گزری تھی۔ جو میں سو
 تلخ باتیں لے کر بیٹھ جاتا۔ دیتے بھی میں تو فطرتاً صبح جو
 کوئی ہوں۔
 لیکن مجھے کچھ بھی رات کی خلش ضرور تھی۔ اس لیے
 رات میں نے اس کی تعریف نہیں کی۔ میں اس منافقت کا
 توجہ اظہار کر رہا ہوں۔ اگر وہ سمجھنا چاہتی تو میرے احساس
 کو جان سکتی تھی۔ لیکن مجھے ایسا لگا جیسے خود پسندی اس
 میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کیونکہ جب میں نے
 پیش قدمی شروع کی تو وہ اٹھ کھڑا لگی۔ علاوہ اس میں نے تو
 سنا ہے کہ لڑکیاں ان لمحات میں شرمیلی ہیں مگر وہ حساب
 کتاب کر رہی تھی۔ اس کی اس خود سری اور مجھ پر حاوی
 ہونے والی فطرت ہی وہ وجہ تھی کہ میں نے اسے روتھائی کا
 تحفہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں دینا چاہا۔ اس نے ایک
 طرف رخ دیا تھا۔ تب میں پیچھے ہٹ گیا۔ اور نئے سرے
 سے اٹھنے لگا۔ اور وہ چاکر لٹ گئی۔

اس کے کس بھی نہیں تھے میرے لیے ایسا جیسے نہیں
 تھی بلکہ غایت تھی۔ مگر پھر بھی میں نے اس کی اس
 بد نظری کو نظر انداز کر دیا۔
 اسے شاید صبح دیر تک سوچے رہنے کی عادت تھی۔
 مجبوراً مجھے ہی اسے جگانا پڑا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی
 ذمہ داری انھیں طرح منہاں لے اور میرے والدین اور
 بہنوں کو کسی بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔
 ”واٹ نان سبب۔“ صوفیہ نے میری بات پر سر
 جھکا۔ ”وہ روز کی دس بجھائی کیا کار کر گئی دکھائی ہے۔
 آپ نے اس سے غلط توقعات وابستہ نہیں۔ ابھی تو وہ آپ
 کے ساتھ ایڈجسٹ بھی نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے گھر
 والوں کو کیسے قبول کریں گی۔ اتنی مین ان کی خدمت میں وہ تب
 ہی کر سکتی تھی جب وہ آپ سے خوش ہوئی۔ وہ تو آپ سے
 خوش ہی نہیں تھی۔ پھر وہ کیوں لوگوں کے دلوں میں جگہ
 بناتی کیوں انہیں خوش کرتی۔ اس چیز کے لیے وقت تو لگنا
 ہے نا۔“
 میں نے صوفیہ کی بات بڑے دھیان سے سنی۔ کہ وہ
 بھی ٹھیک ہی رہتی تھی۔
 ”میرا خیال ہے کہ اس کی کا پہلا تاثر ہی اس پر ہوتا ہے۔“

مجھے خوش و خروش سے میری سس اور والدین کو دیکھا کہ
 اسے مجھ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مگر بڑے۔ اور اس میں
 فریب کا تو فائدہ تھا۔ اس کی تو عزت بڑھانا چاہتا تھا میں۔
 وہی سارے گھر پر چھائی رہے جیسی میری خواہش تھی۔
 ”تو کیا آپ نے اپنے ان احساسات کا اظہار اس کے
 سامنے کیا؟“ صوفیہ نے میری آنکھوں میں دیکھیں ڈال کر
 پوچھا۔
 ”ہاں میں نے اس چیز کو ہارنا چاہتا تھا اور پہلی رات میں
 نے صرف اسی بات پر زور دیا تھا کہ وہ میرے گھر والوں کی
 چاہش بن کر آئی ہے۔ یہ چاہت کمرہ ہونے لگی۔“
 ”خیرت کی بات ہے پھر بھی آپ کی بیوی سمجھ نہ سکی؟“
 صوفیہ نے کاغذ سے اچکانے تو میں صوفیہ کی طرف دیکھ کر
 مسکرایا۔
 ”اصل میں بات یہ ہے کہ اس نے میرے گھر والوں کو
 اہمیت ہی نہیں دی اور کچھ تک اس کا یہی رویہ ہے۔ وہ مجھ
 سے شادی ہی رہتی ہے۔ یہ بھی سمجھی تو مجھے یوں لگتا ہے۔
 جیسے وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی اور میری میرے ساتھ نہا
 کر رہتی ہے۔“

”بڑی جلدی کی آپ نے اس نتیجے پہ پہنچائی۔ آپ میری
 آنکھوں میں بھی تو فریب ہے۔ عورتوں کے الزام لگانے میں
 ایک ہنٹ نہیں لگانا چاہیے۔ مگر جان میں بھانٹ کر
 دیکھیں تو آپ خود اس وقت کیا کر رہے ہیں۔“
 میں صوفیہ کی بات پر مظلوم ہوا۔ اور چلتے چلتے رک گیا۔
 پھر صوفیہ کی خوب صورت آنکھوں میں جھانک کر بولا۔
 ”میں آپ سے غلط تو نہیں کر رہا۔“
 صوفیہ میری بات پر گھبرائی۔ ایسی گھبراہٹ میں نے
 کبھی عمرو کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی میں نے مسکراتے
 ہوئے اس پر سے نظریں پٹائیں۔
 روزانہ شام کو صوفیہ کے ساتھ جانا میرا معمول بن
 چکا تھا۔
 مجھے اس کی سنگت میں خوشی حاصل ہوتی تھی۔ وہ مجھے
 سنی بھی سنی اور مجھے سنا بھی سنی تھی لیکن اس نے کبھی مجھ
 پر حاوی ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔
 ”میرا محض میری غلطی ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن عمرو نے
 مجھ سے یا میرے گھر والوں کو اہمیت نہیں دی۔“
 ”آپ کے گھر والوں نے کبھی اس کو اہمیت دی ہے۔“
 ”کبھی اس کو سراہا اس کی تعریف کی؟“

”یہ کچھ ہے کہ میرے گھر والوں میں سے آج تک اس
 کی تعریف کسی نے نہیں کی۔“
 صوفیہ اس بات پر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ”یہ تو
 ہمارے معاشرے کا دیر ہے کہ بہوں کی کوئی تعریف
 نہیں کرتا۔“
 ”مگر میرے گھر والے اس کی برائیاں بھی نہیں کرتے؟“
 میں نے سچائی سے کہا۔
 ”یہ تو پھر آپ لوگوں کا بڑا پین ہے کہ اس میں خوبیاں
 بھی نہیں ہیں۔ پھر بھی اس کی برائی نہیں کرتے۔“ صوفیہ
 مظلوم ہوتے ہوئے مجھ پر نظر کر رہی تھی۔
 ”کیسے یہ آپ کی بیوی کی غلطی نہیں کہ جب آپ
 رات کو دیر سے گھر جاتے ہیں تو وہ آپ سے پوچھتی نہیں
 کہ آپ کہاں تھے؟“
 ”مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس نے اب مجھ میں دلچسپی لیتا
 چھوڑ دیا ہے یا اپنے جذبات سے تائب ہو گئی ہے۔“
 ”صرف چند ہی ماہ میں۔“ صوفیہ کو حیرانی ہوئی۔
 ”ہاں میں نے جاپا ناں خود پسندی اس میں کوٹ کوٹ کر
 بھری ہوئی ہے۔“
 ”تو آپ اس خود پسندی کا یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ آپ
 نے راستہ ہی بدل لیا۔“
 ”نہیں۔“ میں نے اس کی بات کو سختی سے رد کیا۔
 ”میں بھی زندگی کو اب کھل کر انجوائے کرنا چاہتا ہوں
 ساری عمر میں نے اپنے جذبات صرف ایک لڑکی کے لیے
 سنبھال کر رکھے تھے۔ لیکن اس نے مجھے مجھنے کی کوشش
 ہی نہیں کی۔ وہ کیا جاتا چاہتی تھی مجھے میرے ہی بیٹوں
 سے مجھے گفت و گو کرنا چاہتے یہ سب کچھ کرنا نہیں آتا۔
 میں نے زندگی میں پہلی بار جو تحفہ کسی لڑکی کو دیا تھا۔ وہ
 روحانی کی انگوٹھی تھی۔ جسے اس نے آج تک انگی میں
 نہیں ڈالا۔ یہاں تک کہ میں نے اس سے یہ بھی کہا تھا کہ
 اگر اسے یہ پسند نہیں تو میں دوسری کوئی اور چیز بھی لاسکتا
 ہوں۔“

”کیا وہ انگوٹھی آپ نے اسے خود پرنائی تھی؟“ صوفیہ
 کی کواز بہت دھی تھی۔
 ”جب اس نے تمام زور ہی اتار کر پینٹنگ دکھا تھا تو
 میں اسے انگوٹھی کیوں پہناتا؟ ہنڈہ کا پہلا اسپریشن ہی
 سب کچھ ہوتا ہے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ یہ جان بوجھ کر
 میری ہر بات کی ٹٹی کر رہی گی۔ اس لیے میں نے اس سے

کسی بھی موطن میں جہت یا فتنہ نہیں پائے گی۔ کسی بھی
 نے اسے گلزار کا مویج نہیں دیا اور میں جانتا ہوں اس بات
 پر وہ بہت سنج پا ہوتی ہے اور مجھے وہ کر کے اپنا آپ سناوانا
 چاہتی ہے۔
 ”یعنی آپ تو بڑے تھے تو ہی ہیں۔“ صوفیہ نے صاف
 گوئی سے کہا۔
 ”میں ایسے اچھا نہیں لیکن مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔
 صرف اس کی حرکتوں کی وجہ سے۔“ انہی شادی کو چند ہی دن
 ہوئے تھے اور وہ اپنی ماں کی جھگڑا داری کے ہمارے اپنے میکے
 پہنچی گئی۔ پورے نو دن مزے سے اپنے گھر میں بیٹھی رہی؟
 ”تو آپ اسے لینے چلے جاتے۔ کون چھوڑا اتنے دن؟“
 ”کیوں لینے چلا جاتا ہے کیا وہ مجھ سے پوچھ کر گئی تھی یا
 میری ماں سے پوچھ کر گئی تھی۔ صرف اسی کو بتا کر گئی تھی کہ
 اس کی اماں کی طبیعت خراب ہے۔ میں دوبار اس کی اماں
 کی طبیعت پوچھنے گیا تھا اس نے میرے ساتھ آنے کے
 لیے نہیں کہا۔ میں اپنے گھر والوں کے سامنے دل ہی دل
 میں پشیمان ہونا رہا۔ میرے گھر والے بنا کے میری ہر بات
 کا خیال رکھتے ہیں تو اس کو بھی ان کا خیال ہونا چاہیے۔“
 ”یہ احساسات آپ کے گھر والوں کے آپ کے لیے
 تھے آپ کی بیوی کے لیے تو نہیں تھے۔“ صوفیہ نے وہ
 ٹوک انداز میں کہا تو میں چونک گیا۔ میں نے صوفیہ کو گہری
 نگاہوں سے دیکھا۔
 ”تپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کا اور آپ کے
 گھر والوں کا خیال رکھے تو آپ کو اس کی چھوٹی چھوٹی
 خوشیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔“
 ”ہوندا؟“ میں صوفیہ کی بات یہ سنا کر ہلکا
 ”وہ اپنی ہر خوشی کے لیے خور ہی پہلے سے اہتمام کرتی
 ہے۔“
 ”اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہوا
 آپ کی بیوی زندہ دل اور دہشتگیر ہے۔ اب تک تو میں
 اسے لڑاکا بھڑا لہی سمجھتی آرہی تھی۔“
 ”دہشتگیر اور زندہ دل صرف اپنے لیے نہیں رہ
 خند ہوا۔
 میں نے صوفیہ کو اس کی پر تشہ زبانی بات بتائی۔
 ”کیوں اس نے یہ چاہا کہ وہ اپنی خوشی کو اپنی دوست کے

میرے پاس آئے۔ کیا وہ وہاں ڈیوڑھا باندھ کر گئی تھی۔
 وہ اپنے گھر میں اس چیز کا اہتمام کر گئی تو ہاں سب اس کی
 خوشی میں شامل ہوئے اور گھر میں چھوٹی سی پارٹی بھی
 ہو جاتی۔ میری بہنیں اور والدین بھی خوش ہو جاتے۔ وہ
 اپنے گھر چلی جاتی ہے یا نون پر دو سقوں سے ہمیں لگاتی رہتی
 ہے۔ اس کے لیے اب بھی وہی سب کچھ اہم ہے۔ جو وہ
 پتھر آتی ہے۔ تو پھر میرے لیے وہ اہم کیوں نہ ہوں جن
 کے ساتھ میں رہ رہا ہوں۔“
 ”لگتا ہے بہت جلدی بڑی ہو گئی ہے آپ اپنی بیوی
 کے۔“ صوفیہ مسکرائی تھی۔ ایک عجیب سا مذاکرہ اس
 کے چہرے پر تھا۔
 ”کچھ بیویاں اپنے سیدھے سادے شوہروں کو جانی اور
 پرانے خیالات کا سمجھ کر ایسے ہی لگتی ہیں۔ حالانکہ
 ایسے مرد آج کے دور میں نایاب ہوتے ہیں۔“
 صوفیہ نے شرارتی انداز میں میری تعریف کی تو میں نے
 اتراتے ہوئے فرضی کالر بھاڑا۔
 ”ہائی دارے اب آپ بھی نایاب نہیں رہے۔ شادی
 شدہ ہوتے ہوئے اب بھی تپ رہتی کر رہے ہیں۔“
 ”میں کوئی بد دیا تھی نہیں کر رہا۔ اپنی بیوی کے خیالات
 کی تحقیق کر رہا ہوں۔“
 ”تم از کم ایسے خیالات کسی عورت کے سامنے نہ
 صوفیہ میری اور اپنی دوستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
 ہنسی۔
 ”مجھے یہ ہے جس میں تحقیق نہیں آئے گا۔ لیکن تمہیں
 یہ پتہ کر ہو سکتا ہے تحقیق کرنا ہے۔“
 میں نے اپنی ذہب سے ایک ورق نکالا اور صوفیہ کے
 سامنے کر دیا۔
 صوفیہ انہی سے وہ کاغذ لے کر پڑھنے لگی۔
 کاش
 مجھ سے پہلے تمہاری زندگی میں
 کوئی لڑکی آئی ہوگی
 بہت شغ بہت پینچل
 بہت سندر بہت کوشل
 جس کے ہاتھ میں کاغذ تمہارے لیے کھان ہوتا
 موسم سہرا کا مزاج رکھنے والے
 اسے محبت میں کمال ہوتا
 تب وہ تم میں اپنی محبت کی گہری سموتی

وہ تمہیں روکنا چاہتی تھی
 وہ تمہیں مٹانا چاہتی تھی
 پارٹیوں کے موسم میں
 چاندنی راتوں میں
 سہرا چھوٹی میں
 جنگ شاموں میں
 کس طرح ہاتھ میں
 ان حسین لمحوں کو
 وہ تمہیں ہر لمحے سے آشنا کر دیتی
 پھر کچھ یوں ساتھ ہوتا
 وہ تم سے دور ہو جاتی
 اور
 تب میں تمہاری زندگی میں تھی
 تم اس کی محبت بھلانے کے لیے
 مجھ سے محبت کرتے
 ہر وہ عمل دہرا تے جو وہ تمہارے ساتھ کر چکی تھی
 پھر
 خواہ مجھے وہ سہرا میرے ہوتے
 لیکن جان سن... تب تمہیں محبت کا ہنر آتا
 اور وہ نظریات بڑی زندگی کے لیے
 اور ایک طرح سے... میں نے لکھا تھا
 صوفیہ نے شغ لگا ہوں سے مجھے دیکھا۔
 ”اور آپ نے اس شغ کو یوں قبول کیا۔“
 ”ہوندا اور اب وہ سہرا میرا اس کا نہیں تمہارا ہے۔“
 میرے کہنے پر صوفیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ ہانپنے
 والے انداز میں بولی۔
 ”ہائی دارے آپ کی مسز شادی بھی کرتی ہیں؟“
 ”جی نہیں یہ اس کی ہے یا کہیں سے چرائی ہوئی ہے۔“
 میں تو کئی باتوں میں ڈیوڑھا باندھ کر بیٹھی تھی۔
 ”جی ہاں اب آپ کو اس باتوں میں دلچسپی لینی چاہیے۔“ وہ
 مجھے جھجھک رہی تھی۔
 ”ایک بات پر چوں کہ تم سے“ میں بالکل سنجیدہ تھا۔
 ”ہاں۔۔۔ وہ بیکند م پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔
 ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہاری یہ دوستی کسی نام نہ نہ
 میں ہندوہ جائے۔“ میری بات پر صوفیہ کے چہرے پر
 ہوا میں ہانپنے لگیں اور یہ مجھے بالکل عجیب نہیں لگا۔
 اگر مجھے الو کچھ کرنا تو چاہتا ہوں تھی تو میں کون سا

یہ وہی دل فریب اور کئے بیچہ تھا۔ میں تو یہ جانتا ہی تھا کہ
 آخر اس نے مجھ سے دوستی کیوں کی تھی۔ شخص وقت
 گزارنے کے لیے یا وہ بھی کوئی تجربہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔
 میری طرح۔
 وہ میری سوچ سے زیادہ چالاک نکلی۔ جلد ہی سنبھل گئی
 اور کہنے لگی۔
 ”اب مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟“
 ”تپ کو نہیں۔“ میری خوشی اچھوٹی تھی۔
 ”کوئی وجہ؟“ اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔
 ”کیوں کہ تمہارے خیالات بہت ملتے ہیں۔“ میں نے
 مسکرا کر کہا۔
 ”حالانکہ تمہارے خیالات بالکل بھی نہیں ملتے۔“ وہ
 استہزا سے مسکرائی۔
 ”اتنے دن سے ہم کیا کر رہے تھے؟“ میں نے دانستہ بنا
 اور اس کا مذاق اڑایا۔
 ”صرف وقت گزارنے کے لیے میں ہی ملا تھا آپ کو؟“
 میں نے قدر سے روکے انداز میں پوچھا۔
 ”یہ شکوہ میں بھی تو کر سکتی ہوں۔ آپ نے مجھے پوری
 کیا اپنی بیوی کے تھے سنا کر۔“
 ”میں تو آپ کے جہاں پہ بھی قصہ خوانی کر سکتا ہوں۔
 بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔“ میں تھرا آ کر مسکرایا۔
 ”قدر کا ڈسک آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا کہ
 کسی خوب صورت لڑکی کی تعریف کے لیے کسی عورت نے
 اجازت طلب کی ہو۔“ اس کی یہی نظریہ تھی اور انداز میں
 بالکل دیکھی ہی سے زاری تھی۔ یہی میرے نمونے دیکھی
 تھی۔ مجھے نمونہ کی بے زاری سے لگی سکی مسموس نہیں
 ہوئی لیکن آج صوفیہ کے سامنے میں بالکل شرمندہ ہو گیا
 اور مجھے دل ہی دل میں تسلیم کرنا پڑا۔
 ”میری یہ اظہار نہ کرنے کی عادت اچھی نہیں ہے۔
 اسے بد بنا چاہیے۔ اگر میں ایسا کر لوں تو نمونہ کی شکایتیں ختم
 ہو جائیں پھر مسئلہ ہی کیا ہے؟“
 صوفیہ نے میرے سامنے ہاتھ بٹھرایا۔ ”کہاں کچھ لگے؟“
 ”کہیں نہیں۔“ میں کھینکنا سا بنا۔
 ”سوچ رہا ہوں۔ تمہیں میرا نمونہ نہ کرنے کا انداز لگتا ہے
 گا۔“
 ”ہر اس میں آپ کی شخصیت کے بالکل متضاد۔“

”آپ اپنی جلدی اتارنا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ نہ تو آپ جلد باز ہیں۔ اور نہ ہی آپ اپنے خیالات و نظریات تبدیل کرنے والے شخص ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ اپنی بیوی کے ساتھ ہی کامیاب تر کر چکے ہوتے۔“
 مضرب صاحب ایک بات کہیں پر امت مانیے گا۔ آپ کے گھوٹے خیالات نے آپ کی شخصیت کو ٹھس کر رکھا ہے۔ بجائے اس کے آپ نے لڑو گرد تہہ کی آئے۔ ظاہر کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے ارد گرد اچھے اثرات برس گئے۔“

صوفیہ کی گفتگو مجھے بہت سخی ثابت کر دی تھی۔ اور جب مجھے وحشتانی سے کام لینا پڑا۔
 ”یہ سب باتیں میرے سوال کا جواب تو نہیں ہیں؟“
 اس نے ایک بار پھر حیرانی سے میری طرف دیکھا۔
 ”اگر آپ واقعی سنجیدہ ہیں تو میں سوچ کر جواب دے سکتی ہوں۔“

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری اور صوفیہ کی یہ آخری مذاقات ہو گئی۔ جس طرح وہ بالکل اچانک میری زندگی میں آئی تھی۔ ویسے ہی وہ لوٹ بھی ہو گئی اور میں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

مسائل کو رخصت کر کے جب میں نیپل کے ہمراہ گھر آئی تو بہت تھک چکی تھی۔ اور صرف سونا چاہتی تھی لیکن مضرب کو پہلے سے سویا ہوا لگتا تھا۔ اسے میرے سے سچ لگتا۔ کچھ دن سے میں مضرب کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

”مذہبی“ میں پچھا چلا کر کہنا چاہتی تھی مگر مجھے ضبط کرنا پڑا۔
 میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مضرب اندر سے اتنا گھٹیا ہو گا جس شخص نے پہلی رات اتنے بڑے بڑے دعوے کیے تھے۔ وہ بھی اندر سے وہی تھا۔ وہ ایک غیر لڑکی سے عشقیہ ڈائیلاگ بول سکتا تھا۔ بیوی سے یہ سب کچھ کہتے ہوئے اسے شرم آتی تھی اور سناں تک کہ اس نے مسائل کو پر پوز بھی کر دیا تھا۔

اور یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔
 مسائل نے صوفیہ بن کر جہاں مضرب کی شخصیت کے اور پر ت کھولے تھے۔ وہاں اس کی ایسی فطرت کو مجھ پر

داخل کر کے مجھے سخت مدد دینا تھا۔
 ”وہ میری کوتاہیوں کو نظر انداز نہیں کر سکا۔ تو میں کیسے اس کے اتنے بڑے جرم کو معاف کر سکتی ہوں۔“ میں نے آنسو غلط کرتے ہوئے سناں سے کہا تو اس نے اپنا دامن بھلا کر مجھے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگی۔
 ”میں نے یہ سب تم دونوں کو ایک دو مرتبے سے اور کرنے کے لیے تمہیں کیا تھا۔ میں تم لوگوں کو ایک دو مرتبے کے قریب لانا چاہتی تھی۔“

”یہ تم سے کہہ سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے کیوں نہیں کہا سب کچھ۔“ میں مدبزی تھی۔ سناں سچ بچ پڑھان ہو گئی۔
 ”میں نے ان کی ذات کی ساری کمزوریاں اس لیے تمہیں واضح کی ہیں۔ تاکہ تم انہیں اچھی طرح سمجھ سکو اور پھر تم نے خود ہی تو آفری تھی مضرب بھائی کو دو سرے لڑکی کی۔“
 اس کا اشارہ اس ظلم کی طرف تھا جو کالج مشاعرے میں ہماری ایک دست سے پڑھی تھی اور جسے میں نے تب ہی اپنی زانگی میں لکھ لیا تھا۔

وقت کے ساتھ بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ اب نہرو کی دلچسپیوں کا مرکز میں نہیں رہنے لگا۔ نہرو نے سب میں لگن کو اپنی اچھی باتیں بنائے۔ ہلکے سہل حالانکہ اس کی طبیعت پر کینٹھ ہونے کی وجہ سے جو بھی گری گری رہتی تھی۔ نہ اس کے چہرے پر بتاؤ تھی اور نہ آنکھوں میں دوچنگ اور زانگی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگتا تھا کہ نہرو مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اسے مجھ سے کوئی رپٹی ہی نہیں رہی تھی۔ ہمارے درمیان ایک خلیج ہی جاگتی تھی۔

میں گھر میں داخل ہوا تو گھر میں غیر معمولی پہل چل تھی میری تینوں بہنیں بعد بچوں کے آئی ہوئی تھیں۔ نہرو انہی کے پاس بیٹھی تھی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ابو سے نہایت سنجیدہ اور لیے لیے رہنے والے ابو دیواروں پہ چھوٹی چسپاں کر رہے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی تینوں نے قہقہے تیار ہونے کا اور جاری کر دیا۔
 ”گھر مجھے یہ تو لگے معاملہ کیا ہے؟“ میرے سوال پر ابی نے سب سے زیادہ مجھے شاک کی نگاہوں سے دیکھا۔
 ”آج کے دن نہرو ہمارے گھر میں آئی تھی۔“

”میں نے میری دیکھ لی اور سری۔“ میں نے سر پر سب بڑھایا۔
 ”جی ہاں۔“ میری ساری بہنوں نے ایک ساتھ کہا اور میں نے نہرو کی طرف دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے لگاتاری سے تپتی تھی۔
 ”اب تم بھدی سے نہما دو حوا۔ تمہارے بہنوئی بھی آئے والے ہوں گے۔“ ابی نے کہا۔

مجھے اسے آپ سے شرمندگی ہونے لگی۔ میں نے تو کوئی اچھا سا لفٹ بھی نہیں خریدی۔ اب اتنی جلدی میں کیا لوں۔
 ”آپ کے ٹھوس نظریات نے آپ کی شخصیت کو ٹھس کر دیا ہے۔“ صوفیہ کی بات مجھے شدت سے یاد آئی۔
 ”کیا میں نہرو سے پوچھوں کہ وہ کیا لینا چاہتی ہے؟“
 نہیں میں اپنی پسند سے نہرو کے لیے گفت لوں گا۔
 میں اسے قدموں گھر سے اٹھ گیا۔

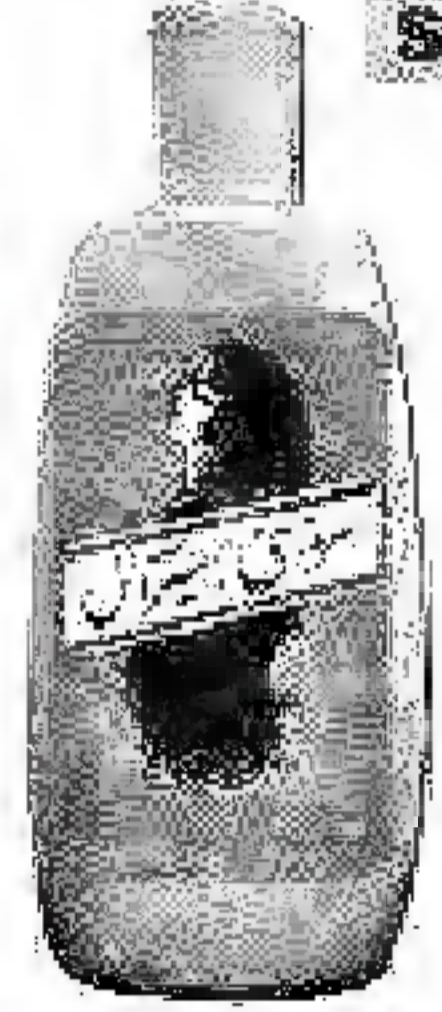
جب نے میرے ہاتھ کے نیلے کھانوں کی تعریف کی تھی اسے چھوٹے سے فنکشن سے سب ہی بہت خوش تھے۔ مجھے اب نے نے کہنے لگے تھے میری تمہاری نے نغموں کے بولنے اور انہی نے یہاں تک کہ نیپل نے بھی۔ میں مضرب کی محبت و حوصلے نے لگی تو مجھے میرے بہت سی محبتیں مل گئیں۔ میں ان محبت کرنے والوں کے درمیان خود کو بہت پر سکون محسوس کر رہی تھی۔

”کیا مجھے اب مضرب کی محبت کی ضرورت نہیں تھی؟“ میں نے اپنے دل کو ٹٹوٹا چھوڑ دیا تھا۔
 سب کے چلے جانے کے بعد میں امی ابو کے درمیان بیٹھی رہی۔ جو یہ ہمارے لیے چائے بنا لاتی تھی اور اب جو یہ اور ماریہ مل کر رہن وغیرہ سمیٹ رہی تھیں۔
 مضرب کرنے میں جاچکا تھا اور کچھ بعد نہیں سوچھی گیا ہوا۔ مجھے جو تکہ فائدہ نہیں آ رہی تھی اس لیے میں باتوں میں مشغول رہی۔ تھوڑی دیر بعد ابو بھی سونے چلے گئے۔ تب میں گرنے لگی۔

گھر کے میں گھپ اندھا رہا تھا۔
 لیکن تو شہوانی تھی کہ میں پکرا سی گئی کہ میں غلط جگہ تو نہیں گئی اور تب ہی مضرب نے مجھے بازووں میں لیے لیا۔

سونہی میسرائل

SOHNI HAIR OIL



- ۱۰۰ گرتے دوسے بالوں کو روکتا ہے۔
- ۱۰۰ سے بال ڈگاتا ہے۔
- ۱۰۰ بالوں کو خشک اور بچھڑا ہوا ہے۔
- ۱۰۰ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے
- یکہاں مفید۔
- ۱۰۰ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سونہی میسرائل قیمت

- 42 بڑی بوتلوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا ہر بوتلی مقدار میں تیار ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شخص سے دستیاب نہیں کر سکتی ہیں۔
- 70/= دوپے ہے، دوسرے شہروں کے لئے ڈیڑھ کد جہز پارسل سے منگوا لیں۔ ہر بوتلی سے گھوڑے والے قی آڈر اس حساب سے لکھائیں۔
- 1 بوتل کے لئے = 80/= روپے
- 2 بوتلوں کے لئے = 160/= روپے
- 3 بوتلوں کے لئے = 240/= روپے
- نوٹ: اس میں ڈاکہ خرچ اور پیکیٹ چارج شامل ہیں۔
- تمی آڈر بھیجئے گئے۔
- پہلی ٹیکس 53 اور ٹریڈ مارکٹ دیکھنے کے لئے ہر دو روز کر رہی
- دو خریدنے والے حضرات سونہی میسرائل ان بھیجئے حاصل کریں
- دوئی ٹیکس 53 اور ٹریڈ مارکٹ دیکھنے کے لئے ہر دو روز کر رہی
- کتبہ عمران ڈاکٹس، 37، اردو بازار کراچی۔
- فون نمبر: 2735021

ناروی کا چھٹا سہارا مبارک ہو۔" میں بولا "میں تو تک ہی گئی۔"
 آپ کو بھی مبارک ہو۔" کچھ وقت کے بعد میں نے
 چھٹائی سے کہا۔
 "ٹائلا اسٹ گئی ہوئی ہے؟" مجھے اس طرح لاسٹ آف کر
 کے پیش کرنا بالکل بے لگاؤ لگا تھا۔
 "میں خود اپنے ہاتھ سے لاسٹ آف کر لوں۔"
 روم میں لاسٹ آف کی آواز تک نہ گئی۔
 کمرے میں بے تحاشا بھول تھے۔ سرخ گلابوں کا جبر۔
 میں نے حیرانی سے مضطرب کی طرف دیکھا۔ وہ میری طرف
 دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔
 "سج کے دن پھولوں سے اچھا عطرہ کوئی نہیں ہوتا۔"
 ہے نا؟ یہ کہتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھاما اور میری
 وارڈروب کی طرف بڑھا۔
 میں پھولوں کی پتیوں پر چلتے ہوئے جب وارڈروب تک
 پہنچی تو وہ میرا ہاتھ چھو کر گھبرا ہوا گیا۔
 "خیر لو اسے۔" وہ چاہت سے میری طرف دیکھتے ہوئے
 کہہ رہا تھا۔
 میں نے وارڈروب کھولی۔ سامنے ہی ریڈ لیڈ ٹیک
 شیڈوں کا ٹیس کورٹاں والا سوٹ لنگ برہ تھا۔ میں نے
 ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔
 وہ سوٹ مجھے بے حد پسند آیا تھا لیکن میں نے اس کا
 اہتمام نہیں کیا۔ "ابھی اور اسی وقت اسے پس کر لیا۔"
 اس کی فرمائش پر میں حیران تھی۔
 "میں اسی وقت اسے پس نہیں کرتی۔" میں نے اس
 کے ہوش کو ٹھنڈا کیا اور صوفیہ پر بیٹھنے لگی۔ تب ہی اس
 اٹھانے ہوئے ایک ڈبہ میرے ہاتھ لگا اس میں کالج کی
 چوڑیاں تھیں۔ میں جلدی سے سنبھل گئی۔ ذرا سی
 عقلمندی سے وہ چوڑیاں ٹوٹ بھی سکتی تھیں۔ انہی میں
 چوڑیوں پر غور و فکر کرتی رہی تھی کہ میری نگاہیں یہ پڑی
 وہاں ایک گفٹ بیک رکھا تھا۔
 میں تجسس ہی ہو کر اٹھ گئی۔ قریب جا کر دیکھا تو چار
 شاعری کی کتابیں رہی تھیں۔ رچی رچان پر ایسے ہی رکھا ہوا
 تھا یعنی بیکنگ نہیں تھی۔
 میں نے مضطرب کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھوں میں
 مسکراہٹ لیے کھڑا تھا۔ اپنی طرف دیکھنے پر اس نے
 ڈرنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔
 سامنے پر پیوم رکھا تھا۔ مجھے اس کا یہ انداز شاید اچھا لانا
 اب ایک پچاس میرے حلق میں آکر پھنس گئی۔ میں نے
 شخص تھا جس نے منال کو پر پوز کیا تھا۔ اس سے تیار اور
 میری تعمیر کیا ہو گی۔ میری روح بھٹکتی گئی۔ یکدم ہی
 میرے چہرے پر بے لوری یا گروہ میرے قریب آ گیا۔
 "کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"
 اس نے مجھے شانوں سے پکڑ کر صوفیہ پر بٹھایا اور دو ڈاڑھ
 میرے سامنے بیٹھ لیا۔
 "ہاں میری طبیعت صحیح نہیں ہے۔ میں مست تھا کہ
 ہوں۔"
 "اچھا آخری گفٹ تو لے لو۔" اس کا جوش ابھی بند
 نہیں پڑا تھا۔
 میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
 پھر وہ اٹھا اور اس نے اپنی محبت کی سر میری پیشانی پر
 ثبت کی۔
 "تم واقعی لاجواب عورت ہو۔ تم نے اپنی محبت سب
 میں بانٹ کر مجھے محبت کرنا سکھا ہی دیا۔ زندگی میں میں
 اتنی چیز شاپنگ بھی نہیں کی جیسا مجھے کبھی کرنا پڑی۔"
 "اس اچانک تبدیلی کی کوئی وجہ تو ہو گی؟" میں نے اسے
 بے تحاشا غور کیا۔
 "تمہاری گفٹ اور کیا؟" اس نے مجھے غور سے
 چاہا۔
 "یہ میرا نہیں کسی اور کا رنگ ہے۔" میں بالکل سنجیدہ
 تھی۔
 "کیا منگ پ؟" وہ بولا۔
 "سہوٹی لون تھی؟" میں نے اس کی آنکھوں میں
 آنکھیں ڈالیں۔ ایک دم اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا پھر
 اس نے چہرہ جھکا لیا۔ میرے ساتھ بھی تو رہی کرتا تھا۔ جب
 میں خوش ہوئی تھی تب ہی مجھے رگ آتا تھا۔ میں نے خود کو
 بھلا دیا۔ سب کچھ مٹا دیا۔ تب وہ بہت خوش ہے۔ میں
 کیوں نہ اسے احسان دلاؤں۔
 میں نے اپنے من کو مار دیا تو وہ مجھے لاجواب عورت کہا
 رہا تھا۔
 اگر میں لاجواب ہوں تو صوفیہ کون تھی؟ تاہم ہمارے
 درمیان خاموشی رہی۔
 "صوفیہ ایک نمبر تھی۔ جس کے ذریعے میں
 تمہیں پھونڈا۔" وہ اعتماد سے بول رہا تھا۔
 "مجھے؟" میں نے اس کا مذاق اڑایا۔

ہاں۔۔۔ تمہیں۔" وہ سہوٹا ہوا گیا۔
 "میں نہیں جانتا صوفیہ کون تھی کہاں سے آئی کیوں
 میری زندگی میں آئی اور کون کی تھی۔ مگر میں اتنا جانتا ہوں
 اس کے آئے جانے سے میری زندگی پر کچھ فرق نہیں پڑا
 فرقی پڑا ہے تو تمہاری تبدیلیوں سے۔"
 اس نے اعجاز سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر کہنے
 لگا۔
 ایک تلی تو میں بھی پکڑا لی تھا تو خیر
 ہاتھ میں کر چھوٹی لے کر نکلتا میں بھی
 اور جی تو یہ ہے کہ۔۔۔
 تمہاری نظم "دوسرا نمبر" نے مجھے باہر سے کیا تھا۔ تب
 ہی صوفیہ مجھے لڑکی کی طرف توجہ کرنا پڑی اور میں۔ "وہ
 مخلص تھا۔"
 "کیا میں نے وہ نظم آپ کو لکھ کر دی تھی؟" میں نے
 مضطرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ وہ شرمندہ
 سا ہوا پھر جلدی سے بولا۔
 "میں انہی انسان کے انتخاب سے اس کی شخصیت
 ظاہر ہوئی ہے۔"
 "مجھے بات ہے۔ صرف انتخاب سے صرف شخصیت
 ظاہر ہوتی ہے۔" وہ بولا اور اسے غور سے دیکھا۔ "میں
 نے کھلے کھلے سے انداز میں کہا اور صوفیہ نے لگا لیا۔
 ہمارے درمیان تھوڑی اور خاموشی رہی پھر وہ میرے
 نزدیک آ کر بیٹھ گیا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔
 "لگتا ہے تم بہت تنگ آ گئی ہو۔" جب ہی تمہیں کسی
 بھی چیز سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔" میں نے اس
 کی طرف دیکھا۔ اور پھر سے آنکھیں موند لیں۔ سچ کی تھا
 کہ مجھے مضطرب کی کسی بھی چیز سے خوشی حاصل نہیں
 ہوتی تھی۔
 "سرخیز کا ایک وقت ہوتا ہے مضطرب اور اب میرا وہ
 جوش ٹھنڈا ہونے لگا ہے۔"
 شاید میرے اندر کہیں آسٹو گر رہے تھے۔ تب ہی میں
 نے آنکھوں کے کناروں کو جتا ٹھوس کیا تھا۔
 "مگر محبت کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔" وہ میرے
 ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھے احساس دلا رہا تھا۔
 "میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے بہت سے شکوے ہیں۔
 میں شگوارے ہمارے شکوے دور کروں گا۔"
 اس کی بصورتی آنکھوں میں محبت تھا نہیں۔ اور ہی تھی

اور یہ محبت صرف میرے لیے تھی۔ مگر نہ جانے کیا بات
 تھی کہ میں متاثر ہی نہیں ہو پڑی تھی ہمارے احساسات
 جیسے مجھ سے جو بچے تھے۔ مضطرب نے میرے انگ
 دوپے کو اچھی طرح سے ٹوٹ کیا اور مسکراتے ہوئے
 میرے ہاتھ پر بوسے کیے ہوئے بولا۔
 "مجھے تو یہی ہستی مسکراتی لڑکی جھگڑتی نرو چاہیے جس
 نے مجھے مسکرا ل ڈالا ہے اور اب یہ اواس موؤ تبدیل کرے۔
 میرے بچے پر انڈیا پڑے گا اور میں یہ بالکل نہیں چوں
 گا کہ اس کا مزاج میرے جیسا ہو۔ اسے اپنی ممانجیہ ہونا
 چاہیے۔ ٹٹ لٹھ اور شرارتی۔" مضطرب کی بے
 ساختگی یہ مجھے بھی ہلسی آ گئی۔ میری ہنسی اتنی بے ساختہ
 تھی کہ وہ مجھے حیرانی سے دیکھنے لگا۔
 "مجھ بات گئی۔ زندگی میں اکثر وہ ہوتا ہے جسے ہم
 نہیں سوچتے اور جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا۔
 بس میرے من نے یہی کہا۔
 دور آید درست آید۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
 بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	صفحہ	قیمت
دلہا سے دھڑلایا	آسیدہ آئی	300/-
نکھر چائیں خواب	آسیدہ آئی	150/-
خواب دہشتے	سعدیہ ذیلا کاشف	150/-
انہاں کا چاند	بھرتی سعید	350/-
رنگ خوشبو ہوا ہوا	احسان آفریدی	400/-
ارو کے نائنے	رضیہ بیگم	400/-
آج کل چاند بھی	رضیہ بیگم	180/-
دوڑکی نزل	رضیہ بیگم	150/-

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی کتاب ڈاک ٹرے 30/- روپیہ
 بھلائے کا پتہ
 مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37/2016/1/1
 لاہور نمبر 2216361

نعمتِ ہزار

رسولِ رحیم ﷺ

”میکم چھوٹی بھابھی کہاں رہ گئیں؟ اب تک نہیں آئیں۔ حنا ڈرا فون تو کرو۔“ شاکتہ نے گہرے گہرے سانس لے کر کہا۔

”مبارک میں ہوں گی، اب تک سگھار پورے نہ ہوں، وہ کہاں آئیں گی؟“ بڑی بھابھی نے گھٹکتے گھٹکتے والے گرانے کا عمل درمیان میں روک کر طنز کیا۔

”راستے میں ہیں۔ بس ابھی پانچ منٹ میں پہنچ جائیں گی۔“ حنا نے موبائل آف کر کے اپنی اہلی کو جواب دیا۔

اور واقعی ٹھیک چھ منٹ بعد وہ حسب عادت تھمتے لگاتیں، کب تک سے درست فیملی سیت ان سب کے رو بہ تھیں۔

”بہت بہت مبارک ہو شاکتہ! اللہ تعالیٰ بچے کی عمر دراز کرے، اسے صحت و تندرستی عطا فرمائے۔“ انہوں نے گلے لگتے ہوئے پورانی کو پوتے کے عقیدہ کی مبارکباد بھی دی اور ساتھ ساتھ دعا بھی۔

”اور ٹیک بھی ہٹائے۔“ بڑی بھابھی نے بیچ درمیان میں روک کر لہجہ دیا۔

”آمین۔ شاکتہ بیگم نے صندوق دل سے کہا۔

گلابی اور فیروز کی کنٹریس میں جدید تراش خراش کا سلاہوا سوٹ، میچنگ جیولری، چمکاؤٹن چھو جو کچھ تو پانڈی سے پار لڑکی خاضری اور کچھ قیمتی کاسیٹس اور سلیٹے کے میک اپ کی مرہون منت تھا۔

”بچے جوان ہیں، شادیاں ہونے والی ہیں اور اس عمر

”چلو بھئی، اٹھ جاؤ سب۔ نماز کا وقت ہو گیا۔“ اس طرح کی باتیں وہ ہر محفل میں ہی کرتی تھیں۔ نماز روزے کے فضائل پر وہ کے ادکامات، غیر شرعی اور غیر اسلامی کاموں کی تفصیلات اور ان کے عواقب انہیں سب ازیر تھا جنہیں وقتاً فوقتاً بیان کر کے وہ سب کی اصلاح کرنے اور انہیں اپنی ہی طرح کا ایک ٹیک اور سچا مسلمان بنانے کی کوشش کرتیں۔

”ہم نے تو پرہیزگار کیا ہوا ہے۔ اس میں شاکتہ کہہ لگتی ہوئی ہے۔ پتہ نہیں دھو ہو گا یا نہیں۔ نماز کے

ہو گی؟“ چھوٹی بھابھی نے ایک مسئلہ بیان کیا۔

”مامی! اللہ میاں کا واسن رحمت ہماری سوچ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ بہرہ ان کے حضور کھڑا ہو جائے تو شاید وہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہ کرتے ہوں؟“ یہ زوار تھا جو زبان پر آئی بات کو روکنے یا دل میں رکھنے کا بالکل بھی قائل نہ تھا۔

”ارے بھئی، تمنا پرہیز لیں، سب اللہ تعالیٰ بڑے غفور الرحیم ہیں۔“ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سارا نیشے کی کوشش کی۔ ویسے بھی ابھی ابھی تو سچ



www.pkdi.com

بھر رقم دے کر میک آپ کروا کر تکی تمہیں دوسو کیسے کرتی ہیں؟

”اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہونے کے ساتھ ساتھ حمار و قہار بھی تو ہیں۔ گرفت بھی پھر ایسی سخت ہوتی ہے۔“ بڑی بھابھی نے اپنی دیورانی کو تنگھی نظروں سے دیکھا۔

”اُف۔ آپ جیسے لوگوں نے تو بس اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بیج بنایا ہوا ہے کہ جیسے وہ اپنے ہر بندے کو سزا دینے کے لیے فوراً تیار بیٹھے رہتے ہیں کہ ذرا بندے سے کوئی بھول چوک، کوئی غلطی، کوئی قصور سرزد ہو اور سزا کا مستحق بنے۔“ بھول بھابھی ہنستا ہوا بولیں۔

”لو بھلا میں نے کیا کہا؟“ بڑی بھابھی کے بھی تصور بگڑ گئے۔ ”نیک اعمال کیے بغیر“ فرانسس پورے کیے بغیر۔ جیلوں، مہنتوں سے تو جنت ملنے سے رہی۔ نہ اللہ کی پکڑ سے کوئی بچ سکتا ہے اور میں تو۔“

”چلیے چھوڑیے بھابھی جان، آپ اوجھرائے۔“ سب سے بھولی دیورانی اور میزبان شائستہ بیگم نے نرمی سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرے میں لے آئیں۔

”آپ نماز پڑھ لیں، میں نے جائے نماز بچھا دی ہے۔“ انہوں نے اشارہ کیا۔ ”عارفہ نے تو جد ہی کر دی۔“ جائے نماز پکڑے ہو کر وہ برسر طاق لگیں۔ ”اب ایسا بھی کیا ماڈرن ازم کہ انسان اللہ کو بالکل ہی بھولی جائے۔ دین کو بالائے طاق رکھ دے۔ ذرا نماز پڑھنے کو کہہ دیا تو برا لگ گیا۔“

”آپ نے کہہ کر اپنا فرض پورا کر دیا۔ آگے وہ جانیں ان کا کام۔ ہر ایک کا عمل اس کے اپنے لیے ہے۔“ انہوں نے سہولت سے بولتے ہوئے بات ہی ختم کر دی۔

”وہاں آئیں تو چھوٹی بھابھی نے انہیں پکڑ لیا۔ دیکھا کہ وہی ہمیں میرے بارے میں؟“ انہوں نے شائستہ بیگم کو کر دیا۔ ”دیکھ نہیں بھئی، مجھ سے تو کچھ نہیں کہا انہوں نے۔“

”بے۔ بس نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔“ انہوں نے بیٹھنے کی طرح مصالحت آمیز جواب دے کر بات کو مزید بڑھانے سے روکا۔

”بھوسہ۔ کیا میں جانتی نہیں ہوں جس جس سے بھی میرے متعلق جو بھی بات کہتی ہیں سب مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ نماز، روزے اور پردے کے سارے مسائل معلوم ہیں۔ غیبت کے بارے میں کچھ نہیں پتا؟“ ان کا اوجھ طنزیہ ہو گیا۔

”چھوڑیں بھابھی، وہ بے چاری تو اپنی طرف سے نیک نیتی سے اللہ رسول کی باتیں بتاتی ہیں، آپ کو تھوڑی کچھ کہتی ہیں۔ آپ پر اند مانا کریں۔“ سب کو فطرت کی مالک شائستہ بیگم نے انہیں بھی ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں یہ سمجھتی ہیں کہ بس یہ خود اللہ دیال ہیں اور ہم تو جیسے خدا نخواستہ کافر ہیں، مشرک ہیں۔ کبھی آپس پر اعتراض، کبھی زور پر تنقید، کبھی میک آپ پر طنز، کبھی سب کے سامنے نصیحتوں کے انداز سب سے زیادہ مجھے ہی پہنچا سکتے ہیں۔“ شائستہ بیگم نے بھابھی سے کہیں کب سے بھڑکی ہوئی تھی۔

”بڑی ہیں، آپ بھی سوچ کے ہرگز گرچا کر لیں۔ مجھے اور آپ کو کچھ سمجھتی ہیں تو نصیحتیں۔ کرنی ہیں نا۔ کسی اربے غیرے کو کوئی چھوڑانی یوں کہتا ہے۔“ شائستہ بیگم نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”اور ویسے بھی آج کے جدید دور میں ہر ایک کی ہر بات کو لے کر ہم بیٹھ جائیں تو زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔“

شائستہ بیگم نے ان کے مزاج کی عین مطابق خاص طور پر جدیدیت کا ذکر کیا اور یہی ہوا۔ وہ فوراً کہنے لگیں۔

”ارے ہاں، چھوڑو، ہم تو شہرے جدید دور کے تقاضے پورے کرنے والے لوگ۔ بھلا اتنی فرصت اور وقت کہاں کہ ان سب باتوں کو لے کر بیٹھے رہیں۔ تم نے میرا سیٹ نہیں دیکھا؟“ انہوں نے بڑے تندی سے

شائستہ بیگم نے اپنی ٹیک اور سارا فطرت کے مطابق ایسے ہی الفاظ اور انداز میں فریب کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ عارضہ بچکنے تو فریب کے سعالے میں انہیں اعتماد میں لیتے ہوئے پوری بات بتائی تھی کہ لڑکا خاندانی اور مالی دونوں لحاظ سے ان کا ہم پلہ نہیں مگر فریب نے ضد باندھی ہوئی ہے وہیں کر سکتی۔

”پلو جی، میں نے کبھی سوچا کہ ہماری روشن خیالی کس کام کی۔ اگر ہمارے بچے اپنی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں بھی اپنی مرضی استعمال نہ کر سکیں۔“ اپنے آخری فقرے میں انہوں نے عندیہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی ضد پوری کر دیں گی۔

شائستہ بیگم وہاں سے اٹھ کر اپنے دوسرے مہمانوں کو تھوڑا تھوڑا وقت دینے لگیں۔ ساتھ ساتھ دعوت کے انتظامات بھی ان کے زیر نگرانی تھے۔ اوجھ عارفہ بیگم جو جوان لڑکیوں کے گرد پک جو اٹن کر کے ان سے ہال اور کھال کی حفاظت و خوب صورتی کے لیے ایک دوسرے سے مختلف ٹیبل کتاہالہ کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

ایک ماہ بعد بڑی بھابھی شائستہ بیگم کے بھر آئی تھیں۔ اوجھ اوجھ کی باتیں کرنے کے بعد وہ بڑے رازدارانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”سنا ہے فریب نے بھی اپنا ہر خود ہی تلاش کر لیا؟ ظاہر ہے بھئی ماڈرن فلمی ہے۔ اہل نے بچوں کو پوری بھوت دی ہوئی ہے جو گل کھلا لیں کم ہے۔ بھلا وہ کیوں اپنے بھائی سے پیچھے رہتی۔“ بڑی بھابھی کے لہجے میں طنز بھی تھا اور تحقیر بھی۔

”ایسی بات نہیں ہے بھابھی، شائستہ بیگم ان کی پوری بات من کر گل سے کہنے لگیں۔ ”فریب ہمارے آپ کے سامنے کی بیٹی بڑھی ہوئی ہے۔ آج تک کوئی ایسی ویسی بات سننے میں نہیں آئی۔ ہاں بس یہ ہے کہ فریب کے گل اس قبیلے نے اپنے گھر والوں کے ذریعے پروپازل بھیجا ہے جو بھی بات ہوئی، بیٹوں کے درمیان ہوں۔ ان شاء اللہ وہ عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت ہوگی۔ ہمیں کسی کے متعلق یوں بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔“

شائستہ بیگم نے اپنی ٹیک اور سارا فطرت کے مطابق ایسے ہی الفاظ اور انداز میں فریب کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ عارضہ بچکنے تو فریب کے سعالے میں انہیں اعتماد میں لیتے ہوئے پوری بات بتائی تھی کہ لڑکا خاندانی اور مالی دونوں لحاظ سے ان کا ہم پلہ نہیں مگر فریب نے ضد باندھی ہوئی ہے وہیں کر سکتی۔

”پلو جی، میں نے کبھی سوچا کہ ہماری روشن خیالی کس کام کی۔ اگر ہمارے بچے اپنی زندگی کے اتنے اہم معاملے میں بھی اپنی مرضی استعمال نہ کر سکیں۔“ اپنے آخری فقرے میں انہوں نے عندیہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی ضد پوری کر دیں گی۔

شائستہ بیگم اعتبار کرتے ہوئے عارفہ بیگم ہی کیا بہت سے لوگ ان سے اپنے راز اور مسئلے مسائل شہر کر لیتے تھے اور وہ کبھی کسی کے اعتبار کو نہیں دیکھتی تھیں۔ اس وقت بھی انہوں نے مناسب انداز میں اس موضوع کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

”سنا ہے خاندانی بھی نہیں ہیں، جانے کون کون لوگ ہیں؟“ بڑی بھابھی کافی ”پانچر“ ہو کر آئی تھیں۔ ”سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ہم بھلا کسی پہ کیسے علم لگا سکتے ہیں۔ خاندانی اور غیر خاندانی ہونے کا۔“

”اے پھر بھی ماں باپ کا فرض ہے کہ دیکھ بھال کے رشتے کریں۔ ایسی بھی کیا آزادی دینی بچوں کو کہ والدین کی ناک میں ٹیکل ڈال کر اپنے پیچھے پھینچے پھرتے پھریں۔“ بڑی بھابھی کی سولی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

”تمام والدین اپنی اولاد کے بہترین خیر خواہ ہوتے ہیں۔ فریب کے والدین جو مناسب سمجھیں گے وہ کریں گے ہم اور آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟“ شائستہ بیگم نے بات ختم کرتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

”اور آپ بتائیں مسز ٹیک ہے؟ اس کے بیٹے کا بخار ٹھیک ہو گیا؟“ ”ہاں اللہ کا شکر ہے میری بیٹی بالکل خیریت سے ہے اور اس کے بچے کا بخار بھی اب اتر گیا ہے۔ کل ہی

تو ہنسی تھی۔ چنانچہ ماشاء اللہ بھدک بھدک ہو گیا ہے۔
 گھٹنوں سر کے لگائے۔ ہر چیز میں گھستا ہے۔ کبھی اڑھڑ
 کبھی اڑھڑ۔ بس اس کے پیچھے پیچھے لگے رہو۔
 بیٹی اور لوہے کے ڈاکر پر ان کے چہرے پر چمک سی
 آئی اور وہ تان اسٹاپ شروع ہو گئیں۔ یہ ان کی وہی
 بیٹی تھی جس کی شادی اپنے کزن کے ساتھ ایک طویل
 معرکے کے بعد ہوئی تھی۔ سدروہ کی ممانی اسے اپنی بہو
 بنانے پر رضامند نہ تھیں اور اپنی بھانجی کے چہرے
 دیکھتے ہوئے بڑی بھانجی نے بھی اپنی انا اور ہٹ دھرمی
 کا گراف اونچا رتے کی کوشش کی مگر سدروہ اور اسد کی
 مستقل مزاجی نے دونوں کی انہیں کو گھٹنے سینے پر مجبور
 کر ہی دیا۔

یہ داستان اتنی ساوٹ تھی کہانی رنگین و رنگین سوڑ
 تھی اس میں اور عارفہ بھانجی نے یہ داستان لکھ لکھ
 لاسی انشوات کی طرح شائستہ بیگم کو سنانے کی کوشش
 کی تھی، جنہوں نے ہمیشہ کی طرح اسے پتھارے دار
 تو موضوع کو پار پار بدلنے کی کوشش میں اگر کچھ سن بھی لیا
 اسے خود تک محدود رکھ کے داستان آگے نہیں
 بڑھائی۔

فریہ کی منگنی کو اس کے بھائی کی طرح بے حد عہد
 وحام کے ساتھ تو نہیں ہوئی مگر پھر بھی خاندان کے تو
 تقریباً سب ہی افراد موجود تھے۔ پہلے کی طرح
 میوزیکل فنکشن تو اڑھڑ نہیں کیا گیا مگر گھر پر میوزک
 اور ڈانس کا اہتمام کر کے یہ کسر پوری کرنے کی کوشش
 کی گئی تھی اور اس میں عارفہ کے ساتھ ان کی ہونے
 والی سو بھی پیش پیش تھی۔
 ”بھئی واہ! ابلی تمہنے تو کھل کر دیا۔“ اس کی بے حد
 عمدہ پرفارمنس پر عارفہ بیگم تو قرآن ہی ہو گئیں۔ سب
 خاندان کے ہی تو لوگ تھے۔ میکے والے اور مسراں
 والے اور بڑوں کے دو تین گھرانے۔ بیشتر افراد کی
 آنکھوں میں ستائش دیکھ کر میں اپنی ماڈرن اور آپ نو
 ڈیسٹ (ہونے والی) سو پر بے حد غرور ہوا تھا۔ ہاں بس
 بڑی بھانجی ہمیشہ کی طرح ناگواری کے ساتھ یہ سب
 دیکھ رہی تھیں اور برداشت کر رہی تھیں پھر حسب

عادت تنقید کا آغاز کر ہی دیا۔ برابر میں ہی تو ان کی ہنسی
 پٹکی تھی۔
 ”مارفہ نے تو بالکل ہی ٹھیا ڈیو دی۔ شادی سے پہلے
 ہی بسو کا گھر میں اتنا آڑوانہ میل جول نہ کوئی شرم نہ
 حیا۔ تو یہ تو یہ۔ قیامت کی علامت ہے۔“ انہوں نے
 توبہ تلا کرتے ہوئے اسے کان چھو کے
 ”چھوڑو میں امی۔ آج کل تقریبات میں اتنا تو چھٹا ہی
 ہے اور شادی سے پہلے اب لڑکے لڑکیوں کا سسرالوں
 میں قانا جانا عام سی بات ہے۔“ سدروہ نے ان کی بات
 کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔
 ”پھر بھی سب کے سامنے یوں تانچ کا ٹانگ ٹانگ
 شریف ہو بیٹیوں کا کام ہے۔“ وہ پھر ہر لٹانے لگیں۔
 ”اور یہ عارفہ کو دیکھو بیٹی کی۔ بیٹھنی ہے اور بیٹی سے
 زبان خود تیار ہوتی ہے۔ نہ عمر کا کچھ خیال نہ شریعت
 کی کوئی پروا۔ سینک کٹا کے پتھروں میں نام کر لیا۔
 ہیشن دیکھو سچ دیکھو جیسے چو تھی کی دلہن۔“
 ”جب ہو جائیں امی تو ہنسنے کا تو تمہیں پتہ
 بات ہوگی۔“ سدروہ نے دمزدہ کر لیں ایک بار پھر
 خاموش کرانے کی کوشش کی۔

”اسلام علیکم بڑی ماں!“ ارشد نے ان کے قریب
 آ کر نہیں سلام کیا اور وہیں بیٹھ گئی۔
 ”وعلیکم السلام جیسی رہو۔“ انہوں نے اس سے
 سر پر ہاتھ پھیرا۔
 ”بھئی اتنی ہو؟“
 ”جی، بس فریہ اور چھوٹی ماں سے مل کر یہاں
 آ گئی۔“
 ”چھا۔“ بڑی بھانجی نے تسبیح نکال لی تھی، اس
 میں مشغول ہو گئیں۔
 ”کون سا ٹانگ استعمال کر رہی ہو؟ بڑی حسین و
 جمیل ہو گئی ہوگ سدروہ نے آہستہ سے اسے شو کاویا۔
 وہ توں تقریباً ہم عمر کزنز تھیں اور بہت بے تکلف
 تھی۔
 ”چھا! وہ بس پڑھی۔ اس کا خوب صورت چہرہ
 اور جھکا اٹھا۔

”اور نہ خوشخبری کب سن رہی ہو؟“ سدروہ نے
 گڑبھی کی۔
 ”بھئی تو اب کی کوئی بات نہیں ہے۔“ ارشد شرماتے
 ہوئے اور بھی پڑکھش لگ رہی تھی۔ اس کی شادی کو
 ابھی پانچ ماہ ہی تو ہوئے تھے۔
 ”بھئی چمک دمک کاراڑ نہیں بتا رہیں؟“ سدروہ نے
 پھر اسے پھینرا۔
 ”وہ پھر ساری محبت اور ڈھیر ساری خوشیاں۔“ ارشد
 نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
 اور اربت کی یہ مسکراہٹ ڈھیر ساری محبت اور
 ڈھیر ساری خوشیاں فقط ایک ماہ اور اس کا نصیب رہیں۔
 ایک ٹریفک حادثے نے یہ سب کچھ اس سے دور
 کر دیا۔
 چھ ماہ کی دلہن کی جواں سال بیوگی نے سب کی
 آنکھیں اٹکلا کر دیں اور والدین اور گھر والوں پہ تو
 جیسے غم کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا تھا۔ عدت کے بعد وہ اپنے
 گھر آئی تھی۔
 ”اللہ تعالیٰ کوئی کو الہ ان کی احتیاطی عدت سے بچو کر
 نہیں دیتا۔ تم کے ساتھ ساتھ صبر بھی خود ہی دیتا
 ہے۔“
 آہستہ آہستہ ان سب کے آنسو بھی تھمتے جا رہے
 تھے۔ قسمت کے لکھے کو قبول کرنے میں ہی عافیت
 ہے۔ سوار نہ نے بھی اس حقیقت کو قبول کر لیا لیکن
 وہ جو حسین یادیں اور دل کے کسی کونے میں نہاں غم
 تھا وقت کے ساتھ ساتھ ہی جاتا گئی۔
 بیٹی کا یہ غم صرف بڑی اپنا کا ہی نہیں تھا بلکہ ان کے
 تینوں بھائیوں کا بھی مشترک تھا، جنہیں اپنی انگوٹی اور
 بڑی بہن اور ان کے بچے بے حد عزیز تھے۔ سب سے
 پہلے بھائی نے اپنی بیگم سے بات کی۔ انہیں یقین تھا
 کہ ان کی بات رو نہیں ہوگی کیونکہ شریک حیات تو
 ہے۔ حد شرع کی پارہ اور دینی مزاج اور اسلامی ذہن
 رکھنے والی خاتون تھیں مگر شوہر کی بات سنتے ہی ان کی
 آنکھیں جیست سے پھل گئیں۔
 ”لو! خدا انخواستہ ہمارے بیٹے میں ایسی کیا خالی ہے

کہ ایک بیوہ سے اس کی شادی کریں؟“ ان کی حیرت
 ختم ہوئی تو وہ ناگواری سے ہنسے۔
 ”کیوں کیا وہ لوگ بیوہ سے شادی کرتے ہیں جن
 میں کوئی خالی ہو؟“ ناگواری باب ان کے شوہر کے لیے
 میں بھی پھلک آئی۔
 ”بھئی میرا مطلب ہے کہ ہمارا بیٹا جو ان بے لائق
 قاتل ہے۔ صحت و سندرستی میں ماشاء اللہ ہے۔ ہم
 کیوں اس کے اور انوں کا گلا گھونٹ کر ایک بیوہ سے
 اسے بیاہیں۔“ ان کی بیوی اب کے ذرا سنبھل کے
 بولیں اور بیٹے کی مرضی اور خواہشات بھی سامنے
 لائیں۔
 ”لڑکے سے میں بات کر لوں گا، مجھے امید نہیں بلکہ
 یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا اور تم اثنا دین کی اور
 اللہ رسول کی باتیں کرنے والی بار بار اتنی تحارت سے
 بیوہ بیوہ کہہ کر کیوں بات کر رہی ہو کیا بیوہ ہونا کوئی بہت
 ذلت و تحارت کی بات ہے؟ اپنے بس میں ہوتا ہے یہ
 سب کچھ؟“ ان کا لہجہ تیز ہو گیا۔
 ”وہ اپنی بیٹی کی جہاں چاہیں دو سری شادی کریں۔
 ہم کیوں اپنے بیٹے کی قرانی دین؟“ بیوی کا لہجہ بھی تنگھا
 ہو گیا۔

”بس کی دین داری ہے تمہاری؟ تسبیح اور مصلے
 یہ اللہ اللہ کرنے سے اللہ نہیں ملتا۔ بندوں کے کام
 آنے سے ان کی مشکلات دور کرنے سے نکلتا ہے۔“
 شوہر کے لہجے میں بیوی کے لیے خود بخود طنز آ گیا۔ ”اور
 اللہ کے رسول نے مثال قائم نہیں کی جو انوں سے
 نکال کرنے کی؟“ اتنا ”علم“ کس کام کا جو ”عمل“ میں نہ
 ہو۔“ اور پھر پھر طنز کے تیز رسارے تھے۔
 ”اے ہائے۔ توبہ توبہ! استغفر اللہ۔ کہاں وہ اللہ
 کے جیبت ہر گناہ اور خطا سے پاک دنیا و آخرت کے
 عظیم بشر۔ کہاں ہم گناہ گار خطا کار ہم بھلا کیسے ان کی
 پر اہری کر سکتے ہیں؟“ وہ بار بار کانوں کو ہاتھ لگا رہی
 تھیں۔
 ”انہی بے وقوف انسان نہ؟“ ان کے شوہر نے واہت
 پیسے۔ ”کسی فرض یا سنت کو ادا کر کے ہم خوشخبری برابری

2008 جولائی 89

www.paksociety.com

میں ان کی بیوی کرتے ہیں اور اسی بیوی کا ناموں نے حکم دیا ہے۔ وہ برابر اپنی بیوی کو سمجھانے میں لگے ہوئے تھے۔

”یہاں اپنی غرض ہو وہاں سب فرض مسنت یاد آجاتے ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی۔ ”پہلے بھی تو مانگی تھی، جب کیوں نہیں دی؟“ وہ ایک پرانا موضوع چھیڑنے لگیں۔

”اچھی طرح جانتی ہو کہ کیوں نہیں دی تھی۔“ انہوں نے اپنی بیوی کو گھورا۔ ”تمہارے ساتھ ساتھ عارفہ نے بھی اپنے بیٹے کا رشتہ اربنہ کے لیے دیا تھا اور بڑی کپا کی مشکل یہ تھی کہ وہ ایک کوریٹیج تو دوسری ناراض ہوتی، اس لیے انہوں نے ہم تینوں بھائیوں سے مشورہ کر کے تیسری جگہ ہاں کر دی تھی اور ویسے بھی اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اگر اربنہ کی قسمت میں بیوی کا دکھ لکھا تھا تو وہ ہمارے گھر آکر بھی ہو سکتی تھی۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کر کہیں رہتے تھے۔

”اللہ نہ کرے۔“ وہ ایک دم دہل گئیں۔ ”اللہ میرے بچے کو گرم ہوا سے بھی بچائے۔ آپ کو شرم نہیں آتی اپنی اولاد کے متعلق ایسی منگوس بات منہ سے نکالتے ہوئے۔“

”صوت منگوس نہیں، چینی ہے۔ ہر ایک کو سنی ہے۔ اس میں اس طرح ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہے تھے۔ ”بہر حال، آپ میری بات پر جتنی جلدی ہو، غور کر لیں اور مجھے مثبت جواب چاہیے۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ہو نہ! مثبت جواب چاہیے۔ مثبت جواب دے گی میری جوتی۔ مجھ پر کیا مار پڑی ہے کہ اپنے نکواریے بیٹے کے لیے ایک بیوہ کو بیوا لادوں۔ شادی چھ سال رہی یا چھ ماہ ہے تو یہ وہ۔ خدا نخواستہ اس کا منگوس ساہیہ میرے بیٹے پر بھی پڑ گیا تو یہ تو یہ! استغفر اللہ۔“ انہیں جھنجھری سی آئی۔ وہ غصے کے لیے اٹھ گئیں۔ نماز کا وقت تک ہو رہا تھا۔

اور عارفہ بیچم کو یکے بعد دیگرے وہ مشکلات نے ایسے

لپٹنے لپٹنے میں لیا تھا کہ غلامی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

پہلی مشکل تو جب کھڑی ہوئی، جب خلیما کے بھائی کی شادی میں اسے سیلو لیس شارت لپٹیں اور چست پاجامے میں ٹیوبس دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر پتھیں نہیں آیا۔ چھوٹی آستینیں اور چست پاجامے تو خیر، یہ بھی پہنتی تھیں مگر ہاں تو آستین سرے سے ہی غائب تھیں۔ ان کے شوہر ان سے زیادہ شاکڈ تھے۔ عارفہ بیچم کی روشن خیالی میں دوڑاؤ میں ہی پڑنے لگی تھیں۔

گھر آکر شوہر صاحب اپنی بیوی اور بیٹے پر برس پڑے تھے۔

”تیرا لڑکی ہماری بسو بنے گی؟ کسی کیٹ واک کی ڈائل لگ رہی تھی۔ فیشن میں اور بے خیالی میں کوئی فرق ہوتا ہے یا نہیں۔“ وہ ان دونوں پر ایسے برس رہے تھے جیسے ان دونوں کا تصور ہو۔

”دیکھو کیا پتہ تھا ابواک، وہ اتنی زیادہ ماڈرن ہے۔“ بیٹا منمنایا۔

”مجت ابی، جگہ آڑو خیالی اپنی جگہ مگر یہ تو بھائیوں کا اس کے بھی روشن ہونے کے تھے۔ اس روشن خیالی کا مظاہرہ دیکھ کر طاہرہ بیچم کو خیر کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہ تھیں۔ بہر حال دونوں ماں بیٹے نے اپنی اپنی جگہ خلیما کو اپنی ”روشن خیالی“ کی حدود سمجھانے کی کوششیں کی تھیں مگر وہ تو بات سنتے ہی ہتھ سے الٹ کر گئی۔

”مجھ پر آج تک میرے پیر تنس نے پانڈی نہیں لگائی۔ میں سیلو لیس پنٹوں یا برقعہ میری مرنسی تم کیا کوئی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھ کچھ نہیں کر سکتا۔“

اور عارفہ بیچم کو تو اس نے دو ٹوک جواب دے کر چپ کر دیا تھا۔

”یو ڈونٹ مائنڈ آئی، مگر آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ مجھے جہاں مجھے کینا لہاں پہننا ہے اور کینا نہیں۔ آپ اتنی ماڈرن اپروچ رکھنے والی خاتون کو کسی نفل کلاس کی دنیا تو سی ساس کی طرح بات کرتے دیکھ کر

مگر اگر مجھے تو بے حد تیرا ہی ہو رہی ہے۔“ اس نے اپنے مخصوص اسٹائل میں کندھے اڑکائے۔

دونوں روشن خیالی خاندانوں کے مابین اس معاملے کو لے کر دو مزی اس حد تک بڑھی کہ رشتہ ختم ہونے کی لڑت آئی گو کہ وہ لڑکے والے تھے۔ منافی لونی ان کے لیے کوئی اتنا خاص مسئلہ نہ تھا اور رشتہ بہت مگر پھر بھی پچھنے اور جاننے والوں کے سامنے ذرا شرمندگی ہی ہوتی۔ جب وہ اتنے چاؤ چو نکلاں اور پسند سے کی جانے والی منافی ٹوٹے کا سبب بنائیں تو کچھ منہ بیٹھ لوگ بے وعترک ان کے منہ پر ہی کچھ اس قسم کی حیرت کا اظہار کرتے۔

”ارے اتنی چھوٹی سی بات پر رشتہ ختم ہو گیا۔“ آپ تو خود اپنے ماڈرن خیالات رکھتی ہیں پھر بھی۔“

اور اس وقت عارفہ بیچم سے کوئی جواب نہیں بن سکا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سامنے والے کو کیسے سمجھائیں کہ وہ بے شک روشن خیالی ہیں مگر اس معاملے میں ان کی اپنی بچھو حد وہ ہیں۔ دراصل ان کے دل میں ابھی تک خلیما کی نظر کا وہ حصہ ہی تھا جس میں اس نے کنا تھا۔

”تو رونی کو دیکھیں، کس قسم کا فیشن اور لہاں صل رہتے ہیں آج کل۔ میں تو خود اپنی انتظام رکھتی ہوں، نہ آگے پیچھے کے اتے ہوتے بڑے بڑے بھٹے ہوتے نہ ہی پینڈیوں سے اوپر تک کے کٹ پاجامے اور ڈراؤزر۔ مجھے بھی اپنی لٹنٹس معلوم ہیں لیکن اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں شامیے پہننا شروع کروں۔“

آخر میں اس کے منہ میں عجزی نہیں، تلخی بھی آئی تھی اور عارفہ بیچم اب تک یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ ایک وقت دو آڑو خیالی افراد کی لٹنٹس الگ الگ کیسے ہو سکتی ہیں؟ بہر حال اس فیصے سے ابھی پوری طرح ان کی جان چھوٹی نہیں تھی کہ وسیع و عریض حلقہ اجنب کے جواب دیتے دیتے اور سمجھانے سمجھاتے وہ کچھ بے زاری ہو گئی تھیں کہ ان کے شوہر نے ایک نیا شو شاپ (ان کی دانست میں) ان کے سامنے چھوڑ دیا۔ انہیں یہ تو نثار رشتہ تعمیرت بلکہ

ایک نعمت لگا اور اپنے بیٹے کے لیے فائمول نے بحث سے اپنی بھانجی کا نام پیش کر دیا۔

”دیکھو ٹھیک ہے آپ کا؟ ٹاؤڈم نے انہیں یوں دیکھا جیسے سچ سچ ان کی دنیا کی حالت پر شبہ ہو۔

”ہمارے بیٹے کی منافی ختم ہوئی ہے کوئی شادی نہیں جو آپ اس طرح کے رشتے لگا رہے ہیں اور ویسے بھی آج کل دوسری کیا تیسری شادی کرنے والے مردوں کو بھی کنواری لڑکیوں میں جاتیں ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے ایک بیوہ کو ہونا کھڑکے کی۔“

”نہ میری بھانجی ہے بیوہ ہے تو کیا ہوا ہے تو میرا خون۔ مشکل وقت میں ہم آگے نہیں بڑھیں گے تو اور کون آگے گا۔ کس سے امید رکھیں گے وہ لوگ؟“ ”ارے اس کے اس حوالے میں کوئی ہمارا قصور ہے جو ہم سزا جھٹیں۔“ عارفہ بیچم ویسے ہی شوہر پر حاوی تھیں۔ آپ تو اور بچے تیز کر رہی تھی۔

”لا حول ولا قوت۔“ وہ بھانگے۔ ”کسی بیوہ سے شادی کیا کوئی سزا ہے؟ ویسے تو تم بڑی یورپ امریکہ لندن کی مٹائیں دیتی ہو۔ وہاں نہیں ہوتیں کیا ایسی شادیاں۔ بیوہ طلاق یافتہ دو چار بچوں کی ماں سب ہی کو شادی کے لیے پارٹنر مل جاتے ہیں۔ وہاں تو ایسی جاہلانہ تنگ نظری کا مظاہرہ کوئی نہیں کرنا جن سے متاثر ہو کر تم زندگی گزار رہی ہو۔“

وہ بھی خم تھوٹک کر بیوی کے مقابل میدان میں آگے۔

”وہاں کی شادیوں کے نتائج بھی دیکھ لیں کیا ہوتے ہیں؟ کتنا چلتی ہیں ایسی شادیاں۔“

”نتیجہ ایک الگ چیز ہے اس کی وجوہات پر ایک لمبی چوڑی بحث ہو سکتی ہے۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ترقی یافتہ اور جدید معاشرے میں بھی اسے کوئی اتنا برا نہیں سمجھتا۔ یہی یوں دھتکارا جاتا ہے جیسے تم کر رہی ہو۔“

”بیٹے سے تو پوچھ لیں، وہ بھی راضی ہو جائے گا یا نہیں۔“

عارفہ بیچم نے مزید بحث سے بچنے کے لیے گیند بیٹے

کے کورٹ میں ڈال دی۔

”اسے راضی کرنا میرا کام ہے وہ میرا بیٹا ہے میری بات سمجھی نہیں آتا۔ ویسے بھی ہم ایک پارٹس کی مرضی پوری کر چکے ہیں مگر اس کی قسمت میں نہیں تھا اللہ کی مرضی مگر تم تو اس کے لیے ہائی پھرو بیٹا بھی راضی ہو ہی جائے گا۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے ایسے اسی طرحی میں ہائی بھرنے کی۔“ وہ حسرت سے بولیں۔ ”کوئی لولا نظر ہے خدا نخواستہ ہمارا بیٹا یا مٹھو ہے یا دوسری تیسری شادی سے اس کی جو ایک بیوہ سے کر دیں۔ وہ تو اپنے چاؤ چوچھے پورے کر چکیں ہمارا ٹرکانہ نہ کرے؟“ اچھی میرے بیٹے کی عمر ہی کیا ہے۔ ایک سے ایک اچھی خوبصورت ایجوکیٹڈ اور کنواری لڑکی مل سکتی ہے اسے۔ ”خوبصورت ایجوکیٹڈ اور کنواری“ پر ان کا خاص زور تھا۔

”زیادہ گلے میں ڈال کر فیشن کے تقاضے پورے کرنے سے کوئی روشن خیال نہیں بن جاتا بہت سے معاملات کے لیے دل میں گنجائش رکھنا پڑتی ہے۔ وصیت قلب سے کام لینا پڑتا ہے یہی اصل روشن خیالی ہے۔ اندر سے تو ہم وہی جاہل و قیاسی عورت ہو جو ہمارے معاشرے میں عام ہے۔“

انہیں اتنا شدید غصہ آ رہا تھا کہ اپنی بات کا رد عمل دیکھتے اور سننے کے لیے بھی نہیں روکے اور سیدھے لہجے لہجے بگڑتے باہر نکل گئے۔

دونوں بھائی اپنی اپنی بیویوں کو رضامند ہی کرتے رہ گئے اور میدان چھوٹے بھائی بھائی نے مار لیا۔ بڑی بھائی اور چھوٹی عارفہ بیگم دونوں کے لیے شائستہ بیگم کا یہ قدم صرف حیرت کا ہی نہیں بلکہ صدمے کا بھی باعث تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے تئیں یہ فرض کر رکھا تھا کہ حوا کے لیے ان کی چھوٹی بیٹی بہت موزوں رہے گی۔ شائستہ بیگم سے اچھی سانس بھلا ان کی لڑکیوں کو کساں ملتی تھی شائستہ بیگم نے تو حد ہی کر دی۔ اب بھلا بیٹا اتنا قابل لڑکا صورت شکل سے بھی اچھا اتنی اچھی نوکری عمر بھی کوئی زیادہ نہیں اسے کیا سوچھی

بے چارے بچے کو لے کے قربانی کا بکرا بنا دیا۔ محمدی محبت میں اسے قربان کر دیا۔“

بڑی بھائی اور عارفہ بیگم دونوں حوا اور اس کے رشتے کو بلکہ غیر متوقع رشتے کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ ”ہاں تو اور کیا۔“ عارفہ بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”خاندان کی اور لڑکیاں نظر نہیں آتیں شائستہ کو حوا کے لیے۔ آپ کی بیوی ہے ہماری سن ہے دونوں کا جوڑ تھا حوا کے ساتھ کسی سے بھی کر لیتیں۔“ عارفہ بیگم کے دل میں بلی حسرت کھل کے بول رہی تھی۔

”بیوی کی تو خیر شائستہ سے اچھی خاصی بیٹی ہے وہ تو آسانی سے ایڈجسٹ ہو جاتی مگر تمہاری سن کا عمل مل کے رہنا بڑا مشکل ہے۔ اس کے تو مزاج ہی الگ ہیں پھر تم نے ماؤرن ماؤرن کا پھاڑہ بٹھا کر اس کی پرورش کی ہے۔ اتنی آزاد خیالی کے ساتھ اس کا گزارہ کون ہو شائستہ کے گھر۔“

بڑی بھائی نے حسب عادت عارفہ بیگم اور ان کی فیملی کو تنقید کا نشانہ بنایا اور عارفہ بیگم کا چہرہ رنج ہوا تھا۔

”آپ کی بیٹیاں خیر سے کون سی کنویں کی مینڈک ہیں۔ ہمیں نہیں پتا کہ سدھ کی شادی کیسے ہوئی تھی؟“ انہوں نے غصے کے تیز پرسانے۔ ”اور ویسے بھی میں نے اپنی بیٹیوں کو آزادی کے ساتھ ساتھ اچھے برے کی تمیز بھی دی ہے۔ وہ چھپ چھپ کے غلط حرکتیں نہیں کرتیں۔“

”تو میری بیٹی نے ایسا کون سا بھیب کے کوئی غلط کام کیا ہے۔ پسند کی شادی کی اجازت تو اسلام میں بھی ہے۔“ بڑی بھائی نے جوش کے ساتھ دیکھ دی۔ ”اسلام سے زیادہ روشن خیال مذہب کوئی نہیں ہے۔ یہ نام نہاد ماؤرن ازم بھی اس کے آگے کچھ نہیں۔“ مزید بولیں۔

”اور مسلمانوں سے زیادہ جھگڑ اور تنگ نظر کوئی نہیں۔“ عارفہ بیگم نے ترکیب ترک کر جواب دیا۔ ”اللہ کا

شکر ہے کہ میں ایسی مسلمان نہیں ہوں بسبل ہوں۔“

”سب کہنے کی باتیں ہیں تم۔“ ان دونوں کی بھی نہ تم ہونے والی بحث شروع ہو چکی تھی۔ اور شائستہ بیگم یوں تو اچھی تھیں بہت اچھی تھیں مگر اتنی اعلا طرف پھر بھی نہیں تھیں کہ یوں اتنی آسانی سے فقط ایک دو بار اپنے شوہر کے اصرار پر اس کے لیے مان جائیں۔ بے شک وہ اس کے بہت پسند کرتی تھیں اور پہلے پہل اپنی دونوں جھٹائیوں کے ساتھ ساتھ ان کا بھی ارادہ تھا کہ اس کے کو اپنے گھر کی ہو جائیں مگر وہ ہونہ سکا تھا اور اب ان بدلے ہوئے حالات میں ایسا کرنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا کیونکہ بہرحال وہ ایک بیٹی کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں۔ ساری ماں بس اسی تھکتی۔ اگر کوئی کہ ”لوگ کیا کہیں گے؟“ انہیں اپنے بیٹے کے لیے کوئی اور لڑکی نہ ملے اور پھر بیٹے کے بھی بہرحال کچھ ارمان ہوں گے پتہ نہیں تھا۔ قبول کرے گا یا نہیں یا اگر اب کے اصرار پر ہوں تو کبھی بسے لوں گے۔“

تین چار روز تک مسلسل گھر میں یہ چھوڑی پکتی رہی اور خود ان کا دل بھی سوچ سوچ کر بہت تھک گیا تھا۔ وہ تو اس دن سارہ کے ہاتھ پر چلنے کیسے اہتا ہوا مگر مہمانی کر گیا شکر ہے کہ پانی تھوڑا سا تھا مگر پھر بھی تین آبلوں نے سارہ کو پوری رات سبے چین رکھا اور بیٹی کی تکلیف نے ماں کی آنکھوں میں تینہ نہیں آئے تھی۔ تمام رات اس کے سر ہانے بیٹھ کر اس کی اذیت کو کم کرنے کی اللہ سے دعا کرتی رہیں اور جانے کس پھر پونہمی شوہر کی ایک بات ایسی مانع میں آئی کہ لاکھ جھٹکنے پر بھی نہیں لگی۔ انہوں نے اس کے معاملے پر ان سے کہا تھا۔ ”ایک بیٹے کی نہیں بلکہ بیٹی کی ماں بن کر سوچنا“ اور اس وقت جو انہوں نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی مگر اب وہ صریح اور صرف ایک بیٹی کی ماں بن کر ہی سوچ رہی تھیں۔ اگر خدا نخواستہ میری بیٹی کے ساتھ ایسا ساتھ گزارے تو ہے اور اسی مل یوں لگا کہ جیسے کسی نے ان کا دل

دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا ہو۔

”اللہ نہ کرے اللہ نہ کرے میری بیٹی کا دل سمجھی غم آگیا ہو۔“ بے ساختہ ان کے اندر سے بڑی شدت سے یہ آرزو بول پڑی تھی۔

”میری بیٹی کو میرے حصے کی خوشیاں بھی مل جائیں۔“ ایک ماں کا دل بڑی دل سوزی سے دعا کر رہا تھا انہیں صحت رجمی کے تقاضے بھی یاد آ رہے تھے۔

”اور دنیا والے؟“ ان کا نفس پھر کچھ سبے چین ہوا۔

”دنیا کی پروا کیا کرنی؟ اس دنیا نے تو بیٹیوں کو بھی نہیں چھوڑا۔“ کسی نے چپکے سے اندر سے کہا۔

”ای۔“ سارہ پھر گراہی چھالے تکلیف دے رہے تھے۔

”میری بیٹی۔“ امی اس کا سر ہلانے لگیں اور اس کا چہرہ دیکھتے دیکھتے انہیں خود بھی پتہ نہیں چلا جانے کب ان کا دل اتنا وسیع ہو گیا کہ اس میں سارہ کے ساتھ ساتھ اس کے بھی سما سکی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	موضوع	قیمت
زندگی ایک روشنی	رخصانہ کا بعد ان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخصانہ کا بعد ان	150/-
شیراز کے روزگار	شازبہ چوہدری	300/-
حیرت نام کی شہرت	شازبہ چوہدری	150/-
دل ایک شہر جوں	آسیہ مرزا	400/-

پولیشیٹ شدہ ناول کتاب کی قیمت 300 روپے

مکتبہ محمدان ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

فون نمبر 2218361

گلزارِ گولہ بازی



عشق کے علاقے میں تھم ہار چلتا ہے
 غائب نہیں چلتے
 حسن کی جہالت میں
 عازری تو پاس ہے
 مرتے نہیں چلتے
 موسم بے حد سرد ہو رہا تھا۔

جب وہ روٹیاں پکا کر فارغ ہوئی تو مغرب کی نماز کا وقت

ناؤ لٹے



ہو گیا تھا۔ جلدی جلدی وضو کر کے نماز ادا کی۔ دعا مانگی
 اور ابھی جائے نماز لپیٹ کر رکھ رہی تھی کہ جازب
 حسن بونے پر جوش انداز میں کمرے کا دروازہ دھکیلتے
 ہوئے تیزی سے اس کے قریب چلا آیا۔

”سارا! آپ میں نے تمہارے لیے جو ٹریاں خریدی
 ہیں۔ لیکن کروٹ بھوکھی لگتی ہیں۔“
 ”دیکھ لوں گی“ ابھی تو رکھ دو ساڑھی پر۔“ اس نے
 بیزارگی سے کہتے ہوئے ہی آن کر لیا۔
 جازب اپنا سامنے لے کر رہ گیا۔
 ”دیکھو! کیا ہے؟ تم بھوکھے ہو۔“
 ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے“ ابھی میرا سر دست
 رو کر رہا ہے۔ پلیز تم جاؤ یہاں سے۔“
 وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے کے روگے پن کو چھپا نہیں
 سکی تھی۔

مگر جازب حسن کو برا نہیں لگا۔ وہ اب بھی اسی لہجے
 میں کہ رہا تھا۔
 ”میں تو بھولے لادیتا ہوں، چائے کے ساتھ لے کر
 سو جاتا۔“
 ”اچھا لے لوں گی، تم اتنی فکر نہ کیا کرو میری۔“
 ”کیسے نہ کروں؟ ہنسی اذندگی میں تمہارے سوا اور کچھ
 بھی نہیں ہے میرے پاس۔“
 ”مجھے سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے
 قریب ہی صوفے پر ٹک گیا تھا۔

سارے کاغذ مزید پڑھ گیا۔
 ”فضول باتیں مت کیا کرو جازب! جو تم سوچ رہے
 ہو ایسا ممکن نہیں ہے۔“
 ”تو کیسی؟“
 ”دیکھو! ممکن نہیں ہے؟ مجھ میں ایسی کون سی کئی



ہے۔ "وہ لو اس لمحے میں بولا۔

"مجھے نہیں پتا۔ لیکن تم میرا خیال اپنے دل سے نکال دو۔"

"لیکن کیوں؟" تمہیں وجہ بتانی ہوگی۔"

سارا کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے اس نے پھر پوچھا جواب میں وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"وجہ اس کے سوالور کچھ بھی نہیں کہ میں نوید سے پیار کرتی ہوں، آج سے نہیں بلکہ پچھلے دو سال سے۔ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جو مجھے چاہیے دوست، حسن، وجاہت، معاشرے میں باعزت مقام، سب کچھ اب تم ہی بناؤ میں تمہیں اس پر ترجیح کیسے دے سکتی ہوں۔ تمہارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ مستقل ملازمت نہ حسن نہ وجاہت نہ معاشرے میں بلند مقام کیا دے سکتے ہو تم مجھے سوائے فکر اور پریشانیوں کے ناکام تمناؤں اور شہ حسرتوں کے پلیز جاؤ، میری باتوں کا برا مت ماننا مگر حقیقت یہی ہے کہ نوید ہر لحاظ سے تم پر برتری رکھتا ہے۔"

وہ بلا تکان بولتی جا رہی تھی اور ادھر جاؤں حسن کی خوبصورت آنکھوں میں دھول اٹھنا شروع ہوئی تھی۔ کتنی چھوٹی سوچ رکھتی تھی وہ اس کے بارے میں جسے وہ اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا تھا۔

"میں مانتی ہوں جاؤں! کہ تم مجھ سے بے حد محبت کرتے ہو، مگر محبت انسان کا پیٹ نہیں بھرتی۔ معاشرتی تقاضوں کو پورا نہیں کرنی لہذا پلیز یہ محبت محبت، ذات کام کا کھیل بند کر کے کوئی مقام بناؤ اپنا، تاکہ کسی اچھی سی لڑکی کے ہم سفر بن سکو پلیز۔"

وہ اس سے کہنا چاہتا تھا۔ "تم سے اچھی لڑکی کائنات میں اور کون ہے؟ مگر نہیں کہہ پایا۔"

دل وہی طرحیے کام کر رہی تھی چھوڑ گئے تھے وہ لڑکی جو اپنے حسن، خوش اخلاقی اور پینل حرکتوں کے باعث پچھلے کئی سالوں سے اس کے دل و دماغ پر راج کر رہی تھی۔ اس لمحے اس پر اپنی پست سوچ عیاں کر کے گھٹتی

چند سیکنڈ میں دل سے اتر گئی تھی۔

وہ آئیٹھے کے سامنے کھڑا اس چہرے کو تک رہا تھا، جہاں چھوڑے سے بھی اسے کوئی بد صورتی دکھائی نہیں دی تھی۔ سارا اس پر اپنی پسند ناپسند واضح کر کے بڑی مطمئن کھڑی تھی، بس وہ ہنسنے لگا اپنے قدموں کو گھسیٹتا اس کے مقابل آیا اور قدرے شکستہ لہجے میں بولا۔

"تم نہیں جانتیں سارا، کہ مجی محبت اس کائنات کی سب سے بڑی خوشی اور طاقت ہے، میرا دل کھول کر دیکھو کتنا قیمتی ہے، تمہارا نوید صدیقی، خود بھی بک جائے تب بھی اس دل کی قیمت نہیں چکا سکتا۔ کاش۔ کاش سارا! تم جان سکتیں کہ آج اس لمحے تم نے کیا کھو دیا ہے۔"

دھول ہوتے چہرے کے ساتھ نم لہجے میں کشادہ پھر ایک لمحے کے لیے بھی اس کے مقابل نہیں بھرتا تھا۔ سارا حسیب بخور اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتی ہے نیازی ہے کہ وہ سے اپنا کارو کوئی تھی۔

تم مجھے سچا ہو سکی، ایک دن سوچنا، ہاں چلی آؤ گی، آگ دن دیکھنا، اس عشق نے مجھ کو جلایا ہے، تم بھی جل جاؤ گی، آگ دن دیکھنا، وہ سارا کے کمرے سے باہر آیا تو موسم کی ٹھنکی کا احساس مزید شدید ہو گیا تھا۔ اچھی تھوڑی دیر پہلے اسے شدید بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اب چند لمحوں کے بعد جیسے ہر چیز سے دل بھر گیا تھا۔ ضبط گریہ کی کوشش میں آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

مجھے جھکے نہ حال قدم اٹھاتا وہ محزون میں میز میوں پر آ بیٹھا تھا۔

اسے یاد آ رہا تھا، وہ بہت چھوٹا سا تھا جب اچانک اس کی والدہ کی وفات ہو گئی تھی۔ اس وقت اسے شعور نہیں تھا۔ لہذا اپنی جنت کے چھن جانے پر رونا نہیں سکا تھا۔ تاہم اس سانحے کے کچھ ہی عرصے بعد جب اس کے باپ نے کسی دوسری عورت سے شادی کر کے اسے

اپنے گھر کی مالک بنایا تو وہ بہت رونا تھا۔

گو اس وقت بھی وہ زیادہ با شعور نہیں تھا، مگر اچانک اس کی عدم موجودگی نے اسے حساس بنا ڈالا تھا، اور اسے جو عورت "ماں" بن کر اس کے گھر میں آئی تھی، وہ ماں تو دور ایک انسان بنانے کے لائق بھی نہیں تھی۔

بہت سارے دن بھوکے پیاسے رہ کر سو تلی ماں کے ظلم سننے کے بعد جب وہ اس زندگی سے تنگ آیا تو ایک روز بھاگ کر عابدہ بیگم کے پاس چلا آیا، وہ اس کی اگلی پھوپھو تھیں اور اولاد تریبہ سے تخرابی کے باعث اس سے بے حد پیار کرتی تھیں۔

بیمیں، اگر جاؤں نے اپنے اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ عابدہ بیگم کے شوہر حسیب علی پر فالج کا سلا حملہ ہوا تو وہ ہسپتال سے لگ کر رہ گئے۔ جاؤں نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر چھوٹی موٹی ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔

وہ اس گھرانے کو کسی آزمائش میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن وجہ تھی کہ ان کی خوشیوں کے لیے صبح کے وقت کے تنگ لوگوں کے دل کی طرف دیکھ کر، اور اس پر بھی خوش رہتا۔ ساجد علی کی وفات کے بعد سارا کی ذمہ داری اس کے سر پر آ رہی تھی۔

عابدہ بیگم کو وہ اپنی ماں ہی سمجھتا تھا، جبکہ سارا کو چھوڑ کر ان کی باقی تین بیٹیوں کو اس نے کبھی اپنی بہنوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا تھا۔

سارا چار بہنوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ خوب زبان تھی۔ وہی جاؤں کے ساتھ سب سے بڑے فری ہوئی تھی، بچپن سے لے کر جوانی تک اس پر رعب، جمالی آئی تھی، اپنا اسکول کا ہوم ورک پورا کرتا، وہ بڑے و عزت کے ساتھ اس سے کہو اتی تھی۔ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اسے بتاتی اس کا ہر مسئلہ وہی حل کرتا۔ کل وجہ تھی کہ جاؤں قطعی بے ساختگی میں اس کی طرف کھینچا چلا گیا تھا۔

بچپن رخصت ہوا اور جوانی آئی تو سارا سے اس کا لگاؤ محبت میں دھل گیا اور یہ محبت کب وقت کے

ساتھ ساتھ جتنوں میں ڈھکی اسے منطوق خیر نہ ہو سکی۔ اسے خوب پر سارا کا رعب، جانا بھی اچھا لگتا تھا۔ اور اسے تھوڑا تنگ کر کے اس کا ہر حکم بجالانا بھی خوب بھاتا تھا۔ سارا کو چٹ پٹی چھریں اچھی لگتی تھیں، وہ اس کی خوشی کے لیے روزانہ کوئی نہ کوئی چیز اٹھاتا، تاب عابدہ بیگم اسے منع بھی کرتیں، اور بھی کبھی انصاف خیر تھی، ڈانٹ بھی دیتیں مگر وہ ہنس کر ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے اڑا دیتا۔

سارا کے معاملے میں کسی کی نصیحت اس پر کوئی اثر نہیں کرتی تھی۔

سارا سے چھوٹی خانم، حسن اور سلیقہ میں بے مثال تھی، مگر وہ خاموش طبع لڑکی تھی، زیادہ وقت اپنی کتابوں کے ساتھ مصروف رہتی۔ یا بچن میں کھسی کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی۔

سارا کے ساتھ اس نے بھی صرف میٹرک کیا تھا، بعد میں فراغت سے تنگ آ کر ریسرچ انٹرنیٹ تیار کر شروع کر دی اور انٹرنیٹ اچھے نمبروں سے پاس ہونے کے بعد گریجویشن کرنے کا ارادہ کر لیا، جاؤں نے اس سے متاثر ہو کر کئی بار سارا کو بھی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہا، مگر اس کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

"میں کیوں مفت میں اپنا دماغ کھپاؤں، سولہ پڑھ کر بھی جو لہا چوکی کرنی ہے اور سچے ہی پالنے ہیں، تو پھر میٹرک کیا کم ہے، فضول کی سنیشن نہیں لیتا میں۔"

جواباً، وہ خاموش رہ جاتا۔ خانم سے چھوٹی خانم بھی بہت ذہین تھی۔ سب ہی اس کی سمجھ داری کی وجہ سے اسے پسند کرتے تھے۔ سارا کے بعد وہی جاؤں کے زیادہ قریب تھی۔

خانم سے چھوٹی فرنا تھی، جو عام سی شکل و صورت کی حامل تھی۔ مگر حساس بہت زیادہ تھی۔ کچھ تو روپ رنگ اوپر سے اس کی "نا پسندیدہ آمد" اسے حساس بنانے کے لیے کافی تھی، وہ بھی خانم کی طرح خاموش طبع اور سلیقہ مند تھی۔ اپنے اسکول کی ذہین ترین طالبات میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ جاؤں اس سے بہت

پیار کرنا تھا اور اس کی خوشی کا پورا خیال رکھنا تھا۔ اپنے پھوپھو بھائی رحلت کے بعد تو وہ اور بھی ذمہ داری سے اپن سب کا خیال رکھنے لگا تھا۔ عابدہ بیگم کے لب اس کے لیے دعائیں کرتے نہیں سمجھتے تھے۔

زندگی میں سب کچھ ہی تو حاصل ہو گیا تھا۔ مگر اب بھی کہیں اگر کوئی کمی تھی تو وہ صرف محبت کی تھی۔ اس کے اندر بچپن کی معصوم حسرتیں اب بھی سر اٹھاتی تھیں۔ کبھی کبھی شہت سے اس کا دل چاہتا کہ کوئی اس کی دستکوں کی آواز سے اور اس کے جذبات کا راز پالے۔ اسے ڈھیر سا راز پیا کر کے خود سے بچ کر اس کا خیال رکھے۔ اسے یوں خود میں سموئے کہ زندگی کی ساری محرومیوں کا زائلہ ہو جائے۔

اور ایسا سوچتے۔۔۔ ہوئے صرف سہرا حسیب کا چہرہ ہی اس کی نگاہوں میں آتا تھا جو اپنی خوش سوزی کے باوجود اسے بے حد اچھی لگتی تھی۔

آج تک کیا نہیں کیا تھا اس نے سارہ حسیب کے لیے۔ مگر وہ اس کی بوناقوں کی اہل نہیں تھی۔ اس کے دل نے غلط انتخاب کیا تھا اور یہی غلط انتخاب اسے جلا رہا تھا۔

وہ کبھی سوچ ہی نہیں پایا تھا کہ سارا کی خواہشات کیا ہیں؟

آئندہ زندگی کے لیے اس کی سوچ اور تقاضے کیا ہیں؟ جان جانا تو شاید آج اتنا دل نہیں نہ جو ماہوا میں نکلتی بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر وہ بے نیاز سا ٹھنڈی بیٹریوں پر بیٹھا ضبط سے آنسو پیتے ہوئے دل کے اندر ہی گرانا رہا۔

جانے کتنا وقت یونہی بیت گیا تھا۔ جب اچانک اسے اپنے شانوں پر نرم شان کی گراہٹ محسوس ہوئی۔ چونک کر سر اٹھاتے ہوئے اس نے اوپر دیکھا تو فائزہ اس سے کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر کھڑی بہت شجیرگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”سرو کی کافی بڑھ گئی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت آپ کو یوں ٹھنڈی بیٹریوں پر بیٹھا چاہیے۔“

وہ ہمیشہ اس سے بہت مختصر بات کرتی تھی۔ آج تک کبھی چاہ کر بھی اس سے فری نہیں ہو پایا تھا۔ تاہم اس کی عزت اور احترام ضرور کرتا تھا۔ اس وقت بھی اس کے احساس دلانے پر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔



اگلے روز اسے بہت تیز بخار چڑھ آیا تھا۔ ساری رات جاگ کر انگاروں پر لوٹنے کے بعد یہ لازم بھی تھا۔ عابدہ بیگم کی گولہ جان پر ہن آئی تھی۔ جاؤب کو ہمیشہ اپنے لیے ان کی ٹکرا چکی تھی۔ مگر وہ کبھی بھی جان بوجھ کر انہیں اپنے لیے پریشان نہیں کرتا تھا۔

سارا بھی خبر ہوتے ہی اس کے کمرے کی طرف دوڑی آئی تھی۔ عابدہ بیگم وہاں موجود نہ ہوتیں تو شاید وہ رات والی بات سراسر سے مزید کچھ کہتی، معذرت ہی کرتی مگر عابدہ بیگم کی موجودگی میں کچھ بھی نہ کہہ سکتی تھی۔

عابدہ بیگم نے اس کے لیے تھوڑے پریشان بھی نہیں بخار ہکا ہو گیا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے دلہا لایا تھا۔ جاؤب نے طبیعت سنبھل جانے پر بڑی مشکل سے انہیں واپس ان کے کمرے میں بھیجا تھا۔ خود وہ چونکے دن بھر سویا رہا تھا لہذا انہیں واپس بھیج کر بیٹریں موندنے کے باوجود اسے نیند نہیں آسکی تھی۔

بہت دیر تک وہ اضطراب کے عالم میں بستر پر رہا۔ مگر وہیں بدلتا رہا تھا۔ ابھی اٹھ کر باہر جانے کا قصد کر رہا تھا کہ اچانک اس کے کمرے کا دروازہ کھلی سی پرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور لگے ہی نئے کوئی نمائندہ محتاط انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے اس کے بستر کے قریب چلا آیا۔

جاؤب کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ سارا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ سو وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا بیٹھا رہا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ اتنی رات گئے یوں چوروں کی طرح اس کے کمرے میں آنے کا مقصد کیا ہے؟

جب کچھ لمحوں کے بعد اسے اپنے چہرے پر کسی کی گرم ٹھکڑیوں آمیز پھوپھو کا احساس ہوا۔ شاید نہیں پھینتا۔ اس پر کچھ بڑھ کر پھونکا جا رہا تھا۔ وہ از حد حیران ہوا تھا کیونکہ سارا نے آج تک کبھی جاکتے میں بھی اس کے لیے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد اس کو اپنی بیٹائی پر کسی کی نرم انگلیوں کی پوروں کا لمس محسوس ہوا اور اس کے پورے وجود میں جیسے بجلی سی لپک گئی۔

اس لمحے اس کا شہت سے دل چاہتا تھا کہ وہ آنکھیں کھول کر اس بہتی کا دیدار تو کرے جو اس پر چپ چاپ اپنی محبت بچھوڑ کر رہی تھی۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں سیدنی کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کے قریب آئی تھی وہ بہتی جو خوشبو کا پیکر تھی اٹھ کر واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ جب جاؤب نے ذرا سی پلکیں وا کر کے ٹائٹ پلپ کی مدد ہم روشنی میں آنے والی بہتی سارا دیکھنا چاہا تھا۔ مگر خواہش کے باوجود وہ شناخت نہیں کر سکا۔

کچھ روز بعد پیار ہوا تو اس کی آنکھوں میں سرخی نمایاں تھی۔

عائزہ اور فزانے اسکول جانے سے قبل اس کے کمرے میں آکر اس کی مزاج پر ہی کی تھی پھر روزانہ کی طرح اس سے ڈھیروں پیار لے کر خوشی خوشی اسکول روانہ ہو گئیں۔ عابدہ بیگم نماز فجر کی ادا بائلی کے بعد اس کے پاس ہی آئی تھی۔

سارا اس کے لیے ناشتہ لے کر آئی تو جانے کس خیال کے تحت وہ ان سے پوچھ بیٹھا۔

”پھوپھو، آپ ہمیشہ مجھے میرا سوہنا پتر میرا سوہنا پتر کہتی رہتی ہیں، میں بھی آپ کے لفظوں پر اعتبار کر کے خود کو سوہنا سمجھنے لگا تھا مگر۔ کل رات مجھے یہ بتا دیا کہ میں کتنا بد صورت ہوں۔“

اس کے لبوں پر بڑی زخمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

عائدہ بیگم کا دل کٹ کر رہ گیا۔

”جان صدے جانے تو ایسا کیوں سوچتا ہے؟“

”جانتی ہیں پھوپھو میں کل رات مجھے شہت سے یہ احساس ہوا کہ میں بہت بد صورت ہوں۔“ سارا اس کے الفاظ پر شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔ مگر وہ خاموش نہیں ہوا تھا۔

”آپ نے تو مجھے خوش قسم بنا دیا تھا۔ پھوپھو! شکر ہے کہ آئینہ دیکھ لیا۔“

”نہیں میرے بیٹے! مجھے تو تیرے جیسا سوہنا کوئی اور دکھائی نہیں دیتا۔“

وہ رو پڑی تھیں۔ جاؤب نے کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر دھر لیے۔

جاؤب نے خود کو بہت معصوم کر لیا تھا۔ پہلے وہ صبح دیر سے اٹھتا تھا۔ پھر ناشتہ کر کے اپنی مرضی سے کام پر جاتا تھا مگر اب اس کے معمول میں تبدیلی آئی تھی۔

اب وہ صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھتا۔ نماز پڑھ کر کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرتا، پھر چائے پی کر گھر سے نکل جاتا۔ پہلے دو تین روز تو اس نے چائے بھی نہیں پی گئی۔ بعد میں عابدہ بیگم کو پتہ چلا تو انہوں نے ڈانٹا اور یوں فائزہ اب روزانہ چائے بنا کر دے دیتی۔

عابدہ بیگم اس کے صبح سویرے کام پر جانے سے بھی متاثر ہوئی تھیں مگر اس نے بہانے بنا کر انہیں راضی کر لیا تھا۔ اب صبح سویرے گھر سے نکل کر وہ کسی کی شابہ رہیٹھا تھا۔ پھر وہ تین گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد اپنے مستقل کام پر چلا جاتا اور شام تک سنا حل سمندر کے قریب رندا سنبھالے، کشتی میں استعمال ہونے والی کٹریاں چھیٹتا رہتا۔ گھر میں کوئی بھی اس کے اس کام سے باخبر نہیں تھا۔

کچھ ماہ پہلے تک اس نے بھی مستقل یہ کام کرنے کا قلعہ نہیں سوچا تھا مگر ایک دم سے اس کی سوچ بدل گئی تھی۔ اب اسے ایک لمحے کو بھی فانس رہنا گوارا نہیں تھا۔

ہفتہ وار ملنے والی اجرت وہ خود ہی سنبھال کر جمع کرتا رہتا۔ اور مہینے کے بعد جب سات آٹھ ہزار روپے بن جاتے تو عابدہ بیگم کے ہاتھوں پر دھرتا۔ اسے محنت کر کے روزی حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوئی جنگ محسوس نہیں ہوتی تھی۔

فائزہ نے انٹرنیٹ کی طرح گریجویٹیشن بھی بہت اچھے نمبروں سے کر لیا۔ اب وہ ایم اے کرنا چاہتی تھی۔ مگر عابدہ بیگم ایسا نہیں چاہتی تھیں۔ کیونکہ ان کا ارادہ اب سارا اے کے ساتھ ساتھ اسے اب بھی گھر سے رخصت کرنے کا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ جازب سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

عابدہ بیگم اس کے لیے بہت پریشان رہنے لگی تھیں۔ کیونکہ اس کا مزاج اور معمولات پطرسوں کے تھے۔ پہلے کی طرح جب کے درمیان بیٹھ کر بننا لیتا کھانا پینا سب چھوڑ دیا تھا اس نے۔ عابدہ بیگم نے ایک بار اسے احسان دلایا تو وہ مسکرا کر کہہ اٹھا۔

”وقت بدل گیا ہے پھوپھو! میری بہنیں اب بڑی ہو رہی ہیں۔ انہیں گھر سے رخصت بھی تو کرنا ہے اور ان کی رخصتی کے لیے میرا صبح شام کام کرنا ہے حد ضروری ہے۔“

اس کی بات درست تھی۔ لہذا عابدہ بیگم سوائے اس پر تیار ہونے کے اور کچھ نہیں کہہ سکی تھیں۔

اس شام بہت دنوں کے بعد شاور لے کر وہ سب کے درمیان بیٹھا تو ایک عجیب سی سرشاری کا احساس ہوا۔ عاتکہ اور فزاک کی خوشی دیکھنے سے غلطی رخصتی تھی۔ عابدہ بیگم بھی مطمئن نظر آ رہی تھیں۔ جازب سنے سرسری سی نظر سے خود کو چپس سارا احسیب کے دل کش چہرے پر ڈالنے کے بعد اپنے متقابل بیٹھی فائزہ کو دیکھا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے دل لگی سے مسکرا رہی تھی۔ اس سے نظریں ملیں تو فوراً سنجیدہ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد وہ جائے بی کر اپنے کمرے میں گیا تو سارا بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

”جائزی! کیا تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟“

وہ جو شرٹ اتار کر سینے کا رونا کر رہا تھا اس کی آواز پر قدرے حیرانی سے پلٹا۔

”نہیں، میں تو کبھی بھی تم سے ناراض نہیں رہا۔“

”تو پھر تم پہلے کی طرح مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے الگ تھلک کہیں رہنے لگے ہو۔“

”پتا نہیں شاید کچھ عرصے آگئی ہے۔“

بہت مدد ہم نے جسے میں اس نے کہا تھا۔ پھر بات بدلنے ہوئے بولا۔

”ابھی کوئی بات نہیں ہے سارا! مجھے وقتی طور پر بہت دکھ ہوا تھا کیونکہ میں نے تمہیں دوسری لڑکیوں سے بہت تعلق سمجھا تھا۔ مگر جلد ہی مجھے عقل آگئی۔ تم اپنی جلد پر صبح ہو سارا۔ میرے پاس واقعی تمہیں دیکھنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اور تم نے صبح کہا تھا۔ محبت کبھی کسی انسان کا ہیٹ نہیں بھرتی ہر زبان کو اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کا حق حاصل ہے۔“

”تھینک یو سوچ جاڑی تم رات کی بہت اچھے ہو۔“

وہ اس کے الفاظ پر خوش ہوئی تھی۔ مگر جازب دکھ سے مسکرا اٹھا۔

”پھر سے خوش نہیںوں میں مت الجھاؤ جزیل ابی حصار ٹوٹتا ہے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔“

اس بار اس کا لہجہ اتنا ہنستا تھا کہ سارا کو شش کے باوجود کچھ نہیں سن سکی تھی۔

”توید کون ہے؟“ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

”میری ایک عزیز دوست کا بھائی ہے۔ دو سال پہلے ہم ملے تھے تب وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ خود مختار بننے والے نے بھی دیکھا ہے اسے بہت اچھا لگا ہے وہ ان کو بھی۔“

”لو کے اب تم جاؤ پلین میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔“

ایک دم اسے ٹوکتے ہوئے وہ پھر رونا ہو گیا تھا۔ سارا کو اس کا رویہ بے حد برا لگا۔ وہ فوراً اسی اس کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

کبھی ٹلسکوپوں کے دیکھ لگے تو اس سے پوچھوں وہ میری مانند ٹوٹ جائے تو اس سے پوچھوں اسے بھی کوئی ستارہ منزل سے دور کر دے اسے بھی رستہ نظر نہ آئے تو اس سے پوچھوں ستر میں وہ بھی کسی کڑے ستاروں کے گزرنے اسے بھی یوں کوئی آوازے تو اس سے پوچھوں اسے محبت میں کون سا دکھ دیا ہے میں نے کبھی نظر سے نظر ملائے تو اس سے پوچھوں میری طرح دن چڑھے تک وہ بھی نہ سوتے اسے بھی شب بھر نہ نیند آئے تو اس سے پوچھوں وہ سارا احسیب کے ساتھ ساتھ خود سے بھی ناراض تھا۔ ہزار خود کو سمجھانے کے باوجود اس کا دل سارا احسیب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ وہ گھر میں آتا تھا تو سانس جیسے سینے میں گھٹنے لگتی تھی۔ جبکہ سارا کا چرواہا بھی پہلے کی طرح شاداب تھا۔



اس روز رات میں حسب معمول وہ کافی دیر سے گھر آئی تو نا تھا۔ کچھ دیر تک وہ باہر کھڑی رہا آتا تھا۔ لہذا صبح چپ اپنے کمرے کی طرف پلٹ گیا۔ مگر رات کے سے گزرتے ہوئے اچانک اس کے قدم ٹھٹھک گئے۔

رات کے اس پیر سارا پر سے مگن انداز میں ٹیلی ویژن اسٹینڈ کے قریب کھڑی کسی سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کب آئیں گے توید! گھر والے اب زیادہ دن مجھے آواز نہیں رہتے دس کے چند روز پہلے میں نے اپنے گزن کو بھی آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔ اماں ہم بہنوں کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہیں۔ پلیز جلد واپسی کا پروگرام بنا لیں۔ میں تو کسی اور کے ساتھ رخصت نہیں کر رہی تھی۔“

دوسری طرف توید نے شاید انتظار کرنے کو کہا تھا۔

”توید کو گری رہی ہوگی۔ مگر رونا لگتا ہے۔ آپ کی

واپسی سے قبل ہمیں کچھ اور سنا ہو جائے۔ وقت تیزی سے ہاتھ سے لٹکا جا رہا ہے۔ اب تو عاتکہ اور فزاک بھی مجھ سے بڑی لگتے لگتی ہیں۔“

اس نے شاید پھر امید کے پھول تھپکائے تھے تب سارا کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور اس نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

دل میں بہت سی حسرتیں پنپ رہی تھیں۔

خود کو کبھی زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھر والوں کو سپورٹ کرنے کی خواہش بھی رکھتی تھی۔ اسی لیے اب تک جس کسی نے بھی رشتے کی غرض سے اوھر کا رخ کیا تھا۔ اس نے لوٹ پلٹ کر گتیں کر کے انہیں بھگا دیا تھا۔

جاذب اتنے سوالوں سے بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے لایا کر رہی ہے۔ مگر وہ ”کس“ کے لیے ایسا کر رہی تھی۔ یہ اب اسے معلوم ہوا تھا۔ چپکے وہ سوالوں میں کتابدلی لیا تھا اس نے خود کو۔ وہ جو ہر وقت ہواؤں کے رتھ پر سوار رہتی تھی۔ اب گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جھٹکتی جا رہی تھی۔

وقت مزید تیزی سے اُٹے بڑھ گیا تھا۔

جاذب کا کلاس بڑھ گیا تھا۔ اب اکثر رات میں بھی وہ گھر واپس نہیں آتا تھا۔ فائزہ نے لی اے کی طرح ایم اے بھی لائیت اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ گھر کی تمام ذمہ داری بھی پہلے سے بڑھ کر اس نے سنبھالی تھی۔ جاذب کے تمام چھوٹے موٹے کام بھی وہی سرانجام دیتی تھی سارا اب یا تو خود کو کمرے میں محصور رکھتی یا جاذب کے مسئلے میں گھر سے باہر رہتی۔

عابدہ بیگم کی صحت اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ بیٹیوں کی فکر انہیں ہر وقت مختلف سوچوں کے حصار میں جکڑے رہتی تھی۔ اب جو بھی ٹوک سارا فائزہ کو دیکھنے آتے وہ فائزہ کے ساتھ ساتھ عاتکہ کو بھی پسند کر لیتے۔ نتیجتاً عابدہ بیگم کو خاموشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ ہر صورت پہلے سارا کے فرغ سے ہی سبک دوش ہونا چاہتی تھیں۔ جاذب سب کچھ دیکھتے

اور جانتے ہوئے بھی خاموش تھا۔ اور سارا اس کی اسی خاموشی پر کڑھ رہی تھی۔

اس نے جاؤب سے کہا تھا کہ وہ عابدہ بیگم سے بات کرے اور انہیں سمجھائے کہ وہ سارا کے چکر میں دو سری بیٹیوں کے اچھے رشتے نہ گنوا لیں، مگر وہ ابھی تک ان سے اس مسئلے پر بات نہیں کر سکا تھا۔

عائزہ نے تہہ کاٹھ پرست اچھا نکالنا تھا۔ شکل و صورت کے لحاظ سے بھی وہ بالکل فائزہ پر جی تھی۔ خوش اخلاق بھی تھی اور خوش لباس بھی۔ لہذا سب اسی کے گرد بٹھ ہو گئے تھے۔

آج کل رشتے کے لیے آنے والی زیادہ تر خواتین اسی کو پسند کر جاتی تھیں اور سبکی بات عابدہ بیگم کو پریشان کر رہی تھی۔ مگر سارا کو ان کی پریشانی کا احساس نہیں تھا۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مدغوش تھی۔

نوید نے ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی اس پر اپنا حصار تنگ کر رکھا تھا۔ صرف اس کے حصول کے لیے وہ اپنی ماں، بہنوں، جانوں اور زندگی کے من پسند مشاغل سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

جاؤب نے دن رات کی محنت سے کافی روپیے جمع کر لیے تھے اور اب اس کا ارادہ ملک سے باہر جانے کا تھا۔ اس سلسلے میں ابھی تک وہ عابدہ بیگم سے بات نہیں کر سکا تھا۔ تاہم اس نے انہیں اس بات کے لیے قائل کر لیا تھا کہ اب فائزہ، عائزہ اور سارا میں سے جس کا رشتہ بھی آئے وہ بڑی چھوٹی کے مسئلے کو سائیڈ پر رکھ کر فوراً طے کر دیں۔

اس سلسلے میں اس نے سارا سے بھی بات کی تھی اور اسے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ نوید سے جلد پاکستان واپسی کے سلسلے میں بات کرے کیونکہ وہ عابدہ بیگم کو مزید پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ اور سارا نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد از جلد نوید کی پاکستان واپسی کے لیے اس پر پورا ڈالے گی۔

وہ وہ پہر میں گھر آیا تھا اور خاصا حیران ہوا تھا۔ کیونکہ بھرے گھر میں کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بیرونی دروازہ بھی بند نہیں تھا۔

عائزہ اور فخرانہ اسکول کالج تھی جوئی تھیں۔ یہ اسے معلوم تھا۔ مگر فائزہ، سارا اور عابدہ بیگم کی غیر موجودگی اسے ضرور حیران کر رہی تھی۔ اسی حیران کن الجھن میں جتا وہ آگے بڑھ رہا تھا جب اچانک فائزہ کو اپنے کمرے کی صفائی کرتے دیکھ کر رک گیا۔ ہر روز صبح جاننے سے قبل افرا تھری میں وہ کافی پھیلنا دیکھتا تھا۔ مگر روز رات میں اسے اپنا کمرانے سرے سے سجا سنا ہوتا تھا۔

وہ حیران ہوتا تھا کہ سارا اس سے دلی وابستگی نہ ہونے کے باوجود اس کا کتنا خیال رکھتی ہے۔ مگر یہ انکشاف بھی ابھی ہوا تھا کہ اس کا اتنا خیال رکھنے والی سارا حسب نہیں بلکہ فائزہ حسب بھی جو چپ چاپ بیٹھتی ہے اور تمنا کے اس کی خدمت کر رہی تھی۔

جاؤب کو تپتے ہوئے پکوان پسند تھے۔ جب بھی بارش برس پڑتی تھی وہ سارا سے پکوان اور چپس وغیرہ کی فرمائش کرتا تھا مگر عموماً وہ اس کی فرمائش نال دیا کرتی تھی۔ جبکہ فائزہ بنا کے کچھ ہی دیر میں پکوان اور چپس کے ساتھ ساتھ جانے اور کیا کیا بنا لیتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے دھنک رنگ آئینے سے اس کی تصویر صاف کرتے ہوئے بے آواز رو رہی تھی۔ اور وہ دروازے کی چوکھٹ پکڑے کھڑا اس وقت شمشادہ رہ گیا تھا جب تصویر صاف کرنے کے بعد اپنے آئینہ پوچھتے ہوئے اس نے اچانک اپنے لب اس کی سادہ سی تصویر پر رکھ دیے۔

اس ایک لمحے میں اس پر یہ راز کھلا تھا کہ اس رات جب وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا تو اس پر دم کر کے اپنی محبت اٹانے والی وہ مسیحا لڑکی کون تھی؟

وہ چہرہ جو سارا حسب کو بد صورت لگتا تھا اسی چہرے کی وہ لڑکی پر دستکش کر رہی تھی جو خود حسن اور سلیقہ میں بے مثال تھی۔

وہ حیران سے دیکھتا تھا اور برابر کے کمرے میں آکر عابدہ بیگم کے بستر پر بٹھے گیا تھا۔

محنت کا جو رنگ ابھی ابھی اس پر منکشف ہوا تھا اور کتنا مختلف تھا؟

کیسی محبت تھی اس کم گو لڑکی کی جس میں کوئی غرض، کوئی مفاد، کوئی صلہ پو شیدہ نہیں تھا۔ یہاں تک دل کی چوری پکڑنے جانے کے خوف سے وہ کبھی اس کے سامنے اپنی نگاہیں بھی نہیں اٹھاتی تھی۔

اس کی دیکھ کر نہیں طوفان اٹھ رہی تھیں۔

وہ روز نا چاہتا تھا۔ اپنے غلط انتخاب پر اپنے حے خدو لیا کی بے قدری پر غم آگیا تھا تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھیں۔

مرد کے لیے روکے جانے کا دکھ بہت بڑا اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ وہ بھی بل بل اپنی تھخیر کر رہا تھا تھا۔ مگر آج اس لیے وہ تکلیف تکلیف کی وہ شدت پہلے ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے اندر چاہے جانے پر ایک انوکھا سا احساس جاگا تھا اور سب احساس اسے پھر سے زنجیر ہونے کا یہ دے رہا تھا۔ گرنہ جھیلے دو تین سالوں میں وہ کو بے دردی سے سناں کر کے اس کے لیے کوئی کسر میں پھوڑی تھی۔

چہرہ کیسا بے رونق ہو گیا تھا آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے، مسلسل محنت کی وجہ سے ہاتھ الٹ کر پورے ہو گئے تھے۔ محنت بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ زندہ رہنے کا جیسے مقصد ہی ختم ہو گیا تھا۔ مگر آج اس لیے روح کے کسی کونے میں بھی ماندی زندگی نے پھر سے گواہی دی تھی۔ فائزہ اس کا کمر اعصاب کر کے عابدہ بیگم کے کمرے کی طرف آئی تو اسے بستر پر لیٹے دیکھ کر ٹھنک گئی۔

”آپ کب آئے؟“

”ابھی تھوڑی دیر پہلے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کلم بھی نہیں ہو رہا تھا اسی لیے گھر چلا آیا سارا اور پوچھو کہ کہاں ہیں۔؟“

آج اس نے پہلی بار بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ بے شک وہ بے مثال لڑکی تھی۔ مگر اس

کے باوجود کبھی سارا کی جگہ نہیں لے سکی تھی۔

”ابھی سارا کے ساتھ بازار گئی ہیں۔ کچھ چیزیں لائی تھیں۔ نوید بھائی پاکستان آگے ہیں ناں اس لیے۔“

نظر میں بدستور جھکائے اس نے بیٹھنے کی طرح بہت سادہ لہجے میں جواب دیا تھا۔ تاہم جاؤب کے اندر جیسے پتھر سے بے چینی دوڑ گئی۔

”لو کے، پلیز۔ ایک کپ چائے بناؤ، میرا سر بہت درد کر رہا ہے۔“

خفت لہجہ بولتے ہوئے وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سو تاہن گیا تو فائزہ بھی فوراً پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اس کا دکھ سمجھتی تھی۔

سارا اسے اس کی واپس آنے کی وجہ سے بھی اس سے پو شیدہ نہیں تھی، مگر اس کے باوجود اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس موضوع پر جتنی بار بھی اس نے سارا سے بات کر کے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی، اس نے اسے بری طرح لگا کر رکھ دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دے دیا تھا کہ اگر اسے جاؤب کا اتنا ہی خیال ہے اور دل میں اس کے لیے اتنی ہی ہمدردی ہے تو وہ خود اس سے شادی کر لے، کم از کم وہ تو مزید غربت کی چکی میں پسنے کی خواہش نہیں رکھتی۔

اور اس کے مشورے پر وہ محض حسرت سے اُدنی بھر سکی تھی۔ کیونکہ جاؤب کی نگاہ میں مقامیانا اس کے اپنے اختیار میں نہیں تھا۔

سارا توید کی پاکستان آمد پر بے شگوشا خوش تھی۔ اس کا غور بھی دیکھنے کے لائق تھا کیوں اترا تھی پھرتی تھی جیسے ہوائوں پر حکمرانی کا راج مل گیا ہو۔ جاؤب کے ساتھ ساتھ اب اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ کافی تبدیل ہو گیا تھا۔ بے وجہ سب پر رعب ہانڈنے لگی تھی۔

جاؤب اس کے خوشی سے دیکھتے چہرے کو بہت حسرت زدہ ہی لگتا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

جانے اس شخص میں کیا خولی تھی۔ جو وہ اس کی محبتوں کے خزانے کو کھو کر مار کر اس شخص کے لیے دیوالی ہوئی جا رہی تھی۔

اس کا دکھ پھر سے بڑھ گیا تھا۔ خود کو بزار چیلوں سے ہلانے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ رقیبت کی جگہ اسے کسی بل چھین لینے نہیں دے رہی تھی۔

اب اس نے اور بھی تیزی سے اپنے باہر جانے کی کوششیں تیز کر دی تھیں۔



نوید اور اس کے گھر والے آئے تھے سارا نے خود کو یوں شوق سے سجایا سنوارا تھا کہ کوئی بھی نہ رہنے دی تھی شاید اسے خدشہ تھا کہ کہیں کسی معمولی سی کنی کے باعث وہ مسترد نہ کر دی جائے۔ مگر وہ کو اپنی جگہ نوید کی رفتاروں پر یقین بھی تھا۔ جاؤب نے اس موقع پر صرف اس کی خوشی کے لیے نہ صرف عابدہ بیگم کے سامنے اٹھانے نوید کی تعریفوں کے بل پاندھے تھے بلکہ بحث کی پروا کیے بغیر 'لو ازیات کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ وہ اسے کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

عابدہ بیگم نے اس بار یہ ہوشیاری کی تھی کہ فائزہ اور عازبہ کو مہمانوں کے قریب بٹھانے بھی نہیں دیا تھا۔ ان کی خاطر ہارٹ کے فرائض بھی انہوں نے خود ہی جاؤب کے ساتھ مل کر سرانجام دیے تھے۔ فائزہ اور عازبہ مہمانوں کے جانے تک اوپر چھت پر بیٹھی رہی تھیں۔

خدا خدا کر کے یہ محل منڈھے چڑھی اور اس کا رشتہ طے ہو گیا۔

اپنا من پسند ہم سفر مل جانے کی خوشی میں وہ دنیا کے ساتھ ساتھ دین سے بھی بے غافل ہوئی چار ہی تھی۔ پہلے دن میں عابدہ بیگم کے ڈانٹنے پر وہ چار نمازیں پڑھ گئی تھی۔ اب ان کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ ہمد وقت وہ ہوئی اور اس کا موبائل فون جو نوید نے اسے منگنی کے خطے کے طور پر خرید کر دیا تھا۔

جاؤب کی صحت تیزی سے گرتی جا رہی تھی۔ رات میں دیر تک چانگنے کے ساتھ اب اس نے

اسموگلنگ بھی شروع کر دی تھی۔ اس روز شام میں وہ گھر واپس آتے ہوئے اپنے دوست سے دیر کے بارے میں بات کر رہا تھا جب اچانک اس کا ہینک سامنے سے آئی گاڑی کے ساتھ ٹکرا گیا۔ اور خود کو لاکھ سنبھالنے کی کوشش کے باوجود گہری جھوٹ گواہ بیٹھا۔

اس کا دوست جس کے ساتھ وہ گھر واپس آ رہا تھا فوری طور پر اسے ہاسپٹل لے گیا۔ جہاں اس کی ٹانگ پر پلستر عموماً پیشانی پر ٹانگے کے نیچے اور کہنی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو عارضی طور پر جوڑ کر اس کی مزہم پٹی کی گئی۔ وہ اڑھائی گھنٹے وہاں رکنے کے بعد جس وقت وہ اپنے دوست کے ساتھ اس کا سارا لے کر گھر کی دہلیز پر قدم رکھا۔ صحن میں کھڑی فائزہ کے ہاتھ سے آئے کا تسلسلہ چھوٹ کر زمین پر آگرا۔

عابدہ بیگم کی نگاہوں ہی اس کی طرف اٹھی وہ وہاں پر ہاتھ رکھ کر فوراً 'اس کی طرف لپکی عازبہ اور فترا بھی پریشانی سے اس کی طرف بڑھی تھیں۔ گروہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہی جوں لگتا تھا جیسے اس کے دماغ میں ہلنے کی سکت بھی نہ رہی ہو۔

جاؤب نے ایک مرتبہ پھر اس کے چہرے سے نگاہ چرائی تھی۔

رات میں جب وہ سب کو اپنے حادثے کی تفصیل بتا کر مطمئن کر چکا تو پتلا ہر اس کے لیے متھکر سارا نے قدرے ناراضی سے کہا تھا۔

"تم حد سے زیادہ نا پر وا ہوتے جا رہے ہو جاؤی بدتر روز پر تو دیکھ بھال کر چلے۔ ابھی اگلے ہفتے پھر نوید کے گھر والے آ رہے ہیں اب ان کی خاطر ہارٹ کون کرے گا۔ تم تو چند روز سے پیلے چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے۔ کتنی شرمندگی ہوگی اب ان کے سامنے۔"

وہ خود غرض لڑکی اب بھی صرف اپنے لیے سوچ رہی تھی۔

گھر میں عابدہ بیگم نہیں تھیں، صرف وہ سارا

فائزہ اور فترا تھیں۔ فائزہ اس کے لیے چکن میں کچھ چاروی تھی جبکہ عابدہ بیگم اس حوالے کے بعد اس کی سلاستی پر فخر لانے کے نوافل ادا کر رہی تھیں۔

فائزہ نے سارا کے الفاظ پر کچھ کہنے کے لیے لب کھلا دیا تھا۔ "گرا اس سے کیسے ہی وہ بول اٹھا تھا۔" "مگر فکر نہ کرو سارا، ان لوگ آئیں گے تو سارا انتظام ہو جائے گا۔ تمہیں ان کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھانی پڑے گی اور نہ ہی میں اپنی زندگی میں ایسا کوئی موقع آنے دوں گا جب میری وجہ سے تمہیں کوئی پریشانی اٹھانا پڑے۔"

اس بار اس کے الفاظ پر جہاں سارا احساس غماخ سے مسکرائی تھی۔ وہیں فائزہ چپ چاپ اٹھ کر گھر سے باہر نکل گئی تھی۔

اس کے زخم کالی شدید تھے۔ اوپر سے سر دی کے باعث ان زخموں سے اٹھتی ٹیٹوں نے اسے مزید کمزور کر دیا تھا۔ بہت کوشش کے باوجود وہ خود کو کراہتے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔ تب ہی اس نے اپنے قریب فائزہ کی بھلائی بولی اور اس کی...

جاؤب! کیا آپ کو بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟

"ہاں" وہ بے بسی سے اعتراف کر گیا تھا۔ فائزہ کی اپنی تکلیف مزید بڑھ گئی۔

"مہم... میں کچھ کروں؟"

سے چہرے کے ساتھ 'خوبصورت آنکھوں کو۔

پروردی سے رگڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

"تم کیا کر سکتی ہو؟"

"میں... میں گونگے دیکھ کر لاتی ہوں، سکائی کروں گی۔ تو درد میں شدت نہیں رہے گی۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے، پھوپھو جاگ گئے تو رات بھر بے آرام رہیں گی۔ تم سو جاؤ جا کر۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"سارا کہاں ہے سوئی ہے کیا؟"

"جسے نہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے تو نوید بھائی سے بات کر رہی تھی، میں نماز سے فارغ ہوئی تو وہ بستر میں جا چکا تھا۔"

سارا کی سے دیکھتے لیجے میں جواب دیتے ہوئے اس نے سطور گردن جھکا کے رکھی تھی۔

"ٹھیک ہے تم بھی سو جاؤ، مجھ پر بھی دوا اثر کر رہی ہے۔ میں بھی تھوڑی دیر میں سو جاؤں گا۔"

اس نے اسے وہاں سے رخصت کر دیا چاہا تھا، مگر وہ ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہ کرتے ہوئے بولی۔

"ایک بات کہوں۔ آپ مان جائیں گے؟"

"کہو۔"

حقیقی معنوں میں وہ لب اس کی توجہ سے چڑھنے لگا تھا۔

"آپ کام کے لیے باہر مت جائیں۔ آپ کے سوا یہاں گھر میں اور کون ہے جس سے تحفظ کا احساس ہو۔" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی تھی یہ بات وہ چلنے پھیلنے کتنے دنوں سے کہنا چاہ رہی تھی۔ مگر بہت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

جاؤب نے قدرے چوٹک اس کی طرف دیکھا۔ پھر بے بسی سے بولا۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے فائزہ! مگر باہر جانا میری مجبوری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر میں کم سب لوگوں کو زندگی کی حقیقی خوشیوں میں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن ہماری خوشیوں کے لیے کیا آپ خود کو مٹا دیں گے۔ اپنی پروا نہیں کریں گے۔ ساری آپ کے لیے ہر لمحہ پریشان رہتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ سارا کے ساتھ آپ کی شادی کا فریضہ بھی انجام پایا جائے کیونکہ آپ کی عمر بھی تو تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔"

وہ ان کے الفاظ پر مسکرایا تھا۔

دیکھتے لیجے میں گردن جھکا کے ہنستی جاتے کیوں اس نے وہاں سے بے حد اچھی لگی تھی۔

"اچھا... لیکن مجھے تو اپنی بڑھتی عمر کا احساس نہیں رہا۔"

"کیسے رہ سکتا ہے خود پر توجہ دیں تو احساس رہے گا۔"

صرف ایک لمحے کے لیے نظریں اٹھا کر اس نے پھر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ تمام پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہرائی بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو پی ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہرائی بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک ویکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

چھکانی تھیں۔ پھر وہ کہہ سے مسکرایا تھا۔
”مت اپنی اہمیت دیا کرو مجھے میں اس قابل نہیں ہوں۔“

وہ کہنا چاہتا تھا مگر کہ نہیں پایا تھا۔ کراتھا تو محض اتنا۔

”میری نگر نہ کیا کرو فائزہ! سارا کے ساتھ ساتھ تمہارے اور عاتزہ کے فرض سے سکدوش ہونے کے بعد میں اپنے لیے سوچوں گا تب تک شاید کوئی میٹھا لڑکی مل جائے۔“

وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں کی سطح تیزی سے نم ہو گئی تھی۔

”مجھے شادی نہیں کرنی کبھی بھی نہیں۔“
”جیسے بھرائے بلجھے میں ہستی وہ نور! اٹھ کر اس کے کمرے سے باہر نکل گئی تو جاؤب محض سرواں بھر کر رہ گیا۔

مجھ کو معصوم سی لڑکی یہ ترس آتا ہے اس کو دیکھو تو محبت میں گمن کیسی ہے؟ اس بار تو یہ صندلی کے گھروالے آئے تو سب نے سن کر ان کی خاطر بدارت کی گئی۔

عاتزہ فائزہ اور فزاعین نوید کو بھر پور پروڈیوکل دینے کی کوشش میں بہت دیر تک اس سے کبھی مذاق کرلی رہی تھیں۔

”ہاشماؤ! اللہ! آپ کی یہ دونوں بیٹیاں تو بہت خوبصورت ہیں۔ چھپکے انوار گھر میں نہیں تھیں اس لیے دیکھ نہ سکے مگر نہ شاید ہمارا ایصلہ پہنچے اور ہوتا۔“
نوید کی بیٹی، بسن نے فائزہ اور عاتزہ کو بھر پور ستائی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو سارا کے ساتھ ساتھ عابدہ بیگم کے چہرے پر بھی تاریک سنا سنا ہوا لہرا گیا۔

نوید اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا تھا جبکہ کمرے کی دیوار سے لگا لگاے گھرے جاؤب کے ہوں پر دھکی گئی مسکرا کر رہ گئی۔

بھری محفل میں سارا کی یہ توہین اسے قطعاً گوارا نہ ہو سکی تھی۔

ان دنوں فائزہ کے لیے بھی ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا۔ لڑکا ملنی پیشکش کبھی میں اعلیٰ عہدے پر فائزہ تھا۔ گھر میں صرف ایک بوڑھی ماں اور بسن تھی۔ بڑی بسن جس کی شادی ہو چکی تھی اسی نے فائزہ کو اس کی دوست کے گھر دیکھ کر اپنے بھائی کے لیے یہ رشتہ ڈال دیا تھا۔

عابدہ بیگم کے پاؤں تو خوشی سے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اللہ نے اتنی جلدی ان کی سن لی تھی۔ ان کے ہونٹ اللہ کی ناک ذات کا شکر ادا کرتے نہ تھک رہے تھے۔ مگر فائزہ مسلسل رو رہی تھی۔

اس کو نہ لڑکے کی راجھی پوسٹ سے دلچسپی تھی نہ اس کے اعلیٰ گھرانے سے۔ اس کا ایک ہی راز تھا۔ ”مجھے شادی نہیں کرنی کسی سے بھی نہیں۔“

جاؤب اس کے انکار کی وجہ جانتا تھا اسی لیے اسے سمجھنا چاہتا تھا۔

اپنی حیثیت کا اور شکل صورت کے معاملے میں اب بہت زیادہ احساس کبھی اس کے اندر درگاہی نہیں رہے اس کا دل ہی نازک محسوس لڑکی کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے اب تک لب ہی رکھتے تھے مگر نہ وہ اس کی محبت کی شدتوں سے بے خبر نہیں تھا۔

اس کے باہر جانے کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ گھر کا ماحول عجیب سا بچا ہوا تھا۔

عابدہ بیگم اتنے اچھے رشتے سے فائزہ کے انکار کو قطعی نہیں سمجھ پاری تھیں۔ اسی لیے پریشان تھیں۔ جاؤب اس روز رات میں ذرا جلدی گھر آ گیا تھا۔ ارادہ فائزہ سے بات کر کے اسے سمجھانے کا تھا۔ اسی فرض سے عابدہ بیگم سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ فائزہ کے کمرے کی طرف آیا تو سارا کی کمرے میں موجودگی نے اس کے قدموں میں دلہن سے باہر روک لیے۔

عابدہ بیگم یقیناً ”اللہ! اس کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔“

”پاکل پن کا مظاہرہ مت کرو فائزہ! خوب اچھی

طرح سمجھتی ہوں کہ تم اچھے رشتے سے نکال کر
 کیوں کر رہی ہو۔ تم کان کھول کر من لو۔ آج کل محبت
 کسی کو آسوی نہیں دیتی۔ ان کا کل ہر طرف صرف پیسے
 کی قدر ہے، جس ہندے کے پاس پیسہ ہو، صرف وہی
 زندگی کے حقیقی رنگوں کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ وگرنہ ہم
 مل کر اس گھرائی کی لڑکیاں ساری زندگی دو تھیں دو کرتی
 لاتعد او مناسب کا شکار ہو کر مر جاتی ہیں۔ قسمت سے
 اگر تمہیں راج کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تو کیا
 فضول حماقت کا مظاہرہ کر رہی ہو، جو جاذب کا بچہ کچھ
 نہیں دیتے والے تمہیں۔ اچھی خوراک اور لباس بھی
 نہیں۔

”مجھے اچھی خوراک اور لباس کی ضرورت بھی
 نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتی کہ وہ مجھ پر اپنی محبتیں
 لٹائے کچھ نہیں مانگتی سوائے اس چیز کے کہ وہ میرے
 پاس میری آنکھوں کے سامنے رہے کیونکہ میں اسے
 دیکھ کر پھر زندہ نہیں رہ سکتی۔ سوائے اس کے میرے
 لیے زندگی کا کوئی مقصد کوئی حس نہیں۔“

جاذب کو لگا اس لڑکی نے محض ایک لمحے میں اس کا
 کھو کھلا ہوا پاش پاش کر کے رکھ دیا ہو۔
 ”تم پاگل ہو گئی ہو تمہیں کچھ بھی سمجھانا نہ
 حماقت ہے شاید تم جانتی نہیں ہو کہ وہ مجھ سے محبت
 کرتا ہے۔ اس کے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ
 اچھے جملے کچھ خواب بھی نہیں ہیں۔“
 سارا تملاتی ہوئی لگ رہی تھی مگر فائر مسلسل رو
 رہی تھی۔

”میں خوابوں میں نہیں جیتی، وہ حقیقت میں میری
 آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور میں اس حقیقت کو
 خواب بنانا نہیں چاہتی، وہ میرا امیدیں ہے سارا! میں
 اسے اپنے اندر سے نکال کر کسی اور مزو کو اس کی جگہ
 نہیں دے سکتی۔ وہ جیسا بھی ہے، میرے لیے کل
 کائنات ہے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر ہوائی چار مرے کے مکان میں
 ساری عمر تو کرائی بن کر۔ کرو اس کی خدمتیں چھوٹی
 چھوٹی آسائشوں کو ترستے ترستے مر جانا۔ تم جیسی عیش

سے پیدل لڑکیوں کی زندگی کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔
 اس نے خنجر سے کہا
 ”وہ مجھے اپنی خدمت کی اجازت تو دے سارا! میں
 ساری زندگی چپ چاپ اس کے قدموں میں بسر کر لوں
 گی۔ کبھی کسی کو الزام نہیں دوں گی۔“

”ہاں! ابھی عشق کا جھوٹ سوار ہے تاہم اب اس
 لیے ایسی باتیں کر رہی ہو۔ کل کو مجھے پیش کرتے
 ہوئے دیکھو گی تو ٹھنڈی آہیں پھرو گی مگر افسوس تمہیں
 کوئی نوید نہیں ملے گا۔“

اس کا لہجہ غور سے پر تھا۔ جاذب کے لیے مزید
 وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔ اندر بیٹھے میں جیسے دست
 سارا دھواں بھر گیا تھا۔

ایک ہی گھر میں بیٹھے والی دو بہنوں کی رائے اور
 سوچ اس کے بارے میں کتنی مختلف تھی۔

وہ لڑکی جسے اس نے دل کی گزریوں سے ٹوٹ کر
 چاہا تھا جسے بے تحاشا محبت اور عزت دی تھی وہ اسے
 کتنا بے مول کر گئی تھی اور وہ لڑکی جسے آج تک کبھی
 اس نے نگاہ بھر کر دیکھنے کی ضرورت نہیں محسوس نہیں
 کی وہ اسے انسان سے جو بنا کر انمول کر رہی تھی۔
 اسے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ کوئی ایسی جگہ
 دکھائی نہیں دینے رہی تھی جہاں وہ اپنا شکت و جو
 گھسیٹ کر لے جاتا۔

اس رات وہ بے چینی سے بستر پر سلویدل رہا تھا
 جب اس نے ایک مرتبہ پھر فائر کو اپنے روم میں داخل
 ہوتے دیکھا۔ اس کے کمرے کی لائٹ چوٹک جلا رہی
 تھی اور وہ اضطراب سے باتوں بھی بلا رہا تھا لہذا فائر کی
 آند پر پھر سے حیران ہوتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔
 وہ اب بھی رو رہی تھی۔

”تمہیں یہاں سے؟“
 ”ہاں! مجھے آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔“ چہرے
 کے ساتھ ساتھ اس کی آواز بھی بھٹی ہوئی تھی۔

”ہاں! کہو۔ میں سن رہا ہوں۔“
 اسے پھر اس پر غصہ آیا تھا مگر وہ اس کے غصے سے
 بے نیاز نہیں سمجھتی تھی۔

”مجھے شادی نہیں کرنی۔ آپ پیرا می کو سمجھا
 لیں۔ وہ آپ کی کوئی بات نہیں مانگتا۔ میں نے
 ہمیشہ ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ ان کا بیٹا بن کر۔“

”ان کا بیٹا میں ہوں، تم حماقت کا مظاہرہ مت کرو۔
 آج کل کے دور میں اچھے رشتے ملنا بہت زیادہ مشکل
 ہو گئے ہیں پھر کیوں گھرانے نعمت کر رہی ہو تم؟“

وہ نرم پڑ گیا تھا۔ جواب میں بولی بار فائر نے
 ”انہوں سے بھری آنکھیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں
 دیکھا اور جاذب، کہیں اس کی ایک نظر کے سوال سے
 باز گیا۔“

اگلے چند روز میں جانے اس نے عابدہ بیگم سے
 کیسے بات کی کہ وہ اس کی جگہ عابدہ کی بات پکی
 کر آئیں۔ لڑکے والوں کو وہ دونوں ہی پسند تھیں لہذا
 یہ معاملہ خوش اسلوبی سے چپٹ گیا۔

فائر اتنی خوش تھی کہ جاذب کا شکریہ ادا کرتی نہ
 تھک رہی تھی۔ عائدہ بھی شمالی شمالی ہی رہنے لگ
 گئی تھی۔

پچھلے دنوں نوید کسی ایسے شخص کے سلسلے میں دوبارہ
 بار بار پھرا گیا تھا۔ جاذب کا کتا بھی سعودی عرب
 کے لیے کفرم ہونے کا تھا۔ لہذا وہ بھی اپنے دوست کے
 ساتھ ان سب کو اللہ کی امان میں چھوڑ کر سعودی عرب
 چلا گیا۔

دو سال کیسے گزر گئے کچھ خبر نہ ہو سکی۔
 ملک میں عید کا تہوار آ رہا تھا اور جاذب کی خواہش
 تھی کہ دو سال کے بعد وہ یہ تہوار اپنے گھر والوں کے
 ساتھ میلبرینٹ کرنے سوچ چاہے سمر برائز دینے
 کے پھر میں برا خبر کیے پاکستان چلا آیا۔ اپنے گھر کے
 دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کے ہاتھ لچھ بھر کر
 کھینچا لے گیا۔

دروازہ چھوٹی فز نے کھولا تھا اور وہ اسے غیر متوقع
 طور پر اپنے سامنے پا کر بے ساختہ چلا تے ہوئے اس
 کے ساتھ آہٹ لگی۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو عابدہ بیگم سارا اور عائدہ اپنے
 اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ اسے اچانک سامنے پا کر

حیران رہ گئیں۔ عابدہ بیگم تو رو ہی بڑی تھیں۔ اس کی
 اپنی آنکھیں بھی لچھ بھر کو نم ہو گئی تھیں۔ پورے دو
 سال کے بعد اسے وہ آنکھوں کی تھی جس میں سمر کھ کر
 وہ ہر نظر اور پریشانی سے بے نیاز ہو جاتا تھا۔

بھائیں بھائیں کرتے گھر میں ایک دم سے جیسے
 رونق اتر آئی تھی۔
 ”پچھلے دنوں کھانا نہیں دے رہی۔ کہیں گئی ہے
 کیا؟“

باتوں کے دوران اچانک اسے خیال آیا تو اس نے
 پوچھ لیا۔ تب ہی انہوں نے بتایا۔

”میں جیسے! اندر اپنے کمرے میں ہے۔ پتا نہیں
 کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو۔ کبھی ٹھیک ہی نہیں رہتی۔
 کچھ بے ٹالی فائید ہو گیا تھا ابھی تک ستر سے اٹھ نہیں
 سکتی۔“

عابدہ بیگم کی اطلاع پر اس کے دل کو جیسے کچھ ہوا
 تھا۔

”لو خدا! آپ نے بتایا کیوں نہیں مجھے۔“
 ”کیا بتائی چٹا اور بس میں تجھے پریشان بھی کرتی تو کیا
 فائدہ تم آؤ نہیں سکتے تھے۔“

”مگر پھر بھی آپ کو مجھے خبر کرنا چاہیے تھا۔“ اچھے
 لہجے میں متاثرہ فوراً ”اٹھ کھڑا ہوا۔“

”میں ایک نظر اس کو دیکھ کر آتا ہوں۔“
 دھجے لہجے میں متاثرہ فوراً ”اس کے کمرے کی
 طرف بڑھ گیا تھا اس پر نظر پڑی تو ٹھنک گیا، ٹھنک
 گیا۔ وہ فائر تو نہیں تھی جسے دو سال قبل وہ چھوڑ کر
 گیا تھا۔“

”فائر؟“
 وہیں اس کے ستر کے قریب سمٹ کر بیٹھے ہوئے
 جانے کس جذبے سے اس نے پکارا تھا کہ فائر نے
 فوراً ”آنکھیں کھولی دین۔ کچھ لکھو حیرانی سے اس کی
 طرف دیکھتی رہی تھی پھر یک لخت ہی آنکھیں
 آنسوؤں سے دھنسا گئیں۔“

”آپ آگے؟“ اس نے یوں پوچھا تھا جیسے خواب
 دیکھ رہی ہو۔ جاذب کا دل جلا کر رہ گیا۔

”تم بھی نہیں سوہرہ سیتیں۔“

سرخ کچھیرتے ہوئے وہ دھکے لیسے میں پروا یا پھر کچھ
دور خاموشی سے اس کے سر پہ کا جائزہ لینے کے بعد
انٹھ کر یا ہر آئی۔

عابدہ بیگم عید کے فوراً بعد سارا اور عازرہ کا بیاد
کروانے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھیں اور جاذب اس
معاشرے میں ان سے پورا پورا متعلق تھا کیونکہ چھلے وہ
سالوں میں اس نے بہت کچھ کما لیا تھا۔ تاہم نوید کے
گھر والے نال منول سے کام لے رہے تھے۔ سارا اسی
لیے آج کل پریشان رہنے لگی تھی کیونکہ نوید سے اس
کا رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس روز بڑی مشکل سے وہ اس
سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

”نوید! مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی۔ پانچ
سال ہو گئے ہیں ہماری محبت کو۔ دو سال ہو گئے
ہوئے اور تمہارے گھر والے ابھی تک سنجیدہ نہیں
ہیں۔ مسئلہ کیا ہے؟ کہیں تمہارا فیصلہ بدل تو نہیں
گیا۔“

اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور رونے کو بھی اہل چاہ رہا
تھا۔ نوید نے بڑے ٹھن سے اس کی بات سنی تھی۔

”سارا! میں تم سے کچھ چھپاتا نہیں چاہتا۔ دراصل
گھر والوں کی تو یہ کسی ہی مرضی نہیں تھی۔ میرے مجبور
کرنے پر وہ بددلی کے ساتھ راضی ہو گئے تھے مگر جب
عازرہ اور فائزہ کو دیکھا تو ان کو احساس ہوا تمہاری عمر
زیادہ ہے۔ میں نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی
لیکن وہ کسی طور اس رشتہ پر راضی نہیں۔ میں خود تم
سے اس سلسلے میں بات کرنے والا تھا۔ تم بہت اچھی
ہو سارا! یقیناً تمہیں مجھ سے بہتر نکال جائے گا۔ پلیز
مجھے معاف کر دینا میں اپنی اہل کا دل نہیں دیکھا سکتا۔
انہیں اپنے بیٹے کے لیے دوسری تمام باتوں کی طرح
خوبصورت، کم عمر لڑکی چاہیے۔ صرف میری ضد اور
فرمائش پر انہوں نے تمہیں پسند کیا تھا مگر اب فائزہ اور
عازرہ کو دیکھنے کے بعد وہ میری نہیں سن رہی ہیں۔ تم
میری پوزیشن سمجھ رہی ہو سارا!“

بڑی تفصیل سے مکمل صورت حال اس پر واضح

کرنے کے بعد وہ پوچھ رہا تھا۔ جواب میں سارا نے
چسپ چاپ رہی اور کھینچ کر ڈال دیا۔ اس کے پاس
روانے کے لیے آنسو بھی نہیں تھے۔

وہ بھی اس کمالت کو سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ مختل
میں ہاٹ کا پیوند نہیں سجتا۔ چاتی آنکھوں سے دیکھے
گئے خوابوں کی تعبیر صرف دکھ کی صورت میں ملتی
ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس صورت
حال میں نوید سے کیا کرے اور اپنے گھر والوں کو کیا
بتائے؟ پچھلے چار سالوں سے جن خوابوں نے اسے
پاگل کر رکھا تھا۔ یک لخت ان خوابوں کے ٹوٹ جانے
پر وہ آنسو بہانے یا شرمندگی سے منہ چھپائے؟

نوید نے یہ کہیں بے وفائی کی بار بار سنی تھی کہ وہ اندر
سے ٹوٹنے کے باوجود احتجاج نہیں کر سکتی تھی۔
اپنی اتنا اور خودداری کا پرتیم بلند رہنے کے لیے اسے
دو چار گھری گھری بھی نہیں سنا سکی تھی۔

دو چار روز رو رو کر اپنی بے قدری کا ماتم کرنے کے
بعد بالآخر اس نے خود کو سنبھال لیا کیونکہ ابھی جاذب
اس کے ہاتھ میں تھا۔ پچھلے دو سالوں میں جاذب اس کی
شخصیت مزید گھری گئی وہیں اب وہ ٹھیک تھا کہ
کمانے بھی لگا تھا۔ سعودیہ سے آتے ہوئے وہ فائزہ کے
علاوہ ان سب بہنوں کے لیے بہت اچھے اچھے قیمتی
تھا لکھ بھی لے کر آیا تھا۔

جاذب کا سوچ گھری اس نے نوید کی کینٹن بھلانے
میں زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔ اس روز سب لوگ فائزہ
کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھے تھے۔ جب باتوں
کے دوران اچانک اس نے عابدہ بیگم سے کہا۔
”امی۔ میں نوید سے شادی نہیں کروں گی۔“

اس کے الفاظ پر جہاں عابدہ بیگم کو شاک لگا تھا وہیں
باقی سب لوگ بھی چونک اٹھے تھے۔
”کیوں؟ کیا ہو گیا ہے نوید کو؟“

عابدہ بیگم کے بچانے جاذب نے پوچھا۔
”اسے کیا ہونا ہے ایسے ذلیلوں کو کچھ نہیں
ہوتا۔“ وہ نچوٹ سے ناک چڑھا کر بولی۔

پر بات کیا ہوئی ہے یہ ایک دم سے نفرت سے
ہوئی۔
عابدہ بیگم پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں نوید کے
گھر والوں کی نال منول سے ان کا ہاتھ تو پٹے ہی ٹھنکا
تھا۔

”وہ ہے ہی نفرت کے قابل امی! اس ذلیل نے
ناروے میں پہلے سے شادی کر رکھی ہے۔ وہ تین بچے
بھی جن اس کے ہمیں لیے اس کے گھر والے نال منول
سے کام لے رہے تھے۔ پتہ تھا اپنے بیٹے کے کرتوتوں
کا۔ میری اسکول کی ایک دوست اس کی رشتہ دار ہے۔
ابھی پرسوں اس نے مجھے نوید کی اصلیت بتائی ہے۔
آپ خود ہی جہاں امی! یہ سب جاننے کے بعد میں اس
سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟“

اس نے اتنی ہوشیاری اور فرائے سے جھوٹ بولا
تھا کہ عابدہ بیگم کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی اس کے
کہنے پر ایمان لے آئے۔ عابدہ بیگم کے چہرے کا رنگ
تورکتے والا تھا۔

”لہذا پورا فرائزہ تم سے محبت کرتا تھا سارا!“
جاذب کے لیے میں یہ کلمہ تھا مگر سارا اسے اہل پریشانی
پانے نہیں دیا۔

”محبت تو وہ اب بھی کرتا ہے مجھ سے بلکہ جب سے
مجھے اس کی اصلیت کا علم ہوا ہے اور میں نے اسے
گھری گھری سنائی ہیں تب سے ہر وقت کل کر کے
معافی مانگتا رہتا ہے۔ پیچھے گھر پینک بیٹھیں سب کا
وعدہ کیا ہے اس نے مگر اب میرے لیے یہ چیزیں
مختی نہیں رہ سکتیں۔ میں اپنے شوہر کی محبت سے ہم
نہیں کر سکتی۔ نہ ہی کسی کا جو ٹھکانا ہے۔ بد نصیب
میں نے چارہ جو مجھ جیسی لڑکی کو حاصل نہ کر سکا۔“

وہ اب بھی اپنی ”میں“ کے غور میں مبتلا تھی اور
جاذب جو اتفاق سے اس کی اور نوید کی گفتگو دوسرے
سوٹ پر سن چکا تھا اس کے کھونٹے بھر پر دکھ سے
مسکرا دیا۔

گھر والوں کی نظروں میں اپنا ذاتی حال رکھنے کے
بعد اس نے نوید کو گھری گھری سنائی اور تھی۔ اسے کہہ

دیا کہ اب وہ زندگی میں کبھی اس کے گھر کا دوبارہ رخ نہ
کرے۔

جو چوٹ وہ کھا چکی تھی۔ اس کا درد جلدی شتم
ہونے والا نہیں تھا۔ تاہم وہ خود کو بہلا رہی تھی۔ سب
کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مسکراتی عابدہ بیگم کی دل بولی
کرتی اور جاذب کا خصوصی خیال رکھتی۔ اس کے تمام
کام بھی اس نے پھر سے اپنے ذمہ لے لیے تھے۔



فائزہ کی طبیعت آہستہ آہستہ بہتر ہو رہی تھی۔
جاذب کا زیادہ وقت اب اس کے کمرے میں ہی گزارتا
تھا اور سارا کو یہ بات بے حد ناگوار گزرتی تھی۔ اس
نے صاف لفظوں میں لگی ہار اسے ٹوکا بھی تھا مگر وہ
مسکرا کر کہہ دیتا۔

”فائزہ بہار ہے سارا! اس کا خیال رکھنا ہم سب کا
فرض ہے۔“
جولیا کو تھملا کر رہ جاتی۔

فائزہ کے سسرال والے اب شادی کی جلدی
کر رہے تھے اسی لیے عابدہ بیگم کی پریشانی بھی بڑھ گئی
تھی کیونکہ سارا کا پہلا پھر سے ممبر ان گرا تھا اور فائزہ
بھی مسلسل بیمار رہنے کے بعد اب وہ بکلی ہی دل نشی
کھو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس روز وہ جاذب کے
ساتھ رو پڑی تھیں۔

”میں کیا کروں بیٹے! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں
آتا۔ وہ بڑی بیٹیوں کو چھوڑ کر تیسری کا بیاد کیسے
کروں؟“

”آپ فکر کیوں کرتی ہیں پھیرو! انشاء اللہ اللہ بہتر
کرے گا۔ آپ ایک نہیں چار شادیاں ایک ساتھ
کر سکتی ہیں۔“ حسب عادت ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے
اس نے تسلی دہی تو وہ چونک اٹھیں۔

”چار کیسے؟“
”چار ہی ہوں گی تین بیٹیوں کی اور ایک بیٹے
کی۔“

وہ مسکرا رہا تھا۔ سارا کے دل کی دھڑکن ایک لمحے

تیز ہو گئی تھی۔

”جینے کو کوئی لڑکی پسند آئے گی تب ہی کر سکیں گی۔“

وہ پھر ہنس ہوئی تھیں۔

”لڑکی تو کب سے پسند آئی ہے پچھو! بس حالات سازگار نہیں تھے۔ اب ان شاء اللہ آپ کو کوئی پریشانی ان حق نہیں ہونے دیں گے۔“

اس نے کچھ اس عزم سے کہا کہ عایدہ بیگم کی تمکینیں مسرت سے چمک اٹھیں۔

”خدا تعالیٰ عمر دراز کرے میرے بچے! مجھے بتاؤ لڑکی کون ہے تاکہ میں فوراً سوال لے کر اس کے گھر جاؤں اور اسے تیرے لیے مانگ آؤں۔“

ان کے پر مسرت چہرے پر متاسف کے رنگ تھے۔ سارا وہاں سے فوراً اٹھ کر بھاگ گئی تھی جبکہ فائزہ نے بے ساختہ دروازے کی چوکھٹ تھام کر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا تھا۔

”بھائیوں! گا پھو پھو اپنے ان چیزوں کا معاملہ تو سیٹ ہو۔“

مسورہ نے جس میں کتنا وہابی جگہ سے اٹھ کر ہوا پھر دروازے میں کھڑی فائزہ کی سائیڈ سے نکل کر باہر چلا گیا۔



کبھی یہ پھول جیسی ہے، کبھی یہ رول جیسی ہے، کبھی یہ چاند جیسی ہے، کبھی یہ پھول جیسی ہے، کبھی مسورہ کرتی ہے، کبھی مجبور کرتی ہے، کبھی یہ روگ دیتی ہے، کبھی یہ رول دیتی ہے، کبھی لے پار جاتی ہے، کبھی یہ پار جاتی ہے، محبت جیت ہوئی ہے مگر یہ پار جاتی ہے، پچھلے چند روز میں سارا پر یہ اگھٹانف ہوا تھا کہ وہ بھی جازب سے محبت کرتی ہے اور ایسا اٹلہ نہ فوراً کسی جازب سے کرنے میں اس نے کسی قسم کی تاخیر کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

”جوازی! میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔“

وہ محبت پر کھڑا کورٹ نئے آبلان پر اڑتے پرندوں کی بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔ جب اس نے وہ پے پاؤں اس سے پچھوے اگر کمال جواب میں وہ چونک کر اس کی طرف پلٹا تھا۔

”اچھا! لیکن کیوں؟“

”اسی بے وقوفی کی وجہ سے جازب! میں نے نوید جیسے گھٹیا انسان کو تمہاری محبت پر ترجیح دے کر تمہارے پر خلوص احساسات کا خون کیا اور مانگ دو جہاں نے مجھے اس کی سزا دے دی۔ میں نے تو نہیں سوچا تھا وہ تو کیا مجھ کو نے جو سوچا اور چاہا تھا بالآخر ویسا ہو گیا۔ تم بہت اچھے ہو جاؤ گی! پچھلے چند دنوں میں مجھ پر یہ بھید گھلا ہے کہ محبت کے معاملے میں تم ایسے مسافر نہیں ہو بلکہ اس سفر میں، میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔ میری سوچ بدل گئی ہے۔ میں یہ جان گئی ہوں تمہارے جیسا پیار اور عزت مجھے دو سزا کوئی مرز نہیں دے سکتا۔“

وہ بولی رہی تھی اور جازب کے اندر جیسے پھرے دھواں اترتا جا رہا تھا۔

”میں سارا! میں زندگی میں کبھی تمہیں شرمندہ نہیں دیکھ سکتا۔ تم نے جو بھی چاہا کیا کہ تمہارا حق تھا۔ ہر انسان کو اپنی زندگی اپنی پسند اور اپنے معیار کے مطابق گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔ میں ہرگز تمہیں خلاب نہیں سمجھتا! اس لیے ہائیز سواری کہہ کر مجھے شرمندہ مت کرو۔“ اس نے جیسے لہجے میں کہا تو سارا حسیب کی پلکیں یک لخت نم ہو گئی تھیں۔

”جازب! تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو۔؟“

”کیسی بچوں سی معصومیت سے اس نے پوچھا تھا۔ جب وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”ہاں! محبت ہو جائے تو کسی ختم نہیں ہوتی۔ بس اپنا روپ بدل لیتی ہے۔“

بہت دیر لہجہ تھا اس کا۔ سارا کے اندر دھڑکنے اظہار نہیں ہو گیا۔

اسی شام وہ فائزہ کے سر پہ میں آیا تو وہ بہت بین ہیت سے اس سے کہہ رہی تھی۔

”آپ بہت اچھے ہیں جازب! اچھی محبت کرنے والے۔“ آج کل کے دور میں ایسے مخلص انسان دھونڈنے سے نہیں ملتے۔ انی بہت خوش ہیں اور سارا بس وہ تو شروع سے پاگل ہے محبت کرتی ہے۔ آپ سے پرستے سمجھ نہیں سکتی۔ آپ کے ساتھ رہنے کی تو یقیناً اچھی اور بری چیز میں فرق کرنا سیکھ جائے گی۔“

”اچھا! پھر اس کے بعد تم کیا کرو گی؟“

”بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ جب وہ مسکرا کر لگا ہے چراتے ہوئے بولی۔ ”میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں جازب کرنا چاہتی ہوں میرا زندگی گزار لوں گی۔“

”میں اس کے سارا اور عاتکہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔“

”پیارا زونیا زونیا ہو رہے ہیں، ہمیں کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

اس کی شوخیاں پھر سے ٹوٹ اُٹی تھیں۔ جازب نے مسکرائی لگا اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

”فائزہ سے پوچھ رہا تھا کہ ہماری شاہدوں کے ہندوہ کیا کرے گی۔“

”اس نے کیا کرنا ہے، منتقلی میں ہی کو رہیں گے رکھا ہے۔ بعد میں بھی براہم ہو گی! اس لیے آپ کے خورشید بھی کیا میں تو ابی سے کہہ کر اس کی رخصتی کا بندوبست کرنا ہوا ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو۔ ایک میان میں دو ٹکڑا میں کبھی نہیں ہاں نہیں۔“

اسے جازب کی فائزہ کے لیے گھر دیکھ کر نہیں بتائی تھی۔

”میں تمہیں کبھی پریشان نہیں کروں گی سارا! پراس۔“ جازب نے دیکھا اس کی آنکھوں میں پھر

سے کرب سمٹ آیا تھا۔

”اب کے باہا جیسا تم چاہو گی! ویسا ہی ہو گا۔ بس میٹیشن نہیں لگی۔“

”فورا“ سے پتہ چلا کہ اس کا ہاتھ تھام کر جازب نے تسلی دی تو سارا ماتھے پر تیوریاں ڈالتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ عید کا شو اور بالکل قریب آ گیا تھا۔

جازب اس بار بہت خوش تھا۔ عید کے فورا بعد اسے پھر سے سعودیہ واپس چلے جانا تھا۔



اس روز عاتکہ اور فزانے اسے شاپنگ کے لیے رضامند کیا تھا۔ چونکہ عید کی شاپنگ کرنا تھی اس لیے اس نے سارا اور فائزہ کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے ڈالی جسے سارا نے فوراً قبول کر لیا مگر فائزہ کے لیے کہہ دیا۔

”فائزہ گھر میں رہے گی۔ آخر اہی کے پاس بھی تو کسی کو ہونا چاہیے۔ ویسے بھی اسے ان چیزوں سے دل چسپی نہیں ہے۔“

جازب نے لگا لگا کر کچھ فائزہ کا چروا ایک دم بچھ گیا تھا پھر بھی وہ نظروں جھنکے کہہ رہی تھی۔

”سارا! ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں اہی کے پاس جاتی ہوں آپ لوگ بازار ہو آئیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے بھی عید میں ابھی کافی دن بڑے ہیں۔ تم بعد میں سنا تھو چلی جاؤ۔“ مسرحت سے کہہ کر وہ گھر سے باہر آیا تو عاتکہ کے بغیر نہ رہ سکی۔

”جازب بھائی! پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا لگا ہے جیسے ہمارے گھر میں فائزہ آئی کے ساتھ بڑی ڈیوٹی ہو رہی ہے۔“

”کون کر رہا ہے ڈیوٹی؟“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”جو اب! وہ مختصر بولی۔

”شاید ہم سب ہی۔“

”جب کا نام کیوں لے رہی ہو اس کی خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن تو تم ہو گے جہاں کہیں بات بنتی ہے، تم درمیان میں ٹپک پڑتی ہو۔ جانے کیا ایسا الم غلم کا کر

خود کو خوبصورت بنایا ہوا ہے۔ ہوشہ زیادتی۔ کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے تم سے بڑا ہمدرد اس کا کوئی نہیں۔ سارا کو جانے کیا ہوا تھا فوراً سنگ گریوں انھی تھی۔ جواب میں عازرہ کا کارہ گئی۔ وہ اس کے پاس سے اٹھی پست سوچ رکھتی ہوگی۔ عازرہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ میں نے کب حق مارا ہے ان کا۔

وہ روایتی ہوئی تھی، سارا نخواست سے ٹانگ چڑھاتے ہوئے بولی۔

”ہنس زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے مجھے تم ہو مجھے سب سے بڑے بے نیلے نوید کے ساتھ لگ لگ کر پلٹتی تھیں پھر اس اٹھینترے ڈورے ڈالنے پالا آخر ہتھیار کر رہیں۔ تم جیسی نہیں ہی ہوتی ہیں جو اپنی سنگی ہتھوں کا گھر اجاڑ ڈالتی ہیں۔“

فازرہ کے ساتھ ساتھ وہ اب عازرہ سے بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی کہ کہیں جانب اس کے سحر انگیز حسن سے متاثر نہ ہو جائے۔

”بھائی! آپ من رہے ہیں اپنی کیا کہہ رہی ہیں؟“ عازرہ باقاعدہ رو پڑی تھی۔ جانب نے چپ چاپ ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی رکوالی پھر سب کو اس میں سوار کرنے کے بعد نکل سے بولا۔

”غیب ہو جاؤ عازری! تمہاری آلی کا دلغ تھوڑا کھسک گیا ہے۔ درست کرنا پڑے گا۔“

اس روز اس نے معاملہ سنچال لیا تھا۔ سب کو ان کی پسند سے اپنی اچھی شاپنگ کروائی کہ کسی بیٹی کا وہ ہوشہ رہا مگر فازرہ کے دل کو بہت بری نہیں لگی تھی۔ جانب کا دل بھی اس کی اتنی پست سوچ پر دکھا تھا۔ وہ دن سکون سے گزر گئے تھے۔ پھر سے روز جمع صبح وہ سو کر اٹھا تو سارا کی میز آواز ساعتموں سے گھرائی۔

”ہنس ہی بہت ہو گیا یہ کھیل۔ میں مزید اپنی آنکھوں کے سامنے بے حیالی کے یہ کھلے مظاہرے ہواشت نہیں کر سکتی۔ پوچھیں اپنی راج ولاری سے۔ کیوں اس رشتے کے لیے نہیں بان رہی ہے۔ جب۔“

اچھا ہے، لڑکا شریف اور مجھ دار ہے پھر است کیا تکلیف ہے اس رشتے سے؟ مگر جو تکلیف ہے تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس کی نظر حاذی پر ہے اس لیے سارا دن اس کے کمرے میں ٹھہری رہتی ہے اور آپ کی آنکھیں ہی نہیں کھلتیں۔ بیٹیاں جو مرضی نکل کھڑاتی رہیں، کوئی پروا نہیں آپ کو۔“ وہ شدید غصے میں بول رہی تھی۔ جانب بے ساختہ ہنستے لہتے بیٹھا۔

”جکو اس بند کرو سارا! میں اپنے اور جانب کے کردار پر ایک لفظ برداشت نہیں کروں گی۔“ وہ ہلکی پار جانب نے فازرہ کی بلند آواز سنی تھی۔

”فشت آپ جانتی ہوں تمہاری پار سالی کو بہت اچھی طرح سے۔ سارا دن میرے خلاف اس کے کان بھرنی رہتی ہو، اسی کے لیے جوگ لے رکھا ہے تم نے مگر وہ تمہارے ڈراموں میں آنے والا نہیں ہے۔ میرے اور پھر کافرق معلوم ہے۔“

وہ پلڑا رہی تھی، جانب ستر سے نکل کر باہر آیا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ جگ جگ یوں پھیر رہی تھی۔ ”لوگوں نے۔“ ایک نظر فازرہ کے نام سے چلے پر ڈالنے کے بعد اس نے سارا کی طرف دیکھا تو وہ بولی اچھی۔ ”مجھے کوئی شوق نہیں فضول لوگوں کے منہ لگنے کا نہ ہی شادی کے بعد مجھے ان لوگوں کے ساتھ رہنا ہے۔“

”ہانگل صحیح ہے۔ پوچھو! اچھی جو رشتہ آیا ہے میں نے اس کی تحقیق کروائی ہے، بہت اچھا لڑکا ہے۔ میرا خیال ہے سارا اس کے ساتھ خوش رہے گی۔“

فازرہ کے پہلو میں کھڑے ہو کر اس نے اتنے آرام سے کہا کہ وہ ہکا بکا کسی اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو جازری! میری شادی تمہارے ساتھ ہوگی اس بدھے کے ساتھ نہیں۔“ ”وہ بڑھا نہیں ہے، اچھا خاصا سمجھ دار، معذور شخص ہے۔ تمہارے جیسے گرمیوں لڑکی کے لیے وہی مناسب رہے گا۔ ہائی جمن تک میرا سوال ہے تو مجھے

بولی پاگل لڑکی ہی خوش رہ سکتی ہے جسے کئی محبت کرنے کا حق آتا ہے جو بنا کسی سسے کے اپنی رفتار میں لٹا کر سوجالی کرے گا پھر جانتی ہے اور وہ لڑکی ہمارے کمرے میں بس فائزہ ہی ہو سکتی ہے۔“

اس کی آنکھوں میں جگنو دیک رہے تھے۔

فازرہ سناست کھڑی رہ گئی تھی گویا جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔

یہ کیسا معجزہ ہو گیا تھا اس نے تو نہیں ہوا کو بھی اپنے جذبوں کا پتہ لگنے نہیں دیا تھا پھر یہ شخص کیسے مہربان ہو گیا تھا اس پر۔

”تمہیں جو کچھ چیزیں پسند نہیں ہیں سارا! انہیں میں چوٹا ہوں کیونکہ میری سوچ اور دل اب فائزہ کی امانت ہو چکے ہیں۔ تمہیں خوبصورتی پسند کرتی ہے، میں خوبصورت نہیں یہ تمہارے ہی تھے، تیار تھا مگر اب میں نے اپنا عکس فائزہ کی آنکھوں میں دیکھا تو مجھے اپنا آپ اتنے نہیں لگا کہ میں ششدر رہ گیا۔ تم نے دولت کو محبت پر ترجیح دی تھی۔ نتیجتاً محبت تمہارا اور پھوڑ کر اپنی دانتے کے پٹ اپنی جس کی منزل ہمارا دل تھا۔“

میں اب بھی امیر نہیں ہوں سارا! امیر کے ہاتھ اب بھی مزبور کر سکتے ہیں۔ فلم کی ٹکڑی کئی کئی سالوں سے لاکھوں روپے میں کمانے مگر پھر بھی مجھے کوئی احساس کمتری نہیں کیونکہ میرے پاس بیروں سے بھی انمول رشتے ہیں اور اس پاک باز عورت کی کئی محبت ہے جسے سوائے میرے ساتھ کے اور کچھ بھی مطلوب نہیں۔ یاد رکھنا سارا! محبت ہر دیا اور غرض سے پاک ہوتی ہے جو لوگ اس مقدس جذبے میں کسی قسم کے لالچ یا غرض کا ہوندا لگا سکتے ہیں یہ ان کی کئی نہیں ہوتی۔ کئی کے بعد کئی فائزہ سے جھگڑا مت کرنا کیونکہ کوئی میری محبت کامل دکھائے یہ میں برداشت نہیں کروں گا اور پوچھو! پلیز آپ عید کے فوراً بعد شادی کی تقریب کھلیں۔ میرے پاس بہت کم چھٹیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس بار جاؤں گا تو سب ہتھ سمیٹ کر جلد واپس آجاؤں گا، اگر پھر کوئی ہمارے گھر میں حل سے سبے حال نہ ہو جائے۔“

جھگڑاتی روشن نگاہیں، سناست کھڑی فازرہ کے شگاف چہرے پر جمائے اس نے کہا تو عازرہ اور فائزہ خوش سے مسکرائیں کیونکہ ان کی اپنی خواہش بھی یہی تھی۔

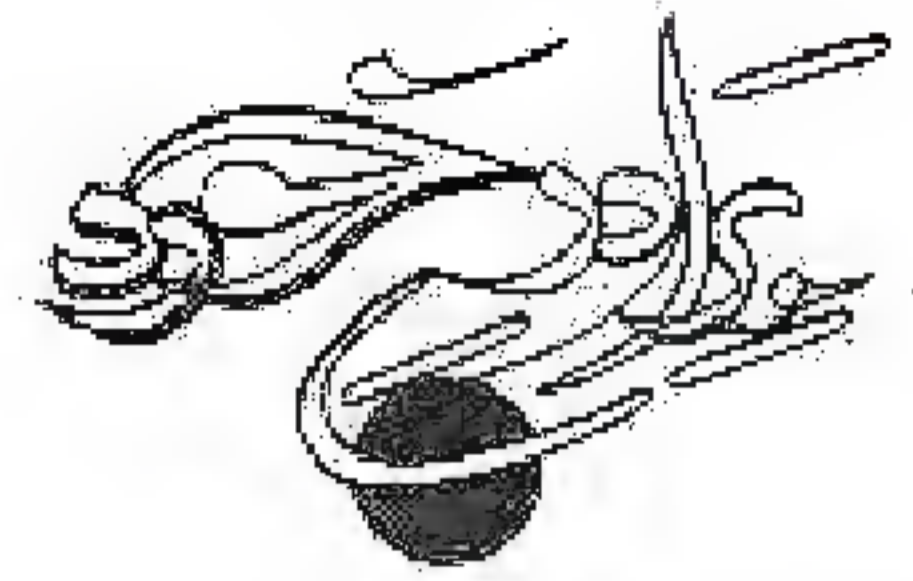
”فائزہ! میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو، اچھی اور بے لوث محبت۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر پھر بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں، زندگی میں اپنی وجہ سے کبھی ان آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں آئے دونوں لگا۔ ہر خوشی دونوں لگا۔ بس تم اسی طرح رشتوں کا بان رکھنا۔ میں سعودیہ سے تمہارے لیے سونے کی انگوٹھی لایا تھا، اچھی پھوپھو میرے نام سے تمہیں پہنائیں گی پھر شام میں عید کی شاپنگ کرنے چلیں گے۔ میرے ساتھ چلو گی؟“

اس لمحے اس کی مٹھا ٹھہسی نگاہوں میں کیسے کیسے جڑ بے چل رہے تھے، کم جسم کھڑی فائزہ قدرت کی اس فیاضی پر بے ساختہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رو پڑی تھی۔

”نہیں پارا اب نہیں۔“ نہایت محبت سے اس کا آنسو انگلی کی پور پر چن کر اس نے کہا تو عازرہ دیکھنے لگی بھی آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں سمولیا جبکہ ان سے کچھ ہی فاصلے پر سارا صیب پون ہڈ چال رہی تھی جیسے وقت کی چال نے اسے ایک دم سے ہرا کر خالی کر ڈالا ہو۔

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت نگر سلسلہ
ایزبوسٹس
اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے
مکتبہ تحفاتی ڈائجسٹ، ۲۷ اردو بازار کراچی

شاد و کاندین



نہ دیکھے کہ اولاد کیا گل کھلا رہی ہے۔
 ”کیا کیا ہے اس نامراد نے؟“ امی نے میری کمر پر
 دھب مار کر پوچھا۔
 ”نادرین والے کی دوکان پر بیٹھا ہے لنگے دوستوں
 کے ساتھ جو اھیل رہا تھا۔“
 ”ہائے میں مرنی۔“ امی فوراً یقین کر بیٹھیں اور
 سینے پر دست مار کر تین والے انداز میں رونے لگیں۔
 ”امی میں جو انیس کھیل رہا تھا تاش کھیل رہا تھا۔“
 میں اپنے دل میں منمنایا۔
 ”بند کر اپنی ہوا میں ایک اور معاشرے سے ساتھ بیٹھا
 جو اھیل رہا تھا اور اب جھوٹ بھی لٹل رہا ہے۔“
 انہوں نے مارنے کے لیے دوبارہ چھتری اٹھالی اور
 میں کرسی پر دھک کر دو گیا۔
 ”میں جا رہا ہوں عبدالشکور آئے تو میری طرف
 بھیجا۔“ یہ کہہ کر وہ پھرے ہوئے طوفان کی مانند گھر
 سے نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی میری جان میں جان آ
 گئی۔

ابن کا ایک ہاتھ میرے کان کو پکڑے ہوئے تھا اور
 دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھتری (جو ان کے وجود کا
 حصہ تھی) میرا کمر میری گردن اور میرے سب خیر تازہ
 توڑنے لگی رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے دل
 نشرت سے بھرا ہوا تھا۔ کمر میں جلن کا احساس تھا۔
 لیکن یہ سب کچھ تو کچھ بھی نہ تھا۔ سب سے زیادہ
 تکلیف تو مجھے اس بات کی ہو رہی تھی کہ پورا محلہ
 میری یہ ذرکت سنے دیکھ رہا تھا اور مظلوم ہو رہا تھا۔
 تھی تھی کہ وہ تین روٹے ہونے میں تیز تیز قدم چل رہا
 تھا تاکہ جلد گھر آجاسے اور میری یہ ذلت ختم ہو۔
 گھر کے دروازے کے پٹ کھٹے تھے میں نے شکر ادا
 کیا۔ ورنہ بند ہونے کی صورت میں انہوں نے اسے
 اس خوف ناک طریقے سے کھٹکنا تھا کہ محلے کے باقی
 ماندہ لوگ بھی اپنے گھروں سے نکل آتے اور پوچھنے
 لگتے۔

”کیا ہوا صوفی صاحب! کیا کیا ہے بچے نے؟“ اور پھر
 بس اللہ دے اور بندہ لے وانا معاملہ ہونا۔
 ”شیرا! شریا کہاں ہے عبدالشکور۔“ وہ گرن چوار آواز
 میں بولے۔ امی فوراً گویا سر پر سیتے سے جھاتے
 ہوئے باورچی خانے سے برآمد ہوئیں۔
 ”اسلام علیکم جسائی رحی!۔“
 ”کہاں ہے الشکور۔“ انہوں نے میرا کان چھوڑ کر
 دھکا دیا اور میں لوکھڑا کر سانسے پڑی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔
 ”وہ تو ابھی دفتر سے نہیں۔“
 ”بس دفتر میں فائلوں میں سروبے کر بیٹھا رہے یہ
 ”امی میں کوئی جو انیس کھیل رہا تھا عصر کی نماز کے
 بعد میں نادرین والے کے پاس سے گزرا کہاں بیرون

بہر حضرت صاحب سب تاش کھیل رہے تھے میں بھی ذرا
 کی ذرا ان کے پاس بیٹھ گیا۔ بس یہی میری غلطی ہے
 اوپر سے بلا کی طرح تاش کی نازل ہو گئے۔
 ”بے شرم تاش کو بلاکتے شرم نہیں آتی۔“
 ”تو اور کیا کہوں انہوں نے میرا ذرا خیال کیا۔
 پورے محلے کے سامنے میری اتنی بے عزتی کی۔
 سارے لوگ مجھے مار پرتا دیکھ رہے تھے۔“ غصے اور
 ذلت کے احساس سے میری آواز پھٹ پڑی۔
 ”آہستہ بول زمانہ عزت والا۔ جو کچھ تیرے تایا جی

نے کیا تیری بہتری کے لیے کیا۔“
 ”مجھے نہیں چاہیے بہتری ہر وقت پیچھے پڑنے
 رہتے ہیں۔ یہ نہ کروو نہ کر دینا کیوں گئے تھے وہاں
 کیوں نہیں گئے۔“ میں برہم لگے۔
 یہ جو واقعہ ہے۔ نے آپ کو سنایا ہے یہ میرے بچپن
 کا واقعہ ہے۔ اس وقت میں نو برس جماعت کا طالب علم
 تھا۔ نئی نئی مسیبتیں بھگت رہی تھیں۔ بچپن اور جوانی کا

تعمیر تھا۔ بچوں کے ساتھ جب کھینا اچھا نہیں لگتا اور وہ ان ایسے قریب نہیں کھینکے دیتے۔ بس اسی جھپٹے کے زمانے کا وقت تھا۔ جن صاحب کا اوپر والے واقعہ میں ذکر ہوا وہ میرے تایا جی حضور تھے۔ درمیانہ قدر کھانا ہوا جسم مسخ و سفید رنگت چہرے پر سفید داڑھی اور سفید داڑھی سے ہم رنگ ٹوپی (مٹھی سفید) آنکھوں میں غصہ اور ہاتھوں میں چھتری اور چہرے پر ہمہ وقت حکم والا اثر جسے دنیا پر صرف رعوب والے تھے اور حکم چلانے کے لیے شریف لائے ہیں اور بات بھی صحیح تھی، سچے تو دور کی بات میرے والد محترم کو بھی سمجھ نہ ہوئی نظریں اٹھا کر ان سے بات کرنے کی۔ والد صاحب تو تایا جی کی بات کہنے سے پہلے ہی آسمان صاف کر چکے ہوتے۔

”ساجدہ اور رفعت کو اس بار دو سو عیدی مٹی کڈ کر دینا۔“ تایا جی ہمارے گھر میں برآمدے کے سونے پر بیٹھے میرے لبا جی کو احکامات دے رہے ہوتے۔

”جی بھائی جان! لبا جی ایک مہربان نیاز مند کی طرح ہر جھکائے بیٹھے ہوتے۔“

”اور سے کتنا چاول کی پوریاں میرے گھر سے لے کر آئیے گھر۔“ دے آئے۔“

”جی بھائی جان!“

”عفت کے بارے۔“

”جی بھائی جی!“

”کیا جی بھائی جی کیا کہا ہے میں نے“ ان غصے سے گرجے۔ وہ لبا جی کی بے دھیانی پر غصے سے کھول اٹھے۔

”میں یہ پوچھ رہا ہوں عفت کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟ لبا جی نے کچھ دیکھتے رہتے ہوئے پوچھا۔“

”آپ بڑے ہیں جو آپ کہیں گے ویسا ہی ہو گا میں نے کیا سوچا ہے۔“

”تمہیں لبا جی نے دوسرے کاموں کے علاوہ سوچنے کا کام بھی تایا جی کے سپرد کر رکھا تھا۔ آپ میں آپ کو کیا باتوں۔ میرے لبا جی کے علاوہ میرے دونوں چچا دونوں چھو بھیاں اور ان کے بچے ہم سب تایا جی کے آگے

کچھ بولنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایک طرح سے ہمارے عقلمندان تھے اور ہم سب ان کی رعایا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے لبا جی اور باقی بھائی بھین چھوٹے چھوٹے تھے جب ان کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ اور پھر ساری ذمہ داری میرے تایا جی نے سنبھال لی۔ داوا جی کی دوکان اور داوا جی کے بچے سب کے وہ نظران بن گئے۔

بہن بھائیوں کی تعلیم ان کی شایاں ان کے بچوں کی تعلیم ان کی شایاں سب کی فکر تایا جی کے کندھوں پر آگئی جسے وہ بڑی خوش اسلوبی اور چارہ اندھنیوں کے تحت نبھار پے تھے اور کسی بہن بھائی یا ان کے بچوں کی مجال نہ تھی کہ ان سے اختلاف کر سکے۔

چھو بھیاں تو بیاہ کر دو سرے شہروں میں چلی گئیں اور دونوں پچھواں میں ایک سعودی عرب ملازمت کی وجہ سے مقیم تھے اور دوسرے اسی شہر میں تھے لیکن سرکاری رہائش گاہ کی وجہ سے ان کا گھر ہمارے تایا جی گھر سے دور تھا۔ روٹی ہمارے فیملی تو ہمارا گھر اور تایا جی کے گھر میں بس ایک ہی کافی خلیہ تھا۔ ویسے تو تایا جی نے اپنے تمام بہن بھائیوں کے حالات واقعات ہمہ بچوں کی تعداد ان کی کلاس ان کی بڑھائی میں دل چسپی یا غفلت لڑکیوں کے رشتے کی فکر تمام طرح سے غفلت واقفیت تھی۔ لیکن ہمارا گھر ان چونکہ زمینی قافلے کے لحاظ سے ان کے سب سے زیادہ زیر نظر تھا اس لیے ان کے آمرانہ رویے کی زد میں بھی زیادہ تھا۔

میں جیسے جیسے بڑا ہوا رہا تھا میرے اندر تایا جی کے خلاف بغاوت اور غصے کے جذبات ابھرنا شروع ہو گئے ہماری زندگی کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا فیصلہ تایا جی کے مشورے اور مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔

مجھ سے بڑی دو بہنیں زندگی با جی اور آئیہ با جی ان کی شایاں تایا جی کی مرہون منت تھیں۔ تایا جی نے ان کے رشتے تلاش کیے تایا جی نے لڑکوں کے بارے میں چھان چنگ کی۔ تایا جی نے جن مہر تجویز کیا۔ غرض ان کی شادی کے تمام بیرونی اور قانونی معاملات کے زمانے

باز کیا جاتی تھے اور میرے لبا جی اور لبا جی دوسرے دست سے احسانات کے علاوہ اس احسان کے بھی زبرد آ پچھے تھے۔ لیکن نہ جانتے کیوں لگے ان کی اپنے گھر میں جدوجہد پر اخلت دست پے چین کر لی تھی۔ یعنی کہ ہماری کوئی مرضی نہیں ہو کر میں تایا جی کریں۔ میں بھی کبھار ج کر ان سے الجھ پڑتا۔

”بیٹا! وہ ہمارے بڑے ہیں۔“ اسی جھگڑے سے ہاتھ سنبھالتی۔

”بڑے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ چھوٹوں پر ہر وقت حکم چلاتے رہیں۔“

”وہ کوئی غلط بات تو نہیں کرتے ہماری بھلائی کے کام ہی کرتے ہیں۔“

”اُمی کوئی بھلائی والی نہیں کرتے انہیں صرف حکم چلانے میں مزا آتا ہے۔ بس سب لوگ ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں اور ان کا حکم بجاتے رہیں۔“ میں بڑے جھگڑے والے دل کے ساتھ اسی سے بحث کر رہا تھا اور میری کڑھن اور جلن بھی جاہز تھی۔ میں اب ایسا نہیں کر کے امتحانات سے فارغ ہوا تھا بس پھر دست تھے اور میں تھا۔ فلموں کا بھی بنانا چکا تھا چکا تھا۔ بیرونی کے چکروں میں کپڑے جوتے اور بیٹر ایسا کس بھی ویسا ہی بنانے لگا۔ فلمیں بس اور بال ڈراما گروں کو چھوٹے لگے تو شامت اعمال تایا جی کی نظر میں آگیا۔ میں گھر سے نکل رہا تھا اور وہ ہمارے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ ٹھنک کر رک گئے۔

”یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟“ انہوں نے مجھے سر سے پاؤں تک کھل گھورا۔

”جی کیا ہوا؟“ میں نے انجان ہفتے ہوئے اپنے زوا میں ہاتھ دیکھا۔

”جی کے بچے یہ کیا میرا ٹیوں والا علیہ بنا رکھا ہے؟“ وہ کڑک کر بولے۔

”نہیں تو تایا جی!“

”نہیں تو تایا جی! یہ یہ کھلا گھر ہاں بی زلفی سے شادی بیٹھ تم کسی ٹیٹھ میں کام کرنے لگے ہو۔“ وہ نظریں انداز میں گویا ہونے۔

”تو تایا جی! امتحانات کی وجہ سے فرصت نہیں ملی۔ بال کٹوانے کی۔“ میں نے اپنی دانست میں بڑا اچھا برتاؤ دکھایا۔ جو لگتا تھا ہی پر پڑ گیا۔

”اب تو امتحانات سے فارغ ہو گئے ہونا۔“

”جی۔“

”تو چلو میں خود تمہاری حجامت ہوا کر لیا ہوں۔“

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دروازے سے باہر لے آئے۔

”نہیں تایا جی! میں خود کروا لوں گا پلینز تایا جی بسے“ لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور مجھے حجامت پیر کٹنگ سلون لے جا کر میرے بالوں کی دو رگتستانی کہ بس ٹنڈ ہوتے ہوتے چکی۔

اور پھر پورا ہفتہ میں اپنی حسین زلفوں کی یاد میں راتوں کو تیسے میں منہ دے کر دوتا رہا اور تایا جی کو کوستا رہا۔

میں بظاہر اپنے کمرے میں بیٹھا کورس کی کتابیں کھنگال رہا تھا لیکن میری ساری توجہ برآمدے میں ہونے والی گفتگو میں آگئی ہوئی تھی۔

”دیکھو بھی شکر برسا جرد نے مجھ سے خوب بات کی ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی کہ آپ بڑے ہیں اگر مناسب سمجھیں تو آگے بات چلائیں۔“ مجھے یوں لگتا تھا کہ تایا جی اپنے بڑے ہونے کو بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے ہیں۔

”مجھے تو اس بات میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ کیوں بھئی شریا! اب انہوں نے امی کو مخالف کیا جن کے چہرے پر کچھ کچھ بریشالی دیدا تھی۔“

”حرج تو کوئی نہیں لیکن بھائی جی میری عفت کی اسے کر رہی ہے اور مشتاق نے تو میٹرنگ بھی نہیں کھلی کیا جو ٹیچر ہے۔“ اُمی کچھ جھجک کر بولیں۔

”ہے تا ایگی لڑکوں کی شکل و صورت یا تعظیم نہیں بلکہ ان کی شرافت اور نوکری دیکھنی چاہیے۔“ اور پھر مشتاقی تو اپنے خاندان کا بچہ ہے ایک شریف ہے۔ پان سنگھ کی عادت نہیں اس کو اور پھر جی جی کی کھڑا ہ

ہے ان کا کیوں شکور؟ اتنی لمبی تقریر کے بعد انہوں نے اپنی طرف دیکھا۔

”زندہ اور آسیدہ کی شادیاں بھی آپ نے کی ہیں اور عفت بھی آپ کی ہی بیٹی ہے۔ آپ مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ ایاجی نے تو بات ہی ختم کر دی۔

”چلو پھر ٹھیک سے ساجدہ کو تمہاری طرف سے ہاں کا جواب دے دوں گا پھر تم غور میں ہی کر کوئی پھولی مہولی رسم کر لیتے۔“ ایاجی امی کی طرف دیکھ کر بولے۔ ایاجی کے وہی بیٹے تھے جن کی عرصہ دراز پہلے وہ شادیاں کر چکے تھے اور اب خاندان کے دوسرے تمام جوان لڑکے لڑکیوں کے رشتوں کا ٹھیکہ از خود ایاجی نے اپنے سر لے لیا تھا۔ اب پھو بھی ساجدہ کے گھٹے سانسوں سے مشتاق کا رشتہ مجھ سے چھوٹی بہن عفت سے طے کرنے آئے تھے۔ جس کی صرف ایک ہی خوبی تھی کہ ان کا انار کلی میں جمنا چھایا کاروبار تھا فادو سے کا۔

”حد ہو گئی ہے ای، ایاجی کی سعادت مندی کی“ میں نے بے زاری سے کہا تو میرے بچے۔

”اور ہاں یہ آج کل آڈر کیا کر رہا ہے۔“ اور اب ایاجی کا رویے جن میری چاہش تھا۔ میں چونکا ہوا کر بیٹھ گیا۔

”اس نے ایہ لے آئے کس میں داخلہ لے لیا ہے۔“ ایاجی بولے جیسے کوئی اعتراف جرم کر لیا ہو۔

”حد ہو گئی ہے اس لڑکے کی من مرضی کی سب کیا کرے گا یہ ایم اے ویج اے کر کے تمہاری طرح کسی دفتر میں پایو بن کے بھرتی ہو جائے گا۔ یہ نوکریوں میں کچھ نہیں رکھا۔ اب تم نے کیا تیار لیا نوکری کر کے بتاؤ بھٹا۔“

میں اندر بیٹھا غصے سے مل کھا کر رہ گیا۔ مجھے یوں لگا ایاجی میرے پیارے ایاجی کی بے عزتی کر رہے ہیں۔

”اب مجھے دیکھو حمید اور لطیف کو اپنے کاروبار میں سے لنگ لنگ دکھائیں گے۔ خود بھی انہی تک ایک کوہ چکر دوکان کا لگا لیتا ہوں۔ پیسے کا لالچ نہیں ہے

مجھے بس چاہتا ہوں کہ ہاتھ پیر چلتے رہیں۔ اور پھر اس سے اپنا اور اپنے بس بھائیوں کا بھی کچھ آسرا ہو جاتا ہے۔“

”اب اپنے احسانات جتائے جا رہے ہیں۔ میں نے کڑھ کر سوچا۔“

لیکن ایاجی کی بات درست بھی تھی ہمارے گھر کے مالی حالات کبھی بھی اتنے اچھے نہ تھے۔ لیکن سچ بات ہے کہ ہمیں بس کسی چیز کی تنگی یا کم مائیگی کا بھی احساس نہ تھا۔ شاید وہ زمانہ ہی ساہی کا تھا یا شاید وہ تیار جی کی ہر موقع پر بغیر کچھ کے لہو بھی جو ہمارے گھر کبھی چالوں کی بوری کبھی بھی کے گستر کبھی پہلوں کے نوکرے کی صورت میں موجود رہتی۔ بہنوں کی شادیوں پر فرنیچر اور پارٹ کا کھانا بھی ایاجی نے خود اپنے ذمہ لے لیا تھا یہ بات بہت عرصے بعد مجھے امی کی کی زبانی معلوم ہوئی۔ لیکن تب میں نے تنگی سے سوچا ان سب کے بدلے انہیں بے زبان ہر قسم پر کسی حضور کرنے والے غلام بھی تو طے ہوئے تھے۔

عفت کے بعد میں باقاعدہ اور سنی بنے تھے۔ اس وقت خیر سب سے چھوٹا اور مجھ سے توجو وہاں چھوٹا بھائی تھا۔ لیکن اب مجھے دھڑکا لگا رہتا کہ کسی روز ایاجی آئیں گے اور ایاجی امی ہی کو میرے لیے کوئی لڑکی بیوی کر دیں گے اور بس پھر ویسا ہو گا جو وہ چاہیں گے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ ایک رات ایاجی تھک کر نماز کے لیے اٹھے وضو کرنے لگے۔ لیکن وہی تلک کی خوشی کے پاس لڑکھڑاکے گر گئے۔

بس اس کے بعد وہ غصے، رعب اور حکومت سے بھر ہوا انھیں منوں منوں کے نیچے جاسویا۔ ایاجی باقی ان کے بس بھالی یوں ہلک ہلک کر روئے گیا آج ہی یہ ہوئے ہیں اور ان کے بعد ایسا ہوا کہ تسبیح کے دانوں کی ڈوری ٹوٹ گئی اور سارے دانے اڑھرا اڑھرا بھر گئے۔

لیکن سچی بات ہے کہ ان کی وفات پر میں نے دن میں ایک کھینچی سی خوشی محسوس کی۔ مجھے یوں لگا کہ میرے ایاجی امی ہی اور خود میں کسی جاہل رویہ کی قید سے آزاد ہو گئے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے فارسی کا یہ

مقالہ ”سگ پاش برادر غور و مہاش“ اکثر میرے ذہن میں آتا اور یہ سوچ کر میرا دل اطمینان سے بھر جاتا کہ میں کسی کا چھوٹا بھائی نہیں ہوں بلکہ مجھ سے چھوٹا بھائی ہے۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہ بھی سوچا کہ میں کبھی اپنے چھوٹے بھائی پر اس طرح ظلم نہیں کروں گا جس طرح کامیرے تایا جی نے میرے ابا جی پر روا رکھا۔ ان شہداء اللہ اور پھر میں نے ساری عمر ایسا ہی کیا۔



اگر غور کیا جائے تو ہم اپنی زندگی میں کس چیز کو حاصل زندگی کہہ سکتے ہیں۔ یا انگریزی میں achievement کہہ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر ہماری زندگیوں کے دو بڑے نصب العین ہوتے ہیں۔ ایک گھر بنانا اور دوسرا بچوں کی شادیاں کرنا۔ سفید پوش لوگ ہماری زندگی ان دو کاموں میں کھپا دیتے ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی اور تخلیقی صفت ہو بھی تو وہ نہیں سمجھ جاتی ہیں۔ میں بھی ایک متوسط طبقے کا فرد تھا جس کے میں والدین کی زندگیوں میں ان کی تربیت ایمان داری اور بہت کے وصف ملے تھے جن کی بدولت میں ایک ایک قدم گرامرٹی کی پیرھیان چرھتا آگے۔

ایم اے آگیا کس کے بعد کان میں پیکر شپ کی پھر کسی کے مشورے پر مقالے کا امتحان دیا۔ پھر آہستہ آہستہ سول سروس میں آ گیا۔ پھر بس میں اپنی زندگی کے بیس سال لگا دیے اور حصول زندگی کیا ملا۔ ایمان داری اور عفت کے نل بوتے پر اتنا ہوا کہ اب لاہور کے ایک اچھے علاقے میں میرا ڈال گھر ہے۔ اور دوسرا یہ کہ شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو بیٹے اور بیٹی کی نعمت سے نوازا تھا میں بخیر و خوبی ان کی شادیاں کر چکا ہوں۔

اور اب ریشٹا منٹ کی بے کیف بے رنگ زندگی گزار رہا ہوں۔ مجھے ریشٹا ہونے چار سال ہو گئے ہیں۔ پہلے سال تو ریشٹا ہونے کے نقصانات اور فوائد کو سمجھنے میں لگ گیا۔ سب سے بڑا نقصان تو مینے کے

آخر میں ملنے والی وہ رقم تھی جو یک لخت بند ہو گئی۔ اب پنشن کے نام پر ملنے والی مرل سی رقم میں اتنی جان بھی نہ ہوتی کہ میں یونیورسٹی کے ٹی ٹی اوا کر سکتا۔ دوسرا بڑا نقصان وہ تھی بندھی روٹین بھی جس سے میرے اندر چالی بھری رہتی ہر روز تیار ہو کر چاق و چوبند انداز میں سارا دن کام کرنے کا اپنا ہی لطف اور چارم تھا۔ یہ سلسلہ رک جانے سے طبیعت میں عجیب سی بیزاری اور سستی چھا گئی۔ کہاں وہ روز چھ بکے اٹھ کر شیو کرنا تھانا اور ہونا پنٹ کوٹ کسٹا ریف کیس پکڑنا اور کہاں یہ کہ اٹھ تو چھ بکے ہی گئے لیکن اب شیو بنانا اور تیار ہونا مجھے معنی دار و بقول ناصر کا تھی۔

ع سے کپڑے بدل کر جاؤں کہاں اور ہاں بناؤں کس کے لیے

پھر دل سے سمجھایا کہ اگر کوئی مانتی صورت حال رہی تھی وہ دن دور نہیں جب دنیا سے ہی ریشٹا منٹ کا بناوا آجائے گا۔ تو اب جو ہے اسی میں خوشی اور دل چسپی تلاش کرو۔ پھر میں نے ریشٹا منٹ کے فوائد پر غور کرنے کا مشورہ دیا۔ پہلے جب ساری دنیا نیند کے مزے لوٹ رہی ہوتی تھی تو ہم تھے کہ منہ اندھیرے اٹھ کر رزق کی تلاش میں خاک چھاتے تھے اب کم از کم ہمیں صبح بیداری سے توجہان چھوٹ گئی۔ (وہ لنگ بات بھی کہ برس با برس صبح اٹھنے کی ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ اب بقول شاعر ”پھلتی نہیں منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔“ جب دل چاہا اٹھو دل چاہے نہ اٹھو۔ برائے دوستوں کے ساتھ پھر سے تعلقات استوار کیے گئے۔ کلب کی ممبر شپ بنوائی لاہوری کارڈ ایجو کروایا۔ باغبانی سے دل و دماغ کو طراوت پہنچانے کے کمر آزمائے گئے۔ گھر کی مرمت کے غیر دلچسپ کاموں میں خود کو مصروف کیا۔ ہاتھ روموں کے نئے پین کے کیبنٹ ٹھیک کروائے۔ اکھڑے ہوئے پلستر اور بیرونی مین گیٹ پنٹ کروایا۔ دنیا میں کیا کچھ تھا کرنے کو۔ دو سال ایسے ہی کاموں میں کھپا دیے جن کو کرنا ہمیشہ سے میری بیوی کا دل پسند مشغلہ اور میرا انتہائی پسندیدہ کام تھا۔ تیسرے سال سوچا چلو اب کچھ دوسرے

اور اللہ کی طرف بھی رجوع کیا جائے یہاں بھی صرف اسی نکتہ نظر کو سامنے رکھا گیا کہ اب فاسخ ہیں تو کیوں رہیں گا کھڑا ہوا پلستر بھی دوبارہ مرمت کر لیا جائے۔ تو اسی مقصد کے تحت میں اور میری بیوی حج کرنے چلے گئے۔ حج کے علاوہ مقصود اپنی بیٹی سے ملاقات بھی تھی۔ چنانچہ حج بھی کیا اور وہ ماہ چندہ میں بیٹی کے پاس گزارے۔ واپسی پر مسلمان میں جہاں احباب کے لیے کھجوریں بیچ جانے نماز اور آپ زرم زرم تھا وہاں احباب کو چوڑھ گانے کے لیے میرے چربے پر راز بھی بھی تھی۔ حج کرنے جب گیا تھا تو پیش نظر صرف قرآن اور قرآن کی ادا کی تھی لیکن جب واپس لوٹا تو احساسات کا موسم بدل چکا تھا۔ اب آخرت کو ستارے کی ایسی مضمونیت ہاتھ آئی تھی کہ فاسخ تمام بھی نہ ملے۔ اب صبح اٹھا تو ہونا لیکن اس لیے کہ بھری نماز پڑھی جائے وہ بھی مسجد میں جا کر رک بھی ہو جاتی اور تواب بھی مل جاتا۔ واپس آ کر قرآن پاک کی تلاوت مع ترجمہ پھر نمازوں کا سلسلہ چل سوچا اور اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ اکثر لوگ ریشامٹ کے بعد یارنیش اور نمازی کیوں ہو جاتے ہیں۔

میں نماز کے بعد قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھ رہا تھا کہ یوی کو ڈیس فون لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔

”اور تم لوگ آپس میں بیٹھی کونہ بھولا کرو۔“

البتہ میں اس آیت کی سچی تفسیر کے ذریعے سلجھا رہا تھا کہ۔

”یہ لیس علی کا فون ہے۔“ بیوی فون پکڑ کر باہر چلی گئی اور میرے ذہن میں کسی علی کی کوئی شبیہ نہ ابھر سکی۔

”ہنوکون بول رہا ہے۔“

”اسلام علیکم آیا جان میں علی بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے ایک بچے کی آواز سنائی دی۔

میرے ذہن میں شہسالی کی کوئی لہرائی۔ ”تایا جان“

اپنے لیے یہ لقب مجھے ماضی کے کن کن صحراؤں میں بگولے کی طرح اڑانے لگا۔

”علی آ۔۔ اچھا کیسے ہو علی بیٹا؟“ میں نے بچے کو لقب کے بعد پھر پورا انداز میں پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں تایا جان۔“

”اور تمہارے پاپا کیسے ہیں۔“ میں نے اپنے چھوٹے بھائی اشق کا پوچھا۔

”تایا جان ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ آپ کو یاد کر رہے تھے انی نے مجھ سے کہا کہ آپ کو فون کر کے بتاؤں۔“ وہ ایک ہی سانس میں بتاتا چلا گیا۔

”کیا ہوا ہے اشق کو؟“ بے اختیار ہی میرے وجود میں بے چینی کی سنسنی دوڑ گئی۔

”پتہ نہیں۔“ وہی بچپن والی بے پروائی سے جواب دیا گیا۔

”گھر پر ہیں تمہارا پیلا۔“

”جی گھر پر ہیں لیکن سو رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے میں آج آؤں گا سٹے اپنی امی اور پاپا کو بتا دیتا۔“

اشق میرا چھوٹا بھائی مجھے بہت عزیز ہے۔ اس میں اور مجھ میں چودہ سال کا فرق تھا۔ جب دوپہرا ہوا تو میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ چار دنوں میں رستے ہوئے مجھے اشق کی آمد سے خوشی ہوئی۔ وہ میرے لیے بھائی سے زیادہ میرا کھلونا تھا جس سے میں خوب کھیلتا کبھی کندھوں پر بٹھا کر پازار کی سیر کروانے لے جاتا۔ کبھی اس سے جھوٹ موٹ کی کشتیاں لڑتا۔ کبھی اس کو ساکیں چلانا سکھاتا اور کبھی بل میں لے جا کر اسے فٹ بال کھلاتا۔ وہ مجھ سے اتنا چھوٹا تھا کہ ہم دونوں کے مابین کبھی لڑائی یا بڑا ماضی کی فوجت ہی نہ آئی تھی اور ویسے بھی اگلا بھائی ہونے کی وجہ سے اور پھوٹا ہونے کی وجہ سے میں نے اشق کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور محبت کا ہر تاوا ہی رکھا اور سزا اپنے تایا جی کے حکمانہ رویے کی وجہ سے جسے میں سخت ناپسند کرتا تھا میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں کبھی اشق کی زندگی میں بے جا دخل اندازی نہیں کروں گا اور میں نے اپنا کاپورا کر دکھایا یہ الگ بات ہے کہ سولہ برسوں کی ملازمت نے مجھے اتنا مضمون اور بدل دیا کہ میں حد سے زیادہ اپنے

ذہن داروں سے لاتعلقی ہو گیا۔



اشق کے گھر گاڑی روک کر میں میں گیسٹ کی طرف گیا تو ایک بیزار سی شکل والی ماسی اشق پر نگاہیں جمائے فرش دھونے میں مصروف تھی۔ اس کا یہ انداز صفائی خصلت دلانے کو کافی تھا۔ یہ تیکہ اس طرح فرش دھونے سے میرے سفید کڑک شلواریں پر پھینٹے پڑ چکے تھے اور راز کی بات بتاؤں ریشامٹ کے بعد ملازمت کی حرکات و سکنات پر غور کرنے کو بھی کافی ناممکن مل جاتا ہے۔

میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کو کہا اور چھوٹے گیسٹ سے مرہٹا کر اندر داخل ہو گیا اشق کا گھر لاہور کی ایک سادہ سی صاف ستھری کالونی میں واقع ہے۔ دس مرلے کا یہ گھر جب تعمیر کر رہا تھا تو ان ہی دنوں میں ہم سب بھائی بہنوں نے اپنا اپنا گھر جوئے کے کرشمے ٹکڑے میں تھا فروخت کیا۔ ہنوں کے حصے دینے کے بعد میرے اور اشق کے حصے جو آیا وہ اس قدر کم تھا کہ میں نے احسان مٹائی کے نکتہ نظر سے وہ اشق کو ہی حسب کر دیا۔

مکزی دروازہ کھلا تھا میں اندر داخل ہو گیا۔ لاؤنج میں عجیب سی ویرانی اور خاموشی سی تھی۔ میں بلا وجہ ہی لکھنا لگا۔ آواز سن کر چون سے میری بھانجی حاتمہ برآمد ہوئی۔

”السلام علیکم بھائی جان وہ دوپٹہ صبح کرتے ہوئے میرے قریب آئی۔“

”و علیکم السلام۔“ میں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”کیا حال ہے تمہارا۔“ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

”میں تو ٹھیک ہوں بس آپ کے بھائی نے ہی پریشان کیا ہوا ہے۔“ عاتکہ انگلیاں پچھاتی ہوئی پریشان سی میرے سامنے والے صوفے پر آئی تھی۔

”تایا ہوا ہے اشق کو؟“

”رات کو سنیے میں درد ہوا پہلے تو بتایا نہیں حسب

درد پڑھ گیا تو مجھے اٹھایا۔ میں نے ہمسائے کے لڑکے کو لے کر گاڑی میں بٹھایا ہسپتال لے کر گئے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں انجائنا گاڑو رو ہوا تھا۔“

اشق بمشکل پچاس برس کا تھا۔ اسے اس تکلیف میں مبتلا ہونے کا سوچ کر ہی مجھے تھر جھری آئی۔

”ہمسائے کو لے جانے کے بجائے تمہیں مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔“ میرے لہجے میں خود بخود درشتی در آئی۔

”آپ کا گھر اتنے دور ہے اور پھر ویسے بھی اشق نے منع کر دیا کہ بلا وجہ بھائی جان پریشان ہوں گے۔“

”اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟“ میں نے کچھ دھیما بڑتے ہوئے پوچھا۔

”دو اکڑ کر رہا تھا کہ معمولی ایک تھا ویسے اس نے دو بھائی اور ٹیسٹ لکھ دیے ہیں۔ ابھی سو رہے ہیں۔“

”کیا بات ہے عاتکہ! کوئی پریشانی ہے اشق کو؟“

”میں نے آپ کو چائے تو پوچھی ہی نہیں آپ بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں۔“ عاتکہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی جیسے مجھے کچھ بتانا نہ چاہتی ہو۔

مجھے اپنے اور عجیب سی اندام محسوس ہونے لگی میرا اپنا چھوٹا بھائی جو مجھے بہت عزیز تھا اس کے بارے میں میں جانتا تک نہ تھا کہ اسے کوئی پریشانی ہے اور اگر ہے تو کیا ہے اور ایک میرے تایا جی تھے جو ہمارے گھر کی ہر پریشانی ہر مسئلہ ہر تکلیف کو بغیر بتائے بغیر کے سنے جاتے تھے۔ مجھے بلا وجہ ہی تایا جی یاد آنے لگے۔

مجھے بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سامنے والے کمرے سے بیڈ فون لگنے کی علی صاحب نمودار ہوئے مجھے دیکھ کر اس نے بیڈ فون کانوں سے اتار کر گلے میں لگا لیا۔

”السلام علیکم تایا جان۔“ وہ سلام کر کے بے نیازی سے چیخو گم چبانا میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

علی کو میں کافی عرصے کے بعد دیکھ رہا تھا۔ وہ بارہ تیرہ سال کا لڑکا تھا۔ چہرے پر وہی بچپن والی معصومیت کے

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عزبان ڈائجسٹ

جنوری 2008 کا شمارہ شمارہ ہو گیا ہے

Email: id@khawateendigest.com

☆ ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان جو چھٹی ہی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ پرتجسس سلسلہ "آتش زاہرہ"

☆ معاشرتی برائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے ایک نوجوان کی عظیم خیر داستان ایم اے راحت کے قلم سے "کاروان"

☆ مسخر حیات "ایم اے راحت کے قلم سے پرتجسس کہانی"

☆ "شیطان کے گماشتے" اسلم پراہی کے قلم سے تاریخ کے اوراق

☆ نگلی وغیر کی ادب سے انتخاب

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"

اس کے علاوہ بہت سی داستانیں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

تپ آگے تو ایسے کہنے لگے کہ خواجہ خواجہ آپ پریشان ہوں گے۔ عاتکہ دھتے سے انداز میں بولی۔

میرے پاس اب خاموش ہو جانے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ ایسے نے اپنی ہر مشکل ہر تکلیف صرف مجھے پریشان نہ کرنے کی غرض سے چھپائی۔ اور میں اس کے حالات اس کی زندگی کے معاملات سے اس لیے دور رہا کہ کسی سببے جا اختلاط کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔ لیکن ان دونوں رویوں کی وجہ سے ہوا کیا کہ آج ہم دونوں بھائیوں میں اتنی دوری آچھی تھی کہ میں ایسے کی زندگی میں آنے والے اتنے بڑے حادثوں سے بھی آگاہ نہیں تھا۔ حالانکہ آج کل دنیا گلوبل ویج بن چکی ہے۔ ہمیں دنیا کے دوسرے گوشے میں ہونے والے حادثوں کی خبر تو چند سیکنڈ میں مل جاتی ہے۔ لیکن انہوں نے ساتھ کیا ہوا یہ سب کچھ سرد رویوں کی نذر ہو کر کسی سرد خانے میں پڑا رہ جاتا ہے اور ایک وہ میرے آیا جی کا زمانہ تھا جب ذرا لے بلداغ نے اتنی ترقی بھی نہ کی تھی۔ لے نے کہ ڈاک کا نظام تھا یا کسی کسی کے پاس کسی دن کی رسومات منوہو تھی۔ لیکن اتنے محدود ذرائع کے باوجود آیا جی اپنے بہن بھائیوں رشتہ داروں کے بل میں کی خبر رکھتے تھے۔ ہر گلی خوشی کے موقع پر سب سے پہلے پہنچ جاتے۔ بہن بھائی کے کسی بھی مسئلے میں اپنی خدمات سے لیس ہو کر حاضر خدمت۔ پھر آیا جی کی یادوں نے میرے وجود پر بخار کر دی۔

"کیسے ختم ہوئی ہے ایسے کی جانب؟" میں نے ان یادوں سے ذرا من چھڑا کے عاتکہ سے پوچھا۔ "بیتک کی نئی انتظامیہ آئی تو انہوں نے ملازمت کی چھائی کر دی اور ملازمت سے فارغ ہونے والے لوگوں کے ساتھ گولڈن سٹیک پہنچ کر لیا۔"

"پکڑ پکڑ تو ایسے کو لاکھ ہوا ہوگا۔" میرے لہجے میں اطمینان دور آیا۔ "جی پچیس لاکھ ملے تھے۔" عاتکہ نے میرے پوچھے بغیر ہی بتا دیا۔

"تو پھر کوئی بزنس شروع کر دیتا۔"

"ابن کو تو کوئی تجویز نہیں بزنس کا ایک دو بار پارٹنر

کر لیکن سے لاکھ میں داخل ہونی چاہئے میرے سامنے میز پر رکھ کر خاموشی سے کپوں میں ڈالنے لگی۔ عاتکہ کے پورے وجود پر خاموشی اور فکر مندی کی چادر سی تھی تھی۔ "پچیاں کب آئی ہیں گھر میں۔" نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے عاتکہ سے پوچھا۔

"تین بجے تک آجاتی ہیں۔" اس نے کہا پ کی پلیٹ میرے آگے کرتے ہوئے جواب دیا۔ "انقصی نے کب سے اسکول میں پڑھانا شروع کیا ہے۔" میں نے علی کی دی ہوئی معلومات سے فائدہ اٹھایا۔

"ابن ایم اے کرنے کے بعد فارغ تھی تو اسکول میں چاہ کرئی میں نے اور ایسے نے بھی اجازت دے دی کہ چلو مصروف رہے گی۔"

"تمہیں رشتہ رشتہ نہیں کیا اس کا۔" اپنے اس سوال پر ایک لمحے کو میں خود بھی حیرت زدہ رہ گیا۔ مجھے اپنے انداز میں تباہی کی بازگشت سالی دی۔

عاتکہ پچھلے کو خاموش رہی جیسے سوچ رہی ہو کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں پچھلے سال عاتکہ نے اپنے سہیل کے لیے بات تو شروع کی تھی "میرے پچھلے پچھلے میں نے چائے کی چٹنی لیتے ہوئے عاتکہ سے پوچھا۔

"پچھلے پچھلے سے ایسے کی جانب ختم ہوئی ہے انہوں نے بات ہی نہیں پھیری۔" عاتکہ کی اس اطلاع سے ایک سخت میرے ہاتھ میں کپ لڑکھڑکیا چائے کے گرم گھونٹ بنے صرف میری زبان کو نہیں جلا دیا بلکہ میرا پورا وجود سنگ سا اٹھا۔

"ایسے کی جانب ختم ہو گئی" میں نے حیرت زدہ لہجے میں عاتکہ سے پوچھا۔ میں اپنے بھائی کے حالات سے اس قدر بے خبر تھا۔

"کب کیسے؟" میں نے بے بسی سے عاتکہ سے پوچھا۔

"پچھلے سال۔"

"تو آج اس بات کو اور تم مجھے آج بتا رہی ہو۔" آپ اور بھائی جج پر گئے ہوئے تھے۔ پھر جب

ساتھ ساتھ اکھڑیں بھی نمایاں تھا۔ "اسکول کیسے جا رہا ہے تمہارا؟" میں نے بات شروع کرنے کی غرض سے سوال کیا۔

"تھیک جا رہا ہے۔" اسی بے اطمینانی والا انداز "کیون سی کلاس میں ہو؟"

"7th میں ہوں۔"

"آج چھٹی تھی اسکول سے؟" میں اسے آج گھر دیکھ کر حیران تھا۔

"نہیں چھٹی تو نہیں تھی میں نے آج چھٹی کی ہے اسکول سے۔"

"کیوں کی ہے چھٹی؟" میں سمجھا اپنے باپ کی بیماری کے باعث اسکول نہیں گیا ہو گا لیکن یہاں تو معاملہ ہی وہ سزا تھا۔

"میرا آج بیچ تھا گلی کے بچوں کے ساتھ کرکٹ کا اس لیے چھٹی کی ہے۔" اس نے بڑی بے غوفی سے اصل وجہ بتا دی جیسے کہ اس مقصد کے لیے چھٹی کرنا کوئی ناقابل اعتراض بات نہیں ہے۔

میں نے پاتوں میں گھٹکے بٹڑے ہوئے ضدی بچوں والے تمام جراثیم نظر آ گئے۔ پہلے میں نے صحت کے لیے منہ کھولا لیکن پھر میں خاموش ہو گیا کیونکہ مجھے لگا کہ ایسا کرنا اسے مجھ سے متفق کر سکتا ہے۔

"اچھا اچھا کہاں ہیں تمہاری با؟" میں یہ تو جانتا تھا کہ ایسے کی تین بیٹیاں ہیں اور پھر یہ علی صاحب تھے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بیٹیاں کتنی بڑی ہو گئی ہیں اور کون سی کلاس میں ہیں۔

"انقصی باجی تو اسکول گئی ہیں۔"

"کیون سی کلاس میں پڑھتی ہیں انقصی باجی؟" وہ اسکول میں پڑھتی نہیں پڑھاتی ہیں۔" علی میری ناقص معلومات پر ہنس کر بولا۔ یہ اکتشاف میرے لیے حیران کن تھا۔

"اچھا اور بھائی دونوں؟"

شب کی اور دھوکہ کھلایا۔ پیسے بھی برباد ہوئے اور پریشانی انگلی۔

”ارے تو میرے پاس آتا میں کیا سال بھرج کے لیے چلا گیا تھا مشورہ کرنا میں اسے اچھے لوگوں سے ملاتا اتنے تعلقات ہیں میرے بہت سے ملنے ملانے والے بزنس کرتے ہیں۔“ آپ مجھے ایشق پر سچ سچ غصہ آنے لگا۔

”جی اسی وجہ سے ایشق نے آپ کو نہیں بتایا۔“ عاتکہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔
”اس وجہ سے ہمیں نے حیرانی سے عاتکہ کی جانب دیکھا۔

”آپ برا نہ مانیے گا دراصل آپ کا ملنا ملنا آپ کے تعلقات سب آپ کی حیثیت اور رتبے کے تھے۔ ایشق کو بوشہ یہ احساس رہا کہ ہم جیسے کم حیثیت والے لوگ آپ کے معیار کے نہیں ہیں اسی لیے آپ ہم لوگوں سے ملنا چلنا زیاہ پسند نہیں کرتے۔“ عاتکہ کا یہ انکشاف ایک ہم کی طرح میرے سر پر پھنا۔

”تو ایشق یہ سوچتا ہے میرے بارے میں اور میں نے کیا سوچ کر اپنے آپ کو بسن بھائیوں سے دور رکھا اور وہ میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہے۔ یہ کسی عجیب سی صورت حال تھی جو میرے پیش نظر تھی۔ اب اگر میں وضاحت کے لیے لاکھ ٹاپیلیں پیش کرنا تو انہیں ماننا ایشق اور عاتکہ کے لیے مشکل تھا۔ میرے ماہ و سال کے رویے اور چلن نے انہیں مجھ سے دور کرنے کے ساتھ ساتھ متفرق بھی کر دیا تھا۔ اب وہ کیسے مان یا جان سکتے تھے کہ میں نے کیوں اپنے آپ کو ان سے فاصلے سے رکھا۔ اور اب مجھے اس آیت کی تفسیر کہ ”آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا رویہ اختیار کرو۔“ پوری آسانی اور دل میں اتر جائے کی حد تک سمجھ میں آچکی تھی۔

اور بار بار جگہ جگہ قرآن پاک میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کی ہدایت کی ہوجہ بھی سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے کچھ نئے نئے گیسے ملے کھولا لیکن پھر خاموش ہو گیا کہ اب باتوں سے نہیں عمل سے ثابت کرنے کا

وقت تھا۔ اسی وقت علی نے آکر اطلاع دی۔
”مٹی لپٹا اٹھ گئے ہیں۔“ میں عاتکہ کی رہنمائی میں

کمرے میں داخل ہوا ایشق بستر چادر اوڑھے لیٹا تھا اس کو دیکھ کر میرے دل کو بہت دھچکا لگا۔ یہ وہی گول مثل ایشق تھا جو کبھی میرے کندھوں پر چڑھا رہتا تھا۔ آج بیمار بیٹھے ہوئے گال۔ آنکھوں میں پڑے ہوئے حلقے والے مریض کی صورت میں میرے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور اس کے بستر پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

”یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے کو۔“ میں بچپن میں ایشق کو پار سے بھی کھلو کھاتا ہے۔ جس سے وہ بہت جرتا تھا۔
”بس بھائی جان اب کیا کہوں۔“ وہ نقامت سے مسکرا کر بولا۔

”تم جیسے جوان اگر بستر پر جا سکتے تو میرے جیسے رشتہ دار مجھے نالایق نہ کہتے۔“ میں نے اپنے کنبے میں پشامت پیدا کر کے کہا۔

میری بات کے جواب میں ایشق نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔
”ٹیسٹ وغیرہ کب کروانے ہیں ایشق کے؟“ میں نے عاتکہ سے پوچھا۔

”واکفر نے کل کا نام لیا ہے۔“
”جاؤ اس کی فائل لے کر آؤ۔ میرا ایک دوست ہارٹ اسپیشلسٹ ہے۔ میں ایشق کو اسے دکھاتا ہوں۔“ عاتکہ فوراً فائل لینے چلی گئی۔

”ایشق اپنے آپ کو مضبوط کرو۔ زندگی میں مشکلات تو صوب کو پیش آتی ہیں۔ لیکن یوں بہت نہیں ہارتے۔ دل چھوٹا نہیں کرتے۔ اب ہمارے ابا جی کی زندگی کی مثال لو۔ بچپن میں تنیم ہو گئے۔ اتنے بڑے کنبے کو نامساعد حالات میں سینھالانچوں کی تعلیم بیٹیوں کی شادیاں سب کچھ سے انہیں بھی گزرنا پڑا لیکن بس۔“

”وہ اس لیے بھائی جان! کیونکہ وہ اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ ان کے بھائی کی سپورٹ تھی۔ مشکلات کے ساتھ ساتھ مجھے اکیلے بن کے احساس نے توڑ دیا ہے۔“ ایشق کا گلہ اس کی زبان پر آئی گیا۔
میں کچھ دیر خاموش رہا۔

”عاتکہ سے تمہارا شکوہ بھلا۔ لیکن اگر میں تم سے دور رہا تو تم نے کبھی مجھے میرے رویے کا احساس کیوں نہیں دیا۔ تم کیوں نہیں میرے قریب آئے۔“ ایشق نے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں میں کئی تیرے لگی۔

”ارے ارے جوان آدمی روتے نہیں اگر تم روؤ گے تو مجھ واڑھی والے بڑھے کو بھی رونا آجائے گا کور نہ جانے کیوں یہ کہتے ہوئے میری آواز بھی رندھ گئی۔ اسی لیے عاتکہ فائل لے کر آئی ہم دونوں نے بمشکل کھلی آنکھیں اس سے چھپائیں چلو بھئی عاتکہ اس کے کپڑے بدلواؤ میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔“

”نہیں نہیں بھائی جان میں کل چلا جاؤں گا آپ کو۔“

”لوئے کھو کیا نہیں ہیں لگا رکھی ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ میرے کنبے میں خود بخود تپا جی والا جھلس در کیا تھا۔

تھا اور اس کی وجہ سے میرے اپنوں کو کتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ایشق مسلسل بول رہا تھا۔ یہ اس کے سینے میں دلی ہولی، کھلی ہوئی باتیں تھیں جو شاید برسوں سے وہ میرے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ مجھے پتا چاہتا تھا میرے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے اس بے جا اصول کہ میں کبھی اپنے ہونے بھائی کی زندگی میں مداخلت نہیں کروں گا کے باعث اس کے اندر بھی جمع ہوتی گئیں اور آج میری ذرا سی محبت نے اس کی باتوں کے آگے بندھے ہوئے سارے بند توڑ دیے۔

”ایشق زیاہ مت بولو۔ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے۔ میں اب آتا جا رہا ہوں گا۔“ اس نے تشکر اور یقین بھرے انداز سے مجھے دکھا اور سکون سے گاڑی کی پشت کے ساتھ سر ٹیک دیا۔

اس وقت وہ مجھے وہ چھوٹا سا کلو گانے بچپن میں میرے یقین دلانے پر کہ یہ مذاق ہے اس کا چہرہ ایسے ہی تشکر اور یقین سے بھر جاتا تھا اور اب مجھے اس کا یہ یقین ہمیشہ قائم رکھنا تھا۔



ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 5 خوبصورت ماہول

500/-	رخصانہ کارہنہ	دعوتی البلب روٹی
180/-	شادی چودھری	تربے نام کی شہرت
400/-	قادر انعام	آنکھوں کا شہر
150/-	غزلہ عروج	عین سے عورت
300/-	آسیہ روزانی	دل آہنے عورتوں کا

مکھانے کا پتہ:
کتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر 2216361

سورج و آواز



سارے خاندان کا رویوں اور ڈانٹوں کا کاروبار تھا۔ انارکلی سے پھلتے پھلتے فیروز پور روڈ اور اب ڈیپنس تک کتنے ہی آؤٹ لیٹ کھل چکے تھے۔ چھوٹے دونوں بھائی روپے بنانے کی مشین تھے مگر حسین شاہ کا خدا نے ناجانے کیوں ان کے ہاں پیدا کروا دیا تھا۔ بے حد مرتخان مرغ، ملین مشین اور روٹا ٹنگ سے حسین شاہ کو دیکھ کر اصف رضا میر اور ”بھئی بھئی“ کے پور کا ایجا بھ کچن یاد آجاتا تھا۔ ناجانے اب تک کیوں ایسے بیٹھے تھے۔ چھوٹے بھائیوں کے لئے کچھ مینیجمنٹ تھے مگر یہ ابھی تک یوسف بے ناروان ہے ایسے دو نڈراتے پھر رہے تھے۔

خدا نے حسین شاہ کو بی بھر کے حسن سے نوازا تھا۔ سولی سولی ہی آنکھیں بھورے ہاں حسد کی گلی جیسی پیشانی جسے بس دیکھتے ہی رہنے کوئی چاہت اور آواز لسی کہ آنکھیں بند کر کے سنتے جاؤ سنتے ہی جاؤ اور بس۔ اس کے آگے زبان و مکان کی سب وسعتیں سمٹ آئیں اور وقت کے ایک ایسے فریم آف ریفرنس میں چلے جائیں جہاں دن اور رات کی تخصیص نہ ہو اور گتے ہوئے وقت کے بڑے سے بڑے پر حسین شاہ کی آواز کے موتی برسا کریں۔

یہ راتیں یہ موسم یہ ہنستا ہنستا ہمیں بھول جانا انہیں نہ بھلانا اور بشری نہیں سے محبتی گھماتی اس فریم آف ریفرنس میں نکل آئی تھی۔ نہایت شستہ مزاج رکھنے والی بے چاری بشری ایک ایسی ذر خیر ہاں کی اولاد تھی جہاں

سرویلوں کی اس حسد ملی صبح اتوں لے کی بھارتیوں پر کراؤٹ رہا تھا اور پتی گہری دودھ کے ہاتھ سے سر اور کولے پر سگے پگڑ بڑکی پر چلتی شہر کی طرف جارہی تھی جہاں بیٹے کا ملک کیلکٹن سینٹر تھا۔ اوس آویہ گھاس پر اس کے قدموں کے نشان یوں لگ رہے تھے کہ گویا کوئی سناپ مستاکے لہرا کے نکل گیا ہو۔

بچپن نے بڑی روٹ پر کھڑے ہو کر پتی کو ذخیرے میں گم ہوتے دکھا اور پھر اپنا کھرا اور خالی پانچھی زمین پر رکھ کر خود بھی مرطوب گھاس پر بیٹھ گئی۔

”کتنے کتنے چھ گئے ہیں۔“ اس نے اپنے کھروڑے پرستے ہوئے ہاتھ آنکھوں کے آگے پھیلائے۔ لمبی لمبی انگلیوں والے خوب صورت ہاتھ گلاب کے کاتوں سے چھلنی ہو گئے تھے۔ چھپتی میں اب بھی کتنی ہی پتیاں اور کاسٹے پڑے تھے اور ایک لمبی ڈنڈی والا گلاب سب سے زیادہ مرغ سب سے زیادہ حسین۔

اس نے یہ گلاب بڑی احتیاط سے اٹھایا اور گلی کی اولس کے لمبے سے ہرے پتے میں لپیٹ لیا۔ وہ تصور ہی تصور دیکھ رہی تھی کہ جب وہ یہ بھول حسین شاہ کی میز پر سجائے گی تو ان بھوری خوب صورت ’بل کھینچ لیتے والی آنکھوں میں کتنی ممنونیت ہوگی۔

”ارے بشری بی! تم کیوں اس قدر تکلیف کرتی ہو ہمارے لیے؟“

شہزادوں جیسے حسین و حسین حسین شاہ نے سنے فارم ہاؤس میں منتقل ہوئے تھے۔

انعام رکھنے کے بعد بھی پچھے دیکھیں اور ذرا سے
 واپس مڑ کر پانچ گھنٹوں تک دائرہ ہوتی تھیں اور سختی
 لیا کرشن نظر کی گلیوں میں ریز بھی پر کھلے چائیسٹر
 اور پلاسٹک کی چٹیلیں پیچھے پیچھے آتے ہو گئے تھے مگر
 سارے دنوں کے پیٹ کاوش کی طرح نہ بھرتا تھا۔
 راوی کو چپکے سوچتے "ماٹس" موٹک کے پھلے ہوں
 خوب سزا ہی اور اہل سونہ کی چٹنی ہا میں تو خالی
 ہی سے کھایاؤں۔"
 پیکے پانی سے وہی میں ٹک مریج والی کر رہی
 نے تھیں تو پوچھے مت سے چنگار سے بھرتی۔
 شری کو راوی پر ترس آتا اور لپا رہی۔ اپنی دونوں
 شاہوی شہرہ بہنوں پر بھی اور چھوٹیوں پر بھی "تو
 ست پر زبان اور گھڑا تو تھیں اور آئے دن ہی میں
 بجا کر گندی گندی گالیاں دیا کرتی تھیں مگر ماں پر
 نہیں۔"
 ماں ترس کھانے والی چیز ہی نہیں تھی۔ وہ نفس اور
 تاؤن میں رشتے کرانے والی ماں یہ ترس کھانے
 بھینٹا خود ہی کسی بھائی کی کاٹکار ہو گا۔ رہے گی سوٹ
 کر کھلے میں پان دبائے۔ سلیر سوز پانی و سالم
 شے پر اکیلی جان سوار ہو کر چاروں تاؤن سے ماٹل
 ان اور ماٹل تاؤن سے تاؤن شپ اور جو ہر تاؤن کے
 میان اشراف اہل زبان پر اسے وضع دار لوگوں کے
 بچوں کے رشتے کرانے کے لیے کھلا کرتی تھی۔
 لہرانے چین کے ہاں آئیں کی رشتے داروں میں
 اور تھیں تھیں اور میل بھل والے رشتوں کے
 بچے میں فٹ نہیں بیٹھے تھے۔ ان کے لیے ماں کو
 ذات ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس گھر چالی
 ہوں ہاتھ لی جاتی۔ یہ اور بات کہ اس کے کرانے
 سے وہ ایک رشتے ہی پروان چڑھے تھے "ورنہ پالی
 کے سب ماں کو گے و کھائے ہوئے سبزا نہیں
 کھوتے کھاتے جب حقیقت کے صحرا میں نکلتے
 تو حیرت سے آنکھیں پلٹھاتے و درود پھٹے بچت
 تے دور بھاگتے تھے۔ کوئی مشعلی ہو کر ٹوٹ جاتی اور
 ہی رشتہ مریہ اگر ختم ہو جاتا لیکن پروا کرتی تھی ماں

کٹو کی جوتی۔
 سے نرم نرم صوفوں والے خصوصاً طور پر سہائے
 گئے ڈراٹنگ روموں میں گھسی گھسی کر بیٹھے گا مریج
 ملتا تھا اور خاص طور پر سنواری کی مرگن غداؤں سے پر
 چائے کی ٹرا لیاں پھٹنے کی آزادی حاصل تھی۔ ایران
 بھر سے چروں والی لڑکیوں کے تیسپو کیے ہوئے چکلیے
 پالی ہاتھ پھیرنے کے برائے بھرانے کی مریج ملی ہوئی
 تھی۔ گرا پیل جاتا تھا۔ گھونٹے کا شوق پورا ہو جاتا تھا۔
 نہیں کہیں سے بے وجہ ہوتا بھی نہ جایا کرتا تھا۔
 نور اسٹو کر کھتی تھی اور راوی پھنگار لی رہ جاتی۔
 "ہائے رائڈ، خود پھین لیا کسی لڑکی کے لیے رکھ دیتی
 مگر خود پوری کی پوری کیسے تھی اگر یہ نیا جو ڈاٹ
 پہنتی۔"
 پیسہ اگر اس کام میں لتا ہو تا تو ساری دنیا نہ رشتے
 کرانا شروع کر دیتی؟ یہ تو ایک نشہ تھا۔ پی کر کا نشہ جن
 گھروں کے دروازوں سے اس چھپی غور تھیں دھتکار
 دی جاتی تھیں ان گھروں میں وہ دیا لی جاتی تھی کہ مہیا ت
 تھی؟
 پھیلے ہی دنوں اس نے ایک سابق وزیر اعظم کے
 پاگل بھائی کا رشتہ ایک بے حد حسین اپنے ہی جیسے
 غریب بلند شہزادوں کی لڑکی سے کر لیا تھا۔ پیکے تو سب
 بہت برا بھلا کہہ رہے تھے مگر پھر پیسہ کے نقش و نگار
 سب کو حرم ہوتی۔ راوی بھی بیٹھے بیٹھے اسے
 کچھ کہتیں۔
 "اسی شیطانی تھی۔ یہ نہ ہو اس چھپی گولڈی کا
 ہی رشتہ لگا ڈالتی۔ وہ "پہلی شہ" "والے تو اس کی ماں
 کے کہہ سکتے تھے "پہلی شہ" کی ہے ان کی سو۔"
 ماں کو بھی دکھ ہوتا اور راوی کے کوٹنے چپ
 کر کے سن سکتی۔ وہی چھپی تو وہ بھی خدا کی "خدا کی
 تقسیم" کا شکار تھی جسے مظار
 compartment lization of life
 "Wrong
 کہہ کر بخت ہوتی ہیں مگر اس کے شکار لوگوں ہی کو
 معلوم ہے کہ یہ سولہ کے برابر زخم کیسا دکھتا ہے اور

ہیں جان لے کے تھی نہیں تھا۔
 حسین شاہ کی بھانجی ماں کو کی کھائے تھی۔ لڑکی
 والے حسین شاہ کے گھرانے کا نام سن کر پھرک اٹھتے
 عمر بات نہیں بنتی تھی۔ حسین شاہ پہلے دو بیویوں کو
 کھائے بیٹھے تھے اب تو آنکھوں دیکھی مگھی کون
 انقلاب ماں کو لے آئی گالی کہ کب حسین شاہ اپنے
 حیار سے نیچے کی طرف دیکھیں اور کب وہ ان کو
 دیکھیں۔
 کرنا خدا کا کیا ہوا؟ ایک دن جب حسین شاہ کی بھانجی
 ان کے مستقبل سے بالکل ہاوس ہو چکی تھیں اور ماں
 گوا نہیں بسلا رہی تھی تو خدا نے ایک لچھو تاختیاں
 زاہدہ کے دل میں ڈال۔
 "ارے ماں کو تو بیخ کرویہ رشتہ دشتے۔ تم ہمیں
 ایک ہاوس کیسے تو رکھاؤ۔ تمیز وار ڈرا رہی تھی۔
 جب ہم جا میں تو ہمیں انٹر میں تو کر گئے حسین بھائی
 سے اب کون شادی کرے گا؟"
 ایک لمحے کو تو ماں کو کادں بڑے زور سے کاپا مریہ
 لیت تھی
 Do or die کا نھیلے کا لمحہ کسی ایک لمحے میں
 اس کی اٹنی نسل کی تاریخ لکھی جاتی تھی اور وہ تھی
 ایک کھاگ زمانہ ساز چھ رستا ہی لڑا کر کے بول۔
 "اوہو زاہدہ باقی آپ کا میرا گھر الگ الگ تھوڑا
 ہی ہے۔ اب کسی اور کی عنایت میں کیا ہوں میری اپنی
 چھپی ہے۔ جب تک تم لوگوں کا کوئی انتظام نہیں
 ہوتا۔ میں چھپی کو بھیج دوں گی۔ ذرا ماں کو مشکل ہوگی
 مگر خیر ہے۔ آخر اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ اپنا
 ہی گھر ہے۔ حسین شاہ بڑے بھائی کی طرح ہے۔"
 تو ہی آگے کوئی کیا بولے۔ سمندر کو کوزے میں
 سینا لے سکتے ہیں۔
 چھپی کے دن پھر گئے۔ چھو اور بھی طور پر تو نہیں رہی
 جاتی تھی مگر اندر خانے ماں کو کے پورے کھنے پر
 لڑکی آسان ہوگی۔ ماں کی گندم فارم ہاوس سے مل
 گی۔ سبزا ہی تھی کبھی کبھار دوپہ اور چھن اور کس
 لٹے اور تھی۔ راوی مرنی مرنی ہی اٹھی۔ لٹوں کا

خائینہ چا کر ترانے والے تولتی اور چھپی کا نصیبہ
 کھنے کی دعا کرتی۔
 دنوں تو چھپی کئی ایکٹر پہلے اس فارم ہاوس میں
 قریبی لڑکی پھری۔ وہ ساری زندگی چھن مرنے کے مکان
 میں رہنے والی لڑکی جہاں مکاتوں کی بالکونیاں دوسرے
 گھر سے چند فٹ کی دوری پر تھیں اور سورج کی کرنوں
 تک کا گزر نہیں تھا۔ اس نے کہاں ایسی چھپی
 چھپی دیکھی تھیں جن میں بڑی بڑی سرخ کھلیوں
 والے جید مرگے کھچے پھلا پھلا کر ہا میں دیتے تھے۔ وہ لڑ
 ملازم دودھ کی بالٹیاں کی بالٹیاں اٹھاتے چلے آتے
 تھے پھلوں کی دکانوں کو سپلائی کیے جانے والے
 ہزاروں کسٹ فلڈ اور ایکڑوں کے حساب سے پھلے ہوئے
 تھے اور وہ کٹوریں طرز پر بچے ہوئے جن ہاوس کے مرن
 میں ہی آبشار سے بھاپ اڑا تا پانی ترل ترل کرتا بہتا
 تھا۔
 گھر سے آتے ہوئے دیدار کی شکل کی شکوے سے چڑا
 رہی تھی۔
 "ہائے چھپی! تو تو ٹوکرائی ہی کر جا رہی ہے۔ وہاں
 گاؤں میں خدا جانے ہاتھ روم بھی ہوں گے یا تم کھیت
 ہی میں لاس ہو گی۔"
 اور یہاں کے۔۔۔ چھپھانے ہوئے جھکوزی
 اور انالین ہاتھ روم تو شکو کے دماغ کی گرفت ہی میں نہ
 آسکتیں۔
 چھپی فخر کے بعد ہی فخر اور اس کے بھائی کا انتظار
 شروع کر دیتی تھی۔ دونوں آدھ پر ۱۹۵۵ سپلائی کرتے
 تھے۔
 فخری بڑی ہسوز لڑکی تھی۔ ۱۹۵۵ کے پورے تاب ناپ
 کر پھیلے میں ڈالے جالی تھی اور ساتھ ہی ساتھ گاؤں
 کی ہزاروں مزے مزے کی ہا میں بنا جاتی۔ گاؤں فارم
 ہاوس سے قریباً ایک سو میل دور تھا۔
 بقایا دودھ لیسٹے ملک کو ٹیکشن سینٹر جاتا جہاں
 دودھ کا حساب کرنے والا لڑکا ہتی گاؤں سے بن گیا تھا اور
 اسے کبھی بے والا سولہ کل ڈالے گا اور کون کا تھا۔
 زندگی کبھی میں تھی چھپی کے گھر سے کی گھر کی سے



Marhaba
HONEY

مرحبا شہد

خاص ترین ذائقہ بشری



اور بشری۔
تجربہ کے وقت کئی شروعات ہوتی تھی۔ اوس میں
بچھلے پھولوں کو کھڑے ایک خاص لہجائی پر کاشنا اور پھر
پینٹنگ۔ اس باقی پور لوہن آپ کا اپنا۔
اور یہ دن تو بشری کو لکھا تھا اس دیوے میں سما کے
ہیں۔ یوں شام ہو جاتی تھی اور حسین شاہ کی مشہور
آنکھوں کا تصور لیے وہ اپنی کچی کو کھڑی میں آپرٹی
تھی۔ خیر حسن و عشق کے ان قدم قصوں میں ایسا ہوتا
کوئی انوٹو ملی بات نہیں۔ راہ لکھا بھی تو بیخوش کامرہا
گوہر سمیٹتا ہوگا۔ یہ تو پھر بڑا لطیف اور شاعرانہ کام
تھا۔

”مگر چھٹی کے اس گونڈن شہلے کا تو رابو رابو ہوا“
جب حسین شاہ یہاں مستقل منتقل ہو گئے۔ اس
کا یہاں رہنا تو قطعاً بے جواز اور معیوب ہو گیا۔
حسین شاہ کے دوست احباب ہر وقت ایک بلز تیار رہتا
تھا اور یہ سب دوست ”شرانی کہانی اور دیگر“ وغیرہ
تھے ایسی صورت میں چھٹی کا فارم ہاؤس میں رہنا شہد
کے چھٹے کو پتھر مارنے کے برابر تھا۔ سات آٹھ مہینے
یہاں رہ کر اب چھٹی سے کرشن لگر کی گلیوں میں نہیں
رہا جاتا تھا۔ تب اس نے ایک عجیب و غریب فیصلہ کیا
”بتی کے ہاں بطور بے انگ گیسٹ رہنے کا فیصلہ۔ داوی
ہست پھرتی پڑا میں۔ آپا بھی ہست چیں۔ یہ جیس ہونے لگر
اس کی ویل منسوب ہو گئی۔ وہ کرشن لگر واپس جا کر دوبارہ
غور و فکر کا پائل اپنے اور اپنے گھر والوں کے سر پر
نہیں تان سکتی تھی۔

اور رہی بتی۔ تو اس کا کردار کیسا بھی کیوں نہ ہو
چھٹی کے لیے وہ ایک ڈھال تھی اور یہاں رہ کر وہ فارم
ہاؤس کی ہاؤس کیلنگ بھی کر سکتی تھی اور ڈیڑھ سو
روپے دیماڑی کے حساب سے پھولوں کے جھڑیوں
میں مزوڑی بھی کر سکتی تھی۔ آج کل سینڑن ڈورڈوں پر
تھا۔ پودے پھولوں سے لہرے ہوئے تھے۔ شہر کے
قریب ہونے کی وجہ سے لیبر منگنی اور ناپاب تھی۔ یہ
چند دن ہی کمالی کے ہوتے ہیں ”مشی لا سو روپے تک
دینے پر تیار تھا۔ اس طرح ایک مہینے میں چھ ہزار کراہم
سے کمائے جاسکتے تھے۔

معاشی ضرورتیں انسان کو بہت بڑے بڑے
سمجھوتے کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور یہ تو کوئی ایسا کام
نہ تھا۔ بتی کا وہ کمروں کا گھر گاؤں کے سرے پر تھا۔
ایک کمرے میں بھائی اور بھانجی اور دوسرے میں بتی

کے آنے سے بڑی دوسراٹ ہو گئی تھی۔ اب آپ کی والدہ سے سنا کہ آپ کی شادی ہو رہی ہے تو گنگا کوئی عزیز پھنسا رہا ہو۔

تو مجھے آپ یہ امان کنو کا لگا گیا ہوا anore tropa تھا۔ خرگوش نے گاجر کی مہک پائی تھی اور پھندے میں اچکا تھا۔ اب بس رسی کھینچنے کی رہ گئی۔ اور پھر ان دونوں کی شادی ہو گئی اور سب ہمیں خوشی رہنے لگی۔

اصولاً تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا مگر ہوا یہ کہ جب جلتی بھنٹی شکو نے بشری کو رخصت کیا تو رات کے گیارہ بج کر سے تھے اور رات کے سوا بجے بشری جی کو سوتے سے جاگ کر چیخ چیخ کر بے حال ہوتے حسین شاہ کو کمرے میں کسی گھنگلی چیز کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ گنگا چیز شاہ صاحب! اس نے خوف سے لرزتے ہوئے پوچھا۔

”ہمت ہی گھنگلی اور جلیبی سی چیز۔“ شاہ صاحب صوبے کی پشت پر اکڑوں شے پھلا رہے تھے۔

”گولی نام تو ہو گا اس کا۔“

”ہا ہا ہا۔ ہا ہا۔ ایسی چیزوں کے ہم نہیں پوچھتے۔“ شاہ صاحب نے ایک ولدوز چیخ ماری اور فجر کے وقت تک ماسی رہا اور اوپر کے کام والا لڑکا جیوا ”گنگلی چیز“ کو دھونڈتے رہے۔ وریں اثناء شاہ صاحب قطعاً اپنا آسن پھوڑنے کو تیار نہیں تھے کیونکہ ان کے خیال میں کام چور ملازم اس ”چیز“ کو کمرے میں ہی چھوڑ دیں گے۔

آخر کار یہ پختگی برابر چھوٹی کا پونگا کسی کونے سے برآمد کیا گیا اور جان خلا بھی ہوئی۔ دو ایک دن کے بعد ایک شام حسین شاہ اچھلنے کودتے کمرے سے برآمد ہوئے وہاں کوئی لمبے ہاتھ والی نرم چیز تھی۔

”کیا چیز شاہ صاحب!“

”ٹٹ آپ کما ہے نالین چیزوں کے نام نہیں پوچھتے۔ حسٹ فائنڈ اٹ۔“

اور پھر گنگی کھٹے سر چھینڈ کل آیریشن چاری رہا اور

ایک تھی سی جو میا پکڑی تھی اس کی موچھوں کو دیکھ کر حسین شاہ مطمئن ہو گئے کہ یہ لمبے ہاتھ والی نرم نرم چیز ہے۔

بس اب تو زندگی کا یہی طور تھا۔ چونچ والی چیزیں والی پھنساؤں ہوتی چیزیں گنگے والی چیزیں وہ غیر وہ غیر۔ یہ تمام چیزیں ایک آدھ دن چھوڑ کر تاجانے کہاں سے حسین شاہ کے کمرے میں گھس آئی تھیں اور پھر کھنٹوں وہ صوفے کی پشت پر چڑھے لمبے لمبے بھاشن دیتے تھے۔

”یہاں ہو گئی اونہ اور حرف کھو۔ لرے اور حرف دیکھا ہی نہیں۔“

بشری بالکل بچ کر رہ گئی۔ دن رات کا آرام کھانا پینا سب لفظ ہوا۔ زائدہ سے ڈر گیا تو ایک دم اور ان سے دوراں ہو گئیں اور کمرے میں گلیشیری کی سروی لاکر بولیں۔

”سواٹ! ایک چھوٹا سا نوپیا ہے۔ پلیز ٹریس۔ اب اتنا ہو نہیں۔ اتنے ڈیشننگ آدمی کی بیوی بن کر دل خراب ہو گیا ہے تمہارا۔“

داوی من کر غرا گئیں۔ ”بھئی نا شکری نہ کر رہی پوری لائن بیٹھی ہے چیرے چھینے والی۔ حروار ہو کر اس کی۔“

شکو کی نہیں ہی نہیں کرک رہی تھی اور بقی کے سر سے مارے لگے کے دوہ کے بلٹو ہے چاڑھے اور سارا دوہ بڑی دھت کی پھیل میں جذب ہو گیا۔

بشری سڑ سڑ روٹی جا رہی تھی اور ٹٹش کا بھانجا اپنی موٹر سائیکل پر دھلے کو اڑا جا رہا تھا۔ اس کو نے سنا تو بڑی دردمندی سے بچی کو سمجھایا۔ ”ان لوگوں کے لیے طلاق اور شادی کوئی مسئلہ نہیں۔ کچھ ہی مصیبتیں یاد کر اور آج کی تکلیف کا سوچ۔“

کس پر بشری کو سڑیوں کی وہ صہیں یاد نہیں، جب دو سروں کا ہڈیٹا ان ڈیے رنگین بنانے کے لیے وہ کیسے اپنی انگلیاں ڈگار کرتی تھی اور اب وہ مزے سے پانچ سو کاٹون کارڈ گئے شکوؤں میں اڑا رہا کرتی تھی۔ پس فوراً ”تاب ہوئی اور گھر لوٹ آئی۔ حسین شاہ نے دن تو نارمل رہے پھر وہی مختلف النوع کی مخلوقات کا زبول شروع ہو گیا۔

بشری نے دیکھا کہ حسین شاہ کے گھروالوں کو ان سے کچھ غرض نہ تھی بلکہ وہاں تو کسی کو کسی سے غرض نہیں۔ سب تمنا تھے اسکے۔ یہ ان کا خاندانی وصف تھا۔ ہر شخص اپنی بات کرتا تھا۔ اپنے بارے میں سوچتا تھا اور اپنی ذات میں محصور تھا۔ حسین شاہ بھی ایسے ہی ضرورت تھے سوائے اس وقت کے جب ان کے کمرے میں کچھ گھس آتا تھا۔

ماسی ہاں کا کھانا تھا کہ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ حسین شاہ نارمل تھے اور بچنے دن وہ مہلے رہتی تھی اتنے دن وہ بالکل ٹھیک رہتے تھے پھر یہ کیا تھا۔ اس کو ستانے کا کوئی انداز کوئی نفسیاتی گریہ یا گلہ نہ تھا۔ ساری کاڑھٹ کا نام لے کر بشری کو زائدہ کے ہاتھوں اپنی درگت بناوا منظور نہیں تھا۔ ذہنی دباؤ بڑھتا گیا۔

”اٹھو جاگو۔ دیکھو یہاں کوئی چیز ہے۔“ تار کی میں ایک لرزتی ہوئی آواز اس کے کالوں سے لگرائی۔

”کس چیز پر؟“

”ہوئی رہنے والی بیچوں والی چیز۔“

”ہی۔ جب شاہ صاحب سائیں مست۔“

”ہیوں؟“ حسین شاہ کی آواز میں خوف کی جگہ تشویش در آئی۔

”مغور سے سٹیں۔“ بشری کی آواز میں خوف تھا۔ اسے کچھ شائی رہے رہا تھا۔ کسی چیز کے رینگنے کی آواز نہیں کی کڑچ کڑچ ایک لیلیا پائی ہوئی پیسہ پر کسی حشرے کے پھینکے اور اس کے خارجی استخوان کے ٹوٹنے کی کڑکڑاہٹ سب شائی رہے رہا تھا۔ خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور سارے بدن پسینے میں نہا گیا۔ یہ سچے اور یہ بھوکی بھید اور یہ کچھ گھنگلی بھار آکھیں نہیں اس کمرے میں۔ ایک بو ہوئی ان چاہی موجودگی۔ اپنی غرض کو شکار دھوڑتی ہوئی ایک مخلوق کی موجودگی۔

خوف کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ خدشات کی کوئی تھا نہ تھی۔ اپنے ذہنی گھر کے اندر اپنے کمرے کے بند

دروازوں کے پیچھے وہ محفوظ نہیں تھی۔ پشت دیوار سے غرض بھاری دروازے سب بے کار تھے۔ ایک رینگنے والی حقیر چیز کے آگے بے پس جو کسی بھی وقت بغیر بتائے اس کے کمرے میں گھس سکتی تھی اور کھسکی ہوئی تھی اور اگر اس کے ذمہ اختیار میں ہوتا تو وہ اسے بھی اپنی بقی سی کچھ نران سے بچا کر چٹ کر جاتی اور کیا ایسا ممکن نہیں تھا۔ بل از مارٹن اس کے آپلوپ سب کرتے رہے تھے اور جب ہم اپنے آباد کے محیر العقول واقعات سے نشاۃ ثانیہ کی نوید دیتے ہیں تو کیا چوپکیوں کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں۔ Period

Going back to Jurassic

یہ سب اس نے انشاء کر دیا۔ حرف۔ حرف حسین شاہ سے کہہ دیا۔

”ہاں بھئی! بالکل درست۔ یہی خوف مجھے بھی ہے۔ محکات کی تو کوئی حد ہی نہیں۔“ اب ان کی آواز میں اطمینان تھا۔ سکون، وہ سائڈ ٹیبل یا صوفے پر چرھنے کی بجائے بستری پر بیٹھے تھے۔

”وہ عود میں اسے پلیز شاہ صاحب۔“

حسین شاہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر چپ ہو گئے۔ شاید اپنے سابقہ سر چروگر امپاء آگئے۔

”اسٹوڈنٹ۔“ وہ کھنکھارے اور ڈراپت آواز میں بولے۔ ”ہم ہوں اور وہ تھا۔ خود ہی بھاگ جائے گی۔“

”lets sleep“

”ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔“ بشری بھی استھار سس کے بعد کچھ منظم تھی پھر ان پر عمل در معقولات کرنے والی مخلوقات کی بد میزوں پر بصر سے کرتے کرتے وہ دونوں تاجانے کب سو گئے اور بچوں والی چیز رہ گئی ہوئی نہیں اور چلی گئی اور اسٹڈی میں ”مور غویاڈ“ کی جلد کے اوپر ”آئیے وہم کا علاج کریں“ لکھی تھی۔



عہدہ بھجاری

گھر کی دلچسپی

شہر میں رہنے کے باوجود مایا مشکل ہو جاتا ہے۔
 ”یہ ہمارا کبھی نہیں آئی۔ جو ہمیں ایک بار پھر
 قریب لے آئی ہے۔“ شفق نے اک جذبہ کے عالم
 میں کہا تھا۔
 ”تو اور کیا ایک سال ہونے والا ہے ہمیں نے
 ہوسے ورنہ کمال اوہ وقت تھا۔ ہم دن میں دو تین بار

شادی کی ڈیسٹ فکس ہوتے ہی اس نے سب
 سے پلٹا فون لکھی کو کیا تھا۔
 ”ہست مبارک ہو بھئی۔ اب تو تم بھی میرے شہر
 آجاؤ گی اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہم جو ہر ٹاؤن میں
 اور میں ٹاؤن شپ میں چلی بالکل قریب قریب ورنہ
 لاہور جیسا شہر اتنا پھیلا ہوا جیسے شیطان کی آنت ایک

مکھن ٹاؤن



digest.com



society.com

کرتے تھے۔ ”آجھی نے بھی آدھ گز گز سے وقت کو یاد کیا۔“

”آجھی! میں سوچتی ہوں کہ میں مجھے بھی شادی کے بعد تمہارے جیسی سسرالی اور شوہر نہ مل جائیں جو میکے آنے ہی نہ دیں اب وہ بھونٹا شادی کا تمہارا یہ پیرا سال ہے۔ پکے دو سال تو میکے آئی رہیں مگر اب وہ اپنا اصل روپ دکھانے لگے ہیں تمہیں۔ میکے پیچھے ہی نہیں۔“

”بس شوہر تو ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن میرے ساتھ اس سال کچھ مجھوڑیاں بھی رہیں۔ پکے سات بہت بہار رہیں پھر ان کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے اظہر بہت آپ سوٹ رہے تھے بھی داری کی مٹی محسوس کرتے تھے۔ بڑی مشکل سے دوبارہ سے سب معمول پر آیا۔ اب تو میری حالت ہی دوسری ہے۔ ڈاکٹر نے سفر سے منع کر رکھا ہے۔“

”کیا؟“ وہ زور سے چلائی۔ ”ڈاکٹر نے تمہیں سفر سے منع کر رکھا ہے یعنی تم میری شادی پر نہیں آسکو گی؟“

”نہیں شفیق! مگر تم ادا اس نہ ہو میں آدھرا ہور میں تو تمہارے دلیر کے فنکشن کو انڈیز کر لوں گی۔“

”تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ تمہارے ساتھ ایسی پرائیلم تھی تو میں ڈیٹ آگے بڑھوا لیتی مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم مجھے بتاؤ۔ کب تک فارغ ہو جاؤ گی۔ میں آجھی سے بات کرتی ہوں۔ تم میری شادی میں شریک نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے آجھی!“

”پاگل منہ ہو شفیق! آجھی اتنی سی بات پر بھی ڈیٹ تبدیل نہیں کریں گی۔“

”میں خدا کروں گی بھلا تمہارے بغیر خاک مزو آئے گا آجھی میری سب سے بہترین دوست ہی شادی میں شریک نہ ہو لیا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”میں تمہاری محبت کو سمجھتی ہوں، شفیق! مگر تم بہت ہیں۔ اصل میں ابھی عملی زندگی میں قدم نہیں رکھا۔ اس لیے ایسی نراکتوں کو نہیں سمجھ رہی تھی۔“

”بھی تمہاری شادی انڈیز نہ کر سکنے کا افسوس ہے مگر تو رتی ہوں۔ دلیر کے فنکشن میں بھر پور شرکت کروں گی۔“

”دلیر کے فنکشن میں بھر پور شرکت کا ہنسا ہوا سوال! نہ مایوں نہ مندی! نہ ہی بار بار تمہاری رونقوں انہی دنوں میں ہوتی ہے اور وہ آخری دن تو بس سیر کھانا کھاتے ہیں اور اپنی اپنی رٹ لیتے ہیں۔ بس میں کچھ نہیں جانتی آجھی سے بات تو ضرور کروں گی۔“

”جس وقت وہ اپنی والدہ کے کمرے میں آئی۔ بھابھی بھی نہیں موجود تھیں اور آجھی سے کسی بات پر مشورہ چاہ رہی تھیں۔“

”آجھی! پہلے میری بات تو سن لیں۔“
”کتنی یاد کما ہے شفیق! جب بڑے بات کر رہے ہوں۔ درمیان میں مت بولا کرو۔ اب تو تمہاری شادی ہونے والی ہے ان پھولی پھولی باتوں کا خود خیال کیا کرو۔“ آجھی نے اچھا خاصا ڈانٹ دیا۔

”میری تو میں کہنے والی ہوں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔ آپ ڈیٹ اپنے بھوڑیوں پر لگائیں۔“
”ہیں ہائیں! دباؤ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا۔“
”ای تو اپنی جگہ سے اٹھیں ہی پڑیں مارے حیرت کے بھائی کا منہ بھی کھل گیا۔“

”وہ آجھی میں نے آجھی کو فون کیا تھا۔ ان دنوں ڈاکٹر نے اسے سفر سے منع کیا ہے۔ وہ شریک نہیں ہو سکے گی۔ میری اتنی پیاری اکلوتی دوست اس کے بغیر میں شادی کروالوں۔ ایسی بے وفائیں ہوں۔“

”دیکھو ذرا اس لڑکی دینا نہیں کب اسے عشق آئے گی۔ اسے یہ کہاں لکھا ہے کہ سبھی شامل نہ ہو تو لگاؤ نہیں ہو سکتا۔“

”بس آجھی! میں نے کہہ دیا ہے۔ جب تک آجھی کو سفر کی اجازت نہیں مل جاتی۔ میں شادی نہیں کروں گی۔“ بڑے آرام سے فیصلہ سنایا تھا۔

”یہ بات کرو ذرا اپنے لیا اور بھائی کے سامنے آجھی طرں بتائیں گے وہ تمہیں بغضب خدا کا سارے

خانہ ان میں بات پھیل چکی اور ہڑکے کے بھائی نے شادی میں شرکت کے لیے وہ بھی اپنے آفس میں چھٹی کی درخواست بھی دے دی اور آدھرا دلہن صاحبہ اس لیے ڈیٹ تبدیل کروانا چاہ رہی ہیں کہ وہ آجھی صاحبہ تشریف نہیں لاسکتیں۔“

”آپ کو تو شہر سے ہی میری دوست سخت پاپند ہے۔“

”اس میں پسند کرنے والی بات ہی کون سی ہے؟“
”بھائی نے ٹاک چڑھا کر اپنی پاپندگی کا بھی اظہار کیا۔“
”ہاں آپ کی اور آجھی کی رائے ہمیشہ اس کے لیے ایسی ہی رہی ہے اور کیوں نہ ہو آخر آپ آجھی کی چھٹی ہو ہو میں اور وہ بھائی وہ بھی آپ دونوں کی ہی سکتی ہیں۔ اکلوتی! بس کو کبھی کسی قابل نہیں سمجھا۔“

وہ رویا سی ہو رہی تھی اور اس کی باتیں اپنی کا پارہ مزید چڑھا رہی تھیں۔

”سنو! منو ذرا اس کی باتیں۔ کل کو شادی ہونا ہے آجھی کی اور بھائی اپنی منگی ہانسنے کے یہ ہم سب کو غلط قرار دے رہی ہے۔ پتا تو ہے تمہاری اساتذہ نے کیا کہوں۔ ہم شادی کی ڈیٹ کس لیے آگے بڑھا رہے ہیں۔ تمہارے لبا اور بھائی سے کیا کہوں۔ رشتہ داروں سے کون سا پہنچا رہاؤں اور آجھی کم بخت! شکر کیا تھا چار سال پہلے جب اس کی شادی ہوئی تھی کہ چلو اب تمہارے سر سے اس کا بھوت اتر جائے گا۔ کیا معلوم تھا تمہارا لیاہ بھی ایسی شہر ہو جائے گا۔“

”آپ دونوں کو ہمیشہ اس ہے چاری سے خدا واسطے کا پیر رہا ہے حالانکہ وہ میرے ساتھ کتنی نکلے ہے اور بھیا کی شادی پر اس نے ہم سب کا ہاتھ ساتھ دیا تھا۔ کتنی رونق لگائی تھی۔ باجی کو تو ان دنوں بخار آ رہا تھا۔ بستر سے اٹھنا تک محال تھا۔ یہ آجھی ہی تھی جو میرے ساتھ ساتھ تھی۔“

اس کی بات پر بھائی کو بھی وہ سب یاد آ رہا تھا جو وہ بھولی تھی نہیں تھیں۔ آجھی کے چھٹے انہی مذاق باب سے جس سے بڑھی ہوئی سب تکلفی اور خود دلہن ہی بھالی پر نظر ہر بے ضرورت سے اعتراضات بھالی کو شادی

کے دوسرے روز ہی اس لڑکی سے بے زاری ہونے لگی تھی جو سننے میں آ رہا تھا۔ ایک ہفتے سے آدھرا بڑا ڈالے ہوئے تھی اور اس کی پھولی مند شفیق کی تو گویا اس میں جان تھی۔ ہاں اپنی پھولی شفیق ساس اور بڑی مند کی آنکھوں میں انہیں آجھی کے لیے محبت یا اپن حیرت کا کوئی رنگ دکھائی نہیں دیا۔ بڑی مند تو شادی کے چوتھے روز اپنے گھر اسلام آباد چلی گئی اب گھر میں شفیق، پھوسو اور پھوسا جان ہوتے تھے یا پھر یہ دونوں سے بولے تو ولما دلہن تھے اور وہ دیکھ رہی تھی آجھی صرف شفیق کی ہی دوست نہیں اس کے میاں وہاب سے بھی بہت بے تکلف ہے اور وہاب بھی اس کے رکھ رکھاؤ اور ذہانت کے معترف ہیں وہ اکثر آرام کو مشورہ دیتی۔

”ارے بھابھی! آپ نے اس سوٹ کے ساتھ وہ پریل کا سیٹ پہننا تھا ناں۔ کجی اتنا خوب صورت لگتا ہے۔“

”آپ یہ نہیں وہ والی ساڑھی پہننے دیکھنے گا میاں آجھی شفیق تشریف کریں گے پھر آپ میرا شکریہ ادا کرنا نہ بھولیے گا۔“

اور یہ سارے مشورے وہ وہاب کی موجودگی میں دیتی اور آرام کو غصہ اس پر آتا کہ وہاب بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے تھے۔

ارم نے محسوس کیا کہ اسے خود کو نمایاں کرنے اور دو سروں کو کم تر ثابت کرنے میں مزو آتا ہے شادی پر شفیق نے جتنے بھی کپڑے پہنائے تھے وہ سب آجھی کے

مشوروں اور اس کی پسند سے عوڈائے گئے تھے میری میں بھی مرضی اس کی چلتی جو ارم کی بڑی مند اور دوست صاحبہ ساری تیاری پنڈی اسلام آباد سے نہ کر لیتیں۔ صاحبہ اور ارم ہم عمر تھیں پھر آپس میں رشتہ داری بھی تھی تو ایک دوسرے کے ہاں پہلے سے آنے جانے کی وجہ سے وہ ارم کی پسند سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسی لیے بڑی اس نے بھولی تھی۔

آجھی شفیق سے پورے چھ سال بڑی تقریباً ارم ہی کی ہم عمر تھی اور ارم کو ان دنوں کی دوستی پر حیرت تھی

اور اس کا اظہار اس نے پچھو کے سامنے بھی کر دیا۔

”میرے یہ شفق ہے ہی ہے وقف۔ تمہیں یہ پتہ ہی ہے۔ صاف تھی شادی ہم نے بہت جلدی کر دی تھی۔ شفق چھوٹی تھی۔ بہن کی گئی بہت محسوس کرتی تھی یہ کسی لوگ انہی دنوں ہمارے محلے میں شفقت ہوئے تھے۔ بھائی کوئی نہیں۔ یہ پانچ بہنیں ہیں۔ شفق پہلے تو اس کے سب سے چھوٹی بہن کی دوست بنی تھی۔ وہ شفق کے ہی اسکول میں پڑھتی تھی۔ اسی کے لیے یہ ان دنوں کے گھر جاتی تھی اور پتہ نہیں پھر کس طرح اس کی دوستی انہی سے ہو گئی اور یہ دوستی اتنی بڑھی کہ اب شفق اس کی فضول کی محبت پر بے زاری ہونے لگی تھی۔ یہ میں تو اس لیے ان کے ہاں جانے سے منع نہیں کرتی تھی کہ گھر میں کوئی لڑکا تو ہے نہیں۔ لڑکیوں والا گھر ہے گھر گھر میں اس کا جی نہیں لگتا تو اصرار جلی پانی ہے گھر پتہ نہیں تھا یہ تو انہی کو جان کا روگ بنا لے گی۔ دن میں کئی کئی چکر اس کے گھر کے لگتے ہیں اور وہ بھی نہ دن دیکھتی ہے نہ رات جب کسی چاہتا ہے اور اٹھانے چلی آتی ہے اب وہاں سے گھر کر شفق پر زمین نے کچھ سختی کروائی ہے کہ ان کے گھر کا انہوں نے پہلے کا سامنا نہیں رہا۔ بہن نے ہی آئی اے میں بہن جو سٹس کی چاہ کرنا ہے۔ دوسری کسی آفس میں لگتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بہت ماؤرن اٹھائی دیتے لگتی ہیں۔ یہ انہی پہلے یا کل ساہی ہوئی تھی گھر ہونوں ہی دیکھا تو ابھی اس کے بھی رنگ بڑھ گیا۔

”میں رہتے ہیں اور شفق اس کا بہت اثر لیتی ہے اس لیے اب میں کچھ اور ہی گئی ہوں۔“

اور آنے والے دنوں میں ارم نے دیکھا۔ پچھو کا ہر بے جا نہیں انہی واقف ہی بڑی آزاد سی لڑکی تھی اور شفق کو اپنے ساتھ ساتھ رنگے رکھتی تھی۔ ہاں ارم نے جو رویہ اس کے ساتھ اپنایا۔ اس کے بعد اس نے ارم کے ساتھ زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی۔

ارم کی شادی کے دو ماہ بعد ہی انہی کی دوسری شادی ہوئی۔ بہن کی بھی اچانک شادی گھمسنی اور شفق نے گھر کے کام تو کروائے بازاروں کے بھی اس کے ساتھ خوب چکر لگایاں تک کہ منہدی کے روز اسے چھوٹی سے بخار ہو گیا مگر انہی پھر بھی اسے اپنے ساتھ چھین کر لے گئی۔

پھر ارم کی شادی کے ایک سال بعد جب انہی کی بات لے کر گھر گئی تو ارم نے پچھو کو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب شفق کی عقل بالکل سلب ہو چکی تھی اور صرف انہی کے اشاروں پر ہی چلا کرتی تھی۔ شادی میں شفق نے کیم بھی خوب کیا اور بار بار اس کے گلے لگ کے روئی بھی بہت اور جب انہی کے دو ماہ کو شادی کے روز دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ کتنا سچیدہ سا ہے۔ انہی بے چاری کیسے گزارہ کرے گی، سب لوگ اس کے دو ماہ کو سراہ رہے تھے۔ کچھ تو زبان میں کہہ رہے تھے۔

”انہی ایسے اچھے لڑکے کے قابل نہیں۔“ لیکن شفق دوسرے انداز میں سوچتی اور کہتی رہتی۔

اور شادی کے تیسرے روز جب شفق اس کی جدائی میں رو کر پاگل ہو رہی تھی وہ اتنی مسکراتی غوشیوں میں جی اپنے دو ماہ کے ساتھ میکے آئی تھی۔ شفق کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو اڑ کر اس کے گھر پہنچی اور بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

”ہاے شفق! کیا حال بنا لیا ہے میرے بغیر۔“ انہی ہنسی بھرائے میاں سے بولی۔

”کیسی وہ شفق ہے جس کے بارے میں میں نے بتایا تھا میں میری محبت میں یا گل ہے۔“

”اچھا اچھا! اس کے میاں نے دلچسپی سے دیکھا اور پھر بولا۔

”یہ بہت چھوٹی سی معصوم سی لڑکی ہے۔“

پتہ نہیں کیوں انہی کو بیاری سمیٹنے کے بارے میں میاں کی رائے کچھ پسند نہیں آئی بولی۔

”نہیں اتنی بھی چھوٹی نہیں۔ بس قدر میں مجھ سے

چھوٹی ہے اور کچھ ہے یہ احمق سی اسی لیے ایسی لگتی ہے۔“

شفق نے انہی کی بات پر کچھ زیادہ غور نہیں کیا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ چاہ رہی تھی جلد کے زور سے اس کے میاں کو تو کہیں غائب کر دے پھر وہ ہو اور انہی ہو اور وہ اسے بتائے کہ اس کے بغیر یہ تین دن شفق نے کیسے گزارے ہیں۔ مگر انہی کہہ رہی تھی۔

”شفق! اس وقت تم اپنے گھر جاؤ۔ میں خود تم سے ملنے آ جاؤں گی۔“

”ہاں ابھی یہ دونوں ذرا گھومتے پھرتے جا رہے تھے۔ انہی اظہار بھائی کو اپنا شہر بھی دکھانا چاہتی ہے نا۔“ انہی کی چھوٹی بہن نے بتایا۔

”میں بھی چلوں گا۔“ وہ پرجوش ہوئی کہ انہی اس کے بغیر کہاں جانا کرتی تھی۔

”نہیں۔ وہ میں اظہار کے ساتھ جا رہی ہوں نا۔ سمجھا کرو۔“ اس نے میاں کو دیکھا ہی پھر شفق کے کان کے قریب کھنک کر بولی۔

”میں ان کی شہاری طرف بہت ہی باتیں بتاتا ہوں۔ بے چین ہوں تم سے ملنے کو۔ ابھی تم جاؤ۔“

اس کے انداز پر شفق مسکراتی آگ نظر سا محسوس ہوا اکلوتی سہیلی پر ہات مجھ سے ہی تو شہر کر کے گی اور گھر آ گی۔

”بڑی جلدی واپسی ہو گئی؟“ ارم سامنے ہی بیٹھی بیٹھن میں دیکھ رہی تھی اتنی جلدی اس کی واپسی پر حیرت ہوئی۔

”انہی اپنے میاں کے ساتھ نہیں جا رہی تھی کہہ رہی تھی شام کو آؤں گی تمہاری طرف بہت سی باتیں بھی بتاتی ہیں۔“ شفق نے انہی کے انداز میں ہی بھائی کے سامنے زہر کر انہیں چونکا دیا۔ شفق ان دنوں گھر سے باہر نہیں تھی۔ معصوم ساہی لڑکی جو انہی کی آنکھوں سے دیکھتی اس کے داغ سے سوچتی آئی تھی مگر اب انہی یہ بتاتا تھی جی دامن جس نے اپنے بچپن مزے

لے کر کسی سے بیان کرنے تھے۔ وہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔“ ارم نے سوچا اور ایک لمحے میں فیصلہ بھی کر لیا۔

پھر جب انہی ان کے ہاں آئی تو اس نے دونوں کو اسیے بیٹھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس پر دونوں ہی برسر ہو رہی تھیں یہاں تک کہ جب انہی نے شفق سے کہا۔

”او تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔“ تب بھی ارم ان کے ساتھ کمرے میں چلی آئی بد مزہ سی ہو کر انہی جلد ہی اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کھانے پر روک لیتیں۔“ اس کے جانے کے بعد پچھو نے کہا تھا۔

تب اس نے آہستہ آہستہ سب کچھ پچھو کے سامنے کہہ ڈالا واقف۔ انہی سے ایسی نراکتوں کے احساس کا خیال ہی فضول تھا۔ ارم نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔

”اب وہ آئے گی تو آپ اسے صاف لفظوں میں سمجھا دیتے ہیں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا! میں ضرور اس سے بات کر لوں گی۔“

پھر دوبارہ انہی ان کے ہاں جب آئی تب شفق کے بے حد اصرار پر ارم کو اس کے میاں کو کھانے پر بلانا پڑا۔ میاں کے سامنے وہ پتھر پتھر سے بولنے والی بڑھ بڑھ کر مشورے دیتے والی انہی خاص سی سمجھل کر بیٹھی رہی۔ اگلے روز ہی ان کی واپسی ہو گئی اور شفق نے ایک بار پھر اسے آنسوؤں کی دھند میں رکھت لیا۔

اس کے بعد انہی شادی کے تین ماہ بعد آئی اور دوسرے جی سے تھی اور حال سے بے حال ہو رہی تھی۔ اس کا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ان دنوں ارم کا چھوٹا بھائی ہوا تو اس نے شفق کو اپنے پاس اسلام آباد بلوا لیا کہ چھوٹے سے پیار بچے کے ساتھ گھر بار دیکھنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

گزرے تین سالوں میں وہ بہت کم رابطے میں رہیں مگر شفق ان لوگوں میں سے تھی جو محبت کرتے ہیں تو آخری سانس تک بھلاتے ہیں۔ وہ بھی ابھی انھی کو بھلا نہیں سکی اور شہزیادہ کا رشتہ آنے پر جب اسے پتہ چلا یہ لوگ لاہور سے آئے ہیں تو وہ چونک گئی اور پھر اس نے اس رشتے کے حق میں کتنی ہی دعائیں گڑوائیں صرف اس لیے کہ یہ رشتہ پہلی کھلی کے شہر سے آیا تھا وہ اسی شہر چلی جاتی تو ایک بار پھر ملنے کی امید پیدا ہو جاتی۔

ابھی ابھی انھیں از مرصالی سب ہی کو یہ رشتہ پست آتا تھا۔ مختصر فیملی تھی۔ شہزیادہ اس کی والدہ اور بڑا بھائی جو سعودیہ میں منعم تھا پھر شہزیادہ کی صاحب بھی اچھی تھی اور بھیا جاتے تھے وہ ہنس کھد اور خوش اخلاق لڑکا ہے۔

”ہماری شفق ابھی لاہوری مزاج کی ہانک ہے۔ اس کے لیے ایسا ہی شوہر مناسب رہے گا جو خوش مزاج اور باتوں کو نظر انداز کر دے تو اسے مزاج کا مالک ہو۔“

”مجھے تو شہزیادہ کی والدہ بہت اچھی لگی ہیں۔ نرم لہجے میں بات کرتی ہیں۔ پر بھی لکھی اور روشن خیال ہیں۔“ یہ رائے ارم نے دی تھی۔

”ہاں واقعی سے حد معقول خاتون ہیں۔“ امی ہو کے خیالات سے شفق تھیں وہ چپ چاپ سب سے جاتی۔

پھر لڑیا دن نہیں گزرے رشتے کے لیے ہاں کر دی گئی۔ اس نے سب سے پہلے ابھی کو فون کیا اور کچھ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ فون اظہر نے اٹھایا۔

”مجھے ابھی سے بات کرنا ہے۔“ سلام دعا کے بعد اس نے کہا تھا۔

”ابھی آپ کا مطلب اٹھم صاحب! بڑی سنجیدگی سے وضاحت چاہی گئی۔“

”اف کتنی بدکھی پھینکی بات کرتا ہے یہ شخص جانا لنگہ میں نے بتایا بھی ہے شفق بہت کر رہی ہوں۔“

”تھپتا جانتا ہے شفق ان کی جیکم اٹھم صاحبہ کی قریبی دوست ہے مگر مجال سے جو حال احوال ہی پوچھ لیں۔“

”ابھی لائن پر آچکی تھی۔ اس نے جوش کے عالم میں

تازہ خبر سنائی ساتھ ہی اس کے میاں کی شکایت بھی لگی۔

”ارے یہ شوہر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اب تو تم خود خیر سے منعم بنے جا رہی ہو لنگہ پتہ جائے گا۔“

”اللہ نہ کرے جو وہ ایسے روکے سڑے مزاج کے مالک ہوں۔“

”بس شفقو! یہ تو مقدروں کے کھیل ہیں ورنہ تمہیں پتہ ہے۔ میں کتنی زندہ دل ہوں۔ ہنسو اور میرے پاس کی شوخیاں ہوا کرتی تھی جب تک سارے بازار کاراؤنڈ نہ لگا لوں۔ یا لوں کا کھپ تک نہیں خریدتی تھی اب یہ حال ہے۔ ایک اسٹور پر لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور آرڈر ہوتا ہے۔ اوسے گھنٹے میں شاپنگ مکمل کر کے آؤ۔ میں اوسے پیچھے کے پاس گاڑی میں بیٹھا ہوں۔“

”ہائے پھر تم کیا کرتی ہو؟“ اسے بھی ابھی کی عادت کا پتہ تھا۔ اس کلیم پر پریشان ہو کر چلا آئی۔

”بات ہی بڑی ہے۔“ ابھی نے تو بھری۔

”تمہی فرمانبردار ہو گئی ہو۔“

”ارے نہیں تھی۔ اب ایسی ہی کوئی بات نہیں ان کے ساتھ تو مینے میں ایک بار ہی جانا ہوتا ہے۔ ویسے اگلی تو میں جتنے میں دس چکر بازار کے لگاتی ہوں۔ ابھی نے قہقہہ لگایا اس کی بھی جان میں جان آئی۔

”اٹھم! میں چائے کا انتظار کر رہا ہوں۔“ وہ اظہر کی آواز سیل پر بجولی من رہی تھی۔

”چائے ہی ہے نا کوئی دو تو میں کہ نامم آگے پیچھے ہو گیا تو جان کے لئے پر جا میں گے۔ بنا دیتی ہوں۔“

ابھی نے زمانے بھر کی بے زاری لہجے میں سمو کر میاں جی کو جواب دیا پھر لوں۔

”ابھی شفقو! جی تو نہیں چاہ رہا مگر یہ ازدواجی زندگی کے مسئلے۔ جب تک چائے نہیں جلتی سے اترے گی انہیں سکون کہاں آئے گا۔ بند کرتی ہوں پھر فرصت سے بات کریں گے۔“

”سے جاری ابھی یہ اظہر تو پہلے دن سے ہی سب کو اکھڑا اور خشک مزاج لگا تھا۔ شکر ہے بھائی تیار ہی ہیں۔“

شہزیادہ بہت خوش اخلاق ہے۔ مگر شہزیادہ کے بااخلاق ہونے کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنا اظہر کی بد اخلاقی پر رنج تھا۔ وہ رات جب تک سو نہیں گئی۔ ابھی کی دیرانہ کام ازدواجی زندگی کے بارے میں سوچتی رہی۔

اس کی بات کی ہوئی تو کچھ ہی دنوں کے بعد شادی کی ڈیٹ کا تقاضا بھی ہونے لگا۔ اصل میں شہزیادہ کی والدہ کو اپنے بڑے بیٹے کے پاس جانا تھا۔ ان کا ارادہ تھا ”یا“ چھ ماہ وہیں رہنے کا تھا اور جانے سے پہلے وہ شہزیادہ کا گھر سدا چاہتی تھیں۔

امی اب اسے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس روز وہ بھائی اور امی سے بڑھ کر اظہر کی بہت سی باتیں بڑی اپنائیت اور بے تکلفی سے کرتی رہیں۔ انہوں نے بھائی کو شہزیادہ کی پسندنا پسند کے بارے میں بتایا اور یہی کے لیے شفق کی رائے معلوم کرنا چاہی۔

”ابھی آپ جو بھی رہائیں گی۔ ہمیں پسند ہو گا۔“

امی نے ہنس دیا۔ ”وہ جانتی تھی شفق کو ان باتوں کا کچھ لگنا نہیں تھیں۔ پہلے ابھی کی رائے چلتی تھی۔ اب وہ حالی کے ساتھ جا کر انہی کے مشورے سے خریداری کیا کرتی تھی۔“

”اتنی بھی کیا جلدی ہے۔“ ان کے جانے کے بعد شفق کے اعتراض کیا۔

”تمہیں اپنے گھر جانا ہے مینا! جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے۔“

”اچھا تو پھر میں ریڈ کھر کا غرارہ بناؤں گی۔“ ہنسنے کے بعد شہزیادہ نے فرمائش کر دی۔

”ریڈ کھر شہزیادہ کو پسند نہیں ہے ابھی ابھی جانا کر گئی ہیں۔“ ارم نے بتایا۔

”میں ریڈ غرارہ ان کے لیے نہیں لےنے لیے بناوا رہی ہوں۔“ کندہ از اظہر نے دینے کا ساتھ ارم کو نہیں آئی جلد امی کچھ جڑ بڑی ہو کر اس کی ضرورت دیکھنے لگیں پھر بھائی سے بولیں۔

”سجھاؤ اسے اور یہ بات اچھی طرح اس کے دماغ میں ڈال دو۔ جو کچھ شہزیادہ کو پسند نہیں وہ جینز میں شامل نہیں ہو گا۔“

”اچھا اور جو صاحب فرما دیں مجھے شفق پسند نہیں تو کیا مجھے بھی کٹ کر دیا جائے گا۔“

”اور ہوا اتنی لڑکی اب اس گھر میں تھوڑے دن کی مہمان ہو۔ میں تمہیں سخت سناٹا نہیں چاہتی مگر تم ہو کہ برابر جینز پریشانی کر رہی ہو۔ عقل کے ناخن اب تمہیں ایک گھر سننا پڑتا ہے۔“

”ہاں تو سنبھال لوں گی۔ یہ کوئی مشکل تھوڑا ہی ہے۔ کون سا گھر سے اٹھا کر رکھتا ہے۔“ اس نے شانے اچکائے امی سر جھٹک کر کچھ میں کھینکیں۔

”پلیز بھائی! آپ کو پتہ ہے۔ مجھے ریڈ کھر اچھا لگتا ہے اور دائیں تو جتنی ہی ریڈ کھر میں ہے بس آپ امی کو سمجھا لیں۔“ خواہشیں مجھے ریڈ غرارہ۔

”شفق! اوسن اپنے دکھا کے لیے ہی سچی سنو رہی ہے نا۔ تو اگر وہ لہا کو ہی ریڈ کھر لے لے تو کیا فائدہ۔“

”کیوں نہ بھائے دیکھنے کا سنا اچھا لگے گا کچھ پر یہ کھر۔“

”مگر اسے یہ کھر پسند ہی نہیں ہے۔ ہاں ہی اسٹیج پر اس کی بات رد کر دو گی۔ وہ کیا سوچے گا۔“

”ہاں بس آپ تو چاہتی ہیں میں ساری عمر اس کے اشاروں پر ناچتی رہوں مگر یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ آخر میں بھی انسان ہوں میری اپنی بھی تو کوئی سوچ ہے۔ یوں ڈرا ذرا سی بات پر پابندی نہیں نہیں۔ مجھے ابھی نہیں پتا۔“

”یہ ابھی کا ذکر کہاں سے آ گیا اور کیا ہوا ہے تمہاری ابھی کے ساتھ۔ میں نے تو اسے شادی کے بعد خوش باش ہی دیکھا ہے۔“

”ہو نہ خوش باش اس سڑن پر مزاج کے ساتھ یہ تو حوصلہ ہے میری پیاری ابھی کا جو ماں باپ کی عزت کی خاطر سب کچھ چپ چاپ سے جا رہی ہے۔“ اس

نے تو بھری۔
 ”اچھا اچھا اگر انھی جیسی لڑکی خود کو بیل سکتی ہے
 اپنے گھر کو بچانے کے لیے شوہر کی مرضی کے مطابق
 ڈھل سکتی ہے تو پھر تم کیوں انکاری ہو رہی ہو؟“
 ”کیا مطلب ہے آپ کا انھی جیسی لڑکی! میری
 دوست کوئی ایسی نہیں ہے۔“

”ہاں ہاں سرخاں کے پر گئے ہیں اس کی دوستی میں۔
 تم بھی کس کے ساتھ سرخاں رہی ہو اور ہم اساری رہنا
 میں خرابی ہو سکتی ہے مگر انھی میں نہیں کچھ نہیں کیا
 گھول کر بنا دیا ہے اور میری بات کان گھول کر سن لو۔
 ایک شہر میں رہنے کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ شہر وقت
 بے وقت انھی کے گھر میں ٹھہری رہو یا اسے اپنے ہاں
 آنے کی دعوتیں دیتی رہو۔ اگر شہر یا اس کی والدہ نے
 مجھ سے اس سلسلے میں شکایت کی تو یاد رکھنا۔ میں بالکل
 لحاظ نہیں کروں گی تمہارا کھل کر ان کا ساتھ دوں گی۔“
 ”آپ ٹال بھی کیسے تب بھی مجھے پتہ ہے ساری
 دنیا کی باتیں بیٹیوں کی سائیڈنگی ہیں اور آپ۔۔۔ وہ سر
 ہٹک کر سو رہے گی۔“

”ارم! تمہیں اس کے ساتھ سر کھانے کی بالکل
 ضرورت نہیں بس جینز کے کپڑوں میں ایک بھی ریڈنگ
 کا جوڑا نہیں بیٹے گا۔ ہاں بعد میں میاں کو راضی کر کے
 چاہے بیسیوں بنائی رہے۔“
 انی یہ بات جاری کر کے پھر کچن میں چلی گئیں۔ وہ
 پیر چھتی اپنے کمرے میں آئی۔ ایک دو روز اس بات کا
 سوگ بنایا پھر عادت کے مطابق بھول گئی۔



اور جب شادی کی تاریخ رکھی گئی۔ سب سے پہلا
 فون انھی کو گیا۔ اس کا جواب سن کر سخت مایوسی ہوئی۔
 ”تم نے مجھے پہلے کہاں نہیں بتایا آج کل اس
 حالت میں ہو۔“
 ”پہلے کوئی میری بات نہیں تھی۔ یہ تو ابھی ڈاکٹر
 نے سفر سے منع کیا ہے۔“
 ”ہائے میرے اللہ! کیا کوئی نظرے کی بات ہے؟“

وہ تو دل گئی۔
 ”یہ تو میرے خطرے کے ہی تو ہوتے ہیں۔ اب تم
 خود شادی شدہ ہونے جا رہی ہو۔ جب اس کنڈیشن
 سے گزرو گی تب پتہ چلے گا۔“
 ”انھی میں نے تو سوچا تھا۔ تمہیں پہلے ہی آنے کا
 کون گئی۔ شادی ساری شاپنگ تمہاری پسند سے
 کروں گی تمہارے قسمت!“
 ”تو اور کیا مجھے بھی تمہاری شادی کا بڑا انتظار تھا مگر
 سب کچھ اپنے اختیار میں کب ہو کر رہا ہے۔“ انھی نے
 بھی اٹھ بھری۔

پھر اس کے جینز کی ساری تیاری اٹی اور بھالی بے کی
 اور میاں میں صاف لہنے بھی اسلام آباد سے ایک دو
 چکر لگائے اور ان کی عہدی۔ شوق کی رائے ان تینوں
 میں سے کسی کے لیے کچھ خاص معتبر نہ تھی اور یوں
 بھی وہ لباس کے معاملے میں ہمیشہ دو سروں کی پسند پر
 ہی اکتفا کرتی آئی تھی۔

شادی کی تقریب انھی کے بغیر کسی قدر چھٹی اور
 اور ہوری بھی یہ سب کچھ شوق ہی جانتی تھی۔ مندی کی
 شام بھی انھی کا فون آیا اور جب وہ دلچسپ بنی تو سر ہال
 کے خوب صورت باجول میں بیٹھی بھی تب بھی انھی
 نے اسے یاد کیا مگر انی نے خود ہی کل رتہ بیوی کی اور اسے
 بات بھی نہیں کرنے دی۔

بارت میں زیادہ لوگ نہیں تھے اور جب وہ ڈاکٹر
 اپنے گھر میں آئی تو یہاں بھی سکون کا احساس تھا۔ اس
 کا کمرہ بڑی ساونگی کے ساتھ سیٹ کیا گیا تھا۔

”تو بھلا لگتا ہے یہ ہی دلہن کا کمرہ ہے۔ کچھ تو چمک
 دکھ گولی بار بھول مگر کچھ بھی نہیں سجایا اسے بھاری
 پروے وزیر قانون کی شادی پر جو اس کی دلہن کے
 اپنے بچنے میں ہر لڑکے کی شادی پر جو اس کی دلہن کے
 لیے بگھادی چھوٹوں چمک دکھ والی ہنپوں سے ہو
 مہسری تیاری کی جاتی تھی وہ اسے بہت اچھی لگتی تھی۔
 تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی جب وہ دلہن بن کر سسرال
 میں اترے گی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔“

”نی چمک غرارہ سیٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی

ہے۔“ سب نے کہا تھا مگر اس سے ریڈ غرارہ نہ کچن
 کئے کا دکھ کم نہیں ہو سکا تھا۔ یہ تو انی کی وجہ سے میں
 اکتفا نہیں کر سکتی مگر اب پوچھوں گی شہر یا صاحب سے
 وہ دل میں تیرہ کر کے آئی تھی۔ مگر شہر یا اتنی پیاری
 بچہ والا اور اتنا اچھا ہو گا یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔ سب
 کی آنے کے بعد ایک دو بار فون پر بات تو ہوئی تھی مگر
 تب اس نے حال احوال پوچھا اور بس مگر یہ جو ریڈ تھا
 ان نے مشوں میں شوق کو امیر کر لیا تھا۔

”مج وہ سوتوں کا کام والا ڈیڈا سوٹ پہنے رہی مطمئن
 اور مسور بیٹھی چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔
 ”ناشتا بھی تو کرونا یہ اتنا کچھ تمہارے اعزاز میں ہی
 سجایا ہے ورنہ میں تو ناشتے میں ایک گھاس دوڑھ
 نکلا کس اور فرانی ایک لینے کا عادی ہوں۔“

”کیا آپ ایسا سڑا ہوا ناشتا کرتے ہیں اور پلیز اب
 مجھے مجبور نہ کیجئے گا کہ میں بھی ایسا ناشتا کروں۔“
 ”نہیں بھئی میں بیگم صاحبہ کو بھلا کس طرح مجبور
 کر سکتا ہوں۔ آپ کا جوئی چاہے ناشتے میں لیں۔ حکم
 ہے کہ ان کی تو ایک دن بازار سے حلوہ پوریں اور سب سے دن
 کان بھولے تیسرے دن شادی پر آجھا چھتے دن سری
 پائے پانچویں دن۔“

”بس بس رہے دس۔ یہ آپ شوہر حضرات صرف
 باتیں ہی کرتے ہیں ورنہ اپنی مرضی کے بغیر بیوی کا
 سانس بھی لینا پسند نہیں کرتے۔“

”اور میرے خدا! کس قدر غلط فہمیاں پال رکھی ہیں
 دل میں کس قسم کے شوہر حضرات کو دیکھتی رہی ہو اور
 کہاں کہیں ایسی تیویاں جن کی ساتوں کی آمد و رفت پر
 بھی پابندی تھی۔“

”اب آپ اپنی مثال ہی لیجئے۔“ شیکھی نظروں
 سے شہر یا کو دیکھا تو اچھل پڑا۔

”میری مثال ایک رات کی دلہن اور یہ کیا کہ رہی
 ہے۔“

”مجھے کتنا شوق تھا۔ شادی کے روز ریڈ غرارہ پہنوں
 مگر آپ نے پابندی لگا دی۔“

”ابو! اس نے ہونٹ سکڑے۔“

”بہت زور دیا میں نے خرابی اور بھالی نہیں ہائیں۔
 کہنے لگیں۔ جب شہر یا کو یہ کلر پسند نہیں تو پھر تم
 کیوں بیٹو کی یعنی کہ یہی مطلب ہوا ان کہ اب میری
 پسند ناپسند ختم ہو چکی ہے جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی
 ہو گا۔“

”اوہ بھلا مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ ریڈ آپ کا
 فیورٹ کلر ہے اصل میں بچپن میں چاچوں نے اسے
 اسی کلر کو پہنے عجب سا میک اپ کیے دلہن بنے نہ۔
 ناک صورت جال میں دکھائے۔ وہ صورتیں میرے
 ذہن پر نقش ہو چکی ہیں، نہیں چاہتا تھا کہ میری بیوی
 بھی ایسی سلسلے کی ایک کڑی بن جائے۔ بار! دنیا میں
 اتنے خوب صورت گھر ہیں پھر یہ چیخا چلا تا مگر ہی کیوں؟
 اب کل تمہاری پنک پہنے اتنی خوب صورت لگ رہی
 تھیں کہ نظرس ہٹانا مشکل تھا۔ ہر بندہ تمہیں سزا دیا
 تھا اور میں خود کو خوش نصیب تصور کر رہا تھا کہ تم میری
 شریک حیات بنو گی تھیں۔“ شہر یا نے کچھ یوں
 سرایا کہ وہ اپنا لگا اور دکھ بھول ہی گئی۔

”مجھے لگتا ہے ابھی تک بچپن بہت ہے تم میں۔“
 جب وہ اس موضوع کو بھول کر اور جھوس لینے کی
 تیاری کر رہی تھی شہر یا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

”ہاں تو انہاں کے آنگن سے اٹھ کر ادھر آئی ہوں نہ
 لی اسے کے پیر سے کر ابھی کمر سیدھی کرنے کا اور وہ
 ہی کیا تھا کہ رشتہ طے ہو گیا۔ اپنے گھر کی سب سے
 چھوٹی بیٹی پہلے لڑاؤ اٹھانے کو امی اور پاپی تھیں پھر بھالی
 بھی آئیں تو میں کہاں سے سو رہی اور ابھی میری عمر
 ہی کیا ہے۔“

”اچھا اس کا مطلب ہے وقت گزرنے کے ساتھ
 ساتھ چاند ہیں۔“ وہ شرارت سے مسکرا کر بولا۔

”اچھا میں ذرا انھی کو فون کر لوں۔“
 ”انھی یہ کیا نام ہے اور پتہ بھی نہیں چل رہا۔“

”محترمہ ہیں کہ محترم۔“
 ”مجم نام ہے۔“ انھی کا مذاق اسے ایک آنکھ نہیں

بھانا تھا۔ شیکھی سے وضاحت کی۔

”چلو نام بتا کر تو معاملہ اور بھی گھمبیر کر دیا ہے۔“
”اور جو دوست ہے میری کسی شہر میں بیابانی ہوئی ہے۔“

”اچھا کمال ہے اس شہر میں۔“ اس نے آنکھیں پٹپٹا کر حیرت کا اظہار کیا کہ اسے شفق کا ایک دم سے خفا ہو جانا متروکے گیا تھا۔

اس نے شہر پارک کے انداز کو دیکھا ضرور مگر اس وقت انھی یاد آ رہی تھی دوسری کوئی بات کیے بغیر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی آنے والی ملازمہ بھی اور شہر پارک کی والدہ کا پیغام لائی تھی وہ ان دونوں کو بلا رہی تھیں۔

”کچھ مسمان آئے ہیں جی۔ اصل میں اسی لیے بلایا ہے۔“ وہ وضاحت کر رہی تھی۔ شہر پارک نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر چل پڑا۔

”انجی کو فون“ وہ بس سوچ کر رہ گئی۔ پارک جاتے ہوئے اس کی جھٹائی نے ہی ضروری سامان ساتھ رکھا اور اس میں اس کا سیل فون نہیں تھا۔

تیار ہو کر وہ میسر جہاں پہنچی۔ اس کے میکے سے ارم بھائی بھیا اور باجی کچھ ہی دیر پہلے فیصل آباد سے سیدھے اوھر ہی پکھے تھے۔ اس کی سانس نے انہیں قریش ہونے کو کہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی۔ انجی کیوں نہیں آئی؟ اسے تو اب تک ضرور پہنچ جانا چاہیے کتنی تو یہی تھی۔ ٹائون شپ جو ہر ٹائون کے بانٹل برابر میں ہے پھر اتنی دیر انجی بھائی یا باجی اوھر آئی ہیں تو کتنی ہوں انجی سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ شہر پارک اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

”نہیں جتا ہے تم کتنی خوب صورت لگ رہی ہو اور ساتھ ہی کسی گھری سوچ میں گم یقیناً“ میرے پار سے میں ہی سوچ رہی تھیں نا۔“
”نہیں وہ انجی انجی تک نہیں آئی۔“

”اوہو! کون ہیں یہ محترمہ جو میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہی ہیں۔ یاد رکھو پرنس الب تمہاری سوچوں پر صرف ہمارا قبضہ ہونا چاہیے۔“

”مگر اس وقت مجھے انجی کی فکر ہو رہی ہے اس کی

طبیعت بھی انجی نہیں ہے۔“
شہر پارک کے کچھ کہنے سے پہلے مسمان اسٹیج کی طرف آئے اور ان دونوں سے ملنے گئے۔ اس کی نگاہیں ساری تقریب میں انجی کو ڈھونڈتی رہیں مگر وہ نہیں آئی اور اسے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ خدا خیر کرے۔ اس کے ساتھ نہیں کوئی مسکرتو نہیں ہو گیا۔
میں جہاں سے گھر آتے اسے رات کے دو بج گئے۔ میکے والے وہیں سے رخصت ہوئے شہر پارک سے یہ وعدہ لے کر کہ وہ دونوں کل فیصل آباد آئیں گے۔

”صبح بچے میں انجی کی طرف جاؤں گی۔ اس نے اپنا ایڈریس تو لکھوایا تھا اگر ایڈریس اوھر اوھر بھی ہو گیا ہے تو فون کر کے دوبارہ پوچھ لوں گی۔“

وہ یہ ارادہ کر کے لیٹی تھی مگر ابھی صبح کے سات بجے تھے کہ اس کی سانس نے دروازہ بجا کر جگایا۔

”بیٹا! تمہاری امی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کل لاہور نہیں آسکیں۔ ان کی وجہ سے تمہارے فون کو بھی فیصل آباد پر کتنا بڑا۔ وہ منظر ہوں گے۔ آپ دونوں جلدی سے پٹپٹا کر میکے کی تیار ہو کر۔“

اور اسے ہر اسٹیم ٹھم کرنا پڑا لیا جو بچے کی انجی اور نہیں آئی اور میں نے اس کے نہ آنے کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ سیل تلاش کرنے لگی۔ مجھے کم از کم اسے فون تو کر لینا چاہیے۔ سیل پتہ نہیں کہہ رہا تھا اس نے پلانی سی ایل کو استعمال میں لاتے ہوئے سوچا مگر سیل ہوئی رہی۔ کسی نے اٹھایا نہیں انجی شاید وہ سو رہے ہوں گے۔ مایوس ہو کر ریسیور کر فیڈل پر ڈال دیا۔



فیصل آباد وہ ایک دن ہی ٹھہرے کہ شہر پارک کے بھائی اور بھائی کو فون سے سوویہ جانا تھا۔ شہر پارک نے اپنا سے وعدہ کیا۔ ہم جلد ہی دوبارہ آئیں گے اور پھر بہت سے دن رگیں گے۔

”میں اتنے ڈھیر سارے کپڑے لے کر آئی تھی۔ آپ نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ ہمیں ایک ہی روز ٹھہر کر واپس آ جانا ہے۔“

”تم نے اس بار سے میں مجھ سے کچھ پوچھا ہی کب تھا۔“

”مگر جانا تو آپ کا فرض تھا ویسے بھی یہ پروگرام آپ نے اور آپ کی ای نے بنایا تھا مجھے تو بس یہی کہا گیا تیار ہو جاؤ اور میں تیار ہو گئی۔ اتنے شوخ سے میں یہ سارے کپڑے لے کر آئی تھی۔“

”یہ سب وہاں بھی تو پہنا جا سکتا ہے۔“ اب کہ شہیار خاصا سنجیدہ ہو رہا تھا۔

”وہاں بسن کر کے دکھاؤں گی۔ یہاں تو میری اتنی ساری سہیلیاں ہیں۔ بلکہ ابھی ابھی میں موجود ہیں بھالی اور امی ہیں۔“

شہیار نے گہری سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ پھر باقی کا جو ایک گنٹہ وہ یہاں ٹھہرے خاموش ہی رہا اور راستے میں بھی اس نے کوئی بات نہیں کی۔ شفق بہت تھکی ہوئی تھی۔ اس کی خاموشی کو محسوس نہیں کیا کچھ ہی دیر بعد میٹ کی ایک سے سرٹکا کر سو گئی۔ آگے جب ہی مچلی جب وہ گھر کے پورچ میں گاڑی لانے کے بعد اس کا شانہ ہلا رہا تھا۔

”اوقو! اتنی جلدی لاہور آ بھی گیا۔“

”جی اب باقی کی نیند بستر پر پوری کر لیجئے گا۔“

وہ دروازہ کھولے منظر تھا اسے اترتا ہوا کسی طرح نیند میں جھومتی جھامتی اپنے کمرے تک آئی اور شہیار کی آمد سے پہلے ہی بستر پر گر کر پھر سونے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ بیگ لے کر اندر آیا اسے بیڈ پر درازیا کر ڈھکی۔

”شفق! امی اپنے کمرے میں ہماری منتظر ہیں۔“

”ابو! اسے جھٹکا گا۔“

”ہائے وہ کتنا بڑے کا زبان اپنی مرضی کے دن اور راتیں۔“

”پہلے بڑے موٹے کے ساتھ وہ اٹھ بیٹھی۔ امی واقعی منتظر تھیں اور ظاہر سے سلام کر کے فوراً تو اپنے کمرے کو روانہ نہیں ہوا جا سکتا تھا انہیں وہاں کچھ دیر بیٹھا ہی تھا۔“

صبح ناشتے کے بعد اس نے ایک بار پھر انھی سے رابطہ کیا تھا اور اس کا یہ کہنا میں اس وقت فیصل آباد میں ہوں اس کے لیے کسی ٹکے سے کم نہیں تھا۔

”جب تک تم فیصل آباد؟“

”میں تو رات ہی وہاں سے آ رہی ہوں اور آج صبح پانچ بجے پہنچی ہوں۔“

”مگر کیوں! امی نے ویسے کے روز بھی تمہارا اتنا انتظار کیا پھر بعد میں بھی تمہیں فون کرتی رہی۔ تمہارا کوئی جواب مجھے موصول نہیں ہوا۔ آخر بات کیا ہے؟“

”کیا بتاؤں شفق! بہت پریشان ہوں ہا کٹر نے میزریں کا کہا ہے۔ امی کو پتہ چلا تو فیصل آباد لے آئیں کہ لاہور میں پھر میری دیکھ بھال کون کرنا۔ بس دعا کرنا میرے لیے۔“

”اللہ تمہیں صحت دے انھی! میرے حصے کی خوشیاں بھی تمہیں مل جائیں۔“

اس نے پورے غلو میں سے کہا پھر اخبار دیکھتے شہیار نے اس دعا پر سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر دوبارہ اخبار دیکھنے لگا۔

”تم لاہور لاہور ہی میں رہتیں میں جو آگئی ہوں۔“

”میں تمہاری خدمت کرتی۔“

”اگرے نہیں شہیار بھلا کیوں منع کرتے وہ ایسے ٹھکڑل نہیں ہیں۔“

”بالکل میں ان دو تین روز میں ہی ان کو جان گئی ہوں۔“ شہیار کو ہمیشہ انھی جیسے چھپانے کو اخبار جھرے کے آگے کر لیا۔

انھی پتہ نہیں کیا کیا بتاتی رہی فکر مندی سے اس کے چہرے کے زواہرے بہتے اور گزرتے رہے۔

”بس کرو اب کورنہ تمہارا چہرہ بالکل ہی بگڑ جائے گا۔“ اس نے احساس دلایا تو وہ گھور کر رہ گئی۔

”انھی فیصل آباد چلی گئی ہے۔“ رابطہ منقطع کر کے اس نے اپنی جانب سے بڑی اہم اطلاع دی تھی۔

”تو کوئی بات نہیں۔ فیصل آباد کوئی یورپ میں تھوڑا ہی ہے۔ جب تمہارا جی چاہے گا جا کر مل لیتا۔“

”پتہ نہیں کیا لکھا ہے ہماری قسمت میں۔ میں فیصل آباد تھی تو وہ لاہور میں لاہور آئی ہوں تو وہ لاہور سے۔“

”اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو کہیں آؤنگے گا پروگرام بنایا جائے۔“

”پلیز اس وقت جی نہیں چاہ رہا ہوں جب کسی بات شہیار کی والدہ نے بھی ان دونوں سے کسی تو اسے تیار ہونا پڑا۔“

اپنی بیوی چرٹ پھر شہیار کی والدہ کی سعودیہ روانگی جب وہ انھی سے ملی تب اس کی شادی کو پورے دو ماہ ہو رہے تھے اور انھی کا دو سرا بچہ بھی دو ہی ماہ کا ہو رہا تھا۔ شفق نے اس ننھی گڑیا کے لیے خوب شاپنگ کی تھی

انھی کے ہاں چلنے کے لیے وہ وہاں سے لاہور ہی آئی اور خوشی اس کے سر اٹھا کر اسے چھٹک رہی تھی۔

”بہت بچپنا سے تم میں۔“ یہ بات اکثر شہیار کہتا تھا اور آج بھی کہہ رہا تھا۔

”اس میں بچپنے والی کیا بات ہے؟“ اس نے شانے اچکائے۔

”تو اور کیا بات ہے بھئی۔ کبھی تم میرے لیے تو اس طرح تیار نہیں ہو سکتی۔“

”آپ کا اور میرا ساتھ دو ماہ کا ہے جبکہ انھی کی اور میری دوستی بہت پرانی ہے۔“

”یہی جیب میرا اور تمہارا ساتھ بھی اتنا ہی پرانا ہو چکے گا تب تم میرے لیے بھی یونسی تیار ہو کر سولی۔“

”یہ تو اس وقت کے تعلقات پر منحصر ہو گا۔“ وہ ہنسی۔

”یو ویسے تب کتنا عجیب سا لگے گا نا جو ان بچوں کی لمان اور ایسی تیاری۔“ اس نے تھمبہ لگایا۔ وہ جینٹل پڑو گئی۔ سر جھٹک کر بچرے پہننے لگی۔

”ویسے یار! مجھے میک آپ میں ات بہت شوخ شوخ رنگوں میں لپٹی خواہتا ہوں کچھ زیادہ کچھی نہیں لگتیں اور تمہیں تو ان چیزوں کی حادثہ بھی نہیں۔ سادہ ہی بہت ہماری لگتی ہو۔“

”مگر مجھے میک آپ کرنا کھٹے کھٹے شوخ رنگ پہننا بہت بہت اچھا لگتا ہے۔“

”اوہ خدا یا! شفق کلم از کم گولڈ کا یہ اتنا ہماری میٹ پہن کر تو مت جاؤ۔“

”تو کیا میں نے یہ لگا کر میں رکھنے کے لیے جوئے ہیں۔ یہ سننے کے لیے ہی ہوتے ہیں جناب!“

وہ بس گہری سانس لے کر رو گیا کہ جانتا تھا۔ یہ وہ معائنات ہیں جن میں شفق اس کی بانگن میں چلنے دے گی۔

انھی کی بانگن ان کے گھر سے دور نہیں تھی کیونکہ بھی مشکل نہیں تھا جب وہ دونوں اس کے ہاں پہنچے۔ وہ چھوٹی بچی کو سنانے کے بعد اس بڑے والے سنے کو تیار کر کے فارغ ہوئی تھی۔ اسٹارٹ کے ساتھ ساتھ سولوی بڑی بڑی کالی آنکھوں والی انھی جس کے سیاہ جھک دار بال بے حد لمبے تھے۔ وہ بیٹھتا کچھ دیر کے نہالی تھی۔ بالوں کو ڈھیل میں چولی کی صورت دے کر کمر پر لگایا گیا تھا ہونٹوں پر لب اسٹیک شاید آنکھوں میں کاجی ڈالا تھا یا اس کی آنکھیں ویسے ہی اتنی کالی تھیں اس نے اپنی گرین سوٹ پہن رکھا تھا جس پر ہم رنگ موتوں اور دھاکے کا انتہائی نفیس کام تھا۔ گلے میں پاکسا گولڈ کال کٹ مکھوں میں خوب صورت ڈیزائن کے چھوٹے چھوٹے پتھریں یا پتھر کی تیسری انگلی میں ایک انگوٹھی اور بازو میں تازک سی چادر جوڑیاں۔

وہ تو انھی انھی کی گردن سے اس سے ملے بغیر ہی آگیا گیا تھا مگر اسے دیکھ کر خوش گوار حیرت کا احساس ہوا وہ بانگن یہ توقع نہیں رکھتا تھا۔ شفق جیسی کچھ کچھ۔ یہ بے وقوف اور جذباتی سی لڑکی کی دوست اس سے بانگن ہی مختلف اور اتنی پروقار شخصیت کی مالک ہو گی۔ شفق جاتے ہی خوشی سے حج کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔

اس نے مسکرا کر شفق کے کمال پر سوسہ دیا اور شادی کی مبارکباد دی تھی۔
 ”ہائے انجی! تم کتنی کمزور ہو رہی ہو جی مجھے لگتا ہے کسی نے بھی تمہاری ٹھیک طرح سے کپڑے نہیں کیے خواہ مخواہ ہی ادھر چلی گئیں یہاں میں جو کچھ تمہاری زبان راست خدمت کرتی۔“
 شفق بولتی رہی اس کے پیچھے لوگوں میں ہٹھا کر بار بار اس کا منہ چومتی رہی جبکہ انجی شاید شہزاد کی وجہ سے جھجک رہی تھی۔
 ”تمہارے وہ سڑیل میاں دکھائی نہیں دے رہے تو شفق نے آگے کو جھک کر کچھ دھسے لہجے میں پوچھا۔
 شہزاد کو اس کا یوں لگتا اچھا نہیں لگا مگر فی الحال وہ کون نہیں چاہتا تھا۔
 ”تمہیں پتہ ہے۔۔۔ بزنس میں ہیں اور بزنس میں کوئی بڑے بزنس کے آگے کچھ بھی عزیز نہیں ہوگا شہزادے باہر گئے ہوئے ہیں۔“
 ”اوہ تم نے بتایا نہیں۔ میں تمہاری عزیز ترین سہیلی شادی کے بعد پہلی بار اپنے میاں کے ساتھ آ رہی ہوں۔“
 ”بتایا تھا شفق مگر میں ان پر دیا تو نہیں ڈال سکتی تھا۔“ اس نے رسوا سے کہا۔
 ”واہ کیوں نہیں ڈال سکتیں اب تم میرے گھر آ رہی ہو اور یہ میرے صاحب آفس جانے کا منہ ڈھانکے بیٹھے ہوں میں تو قیامت اٹھاؤں بھی نہ جانے وہاں کیوں شہزاد؟“
 ”واہ راتے بھی لی تو کس بات پر شہزاد نے انجی کی طرف دیکھا اس نے بھی نگاہ اٹھائی۔ دونوں ہی مسکرا دیے یقیناً شفق کے بچنے پر اس کی سادگی پر۔“
 ”انجی کڑیا تو دکھاؤ۔ میں تو اس کے لیے اتنی ساری شاپنگ کر کے آئی ہوں جی جب پتہ چلا کہ تمہارے ہاں بھی ہوئی ہے انجی تو میں بتا نہیں سکتی مجھے کتنی خوشی ہوئی یہ بتاؤ گی ہے کس پر تم بھی ہے یا تمہارے سڑے ہوئے میاں جیسی۔“

انجی نے پھر شہزاد کی جانب دیکھا اور اسے متوجہ کر شرمندہ ہو گئی۔
 ”اوہ تمہیں اس کے پاس لے چلتی ہوں۔ سو رہی ہے نا انجی۔“ اس نے دھیرے سے کہا اور شفق کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”تمہو بتا یہ سب تو اٹھالوں آخر بے بی کے لیے ہی لائی ہوں۔“ ہاتھ چھڑا کر وہ بپ کھنکھن سہنے لگی۔
 ڈرائنگ روم سے دونوں بیڈ روم میں آئیں۔ لگتا تھا آج انجی کی کام والی ماس نہیں آئی تھی۔ ڈرائنگ روم تو صاف تھا مگر کمرے کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔
 خیر اس نے توجہ نہیں دی جا کر بیڈ کے کٹ پر جھک گئی۔ ”آرام سے اسے جگانہ دینا۔ چائے تو بہت شور مچاتی ہے اور مجھے یہ بتاؤ کیسا ہے تمہارا میاں دیکھنے میں تو بہت اچھا لگ رہا ہے تم نے بتایا تھا اسے سنجیدہ مزاج آدمی دار خاموش طبع لوکیں اچھی لگتی ہیں جانا تم اس کے اپنے مزاج میں تو مجھے اظہروانی سنجیدگی محسوس نہیں ہوتی۔“
 ”شکر ہے خدا کا اظہر بھائی سے بالکل مختلف مزاج ہے۔ اب میں تمہیں لکھ رہی ہوں۔ کتنی شوق ہے کہ زبرد دل ہوا کرتی نہیں اور اب یہی سنجیدہ سی دکھائی دے رہی ہو تو وہ زیور نہ لباس کا کلر نہ میک اپ کب مجھے دکھاؤ تو شہزاد کو یہ سب پسند نہیں مگر مجھے منع بھی نہیں کرتے۔ دیکھ لو کتنی تیزی سے آئی ہوں۔“ اس نے اپنے شاگنٹ پنک ٹر کے سوٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہنس کر کہا۔
 ”تمہارا یہ سوٹ مجھے بہت اچھا لگا ہوا ہے یا خریدنا ہے؟“
 ”ہا جی اسٹام آپا سے لائی تھیں۔ تمہیں پسند آیا۔ تم لے لو۔“
 ”ہاں میرے سسرال میں ایک شادی سے اظہر کو تو تم جانتی ہو۔ کبھی کبھی جو سن چنتی قیمت بلیو سوٹ لگ رہا ہے خریدنا تو وہ رنگی بات تو قیمت سن کر ہی بے ہوش ہو جائیں گے پھر یہ کمر بھی انہیں پسند نہیں آئے گا اس میں تم سے لے کر پین لول کی پھروائیں کر

دل نہ لے۔“
 ”میرے چیز اور بری میں ایک سے بڑھ کر ایک جوڑے ہیں تم میری طرف آؤ گی تو سب دکھاؤں گی بس پھر جو بھی پسند آئے لے لینا۔“
 ”چلو یہ ٹھیک رہے گا اور یہ بتاؤ میاں کو زیادہ سرتو نہیں چڑھا لیا میری طرح۔“
 ”راتے انجی! شہزاد تو خود ہی اتنی سوٹ نہ پھر کے مالک ہیں کبھی رعب ڈال کر بات کرتے ہی نہیں اور میری ہر بات ماننا تو جیسے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔“
 ”زیادہ خوش ہونے کی بات نہیں بے وقوف شادی کے شروع دنوں میں اسکی فیصد مردا ایسے ہی ہوا کرتے ہیں مگر سال گزرنا نہیں اپنا اصلی روپ دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔“
 ”میرا نہیں خیال شہزاد ایسے ہو سکتے ہیں۔“
 ان میں باتیں ہو رہی تھیں کہ انجی کے کام والی ماس آئی۔
 ”رکھی! تم صفائی رہنے دو ویسے بھی فرش تو صاف ہی ہیں۔ بس آج کچن کا کام سمیٹ دو۔“
 ”کھانکے کی بی بی اچھے آپ کی مرضی اسے اٹھایا اعتراض ہو سکتا تھا ویسے بھی بچن کا کام کرنے کی صورت میں اسے بھی کچھ نہ کچھ حصہ ملنے کی امید تھی۔“
 ”میں نے بازار سے حکیم چکن سڑائی اور بریانی منگوائی ہے۔ کھیر بھی لا کر فرج میں رکھ دی ہے۔ تم سلاد اور رائتہ بنا لو۔ اس کے بعد بیٹی کو بھی دیکھ لیتا۔ بہت تنگ کرتا ہے۔ خیر پر آتا ہے تو ہملانا مشکل ہو جاتا ہے اسے یہاں قریبی دوکان سے چاکلیٹس اور پائیاں دلوا دو۔ آرام سے بیٹھ جائے گا۔ میں اپنے مہمانوں کو لائینڈ کر لوں۔“ انجی نے بیڈ روم کی کھری چیزوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔
 ”لب اسٹک دوبارہ لگائی پھر مڑ کر رکھی سے بولی۔
 ”پہلے کولڈ ڈرنک اور پھر چائے تو ڈرائنگ روم میں رکھ جاؤ۔ لو باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ ہائے شفقو! یہاں سویتا ہو گا تمہارا میاں۔“

وہ جلدی سے رکھی کو ایک بار پھر ہدایت کر کے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی اندر کا منظر کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ ان لوگوں کا لایا فروٹ کمرے میں کھرا ہوا تھا اور اس کا بیٹا ماسی اور سیب ہوا میں اچھا لگ کر کھیل رہا تھا۔
 ”اوہ بیٹی! اس کی آواز بہت اونچی ہونے لگی تھی پھر شہزاد کا بروقت خیال آنے پر وہاں۔“
 ”میں نے تو آپ کے صاحب زادے کو بہت منع کیا ہے مگر یہ ہاتھ ہی نہیں۔“ شہزاد اس کی سرگرمیوں کو یقیناً انجی کے نہیں گراہتا تھا۔
 اتنی دیر میں سیب ایک شوہین پر لگا اور وہ گر کر کچھوں میں تہہ نش ہو گیا۔ انجی نے ہنر ہونٹوں سے بچنے کو بہت کچھ کہا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینٹنے لگی۔
 ”بچے نے پوری آواز سے رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ وہ بڑی طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا اور انجی کے قابو سے باہر ہو رہا تھا خیر اس نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ اسے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئی۔“
 کھانا کچھ زیادہ تر لطف نہیں تھا مگر انجی کی باتیں اور اس کی توجہ اس کی کو پورا کر رہی تھیں۔ وہ اتنی محبت سے ایک ایک ڈش پیش کر رہی تھی اور پھر اس کی باتیں شہزاد بار بار چونک جاتا تھا۔ آج کے دور میں شوہر کے رنگ میں رنگ جانے والی اس کی آنکھ کے اشارے سے مزاج کا اندازہ لگانے والی عورتیں بھی نہیں رہیں اسے اصرار کیا تھا اور انجی نے وعدہ کیا تھا وہ ضرور آئے گی۔
 ”تمہاری دوست سے مل کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے۔“ وہ ایسی پروں کہہ کر شفق کو حیران کر رہا تھا۔
 ”کیوں حیرت کیوں ہوئی ہے۔ اتنی اچھی تو ہے بے چاری چھوٹے بچوں کی وجہ سے زیادہ اہتمام نہیں کر سکی مگر وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ آج بے چاری کی کام والی بھی اتنی دیر سے آئی۔ پتہ نہیں اس نے یہ سب کس طرح کیا ہو گا۔“
 ”اوہو! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ طبیعت میں معاملات میں تم سے بالکل مختلف

ہے ہمت دار اور سمجھ دار محسوس ہوئی ہے مجھے۔
 ”ہائے سچ! مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا۔ انجی سے مل کر
 آپ بھی اس کے گرویدہ ہو جائیں گے۔“
 ”بچے نے بے چاری کو اچھا خاصہ شرمندہ کر دیا میں
 جاگتے سے اسے منع کر رہا تھا مگر وہ سن ہی نہیں رہا
 تھا۔“

”چھوڑیں بچے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انجی بتا رہی
 تھی۔ پاپ کا بہت اڈوٹا ہے، بہت سیرجھا رہا کھاتے۔
 جو اسے کسی بات پر ٹوکتے ہیں نہ انجی کو زیادہ روک
 ٹوک کرنے دیتے ہیں۔“

”یہ رویہ تو بہت غلط ہے۔“ وہ دونوں انجی کی باتیں
 کرتے ہی گھر تک آئے اور گھر آکر بھی کئی روز تک
 ان کے درمیان انجی کا ذکر رہا۔

”تم بھی انجی کی طرح حلاوت کھرہ بنا کر بنا اور جیوری
 بھی دیکھی ہی خرید لو۔“ ایک روز شہیار نے کہا تو اسے
 انجی کی بات یاد آئی۔ شوہر کی ہر بات مان کر اسے سرور
 نہ چڑھا لینا۔ جب یہ بات یاد آئی تو اس نے جھٹ انجی
 میں سرلا دیا اور بولی۔

”ہر کسی کی اپنی پسند ہوتی ہے اور پھر یہ لائٹ سے
 کھرہ سا روپ یہ انجی کی پاپی پسند تھوڑی ہے۔ یہ
 تو اس کے میاں کی ضد ہے۔“

”صد تو تم کہہ رہی ہوتی انجی نے تو اپنی ازدواجی
 زندگی کے سکھ کی خاطر اسے خوشی سے اپنا لیا ہے۔“
 ”ہوشہ خوشی اپنا دل مار کر بھی کبھی کسی کو خوشی ملی
 ہے۔“ اس نے الپ اسٹک ڈرنگ ٹیبل پر چٹخی شہیار
 خاموش ہو گیا۔



انہوں نے انجی کو اپنے ہاں انوائٹ کیا۔ ”کھانا ہم
 کسی اچھے ریستورانٹ میں جا کر کھا میں گے۔“ شہیار
 نے رائے دی۔

”لو یہ کیا بات ہوئی گھر بلائیں پھر جہاں سے کھانا
 کھلانے کسی دو سہری جگہ لے جائیں۔ میں خود سب

کچھ گھر میں بناواں گی۔“
 ”چلو ٹھیک ہے پھر مجھے لسٹ بنا کر دے دو۔ ابھی جا
 کر سب نے آنا ہوں۔“

”آپ کیسے کیوں میں بھی آپ کے ساتھ چلتی
 ہوں۔“
 ”تم جا کر کیا کرو گی اتنے سیر سپاٹوں کے بعد بھی
 تمہارا جی نہیں بھرا۔“

”میں مجھے اچھا لگتا ہے بس میں کسی دلچھ سے
 اسٹور سے خریدوں گی۔“
 ”اچھا یاد دلاؤ! چلی چلو لیکن اب کوئی کام والا سوٹ پہن
 کر شوں کسی الپ اسٹک منت لگا لینا۔“

”تو ہے۔ آپ کو کبھی ٹائٹ ہر بات پر اعتراض کی
 عادت ہوتی جا رہی ہے۔ اب میری ٹی ٹی شاوی ہے
 کپڑے تو میرے پاس ایسے ہی ہوں گے نا کچھ ہلکے کام
 والے کچھ بھاری کام والے۔“
 ”پھر تم نے لے لو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کسی روز انجی کے ساتھ جا کر
 شاپنگ کر لوں گی۔“ ان کی بات شہیار نے غصے سے
 سے سہرا لیا کہ یقیناً انجی اس کی بہت بے عزت رہی
 کتنی تھری۔

تین گھنٹے میں سامان خرید کر پھر سے کھانا کھا کر وہ
 دونوں گھر آئے تو شہیار سوتے کے لیے اپنے کمرے
 میں چلا گیا جبکہ وہ سیل لے کر لاؤنج میں بیٹھ گئی اور انجی
 سے باتیں کرنے لگی۔ اپنے اور شہیار کے درمیان
 کپڑوں پر ہونے والی باتیں بھی چٹکیں اور یہ بھی کہ
 اب وہ انجی کے ساتھ بازار جا کر کچھ سٹاؤ سے کپڑے
 خریدنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

”تم نے خواتین کو کھرہ سب لڑتی کر لیا نہیں پھر ہی
 کھانا کھا لیتے اب تم تو پکانے میں ہی لگی رہو گی۔“
 ”تم بھی میرے پاس جگن میں ہی آجانا اور یہ دونوں
 میاں صاحبان اور نئے لاؤنج میں بیٹھیں گے۔“

”ہاں مگر تم پہلے مجھ سے پوچھ تو لیتیں۔“
 ”اچھا چلو اب تو میں سب کچھ لے آئی ہوں۔“
 ”کیا کیا لائی ہو؟“ انجی نے پوچھا۔

”دش چکن، بیٹ، ٹوڈل، ٹرائس۔“ وہ ایک ایک کر
 کے سب گنوائے لگی۔
 ”اتنا کچھ تم کیسے پکاؤ گی؟“

”ارے انجی! میری جان! تم میری لگرتہ کرو۔ تم تو
 چار سال پہلے ہیہا کربھی گئی تھیں۔ تمہیں نہیں پتہ
 اس عرصے میں میں تو کھانا بنانے میں ماہر ہو چکی ہوں۔
 میرے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ تم کھاؤ گی تو اور دو گی
 ہاں بس ایک بات کا دکھ ہے۔ شہیار کو ہولنگ کا
 بہت شوق ہے۔ وہ گھر کے کھانے کچھ خاص رغبت
 سے نہیں کھاتے حالانکہ میرے پکائے کھانوں کی ہر
 کوئی تعریف کرتا ہے۔“

”اس روز میرے گھر کا کھانا تو میں اچھا لگا تھا؟“
 انجی کو وہ سب بتا تو چکی گئی پھر بھی وہ دوبارہ پوچھ رہی
 تھی۔

”ہاں ہاں تیز مزاج مسالے انہیں پسند ہیں۔“
 اور انجی نے سوچا اسے کتے ہیں قسمت۔ مجھے
 گھوٹنے پھرنے کا پھر کھانا کھانے کا کتنا شوق ہے مگر
 میرے میاں کے نزدیک گھر کی پرسکون لائٹ جموڈ کر
 پھر کے ہنگاموں میں بنا دینا وقت اور پیسے دونوں کا
 ضیاع ہیں۔

”شادی کے شروع دنوں میں کبھی کھانا پھر کھایا تھا
 اب تو ترس ہی گئی ہوں۔ اب موقع مل رہا تھا تو اس
 شوق کی لپی نے مجھ سے پوچھے بغیر فیصلہ کر کے خراج کر
 لیا۔ آج ایک چکر پار لڑا لگا لیتا جا ہے۔ اسکن کچھ
 رقبہ ہو رہی ہے۔ نئے جوتے بھی لینے چاہیں ساتھ
 میچنگ بیگ اور نیل پائش کلائٹ مگر خوب صورت سا
 گھر اور جاتے ہوئے پھولوں کا خوب صورت سا بکے
 لے جاؤں گی۔ باقاعدہ گفت لے جانے کی کیا ضرورت
 ہے۔ یوں بھی ان کی شادی کو ابھی عرضہ ہی کتنا ہوا ہے۔
 سب کچھ تو ہو گا ان کے پاس۔“
 ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ ڈور بیل بجنے
 لگی۔

”اوہو! کون آ گیا؟“ دروازہ کھولا تو برابر میں رہنے
 والے احسان صاحب کھڑے تھے۔

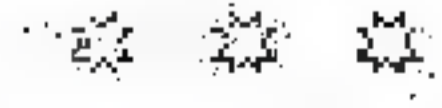
”السلام علیکم بھائی! پھر سے پر مسکراہٹ انداز میں
 بے تکلفی تھی۔
 ”ارے احسان بھائی! کیسے ہیں آپ؟“ بڑے دنوں
 کے بعد شکل دکھائی۔
 ”آئیے نا! پھر ہی کیوں کھڑے ہیں۔ پلیز انڈر
 آجائیں۔“

”وہ بھائی! آپ کو تو پتہ ہے میری بیوی کا۔“ وہ کھسیا
 کر بیٹھے اور انجی کے چہرے پر ایک دم سے ہمدردی کا
 آثار لوہیے لگا۔
 ”میں دراصل یہ پوچھنے آیا تھا۔ دروازے ہوں گے۔
 وہ آج بیگم نے جو کچھ بتایا ہے نا۔ حلق سے اترنا
 مشکل ہو رہا ہے۔“

”اوہ! انجی نے افسوس میں ہونٹ سکیڑے پھر بولی۔
 ”خوش نصیب ہیں روحانہ بھائی کہ شوہر کو پسند کا کھانا
 نہ ملا تو پڑوس سے انڈا لینے چلے آئے۔ سچی اگر میرے
 میاں جیسے ہوں نا۔“ مہر جھٹکا ایک بار پھر افسوس میں
 اودھ کیا اور ریات اور حوری چھوڑ کر بچن میں چلی گئی اور پس
 آئی تو انڈے ہاتھ میں تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔
 ”آئیے نا احسان بھائی! میں آپ کو کھانا بنا دیتی ہوں!“

”جی تو چاہتا ہے بھائی مگر میری بیگم! عجیب
 ہے چارگی کا احساس دلا نا اچھ تھا کسی نا پسندیدہ ہستی کا ذکر اور
 مظلومیت کی انتہا۔
 ”چلیے اوہار رہا۔ ویسے مجھے بہت ترس آ رہا ہے
 آپ پر آپ اس وقت بھی آلیٹ لیں گے۔ اتفاق
 سے آج میں نے سامن نہیں بنایا ورنہ آپ کو ضرور
 دیتی۔“

احسان مشکور سا چلا گیا یہ سوچتا ہوا کہ قدر خوش
 نصیب ہے اس عورت کا شوہر۔ یہ خیال نہیں آیا پوچھ
 ہی لے۔ شوہر گھر آئے والا ہو گا ابھی تک سامن
 نہیں بنایا اسے کیا خلی رونی پیش کرے گی۔



شوق نے انجی کے لیے بھر پور تیاری کی تھی وہ وہ

دن پہلے سے ہی کچن میں مصروف ہو گئی تھی اور شہیار بھی پوری دلچسپی لے رہا تھا اور اس شام اسکا کی بیوی ساڑھی جس پر سلور ستاروں کا ہکا سا کام تھا سفور جیو لری پہنے وہ کین سالہ لنگی کے ساتھ شوہر کے بغیر ہی چلی آئی تو دونوں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔
 ”اظہر بھائی نہیں آئے؟“ شفق نے پوچھ ڈالا۔
 جواب میں چٹکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔

”ہر شخص شہیار نہیں ہوا کرتا۔ میری جان کہ تم نے کہیں چلنے کو کہا اور تیار ہو گیا۔ قدر کرنا سیکھو اس کی۔“

”اوہو، آج تو انہیں آنا چاہیے تھا۔ تم اصرار کر تیں۔“ شفق نے اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے کہا۔
 ”تم کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہر بات میں ضد کیوں شروع کر دیتی ہو۔ ہماری دوست آئیں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔“ شہیار نے شفق سے زیادہ لگنی کو تسلی دی کئی جویوں اکیلے چلے آئے پر ریجیو بھی (نہاں)۔

”دعا! آپ تو کہتی تھیں۔ چاکلیٹ لے کر دوں گی۔ اس کے سینے کا موڈ بگڑنے لگا۔
 ”آئیے اندر چلے۔“ شہیار کو خیال آیا۔ وہ ابھی تک گیٹ پر ہی کھڑے تھے۔ لگتی بڑی بات ہے مہمان کو اندر بٹھانے کے بجائے کہیں کھڑے کھڑے سوال و جواب شروع کر دیے جائیں۔ یہ شفق بھی ناہنس پوری احمق ہے۔

”مما! چاکلیٹ! اس کا بیٹا اب پیر بنے لگا۔
 ”ہووا“ لگتی دلاتی ہیں تمہیں چاکلیٹ۔“ شفق نے بڑھ کر اس عام سی صورت والے سڑیل مزاج بچے کو گود میں بھر لیا اور گانا رکنی بوسے بھی دے ڈالے۔
 ”بڑی والی چاہیے۔“ لگتی فرمائش ہوئی۔
 ”وہ بھی سنی۔ پتا ہے مجھے بھی چاکلیٹ کا بڑا شوق ہے اور یہ تمہارے انکل بالکل نہیں کھاتے۔ میں بھی تمہاری طرح ضد کر کے لیتی ہوں۔“ وہ بچے کو گود میں اٹھا کر کچن کی جانب بڑھتے ہوئے بتا رہی تھی۔

”بچ نہیں کب سدھ رہے گی۔ یہ شفقو۔“ اس کی باتوں پر شرمندہ لگتی ہو رہی تھی۔
 ”آئیے۔“ شہیار اسے لے کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا اور بولا۔ ”آپ جیسی دوست کی محبت سے نہیں بدل سکتی تو اب کیا بدلے گی۔ پتا ہے کبھی کبھی تو میں اس کی بچکانہ فرمائشوں پر حیران ہو جاتا ہوں۔“
 ”ڈرائنگ روم میں بچھولی ہے نا اور سب ہی خوب لڑ پار بھی کرتے تھے اور جہاں تک میرا شفق ہے تو جناب ہم تو زانے کی ٹھوکروں میں مل کر جوں ہونے ہیں اور آج تک لٹکنے لوں کی امید پر ہی جی رہے ہیں۔“

”آپ اتنی مایوس کیوں ہیں لگتی زبان شہیار! آپ بہت اچھا وقت بھی دیکھیں گی۔“
 ”میں مایوس نہیں ہوں شہیار صاحبہ اور اب اپنی دوست کو خوش دیکھ کر تو میں سب بھول ہی گئی ہوں۔“
 ”لگتی! ابھی کو کیوں نہیں لائیں۔ کس کے پاس چھوڑ آئی ہو؟“ شفق اس کے سینے کو گود میں اٹھا لے چلی آئی تھی اور اس وقت بچے کے ہاتھ میں چاکلیٹ کا پیکٹ تھا۔

”وہ ہماری ایک رشتے کی خالہ تھی ہوئی ہیں۔ ان ہی کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔ یہ ایک شیطان کیا تم ہے۔ تو یہ شہیار صاحبہ! کیا باتوں آپ کو صبح سے شام ہو جاتی ہے۔ میرے کام ختم ہونے میں نہیں آتے۔ میں میری عادت ہے ہر چیز کو ہر وقت درست جگہ پر رکھنا چاہتی ہوں جب تک گھر کا گوند چمکانہ نوں۔ کچن کی ہر شے ٹھکانے پر نہ رکھ نوں۔ مجھے جین ہی نہیں آتا۔“

اور شہیار کو یاد آ گیا آج صبح شفق نے اس کی تین شرتیں پر لیس کر کے اسٹینڈ پر ہی چھوڑ دی تھیں اور اس کے ٹوکے پر کہا تھا۔
 ”اوہو آپ ہر بات کو سر پر کیوں سوار کر لیتے ہیں۔ دودھ بوا مل کرنے کے لیے رکھا تھا۔ پہلے یہ کام کرواؤں دودھ خراب ہو تو زیادہ نقصان ہو گا اور کچن میں چلی آئی

”لگتی! تمہاری صحت بھی ٹھیک نہیں۔ تم پہلے ورنی طرح صحت یاب تو ہو جاؤ گھر کے کاموں کا لیا ہے۔ یہ تو جلتے ہی رہتے ہیں۔ یوں خود کو بنگانہ مت کیا کرو۔“ شفق نے ہمدردی سے کہا تھا۔
 ”تمہیں نہیں پتا جن لوگوں کے مزاج میں بقامت ہوا نہیں ہر چیز کو جگہ پر رکھے بغیر جین نہیں آتا۔ میرا تو اپنا مزاج ہی ہے مگر یہ جو تم ہوتا۔“ اس نے شفق کی جانب لگتی سے اشارہ کیا وہ بس بڑی اور بولی۔
 ”میں خود بھی کوئی پھوپھو عورت نہیں ہوں جناب مگر آپ کو جو نکتہ پیشے پٹھے حکم دیتا ہوتا ہے۔ اس لیے ہمدردی ہے۔“

”اب کل ہی کی لے لو۔ رات کو مجھے اخبار میں ایک اوریہ دکھنا تھا اور وہ اخبار جو اسی روز کا تھا وہ جوڑے سے بھی نہیں ملا۔“

”میں نے کہا تو تھا۔ وہ ملازمہ کا بیٹا ملازمت کی تلاش میں ہے کبھی کبھی وہ اس کے لیے اخبار لے جاتی ہے۔“ شہیار نے لگتی سے بولی۔
 ”مما! ابھی بچہ کی لگتی شفقو! تمہیں یہ پتا ہی نہیں کہ تمہاری ملازمہ تمہارے گھر سے کیا کیا لے کر جا رہی ہے۔ تو بد حد ہوتی ہے لہذا وہی کی پتہ ہے عورت اپنے شوہر کے گھر کی امین ہوتی ہے۔ ایک ایک بڑی گھرانہ ملازمہ پر نظر رکھا کرو ان لوگوں کو اور اسی اہمیل ملنے کی دیر ہے۔ بس چلے تو پورے گھر کا صفایا کر کے چلتے بنے ہیں۔“

”اللہ نہ کرے اور یوں بھی یہ تو بڑی ہی بھلی مانس! لہذا کی باری غریب سی عورت ہے۔“ لگتی نے قہر سے شہیار کی جانب دیکھا اور بولی۔

”دیکھا ہی بات یہ جتنی گھٹی ہوئی ہیں اتنی ہی خود کو مظلوم بنا کر پیش کرتی ہیں اور میں تو ملازمہ رکھنے کے سڑے سے خلاف ہوں یہ تو آج کل صحت اجازت نہیں دیتی اس لیے مجبوری ہے۔“
 ”لانا اور چاکلیٹ چاہیے۔“ اتنی دیر میں اس کا بیٹا ایک پیکٹ شام کر چکا تھا۔

”بری بات بیٹا! لگتی نے ہمارے سینے کو سمجھایا مگر سینے پر اس پیار کا لٹنا لڑ ہوا نیچے گیٹ کرنا نہیں چلانے اور چھینے لگا۔
 ”اچھا اچھا میں ابھی اور لادتی ہوں۔“ شفق نے اٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک بار پھر اسے لے کر باہر نکل گئی ساتھ میں لگتی کو بھی آگے کو کہا۔
 ”کیا کچھ بنا لیا ہے لاؤ میں کچھ پھلپ کروں تم نے خواہ مخواہ گھر پر یہ سب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آراہم سے کسی اٹھنے رہے شورنٹ میں کھانا کھائے۔“
 ”تمہارے لیے یہ سب کر کے مجھے بہت اچھا لگا رہا ہے لگتی! دیکھو ذرا میں نے کیا کیا بنا لیا ہے۔“
 ”شہیار کو تم سے بہت شکایتیں ہیں؟“ رازداری سے پوچھا۔

”میں بالکل بھی نہیں۔ ان بھولی بھولی باتوں کو شکایتیں تو نہیں کہنا چاہیے بس انہیں سنجیدہ مزاج ہوئی کی آرزو تھی حالانکہ خود یہ خالص خوش مزاج ہیں مگر چاہتے تھے بیگم گھر لو قسم کی ہو۔ اسے شاپنگ کا کر پتہ ہو۔ سچے سنور نے میں بھی اعتماد سے کام لے لو غیر جبکہ مجھے گھومنا پھر بارات کو ذرا تک جاگ کر باتیں کرنا کون میں دو دو بار لباس تبدیل کرنا ساتھ میں بیچنگ جیو لری استعمال کرنا اچھا لگتا ہے کہ یہی تو دن ہیں میرے میں جانتی ہوں میری زندگی کے یہ دن لوٹ کر تو نہیں آئیں گے۔“

”بالکل ٹھیک کر رہی ہو تم۔ یہ مرد تو ہر بات میں اپنی ہی چلانا چاہتے ہیں۔“ لگتی نے اسے سمجھایا پھر ڈشز چیک کرنے لگی۔
 پھر شفق کے بہت منع کرنے کے باوجود نہیل لگتی نے سیٹ کی۔ اس کے اصرار پر بولی۔

”تم بس میرا بیٹا سنبھال لو۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔“ لگتی نے جو بچوں کے ساتھ لگتی ہوں تو شام ہو جاتی ہے۔“
 ”چلو پھر ٹھیک ہے اسے میں دیکھ لیتی ہوں شفقو آئی کے ساتھ دوستی کرو گے نا۔“ لگتی نے بچے سے باتیں کرنے لگی۔

اسے اپنے نہیں میٹ کرتے دیکھ کر شہیار نے پیلپ کی کوشش کی مگر اس نے منع کر دیا۔
”مجھے اس کی بات نہیں اظہر کبھی ایسے کسی کام کو کرتے جو نہیں ہے اب آپ ہاتھ بٹائیں گے۔ مجھے برا عجیب سا لگے گا۔“

اس نے نہیں میٹ کر کے دونوں کو آواز دی۔ پھر دونوں کو کھانا بھی خود ہی پلیٹوں میں نکال کر دیا بلکہ شہیار کو کھانے کے دوران بھی بار بار پوچھتی رہی۔ مختلف دستور اس کی جانب بڑھائی رہی، عجیب اس نے پانی کے گلاس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو جھٹ پائی انڈیل کر دیا۔

”یہ کہاں تو اور لیں نا۔ اچھا چاول نہیں تو یہ روٹی لے لیں۔“ وہ کتنی توجہ دے رہی تھی۔ شفق نے بھی ایسا نہیں کیا تھا اس وقت بھی وہ کچھ کو کھانا کھانے میں مصروف تھی۔ شہیار کی طرف تو خیر اس طرح کا رویہ اس نے کبھی نہیں دیا تھا۔ آج تو اس کی اپنی پلیٹ بھی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

شفق اچھا کھانا بناتی تھی مگر شہیار کو آج کھانے پر جو بہت مزہ آیا اس کی وجہ اس کا اچھا کھانا بنانا نہیں۔ انہی کا توجہ سے سب کچھ پیش کرنا تھا۔
”بہت خوش نصیب ہے انہی کامیاں بڑے۔“

اور جب رات کے ساڑھے دس بجے وہ دونوں اپنی گاڑی پر انہی اور اس کے بچے کو ڈراپ کرنے گئے تھے اظہر صاحب گھر آچکے تھے۔ بچی کو وہ وہ کائیڈر بنا کر پلانے کے بعد اب وہ دو روز پہلے بنائے گئے وال چاول فریج سے نکال کر گرم کرنے کے بعد کھانے بیٹھے تھے۔
”اظہر بھائی! ہم نے تو اب دونوں کو انوائٹ کیا تھا پھر آپ کیوں نہیں آئے؟“ شفق پوچھ رہی تھی جبکہ شہیار کو یہ سناؤلا قدرے فریہ سنجیدہ سے چہرے والا مرو بالکل اچھا نہیں لگا تھا انہی کے ساتھ تو بالکل سوٹ نہیں کرتا۔

”بس کچھ کام تھا اس لیے آ نہیں سکا۔ میری طرف سے بہت بہت معذرت ویسے بھی جہاں انہی چلی جائیں میری ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اکیلی ہی کال

ہوتی ہیں۔“
پتہ نہیں ہے تعریف تھی یا کیا تھا شفق نے تائید میں سر ہلایا جبکہ انہی گھراتے ہی بہت سنجیدہ ہو گئی تھی اور لب لہجے کھڑی تھی۔ اس نے ان دونوں کو اندر آنے کو بھی نہیں کہا۔ یہاں تک کہ شفق نے جانے کی اجازت چاہی بچے کو انہی کی گود میں دیا کہ وہ گاڑی میں بی سو گیا تھا اور خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں آ بیٹھی۔
”عجیب سا ہے انہی کا شوہرا“ شہیار نے تبصرہ کیا۔

”ہے ناں میں تو خوب ہی کتنی ہوں وہ انہی کے قابل ہی نہیں۔ بس انہی کے گھر والوں نے ایک بوجھ کی طرح اسے سز سے اتار پھینکا کہ اوپر تھے یہ پانچ برس ہیں بھائی کوئی ہے نہیں۔ جو رشتہ آیا ہاں کر دی رہے نہیں دیکھا انہی کتنی اونچی سوچ رکھنے والی کتنی خوب صورت اور منفرد سی لڑکی ہے اور یہ اظہر مجھے تو شادی کے روز بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ انہی کی قسمت کی عمرانی پر میں تو بہت روٹی کھتی مگر انہی میں بہت صبر ہے اپنے دکھ کسی سے نہیں کتنی اور میرے بچے میں تو سب ہی سمجھتے ہیں کہ انہی بہت خوش قسمت ہے۔“

بات ہو انہی کی تو شفق کھانوں بول نکلتی تھی اور یہاں تو سننے والا انہی پوری طرح متوجہ اور اس سے متعلق تھا۔

اگلے روز دن کے گیارہ بجے کے قریب جب شفق چھوٹے موٹے سب کام بننا کروا کر ڈروب میٹ کرنے کے خیال سے اٹھی تھی کہ انہی کا فون آیا وہ کہہ رہی تھی ابھی ابھی سو کر اٹھی ہوں اور پہلا کام ہی کر رہی ہوں۔
”ارے اتنی لیٹ گیارہ بج رہے ہیں۔“

”ہاں بس وہ اصل میں بچے بھی لیٹ اٹھتے ہیں تو میں سوچتی ہوں پکی وقت ہے پھر تو سارا دن کمر بند کر کے کا بھی موقع نہیں ملتا تم بتاؤ میاں جی کھر رہیں یا چلے گئے۔ لوہہ تو صبح آٹھ بجے ہی نکل کھرے ہوتے ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ نا شفا تم ہی بنا کر دیتی ہو گی۔“
”ظاہر ہے انہی! میں تو صبح چھ بجے بستر چھوڑ دیتی ہوں۔“
”ہاں ہاں یہ سب تو کرنا پڑتا ہے یہ بتاؤ۔ کل میرے جانے کے بعد کیا باتیں ہوئیں۔ کچھ میرا ذکر بھی ہوا کہ نہیں۔“ اس کے انداز میں ہلکا جھٹس تھا۔
اسی وقت ڈور بکل ہونے لگی۔ شفق کا دھیان بٹ گیا۔

”کچھ خاص نہیں ہم لوگ اصل میں تھکے ہوئے تھے تو جلدی سو گئے۔“
”شہیار کو میری تمہاری دوستی پر اعتراض تو نہیں ہے؟“ انہی نے پھر بات نکالی۔
”وہ انہی باہر گیٹ پر کوئی ہے۔ میں پھر بات کر دلی گی۔“

”ہاں وہی تو عمر بھر کیا ہو اور میری دوست ہے۔“

”شہیار کو بتا ہے؟“ ار مہ نے پوچھا۔

”لو اس میں انہیں بتانے والی کیا بات ہے اور اگر پتہ چلے بھی جاتا ہے تو وہ کیا پرانا نہیں گے۔ وہ تو خود انہی سے اسے متاثر ہیں۔“ کچھ ار مہ کے ہاتھ سے بھونٹتے چھوٹے بچا۔
”شہیار کے ساتھ جاتی ہو اس کے گھر، جتنی دیر وہاں رہتی ہو وہ بھی اور جتنی رہتا ہے یا تمہیں ڈراپ کر کے آجاتا ہے؟“
”اب تو شہیار کی بھی بہت دوستی ہو گئی ہے۔ اصل میں متاثر تو وہ پہلی ملاقات میں ہی ہو گئے تھے۔ اب تو جتنی باتیں مجھ سے ہوتی ہیں اتنی ہی ان سے ہوتی ہیں۔“

”اس بھائی اسارے مرو ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ وہی کی مزات میں میں میٹھ نکالنے والے۔“ اسے انہی کی بات یاد آئی اور اسی کے انداز میں ڈوہرا بھی دی۔
”انہی تمہاری شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ ہر شخص کا اپنا مزاج ہوتا ہے ایک وہ سرے کے مزاج کو سمجھتے اور اس میں ڈھلتے ہیں وقت تو لگتا ہے۔“
”جی مشکل سے مٹایا ہے انہیں کہ مجھے تین چار ملازمتوں کے لیے فیصل آباد چھوڑ دیں۔“
”یہ تو اس کی محبت ہوئی نا۔ تمہارے بغیر وہ نہیں

”اور اس کامیاں کیا۔ اس سے بھی شہیار کی دوستی ہو گئی ہے؟“

”وہ کھر ہوتا ہی کہاں ہے آپ کو نہیں پتا بھائی! انہی بہت دکھی عورت ہے اس کی گھر لو زندگی بہت ڈسٹریب ہے، مجال ہے جو اس کامیاں گھر کو ذرا سا بھی وقت دے پتہ نہیں کہاں کہاں پھر رہتا ہے۔ اگر پتہ پڑے تو میں ہونا تو گھر میں بھی خوش حالی دکھائی تو ذرا مگر وہاں پرانے سے بہتر، آڑھے رنگوں کی بیڈ شیٹس۔ بس ہر شے میلی میلی۔ یہ تو انہی کی بہت ہے چپ چاپ لب

”کمان بھائی امرو پڑے مطلبی ہوتے ہیں۔“ اسے انہی کے بڑھائے سبق یاد تھے۔
”بھئی تمہیں اپنی دوست انہی کی طرف؟“ بھائی نے اسے سمجھانے کا کام پھر کسی وقت پر اٹھاتے ہوئے موضوع بدلا۔

”ارے لو ایک بار قریب ہی تو رہتی ہے ابھی کل بھی آئی تھی۔ اسے ایک شادی میں جانا تھا۔ میرے کچھ ڈر لیزز لے کر گئی ہے۔“

”تمہارے گھر کیوں اس کے پاس کمی سے کیا اور تمہارے بالکل نئے والے تو لے نہیں گئی جو تم نے ابھی پتے بھی نہیں ہوں۔“

”ہاں وہی تو عمر بھر کیا ہو اور میری دوست ہے۔“
”شہیار کو بتا ہے؟“ ار مہ نے پوچھا۔

”لو اس میں انہیں بتانے والی کیا بات ہے اور اگر پتہ چلے بھی جاتا ہے تو وہ کیا پرانا نہیں گے۔ وہ تو خود انہی سے اسے متاثر ہیں۔“ کچھ ار مہ کے ہاتھ سے بھونٹتے چھوٹے بچا۔
”شہیار کے ساتھ جاتی ہو اس کے گھر، جتنی دیر وہاں رہتی ہو وہ بھی اور جتنی رہتا ہے یا تمہیں ڈراپ کر کے آجاتا ہے؟“

”اب تو شہیار کی بھی بہت دوستی ہو گئی ہے۔ اصل میں متاثر تو وہ پہلی ملاقات میں ہی ہو گئے تھے۔ اب تو جتنی باتیں مجھ سے ہوتی ہیں اتنی ہی ان سے ہوتی ہیں۔“

”اور اس کامیاں کیا۔ اس سے بھی شہیار کی دوستی ہو گئی ہے؟“

”وہ کھر ہوتا ہی کہاں ہے آپ کو نہیں پتا بھائی! انہی بہت دکھی عورت ہے اس کی گھر لو زندگی بہت ڈسٹریب ہے، مجال ہے جو اس کامیاں گھر کو ذرا سا بھی وقت دے پتہ نہیں کہاں کہاں پھر رہتا ہے۔ اگر پتہ پڑے تو میں ہونا تو گھر میں بھی خوش حالی دکھائی تو ذرا مگر وہاں پرانے سے بہتر، آڑھے رنگوں کی بیڈ شیٹس۔ بس ہر شے میلی میلی۔ یہ تو انہی کی بہت ہے چپ چاپ لب

”اچھی جیسی بیوی اور تمہارے بارے میں کیا سمجھتے ہیں شہریار؟“ گرم ہست سچیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

”میرے بارے میں ”وہ زور سے ہنسی“ کہتے ہیں بہت بچکانہ ہے تم ہی لاپرواہی ہو اور بچوں کی طرح غصہ بھی کرتی ہو۔“

”تعریف بھی تو کرتے ہوں گے۔“ گرم ہنسی وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکی۔

”پتا ہے انہیں میرا کام والے کپڑے سینڈرائٹ کمر کی لپ اسٹیک استعمال کرنا بالکل پسند نہیں اور آئی شیڈو سے تو جیسے انہیں الرجی ہے۔ کہتے ہیں اچھی سے ہی سبق سیکھو، یقین نہیں آتا۔ تم لوگ اتنی پرانی دوست ہو تمہارے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

”اچھی تو ہمیشہ شوخ فکر استعمال کرتی تھیں بلکہ ضرورت سے زیادہ بھڑکیلے کپڑے پہنتی تھی۔“

”ہاں میں تو خود حیران ہوئی جب وہ ایک بدلے ہوئے روپ میں سامنے آئی۔“

”اس نے منے سے پہلے تم سے پوچھا تھا کہ شہریار کو کیا اچھا لگتا ہے اور کیا پسند نہیں؟“

”اس نے کیا پوچھا تھا۔ میں نے خود ہی سب کچھ بتایا تھا۔ آپ کو پتہ ہے اچھی سے میں بھلا کچھ چھپا چھوڑی سکتی ہوں۔“

”دیکھو شفیق! میں جانتی ہوں۔ تمہارے دل میں جو محبت اچھی کے لیے ہے وہ میرے لیے نہیں ہے مگر تم میری پھینوزاؤ کہیں بھی ہو اور مند بھی میں تمہارے لیے کبھی برا نہیں سوچ سکتی۔ تم سے جو بھی کہوں گی۔ غور سے اور ٹھنڈے دل سے سننا۔ کچھ عورتوں کو تمہاریاں رہتے اور دوسروں پر چھا جانے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ میں نے آج سے بہت سال پہلے دب میں یہاں کر

بھیالے اچھا لگنا شروع کر دی۔

”بس سب کچھ تیار ہے۔“ بھائی جلدی جلدی بولیں اور اسے برتن بھیل پر رکھنے کو کہا۔

پھر منصوبیت میں یہ بات کھل کرنے کا اس روز موقع نہیں ملا۔

اگلے روز کچھ مہمان چلے آئے۔ پھر شادی کا فنکشن ارم جو بات کہنا چاہتی تھیں موقع نہیں مل رہا تھا مگر یہ بات اس سے اٹکی نہیں تھی۔

جب وہ شہریار کے ساتھ واپس کے لیے تیار تھی تو بس ارم اتنا ہی کہہ سکی۔

”اچھی کی طرف کم جایا کرو۔ اپنے گھر کی جانب اور شوہر کی جانب تو جیدو۔“

اور بھلا اتنی سی بات کا اچھی کی ویوانگی پر کیا اثر ہو سکتا تھا جبکہ وہ یہ بھی جانتی تھی ارم بھائی شروع سے ہی اچھی کو ناپسند کرتی ہیں۔

راہور پہنچے ہی اس نے اچھی کو اپنی والدہ کی اطلاع دی۔

”میری طرف آؤ ناں بلکہ میں آج دوپہر کو آجاؤں گی کھانا بھی مل کر کھا میں گے۔“

”سچ اچھی! میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آجاؤ بہت سی باتیں کرنا ہیں۔“

”وہ شہریار کو تو اعتراض نہ ہو گا کہ اتنے دنوں کے بعد بیگم آئی اور یہی بھی آپکی ہے۔“

”ارے وہ کوئی گھر میں بھوڑی بیٹھے ہیں۔ اس کے پاس۔“

”آفس یعنی آج بھی ہنس ہے انہیں تمہارے آنے کی کوئی خوشی نہیں ہے۔“

”خوشی تو ہے مگر چاہ بھی تو ضروری ہے ہن اچھی!

سے بکھر اچھی سینٹھا ملازمہ تو آئی تھی مگر صرف بھلاؤ پوجانگانی تھی۔ بالی ڈسٹنک بھی کرنا تھی۔ شہریار کے بہت سے میلے کپڑے بھی رکھے تھے۔ استری کے لیے بھی اس نے نکالے تھے۔ سب سے اخیر حال میں لیکن تھا وہ جلدی جلدی سب سمیٹ رہی تھی۔ جب اچھی آئی۔ لیکن سمٹ چکا تھا مگر وہ رف سے چلنے میں تھی اسے نہانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

”ہائے شفو! لگتا یاد کیا میں نے تمہیں۔“ وہ بھی کو گود میں لیے بیٹے کی اٹکی تھا اس کے سامنے تھی۔

ذرا پکسی والے کو فارغ کر دو اور تمہارے کپڑے بھی واپس لے آئی ہوں جیکسی میں کالا بیگ ہے۔ اس میں رکھے ہیں۔ وہ بیگ بھی اٹھا لانا۔“

”مما! بسکٹ چائیں۔“ پھر غصہ کر رہا تھا وہ جیکسی والے کی جانب لگی۔

اس سے فارغ ہو کر آئی۔ پتہ مسلسل شور کر رہا تھا اس کے لیے بسکٹ نکالے اچھی کو جانے کے لیے بسکٹ کے قصبے تھے مگر اچھی نے بھی تو بسکٹیں اپنے لیا تھا اور وہ بھی بہت کچھ بتانے کے لیے بے چین تھی۔ اس کے قصبے شفیق سے کہیں زیادہ سنسنی خیز تھے۔

”پتہ ہے وہاں ایک میجر صاحب تو مجھ پر عاشق ہی ہو گئے۔ بس چند عرصے میں اوتھرائی میجر صاحب یہ جو تم سے ڈانس لے کر گئی تھی۔ میں بتا نہیں سکتی مجھ پر کتنے اچھے لگے۔ کتنی خواتین نے تو مجھ سے اس یوتھنگ کا نام پوچھا چاہا۔ میں نے کہہ دیا۔ رہنے میں ضروری نہیں جو مجھ پر سچ رہا ہے وہ آپ پر بھی سچے۔ بس شفو! کیا بتاؤں اس جواب پر کیسے مند تھی آئے تھے ان کے ہاتھ رو آیا۔“

”اظہر بھائی نے بھی تعریف کی؟“ اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

”جواب میں اچھی نے منہ نہ لایا اور بولی۔

”بس اچھا لگنا سے حیرت ہوئی تھی۔“

”جو ہر وقت تعریف ہی کرے پھر اس کی بات کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ تمہاری اچھی نئی شادی ہوئی ہے۔ تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی۔ بس تم ذرا ان میجر صاحب کی تو سنو ہائے بس شفو! یہ مرد بھی ناں ہوں گے چالیس کے قریب۔ بیوی بھی اسٹارٹ سی کیوٹ سے بچے مگر جہاں میں وہاں وہاں ان کی بیواں لگا ہیں۔ سچی تم ہو تیں تو وہ تمہیں برا مڑو رہا۔“

”اظہر بھائی بھی تو وہیں ہوں گے انہوں نے میجر صاحب کی تم پر نگاہ کو محسوس نہیں کیا مگر تو اس معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ مرنے مارنے پر بھی اتر آتے ہیں؟“

”کیا شہریار نے ایسا کچھ کیا؟“ وہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھنے لگی۔

”ہاں جب ہم لوگ اپنی مہمان کے لیے کھانا گئے تھے نا تو کئی بار بس میری وجہ سے ان کا بھگڑا ہوتا ہوتا رہ گیا۔ اچھا تم بھگڑو میں تمہارے لیے چائے بنا دوں۔“

”صرف چائے نہیں بھگڑ کر لگی! تمہیں بتایا تو تھا۔ ہم لوگ دیر سے سو کر اٹھتے ہیں چھوٹی کو توفیق نہ دیا تھا۔ بیٹے کو تو بھوکا ہی لے آئی تھی۔ اسی لیے تو اب بسکٹ کے لیے ضد کر رہا تھا۔“

”ہائے اچھی! کیسی ظالم ماں ہو تم! اس نے بچے کے گلے پر بوسہ دیا۔

”مجھے پتا تھا اپنی خالہ کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے ناشتا تو براہیلم۔“

”ہاں میں سچ میں اچھا سا تیار کروں گی۔“

”سچ تمہارے میاں صاحب بھی ہوں گے۔“

”ہاں کبھی ظاہر ہے وہ تو ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے پھر سچ نہیں باہر ہی جا کر کر لیں گے۔“

”تمہیں نہیں اچھی اتنے دنوں کے بعد تو گھر آئی ہوں

شہزادے کا تھا آج کو تھے بناؤں گی تو اب مجھے اچھا نہیں لگتا کہ وہ گھر آئیں اور میں کہوں کچھ نہ لایا ہی نہیں۔ پھر کبھی چل کر کھا میں گے۔

”میں تو مہمان ہوں میرا تم اب تم جو بھی جہاں بھی کھانا کی چپ کر کے کھاؤں گی۔“
انہی کی باتوں کے دوران ہی اس نے وارڈ روپ سیٹ کی۔ شہزاد اپنی نفاست پسندی اور جھنڈورا بھی تو خوب پہناتا تھا۔ مگر اسے دن میں مجال ہے جو کچھ بھی کھانے پر رہا ہو۔

انہی کے سناتی رہی۔ وہ کمرہ سیٹ کرتی رہی بیڈ شیٹ تبدیل کرنے کے جب وہ لاؤنج میں آئی۔ انہی بھی اگھر آئی۔ لاؤنج وہ انہی کی آمد سے پہلے سیٹ کر چکی تھی مگر بیٹھے گا اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اسے ایک بھر پور سچ کی تیاری کرنا تھی۔ بہت کچھ تو بازار سے منگوانے والا تھا۔ اس کے لیے انہی نے اپنی خدمت پیش کر دی۔

”بچوں کو تم دیکھو۔ میں بس یوں گئی اور یوں آئی۔“
انہی جھٹکڑی بھی ہوئی۔ اس نے لہٹ تھما دی۔

واقعی انہی نے بڑے پھرتی دکھائی۔ ایک کھٹے میں لدی پھندی واپس آئی۔

”اتنا کچھ؟“ وہ کھٹکی اس نے یہ سب نہیں منگوا یا تھا۔ شاید وہ اپنی شاپنگ بھی ساتھ ہی کر آئی ہے۔ یہی سوچ کر اس نے سوال نہیں کیا۔

”لو بھئی شفیو! میں نے تو تمام پیسے جو تم نے دیے تھے خرچ کر ڈالے۔ یہ سوچ کر کہ روز روز تمہیں پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔“ اس نے سب سے پہلے دو تین طرح کے ہسکٹس کے پیکٹ اور پھر چاکلیٹ کے پیکٹ نکالے۔ پھر آس کر ایم پیک کی پارمی آئی۔ موسمی فروٹ اور آخر میں اس کی مطلوبہ چند اشیاء۔ بیٹے کو چاکلیٹ اور اس کی پسندیدہ چھ کر ہسکٹ پکڑائے خود فروٹ لے کر بیٹھ گئی۔

”کوئی تم بھی۔ بہت میٹھی ہے۔“ اس نے موسمی کا مزہ لیتے ہوئے اسے بھی دعوت دی مگر اس کے

پاس وقت نہیں تھا۔

وہ کونوں کا مسالہ بنا چکی تھی مگر وہ بھی نیلی رائس پکرن کڑا ہی کے مسالے کی تیاری انہی باقی تھی۔ شاہی کتاب کا قلم بھی انہی کو لے کر رکھا تھا۔ دو تین طرح کے مسالہ بھی بنانا تھے بیٹھے میں تو چلاؤں گی جو آس کر ہم لائی ہے وہی چل جائے گی۔

اس کا خیال تھا مسالہ کے لیے وہ انہی سے کہہ دے گی مگر اس کی نگہ نے عیند سے جاگ رہنا شروع کیا تو پھر انہی کو سوائے اسے سنبھالنے کے کچھ بھی دیکھ نہیں رہا۔

”یہ میرے دونوں بچے بھی نا بچھ بڑے ہیں۔ غصے سے خوب پیچھے چلا تے ہیں۔“ انہی نے کونوں سے کہا مگر کھٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اور اظہر بھائی کیا وہ غصے میں شور میں ڈالتے؟“

”ارے وہ پورا کھتا آدمی ہے۔ مجال ہے جو کبھی اپنے جذبات کا اظہار کرے اس چپ چاپ جو کھوں کی مانتا چلا جائے گا اور بار! میرے خیال میں شوہروں کی رائے کو زیادہ اہمیت دینا انہی کی عیب ہے۔ اس نے مجھ سے فرما رہے تھے۔ آج مشرفہ لکھانے کوئی چاہ رہا ہے میں نے کہا۔ میں تو اپنی دوست کی جانب جا رہی ہوں بازار میں بہتر نے کھانے ملتے ہیں جو کھانے کو جی چاہے کھانا کریں بس شفیو! تمہیں تو پتہ ہے گھر میں مجھ سے بڑی دو بڑی نہیں تھیں اور دونوں ہی کو کنگ کی شوقین۔ ایسے میں میرے لیے کہاں گنجائش رہ جائی تھی پھر میری انی خود بھی کھانا پانے اور گھریلو کاموں میں مصروف رہنے کو ترجیح دیتی تھیں مجھے تو بس چھوٹے پھرنے کا شوق رہا ہے۔ خواہش تھی جیون سا بھی بھی ایسا ملے گا“ اسے تو اپنے بزنس سے ہی فرحت نہیں اور بزنس بھی کیسا بہ آمدن گزارنے لائق اور خواری ہر وقت کی میں تو کہتی ہوں یہ کام چھوڑ کر کوئی دوسرا شروع کر دو اور نہیں تو اسپر پارٹس کی دوکان ہی کھول دو کہ بزنس بھی وہ اسی کا کرتے ہیں مگر فرماتے ہیں۔ یہ سب لگتا تمہاری نہیں بھانڈ میں جاؤ۔ جسم میں جسم کو مجھے کیا۔“ انہی شاید تصور میں شوہر کو سامنے پارہی تھی

اسی لیے شہزاد ہی تھی۔

”اچھا تم اپنا موڈ مت خراب کرو۔ یوں جس کڑھ کر تو اپنی صحت برقرار کرو گی۔ پلیرز انہی امیری خاطر فوراً اپنے ان معصوم بچوں کی خاطر آخرا نہیں تم کو ہی دیکھنا ہے۔ اپنی صحت اچھی نہیں ہوگی تو ان کی دیکھ بھال پیسے کپاؤ گی۔“

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔“

انہی سوچتی تھی وہ اسے لٹانے کے لیے اندر چلی آئی واپس آکر فرنج سے جوس کا پیکٹ نکالا اور گلاس میں ڈال کر پینے لگی۔

”ماما! مجھے بھی دو۔“ اس کا بیٹا پین کے سامنے لاؤنج میں ہی بیٹھا پرانے میگزین سے کھیل رہا تھا جوس دیکھ کر فوراً اگھر آیا۔

”اوہ ایک تو تم بھی نایاب کی طرح مجھے کھانا پیتا نہیں دیکھ سکتے“ انہی کم زوری محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے بیٹے بیٹھ گئی تھی نہیں پتی۔ تمہاری لوہو جاؤ خوش“ انہی نے گلاس اس کے قریب رکھا۔

”انہی! انہی! ایسے کیوں ہوتی ہو تم اور بڑے لوگ۔“ اس نے مٹا چاہا۔

”کیسے لے لوں۔ تم بھی کیا سوچو گی؟“

شفو نے آگے پیسہ کر فرنج لٹھولا اور دوسرا گلاس بھر کر اسے تھمانے کے بعد پھر کام میں مصروف ہو گئی۔ انہی جوس پینے کے دوران بھی اسے اپنی زندگی کے کھوں کے بارے میں بتاتی رہی وہ سن سن کر افسردہ ہوتی رہی۔

شہزاد گھر آیا۔ اس کے سامنے کچن میں دو خواتین موجود تھیں ایک اس کی بیوی جس کے بال کھڑے تھے کپڑے نلچے اور پاؤں میں ہاتھ روم سلپرز تھے اور دوسری بہترین تڑپس خراش کا ڈنک والا اسٹائلش سیٹ پہنے لائٹ میک اپ کیے ہوئے سامنے تھی اور ان کے بیروں میں جوتی بھی بہت اچھی تھی۔ اس کے پیرے پر نرم مسکراہٹ تھی اور شہزاد کی گاڑی کی آواز سننے ہی وہ مسالہ بنانے کی تیاری میں بہت کچھ لپٹنے کے رکھے چھری ہاتھ میں لیے بیٹھی گاڑی چھیل رہی تھی۔

تھی جبکہ شفیو اس کی کھائی سن سن کر افسردہ سے چہرے کے ساتھ ساتھ سامنے تھی۔
”کیسی ہیں آپ؟ کب آئیں؟“ شہزاد نے بہت اخلاق سے پوچھا۔

”میں اچھی ہوں بس آج آپ لوگوں سے ملنے کو جی چاہا تو جلی جلی حالانکہ جانتی تھی یہ کتنے دنوں کے بعد میکے سے آئی ہے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنا پسند کریں گے مگر پھر بھی بس رہا نہیں گیا۔“

”کیسی بات کرتی ہیں آپ۔ یہ آپ کا اپنا گھر ہے اور ہمیں تو خوشی ہوئی ہے جب آپ ہمارے گھر آئی ہیں۔“

”تو اور کیا مگر یہ مسلسل ایسی ہی باتیں کر کر کے مجھے غصہ دلاتی ہے۔“

”غصے میں آنے والی بات نہیں ہے شفیو! یہ تو تمہارا رویہ ہے جو اس گھر سے ان کی اجنبیت کے احساس کو ختم کر سکتا ہے۔“ اس نے بڑی شہیدگی سے کہا اور شفیو ان بات میں سہلانے لگی۔

انہی کا بیٹا تو لاؤنج میں بیوی پر کچھ دیکھنے بلکہ کھیل سرج کرنے میں مصروف تھا کمرے میں آیا تو اس کی بیٹی بیڈ پر سو رہی تھی۔ فیڈر قریب ہی اونٹن ہارڈ تھا اور دو دو بچل سے ٹپک کر تھیں چادر بٹھو رہا تھا کھیکے کے پاس بیچمر کا پیکٹ جبکہ بیڈ پر ہی اس کا ٹیک اوٹ کھانا رکھا تھا سائڈ ٹیبل پر بھی کچھ اشیاء و ہری تھیں۔ اس نے بے اختیار شفیو کو آواز دے ڈالی۔

وہ آئی تو بولا ”یہ کیا پھیلاوا ہے؟ تمہیں سب سمیٹ کر ایک طرف رکھو۔ انہی تو مہمان سے تم اسے یہ سب رکھنے کی جگہ بناؤ اور پلیرز انہی اٹھ جائے تو بیڈ شیٹ چھین کر دینا۔ یہ وہی فیڈر سے دو دو ٹپک گیا ہے۔“ اگرچہ دو دو بہت معمولی مقدار میں گرا تھا مگر شہزاد کی نفاست بہت طبیعت پر گراں گزار رہا تھا۔

”آپ تو معمولی سی بات کا ہنسنے لپٹتے ہیں جہاں چھوٹے بچے ہوتے ہیں وہ سب یہ سب تو ہونا ہی ہے۔“ وہ ابھی ابھی انہی کی مظلومیت کے قہقہے سن کر ہی تو

آ رہی تھی اسی لیے شہزیاد کا یہ سب کتنا اسے اٹھی کی ذات پر تنقید لگا تھا اور چپ نہیں رہ سکی تھی۔
 ”میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے صرف بیڈ شیٹ چینیج کرنے کی درخواست ہی تو کی ہے نا۔“ ایک تو تھکن رو سرا شفق کا میلا کچلا حلیہ تیسرا اٹھا اٹھا اس کا منہ پھلا کر بولنا جس پر وہ ہمیشہ اسے ٹوٹتا تھا آج غصہ والا گیا۔
 ”آپ کو اچھا ہی نہیں لگتا کہ میری دوست یہاں آئے۔ وہ بے جا رہی تو بسے ہی اتنے وہ بھی ہے۔“ شفق کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”نصرت کے انداز سے مت لگایا کرو، نصرت نفیس لڑکی ہے۔ ایسے لوگوں کو میں ذاتی طور پر بھی پسند کرتا ہوں۔“ شفق یہ بات مست کرنا کہ مجھے اس کا یہاں آنا پسند نہیں۔
 وہ سیل فون بستر پر اچھا کر دوش روم کی جانب بڑھ گیا۔

شفق گہری سی سانس لے کر باہر آئی۔ سب کچھ تقریباً تیار تھا سچ سے باتیں بنانی انہی اب سلاو تانے بیٹھنے لگی تھی مگر وہ کچھ انہی کی باتوں میں کچھ شہزیاد کے دہلیزے میں ایسی ابھی کہ اسے چینیج کرنے اور بک چھکا کا سامنا ہو جانے کا خیال ہی نہیں تھا اور انہی نے بھی ایسے یہ احساس نہیں دلا یا جب وہ دیکھا یہ جگن میں آئی۔ انہی بڑی سستی سے سہری کٹ رہی تھی اسے دوسری چھتری اٹھانا پڑی۔

”کیا کہہ رہے تھے شہزیاد؟“ یہ سوال ایسا تھا جس کی توقع شفق ہر حال نہیں کر سکتی تھی اور اب تو جو کچھ شہزیاد نے کہا تھا۔ وہ انہی سے کہنے والا تھا ہی نہیں۔
 انہی وہ خاموش ہی تھی کہ انہی بولی۔

”ہمت دلوں کے بعد ملے ہو نا بے تاب تو ہو گا تمہارے لیے۔“ یہ سب کہتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سا تانہ اور لہجے میں گہری ٹھنڈک تھی جسے شفق نے اس لیے محسوس نہیں کیا کہ انہی کا یہ کتنا اسے شدت سے احساس دلا رہا تھا۔ شہزیاد نے جو کما ہمت غلط کہا۔ وہ اسے دلوں کے بعد ملے ہیں آج اسے کھٹے لہجے کر رہے ہیں مگر شہزیاد نے اس بات کو بالکل بھی دھیان

میں نہیں رکھا۔ اسے میں ہمیشہ احمق لاپرواہ اور غیر شہیدہ دکھائی دیتی ہوں وہ چپ چاپ سلاو کے لیے چھریں بناتی رہی۔ انہی بھی اسی کام میں مشغول کن انہیوں سے اس کا چہرہ بڑھتی رہی۔

اس روز وہ شہزیاد کے ساتھ پہلے سے زیادہ سے بے تکلف تھی۔ اس کے متنازل کھانچ لاکھ کی باتیں اس کی پسند ناپسند سب براہ راست ڈسکس کر رہی۔ کھانے کی میز پر پہلے ہی کی طرح اس نے دونوں کو خود کھانا سرو کیا۔

اس کے لیے وہ جگن میں شفق کی پوچھناں پر بوسہ دے کر کہہ چکی تھی۔
 ”میں جانتی ہوں میری جان اتم بہت تھک گئی ہو۔ میں کھانا کھاتے ہی ریسٹ کرو اور ہر اونگی بوگی سوچ کر ذہن سے نکال دو۔“

آخری بات بر شفق نے چونک کر سراٹھایا تھا تو اس کی بچھریں کیا سسٹا۔ اس کی درد آشنا بات کے بغیر ہی سمجھ گئی تھی۔ وہ انہی سے لپٹ گئی انہی اس کی پشت پر بھی اور اب وہ اسے اور شہزیاد کو پار بار کھانا نکال کر دے رہی تھی اور بہت اصرار سے کھلا رہی تھی۔

شفیق کچھ تو تھک گئی تھی۔ کچھ اسے انہی کی بات نے یہ احساس دلا یا تھا کہ آج اتنے دن کے بعد ملنے کی وجہ سے شہزیاد کا انداز اس کے لیے بے تابی لیے ہوئے ہونا چاہیے تھا وہ چپ چپ ہی تھی اور اس کی یہ چپ شہزیاد کو غصہ دلا رہی تھی۔ شرمندہ بھی کر رہی تھی کیسی ال متزلزلگی سے اسے احساس نہیں انہی مہمان سے اور اس کی خاطر اس کا قرض ہے تاکہ وہ بے چاری نہیں ایک ایک ڈش اٹھا کر پیش کرتی رہے۔ ”بھھرے بال“ سچ کا دھلا ہوا چہرہ رات کو چہنے کے کپڑے اسے اور بھی غصہ دلا رہے تھے کھانے کے بعد شفق برجن سیٹ کر جگن میں چلی گئی اور وہ دونوں باتیں کرتے رہے پھر اس کا بیٹا کسی بات پر غصہ کرنے لگا شفق اسے اٹھا کر ملان میں لے آئی۔ اس کے ساتھ کھیتی رہی۔ وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ اس کا خیال تھا۔ انہی کھانا کھا کر چلی جائے گی مگر وہ ایسے خیال میں دکھائی

دیتی تھی۔ شفق نے پیرے نکالے اور نہانے کے ارادے سے ہاتھ روم میں گھس گئی کہ انہی کو شہزیاد کہتی ہے رہا تھا نا۔

تھا کہ لگی تو شہزیاد اس کو اپنی اسکول اور کالج کے زمانے کی تصاویر دکھا رہا تھا وہ تو بے خوف انجوائے کر رہی تھی ڈارک بریل سوٹ جس پر ملٹی کلر سے کڑھائی لگی تھی پریل کا ٹینڈر ہی اس اسٹک لگائے جب اسے آئی دونوں نے سراٹھا کر دیکھا۔

”لوں ہوں یہ کون سا کھر پسن لیا ہے تم نے پلیز اسے بھی ڈارک کلر مت مینا کرو۔“

وہ بلاشبہ اپنی گوری رنگت میں اس کھر کے ساتھ ست نمایاں ہو رہی تھی شہزیاد کی نظروں میں ستائش ابھری ہی تھی کہ انہی کے چہلے نے اس کی بھی سوچ بدل دی۔

”رائلی میرا خیال ہے انہی ٹھیک سمجھتی ہے یہ کھر کچھ عجیب سا ہے۔“

”میں تبدیل کر کے آئی ہوں۔“ وہ تو فوراً ”شرمندہ ہو جانے والوں میں سے تھی۔“
 اب اسے وہ اپنے کھانے کے بعد شہزیاد کے پاس ٹھنڈے لگا کر لگی ہو تو اب چینیج کرنے چل پڑو مجھے تم ہر رنگ میں اچھی ہی لگتی ہو۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ وہ سب سے سب سے میری نظر سے تھوڑی دیکھتے ہیں۔ لباس شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اور یہ وہ کھر ہے جو انواروں میں خوب پہنا اور پسند کیا جاتا ہے۔

”وہ انہی میں نے تو۔“ شہزیاد کے لبوں پر انہی کی بات سن کر آنے والی مسکراہٹ نے اسے رو ہانا کر دیا۔ ”وضاحت میں کیا کتنا چاہ رہی تھی اسے بھول ہی گیا۔“ اچھا۔ اب انہی کسی چائے تو بناؤ۔ ہم شہزیاد سے انتظار میں بیٹھے تھے ورنہ میں اس وقت چائے لے لیتی ہوں۔“

وہ اثبات میں سر ہلا کر جگن میں چلی آئی۔
 ”چلو آج چائے کیسے باہر چل کر پتے ہیں۔“ وہ جگن میں گئی تھی کہ انہی کو خیال کیا۔
 ”ہاں ٹھیک ہے۔“ شہزیاد نے اثبات میں سر ہلایا۔

انہی شفق کو آوازیں دینے لگی۔
 ”چائے رتے رو۔ ہم کیسے باہر چل کر پتے ہیں۔“ وہ ہمیشہ شام کی چائے اپنے بیڈ پر بیٹھ کر پورے سکون کے ساتھ چینا پسند کرتی تھی مگر انہی کی خواہش کو رو نہیں کر سکی اثبات میں سر ہلا دیا۔

”تم میرے بیٹے کے کپڑے چینیج کرو۔ میں جی کو دیکھ لوں۔“ انہی اس کے بند روم کی جانب بڑھ گئی وہ بچے کے کپڑے لینے اندر آئی تو انہی اور رنگ مینل کے سامنے میک اپ میں مصروف تھی۔ تیار ہو کر پورے آؤٹ فٹ میں باہر آئی۔

وہ کبھی بھی ایک وہ سرے سے تھریپ کے بعد روٹھے نہیں تھے پلٹ ہوتی اور شتم ہو جاتی اور آج ایسا کچھ خاص ہوا بھی تو نہیں تھا مگر اس کا جی بھی کچھ صحت نما تھا اور شہزیاد بھی بے گامنی برتا رہا تھا۔ انہی کو لوں پر بتایا تو بولی۔

”مردوں کو خرابے دکھانے کی عادت ہوتی ہے ایک دو روز گرنے دو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے کیا تم روٹھ جاؤ تو سناٹا ہے کھر سے لاکر کھی گانا گا کر۔“
 ”میں کبھی روٹھی ہی نہیں ہوں گانے تو وہ ویسے بھی مجھے دیکھ کر گاتے رہتے ہیں اور کھرے بھی لے آتے ہیں۔“

”اپنا تم سے بہت اچھی لگتی ہو۔“ پتہ نہیں انہی ان کی اندرونی زندگی کو لگا کر دیتی کیوں تھی اور شفق نے کبھی بھی اس سے کوئی بات کبھی پھیلائی تھی۔
 شہزیاد کی تھی نے اسے بڑھال کر دیا تھا وہ زیادہ دن سہم نہیں کی اور اسے بخار ہو گیا۔

”اچھا ہے مرچاؤں جب انہیں پرواہی نہیں میری تو میں جی کر کیا کروں۔ جب مرچاؤں کی پھر تو یاد کریں گے پھر مجھے پکاریں گے مگر تب میں کیسے نہیں ہوں گی جب تک جنہیں کے اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہو کے لگائے گا۔“ وہ کیا کیا سوچتی اور زوتی رہی شہزیاد کھر کیا اس نے اپنی طبیعت کی خرابی کے بارے میں نہیں

پتایا۔ معمول کے مطابق کھانا تیار کرتی رہی۔ بھیل پر لگتے اسے چکر آیا۔ ڈش تو بھیل پر رکھ دی مگر تو ان پر قرار نہیں رکھ سکی اور خود فرش پر آگری۔
 ”شفق! شہریار تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ ہاتھ لگا پتا اس کا جسم انکار سے کی ہانڈ لگا۔

”کیا کروں؟“ اس نے اپنے ہاتھوں میں بے ہوش شفق کو پریشانی سے دیکھتے ہوئے سوچا پھر وہ کنب میں سب سے پہلے انھی کا خیال کیا۔ اس کو کال کیا۔ شفق کی حالت بتائی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ابھی آ رہی ہوں اور ہمیں قریب ہی ٹاپیڈ کلینک سے آپ سے ملنے کے کر رہی ہیں۔ انہیں میں ابھی اوپر آؤں گی اور ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ وہاں پہنچے آئے تو انھی ان کے ساتھ تھی اور شفق ہوش میں تھی۔

”یہ کیا حماقت ہے شفق! تمہیں بخار تھا تو تم نے شہریار کو بتایا کیوں نہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر اتنی شدید ناراضی! اورے جہاں محبت ہوتی ہے وہاں تو بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ تم ایک فضول سی بات کو دل سے لگا کر بیٹھی رہیں۔ قدر کرو اپنے میاں کی ایسے اچھے انسان تو چراغ کے گرد و خویڑے سے بھی نہیں ملتے۔“

”انھی! سچے کہاں ہیں اور انظر بھائی نے تمہارے یوں آجانے پر راتوں نہیں مانا؟“
 ”انظر! شاور گئے ہیں ان کی واپسی اب ایک ہفتے سے پہلے تو مشکل ہی ہوگی بچوں کی نگر نہ کرو۔ وہ ہیں نا ہماری ایک رشتہ دار۔ بے چاری بیوہ اور لاچار سی ہیں۔ وہ آئی ہوئی ہیں سچے انہی کے پاس ہیں۔ وہ بہت اچھی طرح سنبھال رہی ہیں۔ تم بس اپنی فکر کرو۔“
 ”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ اسے قہارست مت تھی۔
 پولنا مشکل ہو رہا تھا۔

گھر آکر شہریار نے اسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار اور بند روم میں لے گیا۔ اسے لاؤنج میں رک جانا چاہیے تھا مگر وہ پیچھے چلی آئی تھی اور شہریار نے اس کی موجودگی کے باوجود شفق کا ہوسہ لے کر اسے اپنی بے تالی اور پریشانی کے بارے میں بتایا تھا پھر انھی سے بولا۔

”آپ پلینز اس کے لیے سوپ اور دلید وغیرہ بنا لیں۔“
 ”نہیں، نہیں انھی تم انکیف مت کرو۔ ابھی بخار کم ہو گا تو میں خود بھی بنا لوں گی۔“
 ”اوپر دوست ہے تمہاری۔“ شہریار نے اسے تکلف پر سمجھایا۔

انھی کو رجن میں اپنا پڑا اور رجن کے کاموں سے اس کی ہوشہ جان جاتی تھی وہ اکثر کھانا بازار سے منگواتی یا ملازمہ سے پکواتی۔ نئے وہی خوبصورت لگتا اور پھر یہ وہ خاتون جن کی عمر پچاس پچھن کے قریب تھی نظر کی رشتہ دار تھیں جب وہ آجائیں۔ اسے بڑی سہولت ہو جاتی۔ کھانا بنانے سے تو بالکل ہی جان چھٹ جاتی اور بچوں کو بھی بھروائی رکھتیں۔

”یہ نہیں کس طرح کا سوپ بنانا چاہیے۔“ اس نے کچھ دیر سوچا پھر فریج سے چکن نکال کر پھر مارے پانی میں نمک اور کالی مرچ کے ساتھ ڈال کر چوسنے پر چڑھا دیا۔

”اب چاہئے ہی چاہئے۔ انہیں بارہا بارہا سے جوس کے لیے شیٹے ملازمہ بھیج لیا ہے پتہ نہیں چنی کہ کھڑے۔“

کوقت کے عالم میں چائے تیار کی شہریار خود چلا آیا ٹرے اس نے ہی سیٹ کی اور اندر لے گیا انھی اب بھی اس کے پیچھے تھی۔ چائے کے ساتھ شفق نے ”بسکٹس لے دوالی اور تھوڑی دیر میں سوگی۔“

اس روز بھی چند روز پہلے کی طرح انہوں نے ڈھیروں باتیں کر ڈالیں اور پتہ نہیں کب آپ سے وہ دونوں تم پر آگئے۔ ایک صوفے پر برابر بیٹھ کر ہی دیکھتے اور تبصرے کرتے رہے۔ شفق کی اٹھ کئی بخار لگا تھا شہریار اور شفق دونوں انھی کے شکر گزار تھے اور شہریار اسے ڈرنا نہ کرنے جا رہا تھا۔

”پتہ نہیں رات میں کچھ کھانے کو ہے بھی یا نہیں؟“ شفق نے قہارست کے ساتھ کروت بدلتے ہوئے سوچا تھا پھر وہ سزا خیال پر آیا۔ انھی کے ہاں کھانا کھا کر ہی آئے گا یا شاید نہ بھی کھائے کہ مجھے بخار ہے اور شہریار

میں ایسی ہوں شاید انھی ساتھ ہی کھانا بھی کروے۔ مگر شہریار بہت جلدی آ گیا اور کھانا اس کے ساتھ نہیں کھا۔

”وہ فریج میں دیکھیں۔ میرا خیال ہے وہ پیر میں جو پایا تھا موجود ہی ہوگا۔“
 ”نہیں وہ تو میں نے اور انھی نے کھانا تھا۔ خیر تم غرتہ کرو۔ میں سینڈویچ بنا لیتا ہوں۔“

شہریار اس کے پاس بیٹھا اور انھی پلائی کھانا بھی کھلایا مگر کچھ کئی سی تھی۔ یا شاید اس کی توقعات ہی زیادہ تھیں۔

اگلے روز انھی شام کو ان کے ہاں آئی تھی اور شہریار یقیناً پہلے سے اس کی آمد کے بارے میں جانتا تھا منتظر تھا اور خاصا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ شفق کو بٹکا بخار ابھی اتنی تھا۔ انھی آئی اور اس نے خوب انصاف کیا۔ اس نے شفق کو کمرے میں جا کر آرام کرنے کو بھی کہا مگر شفق تیار نہیں ہوئی۔

”دل کی باتیں نہ کرو۔“ انھی نے کہا۔
 ”میں اور وہ بس ایک جانب بیٹھی مسکرا رہی تھی۔“
 ”تم شہریار کا خیال نہیں رکھتیں شفق! اتنے دنوں کے لیے میکے جا کر بیٹھ گئیں اب آئی ہو تو ذرا سی بات کو ان سے لگایا اور بیمار پڑ گئیں۔ دیکھو! بے چارہ لگتا کمزور ہو رہا ہے۔“

”ابھی باتوں کو یہ نہیں سمجھتی۔“ شہریار نے شکوہ کیا۔
 وہ جو تک کر اس کی صورت دیکھنے لگی ”آخر کیوں یہ ہو لگا ہوا چاہتا ہے میری محبت میں کبھی کبھی نہیں رہی اس کا ہی بھرا لے گا۔“

شہریار کی انھی سے کی گئی چھوٹی سی شکایت اس کی دل کی دنیا میں پھیل چلا رہی تھی شاید وہ ابھی کہہ دے گا اس تو مذاق کر رہا تھا شفق کی محبت کو ناپسندے کا تو بھولی بیوانہ تھی تک ایجاد ہی نہیں ہو اکر ایسا نہیں کہا اور وہ چپ چاپ بیٹھی منظر میں موجود ہونے کے باوجود منظر سے

غائب ہوتی رہتی تھی۔
 اس کا بخار صبح تک اتر گیا اس نے لہجہ کرنا شہریار کو کچھ اوپر لے کام سمیٹے۔ شہریار تیار ہو کر بھیل پر آیا تو اس کی پسند کا ناشتا پر اٹھا اور پلیٹ اس کے سامنے رکھا مگر یہ نہیں وہ کس سوچ میں گم تھا۔ توجہ ہی نہیں دی۔ چپ چاپ ناشتا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو پیر میں کیا بناؤں؟“ اس نے پوچھا تھا۔
 ”وہ ہاں یاد کیا کن دوپہر میں میرے لیے کچھ نہ بنانا۔ میں لیٹ آؤں گا۔ اوکے جان! آج شام کی چائے پر ملاقات ہوگی اور وہ مجھو تم کاموں میں مت لگی رہنا۔ اپنا خیال رکھنا۔ میں پھر بار نہ پڑ جاؤں۔“

اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 شہریار کے جانے کے بعد انھی وہ ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی کہ شہریار کی امی کا فون آ گیا۔ وہ چار دن تھیں۔

”ٹھیک ایک ہفتے کے بعد پاکستان آ رہی ہوں پورا ایک ماہ اپنی بیٹی کے پاس رہوں گی۔ ابھی تو میں نے تمہارے چاؤ بھی نہیں پورے کیے۔“

شہریار کی والدہ بہت سوٹ بیچر کی مالک تھیں اس لیے ان کی آمد کا سن کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

ہر وہ خبر جو اس کے لیے وہم تھی اسے انھی کے ساتھ شیئر کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی مگر آج کل انھی کی نچالے کیا مصروفیات تھیں جب بھی فون کرنی جو اب موصول نہیں ہوتا تھا۔ سبھی تو بھی انھی تک انھی نے بات نہیں کی تھی۔ شاید اس کے میاں آج کل گھر ہونے ہوں گے مگر یہ بھی کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ کل ہی ریٹائرمنٹ کی جائے۔

شہم کو شہریار آیا تو اس نے انھی کی طرف چلنے کا کہا۔

”کیوں خیریت؟“ وہ پوچھنے لگا۔
 ”اتنے دن ہو گئے اس سے ملے ہوئے۔“
 ”تم میں اور انھی میں کوئی قدر بھی تو مشترک نہیں میری سمجھ میں نہیں آیا پھر تم اس سے ملنے کو۔“
 یہ جتن کیوں رہتی ہو؟

”تو میری دوست ہے۔“ اس نے کچھ احتجاج کے رنگ میں یاد دلایا۔
 ”بہر حال آج نہیں جھمیں پتہ ہے لیٹ آ رہا ہوں۔“
 ”تھکا ہوا ہوں۔“
 ”اچھا ٹھیک ہے پھر کل چلیں گے۔“ وہ جھٹ مان گئی۔
 کل آگے کی ٹوکھٹھیں گے تو کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھا اب تو اس سے کچھ کہنا ہی فضول تھا۔



شہزیار کی والدہ کی آمد پر شفق کے میکے والے بھی ملے آئے تھے۔ رات کو کھانا کھا کر صبح آٹا کوزہ شہزیار لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے جبکہ شہزیار کی والدہ شفق کی امی اور بھانجی ارم شہزیار کی والدہ کے بیڈ روم میں آگئے تھے۔
 ”ہائے کیا تھا آج انجی بھی ہوتی تو۔“ اس نے بڑی مسرت سے ذکر کیا تھا۔
 ”کیا وہ یہاں آتی رہتی ہے؟“ ارم نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں ہاں اکثر پتہ ہے شہزیار بھی اسے بہت پسند کرتے ہیں بلکہ اب تو کہتے ہیں۔ اس کی پسند ناپسند تم سے زیادہ مجھ سے مانتی جاتی ہے۔“
 وہ بہت خوشی کے ساتھ ارم کو بتا رہی تھی اسی وقت فیملی ٹیکم (شہزیار کی والدہ) آئے اس کی امی سے بات کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف یونہی دیکھا تھا مگر شفق کے جوش اور جواہ میں ارم کی سنجیدگی نے حیران سا کیا۔ ارم کو پیر کرید کر کسی انجی کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور شفق اپنے مخصوص لہجے میں سے بتائے چلی جا رہی تھی۔

”کون ہے یہ انجی؟“ نہیں بھی تجسس ہوا۔
 ”وہاں فیصل آباد میں ہمارے محلے میں رہتی تھی۔“ ارم نے کہا۔ شفق نے نئی میں سر ہلایا اور بولی۔
 ”یہ کیا کہہ رہی ہیں بھانجی آپ! وہ صرف ہماری محلے دار نہیں۔ میری بہت اچھی دوست ہے۔ بس بچی ایک چار دو قابل والا حساب ہے۔“

”تم بھی جاتی ہو اس کے ہاں؟“ ارم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔
 ”آں ہاں ہاں۔“
 ”انجی جاتی ہو؟“
 ”نہیں انجی کیوں شہزیار کے ساتھ؟“
 ”اچھا انہیں کیوں اعتراض نہیں ہوتا تمہاری سہیلی کے ہاں جانے پر۔“
 ”میں نے کہا نا۔ اب وہ صرف میری سہیلی ہی نہیں ہے۔ شہزیار بھی اسے بہت پسند کرتے ہیں اور انجی! وہ ہے بھی اتنا پیار کرنے والی کہ کبھی کبھی تو میں اس کی ٹھنڈوں پر شرمندہ ہی ہو جاتی ہوں۔“
 فیملی ٹیکم کو وہ دونوں کے رویوں پر حیرت تو ہوتی مگر انہوں نے دخل نہیں دیا ایک بار پھر اس کی امی سے بات کرنے لگیں۔
 ”ہم سب چلیں گے کل انجی کے ہاں۔ کتنی حیران ہوگی نا۔ یہ سب کو دیکھ کر شفق خاندان میں اتنی اس کی حیرت پر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”نہیں ہم سب صرف تم ملے۔“ ارم نے صاف انکار کر دیا۔
 ”اچھا پھر میں اسے یہاں بلا لیتی ہوں۔ کل کھانے پر کہتی ہوں آجائے۔“
 ”تو کچھ لو لگا کر۔ میرا خیال ہے وہ نہیں آئے گی۔“
 ”کیوں بھلا۔ وہ کیوں نہیں آئے گی میں ابھی غور کرتی ہوں اور سب کی آمد کے بارے میں بتاتی ہوں۔“

”کسے فون ہو رہا ہے؟“ اب کے شفق کی امی نے پوچھا۔
 ”امی! انجی کو بلائے گی ہوں۔“ وہ نمبر ملائے ہوئے ایک جوش کے ساتھ بولی۔
 ”انجی! یہ ابھی تک تمہارے سر سے انجی کا بھوت نہیں اترتا۔“ اس کی امی کے انداز میں کئی کچھ کچھ ارم والا ہی تاثر تھا۔
 اس نے جواب نہیں دیا۔ انجی سے بات کرنے لگی۔
 وہ اسے ان سب کی آمد کے بارے میں بتا رہی تھی۔

اور کل آگے کو کہہ رہی تھی۔
 ”ہائے کچھو۔ انجی! اپنا بھی تو پہلے ہی کہہ رہی تھیں۔“
 ”میں تو گی ٹکڑی میں نے پورے وقت سے کہا تھا تم کو۔“
 ”اوہ اچھا چلو ٹھیک ہے کل شہزیار سب تو ملے جائیں گے شہزیار کی امی تو نہیں ہیں نا۔ تم ان سے ملنے آجائے۔ بہت خوش ہوگی تم ان سے مل کر۔ بہت اچھی نہیں خاتون ہیں جیسی خواتین شہزیار کو اچھی لگتی ہیں نا جیسی تم ہوناں بانگن ہو گی۔“
 اس بات پر ارم پھر جو کئی تھی اور اس نے کچھ انہوں کے ساتھ شفق کو دیکھا تھا۔
 ”وہ کل تو اس کے میاں کے کچھ دوست انوار احمد ہیں۔ وہ نہیں آئے گی۔“
 ”اچھا پھر اس سے کہنا تھا ہم سب ابھی آرہے ہیں۔“ ارم کا انداز استہزائیہ تھا۔



ان لوگوں کی ہوا میں کے اگلے روز انجی آ رہی تھی اور شفق کے جوش سے بچنے میں کسی اس کے لیے جاننے کو کیا تلاش کر رہی تھی۔ شہزیار کو اس نے ایک ہی لسٹ سمجھائی تھی اور اس نے بغیر ٹاک بھون بھونے سب ملان لادیا تھا۔
 انجی آئی تو ارم کی باتوں کی روشنی میں فیملی ٹیکم نے بہت گہری نظر سے اسے دیکھا تھا۔ سناٹوں سنوٹوں، خوب نظر نقوش والی اور بہت لمبے ہاتھ والی عورت اسے لڑکی نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی طراری اور جہرے کے نقوش ہیں۔
 سناٹوں میں نام کو نہیں تھا اس کے مقابلے میں شفق کو سناٹوں میں اس سے کہہ سکتے تھے۔
 ”انجی! میں نے اس سے کہہ سکتے تھے۔“
 ”انجی! میں نے اس سے کہہ سکتے تھے۔“
 ”انجی! میں نے اس سے کہہ سکتے تھے۔“
 ”انجی! میں نے اس سے کہہ سکتے تھے۔“

انجی! میں نے اس سے کہہ سکتے تھے۔

تعمیر نہیں سنی تھیں میں نے آپ کی۔“
 اس دوران وہ فیملی ٹیکم کے تاثرات کا بھی جائزہ لے رہی تھی اور اسے لگا اس کے الفاظ اور انداز سے انہیں کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔
 ”اچھا کس سے سنی تھیں تعمیر نہیں؟“ انجی کو اس سوال کی توقع نہیں تھی کہ خوشامد وہ چیز ہے کہ جس کی کی جائے پھر اسے اس طرح کے سوالوں کا ہوش نہیں رہتا۔ وہ اس سلسلے میں شفق کا ہم لینے کی غلطی نہیں کر سکتی تھی بولی۔

”شہزیار صاحب نے اور بھلا کون آپ کی تعمیر نہیں کر سکتا ہے؟“ شفق اس کے بچے میں امن بھی اور انجی نے دھیرے سے کہا تھا۔
 ”اچھا شہزیار سے بھی بے تکلفی ہو چکی ہے۔“ وہ ارم کے چہرے کے تاثرات کو ذہن میں لاکر یہ سوال کر گئی تھیں۔

”انجی! آپ کے بیٹے آپ ہی کی طرح بہت اچھے انسان ہیں۔ آئی اور آئی آپ نے کمر بہت خوب صورت بچہ رکھا ہے بہت سوت کر رہا ہے آپ پر۔“
 فیملی ٹیکم دس سال ایک اسکول کی پرنسپل رہی تھیں۔ اس دوران مختلف مزارع کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا خوشامد کرنے والوں کا تو ایک یا دوسرا گروہ تھا تو وہ انجی کو کیسے نہ پہچانتیں۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کیا اس کی عادت ہی ایسی ہے یا یہ صرف میرے ساتھ ایسا کر رہی ہے مگر کون اسے مجھ سے کیا متاثر ہو سکتا ہے۔
 ”کیسی لگیں میری والدہ؟“ شہزیار نے اس کے کونک کے گلاس رنگے چلا آیا تھا سب سے پہلے انجی کو پیش کرتے ہوئے پوچھا تھا اور اس کی امی ایک بار پھر جو کئی تھیں شہزیار کبھی کسی کام کو نہ شادی سے پہلے ہاتھ لگانا تھا نہ اب ان دنوں۔
 ”آپ کیوں لے آئے۔ میں لا رہی تھی۔“ شفق نے شرمندہ ہو کر کہا تھا۔

”تمہیں اتنا ہوش ہی دکھائی ہے؟“
 ”یقیناً شہزیار کا انداز قابل گرفت تھا فیملی ٹیکم کو جب سے آئی تھیں اظہار اہلیان دکھائی دینے والی اس لڑکی

کے سینے سے متاثر ہوئی جاتی تھیں اور اب بھی وہ اس کے بچوں کو سنبھالنے میں توجہ دیتی تھی۔

”جان! اپنے آپ کو بدلو۔ خصوصاً جب بزرگ گھر میں ہوں پھر تو ذرا ڈانٹ بہت بریو جاتی ہے۔“

انہی نے یہی نرمی سے سمجھایا تھا اور وہ کتنی شرمندہ دکھائی دینے لگی تھی۔

”صبح سے تمہاری خاطر لیکن میں ٹھسی ہوئی ہے۔“

نبیلہ نے ہنسنا شروع کیا۔

”ہاں وہ تو اس کے گلے سے لگ رہا ہے۔“

انہی کچھ ہنسنے لگی تھیں تو شہریار نے تیز سی نگاہ اس پر ڈالی۔ نبیلہ کو حیرت ہوئی اسنے اپنے گھبرائوں میں تو کئی وہ سادہ چہرے کے ساتھ بھی وہ انہی سے نہیں زیادہ کئی سنو رہی اور یہاں لگ رہی تھی۔

”شوق لیکن میں بھی۔ نبیلہ کا خیال تھا۔ انہی بھی اس کے پیچھے چلی جائے گی اور کاموں میں اس کا ہاتھ بٹانے کی گنجائش خیرانی غلط ثابت ہوا۔ وہ نہیں تھی اور ان سے باتیں کرتی رہی۔ درمیان میں شہریار بھی بولتا رہا آخر نبیلہ پر یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”میں ذرا شوق کو دیکھ لوں۔ اپنی لگی ہوئی ہے۔“

”عجیب ہے تمہاری دوست۔ اسے تمہارا خیال ہی نہیں ہے۔“

”وہ کتنی ہے گھر میں یہی سب کر کے میں تھک جاتی ہوں یہاں آکر کچھ آرام کرنے کو ہی چاہتا ہے اور ایک رات کی بات بتاؤں آئی! اسے گھر کے کاموں میں بھی بھی دیکھنی نہیں رہی۔ اب بھی کھانا یا تو بازار سے منگوا لیتا ہے یا گھر میں ایک رشتے کی منڈ ہیں وہ بنا لیتی ہیں۔“

”مجھے لگتا ہے اسے بچوں کی دیکھ بھال میں بھی دلچسپی نہیں۔“ انہوں نے رائے دی۔

”ہاں اسے گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ وہ جب بھی کرنا چاہتی تھی مگر قسمت نے برا کیا ہے چاری کے ساتھ شوہر بالکل الٹ مزاج کے طے ہیں اسے۔ انہیں انہی کے جذبات اس کے احساسات کی بالکل پروا نہیں ہے۔“

”کونز آئی رہتی ہے اور ہر۔“

”جی ہاں سیکھ تو لیصل کہا میں ہے۔ لاہر میرے پاس آجائے ہے۔ کبھی کبھار ہم بھی چلے جاتے ہیں ویسے زیادہ تو یہی آتی ہے کہتی ہے تمہارے ہر آکر بہت سکون ہوتا ہے۔ بہت اچھی دوست ہے میری۔“

انہی نے یہاں تک کہ انہی چلی آئی۔

”آئی! آپ کیا کرنے لگی ہیں۔ مجھے بتائیے میں کون ہوں۔“ وہ جو رتن کنگ کرنے میں لگی تھیں۔ انہی نے ان کے ہاتھ سے ہاتھ لگا کر اسے لے لیا۔

انہی اور آئی تو پیچھے ہی شہریار بھی چلا آیا اور کئی کچھ کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اور جو نثارہ نیل پر نبیلہ بیٹھنے لگی وہ کچھ تو انہی کی حیران کن تھا۔ کتنی محنت سے یہ سب شوق نے بنایا تھا مگر وہ بے چاری تو اب پس منظر میں تھی اور انہی پر ہر شہریار اور اس کی والدہ کو کچھ نہ کچھ پیش کر رہی تھی۔ آج والدہ کو متاثر کرنے کی کوشش میں وہ شوق کی پاپلیٹ میں کچھ ڈالتا اور اصرار کر کے کھانا بھول گئی تھی۔

”ہائے آئی! اتنا تم سے بات چلے لوں۔“

یہ پوچھنے کی چھٹی نہیں بنائی۔ وہ تو ضرور بتانا چاہتی تھی۔

”کس نے نیل پر بیٹھنے کے بعد دوسری بار سٹل کو ٹوکا تھا۔“

”یہ کبھی نہ لونا! شوق جلدی سے بولی تھی۔“

”ہو رہے رہے وہ۔ لگا خراب ہو جاتا ہے۔“

”بیٹھنے میں کیا بنا ہے یہ میرا بیٹا تو کچھ لے نہیں رہا۔“

”گاچر کا حلہ بنایا ہے میں نے۔ شہریار کو بھی بہت پسند ہے۔“

”اوہ ہو کسٹرو نہیں ہے۔“ انہی سخت پریشان دکھائی دینے لگی۔

”شوق! کسٹرو بنانا۔“ شہریار نے صحت حکم دیا اور اس نے بھی قہقہے میں دیر نہیں کی۔ ”نور!“ انہی کھڑی ہوئی۔

”بیٹھ جاؤ شوق! نبیلہ بیٹھ کر انہی کا انداز غصہ بنا

اتھا مگر شہریار کا یوں کہنا اور بھی تباہ کیا۔

”صبح سے بنگی لگی ہوئی ہے تھک گئی ہے۔ کسٹرو میں بنا رہتی ہوں۔“

”ہائے میری اچھی آئی! آپ کیوں تکلیف کریں گی۔ آپ پلیز بیٹھ جائیں۔ میں خود بنا لیتی ہوں۔“ وہی بار بار انداز کتنی کتنی زبان کتنی کتنی عورت عورتی ہوئی آنکھیں لے لیا۔

”وہ دم میں۔“ شوق انہی تک کھڑی تھی اور لیکن میں جانے کو پر توں رہی تھی۔ اس کے برابر ہی تو نبیلہ بیٹھ کر چھیر تھی۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے چھیر پکڑنا دیا۔

”نور! انہی ہو کہہ رہی تھی وہ خود بیٹھنے کے لیے کسٹرو بنا لیتی ہے۔ اب بڑے آرام سے بیٹھنے کو چاہوں کھلا رہی تھی اور وہ کھانا بھی رہا تھا۔“

”یہ سب کیا ہے۔ یہ عورت شوق کے ساتھ ایسا کیوں کر رہتی ہے اور شہریار اس سے اتنا متاثر کیوں دکھائی دے رہا ہے؟“ نبیلہ بیٹھنے میں نہیں آ رہا تھا۔ اور وہ یہ بات سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ شوق نے کاجر کا حلہ کھانے شوق نے بہت محنت سے بنایا تھا اور اس حلہ کو انہی اور شہریار نے چکھا تک نہیں۔

”شہریار! آپ کو تو کاجر کا حلہ بہت پسند ہے۔“

شوق اس کے انکار پر کہہ رہی تھی۔

”آج دل نہیں چاہ رہا۔“ وہ نیل سے اٹھ گیا اور شوق کا چہرہ بھی اتر گیا۔

”ارے ایسا متہ کیوں بنا لیا۔ اب اس کا موڈ نہیں ات کو کھالے گا اور اگر میرے منہ کھانے پر تھا ہو تو میں یہ پورا ڈونگا ساتھ لے جاؤں گی۔ کتنے ہی دنوں تک کھاتی اور تمہیں یاد کرتی رہوں گی۔“ شوق کھل سی گئی اس بات پر۔ جبکہ وہ لالچ ہی بیٹھی رہیں۔

”تو کھینچے ناں آئی! کتنی ذرا سی بات پر منہ پھٹا لیتی ہے۔ مرنے پھلا کہاں پروا داشت کرتے ہیں ایسی باتوں کو۔“

شہریار کسی کام سے اوجھڑا آیا تو وہ انہی سے کہہ رہی تھی۔

”جو کم عمر اور بھولتا ہے عمر اول کی بہت سادہ اور سچی ہے

پھر سب سے بڑھ کر یہ انہی! کہہ شریف عورتوں نے سارے ناز نخرے اسے میاں کو ہی دکھانا ہوتے ہیں۔“

پتہ نہیں انہیں کیا ہوا کہ لہجہ بھی سخت ہو گیا۔

”جو انہی! تمہیں کچھ نیا دیکھا نہیں۔“ شہریار کہہ رہا تھا اور شوق برتن سمیٹ رہی تھی۔

”وایسی براتے شہریار ڈراپ کر رہا تھا۔“

”کیا تم اکیلے لے کر جاؤ گے شوق میں جانے گی؟“

نبیلہ بیٹھ کر کہہ رہی تھی۔

”شوق! سن سمیٹ رہی ہے اور یہ قریب ہی تو گھر ہے اس کا میں اس ابھی ڈراپ کر کے آ رہا ہوں۔“

”جی آئی! یہاں قریب ہی گھر ہے۔ کیا کروں مجھے رکشہ ٹیکسی میں سفر کرتے ڈر لگتا ہے۔“

وہ سوچ کر وہ لگیں آخر آئی بھی تو رکشہ یا ٹیکسی سے ہی ہے۔

شہریار کہہ کر گیا تھا یوں گیا اور یوں آیا مگر اب ایک گھنٹہ ہونے کو تھا۔ شوق تو سب سمیٹ کر کچھ دیر گھر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹ گئی تھی۔ ان سے رہا نہیں گیا۔ اس کا نمبر ملایا اور وہ کہہ رہا تھا۔

”نئی! راستے میں کچھ دوست مل گئے ہیں۔ اس لیے لیٹ ہو رہا ہوں۔ کچھ دیر سے آؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔“ اور انہوں نے انہی کے بیٹے کی آواز سنی تھی۔ وہ اپنی ماں سے کچھ کہہ رہا تھا۔

”کہاں سے شہریار گیا انہی کے گھر نہیں ہے۔“ منظر میں شور تھا۔ وہ یقیناً گھر سے باہر کسی جگہ پر ہیں۔ اگر ہیں تو اس نے جھوٹ کہوں بولا۔ ”کیا اس کے دل میں کوئی چور ہے؟“ آرام کا انہی کے بارے میں اکتائے ہوئے لہجے سے بات کرنا اور کر یہ کر یہ پوچھنا یاد آنے لگا۔

وہ اپنے کمرے میں آکر لیٹ تو انہیں مگر سوچ اس قدر بڑا گندہ ہو رہی تھی کہ سو نہیں سکیں۔

انگے روز صبح بائیسے کی ٹیبل پر ہی کہا۔

”آج شام کو انہی کی طرف چلیں گے۔“

پاکستان کا نمبر 1 کوکنگ آئل



دل کی باتوں کو...

دل والا ہی سہم چھٹاتا ہے

نینا حبیب کوکنگ آئل



اور وہ اوقات میں سر ہانے لگا۔
 انہی ان کے ہاں آکر ڈرا تک روم تک تو بھی محدود
 نہیں رہتی تھی مسید ہی لاؤنج میں آئی ہینڈ روم میں بھی
 جھانکتی بچپن کے بھی چکر لگتے تھے۔ سب بھی اس کے
 ہاں جاتے انہیں ڈرا تک روم میں ہی شامانی - ہاں
 شفق اس کے پیچھے آئی ضرور مگر شرم شروع میں اب
 وہ اسٹ ڈرا تک روم میں ہی بیٹھے کوکتی تھی۔
 آج بھی ایسا ہی تھا، لوگ جا کر بیٹھے ہی تھے کہ انہی
 کے ہاں رہنے والی خاتون چلی آئیں۔
 "ارے شفق! آج بڑے دلہن کے بعد چکر لگا یا۔
 شہریار صاحب سب بھی آتے ہیں۔ میں آپ کا ضرور
 پوچھتی ہوں۔"
 نبیلہ نے جو تک کر شفق کو دیکھا اور اس وقت انہی
 تیزی سے شفق کو کوئی بات سنانے لگی اس کا انداز ایسا
 تھا کہ نبیلہ بنیم کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتی
 تھیں۔ کیا شفق نے خاتون کی بات سنی ہی نہیں۔
 "اچھا بھئی جی ایچ میں چٹا ہوں۔" ایک جوان
 مرد جس کے چہرے پر شفق کا ہاتھ تھا آکر بیٹھے
 اجازت طلب کر رہا تھا۔
 "ہائے انہی سے چنے جی بڑا دل انسو میں ہو، آپ
 آپ کی گھیلو لائف پر آپ جیسے مرد تو چراغ سے کہ
 ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ کیسی عورت ہے جس
 نے آپ کی قدر نہیں کی۔ ہوش گھاسے میں رہنے کی"
 پتہ نہیں کس کی بات ہو رہی تھی اور اس مرد سے
 بات گری ہمدردی سنائی جا رہی تھی۔
 "ذرا کھیں بے ہوش اندر آئیے۔" انہی اسے کہ
 اندر جی نبیلہ جگمگاتی اٹھ کر بیٹھے آئیں۔
 "یہ گاجر کا حلوہ ہے بڑی لذت سے بنایا ہے میں
 نے اے جیسے کھا لیجئے گا آپ کی صحت بہت کمزور ہو
 رہی ہے پتہ نہیں یہ کیسی بیویاں ہوتی ہیں جنہیں اپنے
 شوہر کی صحت کی بالکل فکر نہیں ہوتی۔ میں تو انہیں
 روزانہ 1000 کے ساتھ حلوہ گرم کر کے دیتی ہوں۔"
 "بھائی! بہت شکریہ بڑی مرالی۔ حلوہ اس سے بنا

"انہی کی طرف آج شام نہیں اصل میں اس سے
 بچ کر ہی پروگرام بنانا چاہتا ہے کیا پتہ اس کا شوہر آج
 شام گھر پر ہی ہو۔"
 "کیا مطلب شہریار تمہارا کیا تم اس کے شوہر کی
 موجودگی میں اس کے گھر نہیں جاتے۔"
 "اصل میں آئی اور انہی کا شوہر ہے ہاں وہ کچھ
 دوسرے مزاج کا بندہ ہے۔ اسے نہیں پسند کہ انہی
 زیادہ میل جول رکھے۔"
 "تو انہی کو اپنے شوہر کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا
 چاہیے اب اگر شہریار کو یہ سب ناپسند ہو تا تو تم ایسا
 کر میں؟ نہیں کبھی نہیں۔" انہوں نے پورے یقین
 سے کہا تھا۔
 شفق نے انہی کو فون کیا اور انہی کے آنے کے
 بارے میں بتایا تو وہ بولی۔
 "تم انہی کو فون دو۔ میں خود بات کروں گی۔" اور
 ان سے بولنا "بھلا میں کے گھر آتے ہوئے ہاں کو
 اجازت کی ضرورت ہو آ کر تھی ہے۔ آپ ضرور آئیں۔
 میں منتظر ہوں گی۔"
 "میں ای! آپ بھی نہیں انہی کل ہی تو ملاقات
 ہوئی ہے انہی سے۔ آج آپ اس کے ہاں جانے کو تیار
 ہو نہیں۔ وہ بھی کھانے کے تیار ہے۔ اس بے چاری کو
 کتنی محنت کرنا پڑے گی۔" شہریار کچھ کوفت کے عالم
 میں کہہ رہا تھا۔
 "تو کیا ہوا۔ کل شفق نے بھی تو اس کے لیے سارا
 دن برباد کیا تھا۔" انہوں نے یاد دلایا۔
 "اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔" ہاں کی
 بات اسے اچھی نہیں لگی۔
 "اور اس کے گھر ایک عورت ہے جو بچے بھی
 سنبھالتی ہے کھانا بھی بناتی ہے۔"
 "آپ سے کس نے کہا سارا کام وہ خود ہی کرتی ہے؟"
 "گنا سے بہت آنا جانا رہتا ہے تمہارا؟"
 ماں کے انداز پر وہ چونک کر کھنا چاہتا تھا کہ وہ بولیں۔
 "اس کا شوہر ہنس نہیں کر تا تو تم لوگ کتنا بھلا کر دو۔"

ہوا ہے۔ گرمیوں کے ساتھ روزانہ دسے بھی دیتی ہے۔
 آپ یہ رہتے ہیں۔ "وہ بہت شکر گزار ہوتا چلا گیا۔
 "کون تھا یہ؟" نیلمہ نے پوچھا۔
 "رشتے میں دوہرے ہوتے ہیں۔" اب اس کے انداز
 میں اس مرد کے لیے لاپرواہی سی اتر آئی تھی۔ وہ شفیق
 کا بڑا گاجر کے حلوے کا ڈونگا والی کڑی تھی۔ وہ شفیق
 تھی اور نیلمہ اس کے چکن کی اہتر حالت کو دیکھ رہی
 تھی۔ اس نام نہاد دیور سے جو گنگو اس نے کی تھی
 اور اس کے جانے کے بعد جو انداز اس کے لیے اپنایا
 تھا۔ اس نے نیلمہ پر بہت کچھ عیاں کر دیا تھا۔ وہ وہاں
 ڈرائنگ روم میں آئیں اور شہریار اور شفیق کو اپنے
 ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔
 "تم نے انہی کا بانی کھری ہو کچھ رکھا ہے؟" وہ شہریار
 سے مخاطب تھیں۔
 "نہیں میں ڈرائنگ روم تک میں آتا ہوں۔"
 "لو آج دیکھو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ تمہیں شفیق
 جیسی سنگھریلے شہریار ہوئی ملی ہے۔"
 وہ جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ابھی ابھی
 ہاتھوں نے جس طرح اس کا بھانڈا بھونکا تھا۔ اسے کچھ
 کہنا ہی مناسب لگا۔ ویسے انہی کے لیے ماں کا یہ انداز
 اسے اچھا نہیں لگا۔
 "ارے آپ لوگ ارہر کیوں آگئے؟ چلے نال اہدر
 چل کر بیٹھے ہیں۔"
 انہی انہی دنوں میں کھڑے دیکھ کر پوچھا سی تھی
 تھی کہ یہاں ہر طرف کچھ نہ کچھ بھرا ہوا تھا وہ خانوں
 بندی سے آگے بڑھ کر چھریں سمیٹنے لگیں۔ نیلمہ نے
 منع کر دیا بولیں۔
 "رہنے دو ہم لاپرواہی بیٹھ جاتے ہیں۔"
 وہ وہاں آکر بیٹھے تو انہی کا بیٹا شہریار سے بولا۔
 "چاچو! آج پھر آس کر کچھ کھانے جائیں گے کل
 ہا مزو آتا تھا۔" نیلمہ تو پوچھیں مگر ان کے ساتھ ساتھ
 اس بات نے شفیق کو بھی حیران کر دیا۔ شہریار نے بچے
 کو جواب میں کچھ نہیں کہا۔ خود کو اخبار میں گم کر لیا۔
 حق کچھ سوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی چکن میں آئی تو انہی

کچھ چیزوں کی سہیاری تھی۔
 "کل میرے گھر سے کب لوگ کس وقت والیں
 آئے تھے؟ کیا راستے میں دیر لگی تھی؟"
 "نہیں نہیں تمہیں تو پتا ہے وہں چدرہ مشق کی
 ڈرائیو ہے۔ ہم سیدھے گھر ہی آئے تھے۔ وہ شہریار کو
 ہمیں ڈرائیو کرنے کے بعد کوئی مل گیا ہو گا ناں۔ اس
 لیے دیر ہو گئی ہوگی۔"
 وہ خواہ مخواہ کی وضاحتیں دے رہی تھی اور اوپر نیلمہ
 بچے کو اس کے ساتھ کھیلنے کے بہانے ڈرائنگ روم
 سے باہر لے آئی تھیں اور پوچھ رہی تھیں۔ وہ
 آسکریم کھانے کہاں گیا تھا۔ کیا وہ پہلے بھی انہی
 کے ساتھ ریستورنٹ جاتے رہتے ہیں۔
 "ہاں مگر کبھی کبھی جب میں بہت زیادہ خند کروں
 تب ورت تو ہانا کھٹھے اور کڑیا کو پھوپھو کے پاس چھوڑ کر
 چلی جاتی ہیں۔"
 انہی نے اکثر چیزیں بازار سے ریڈی میڈ منگوا لیں
 اور بسٹ شہریار کو کھلائی۔ ان سے کہنے لگی۔
 "محلے کے کسی لڑکے کو پھوپھو کی تو لپڑا پرائی برتنے
 گا۔ یہ سب کچھ اندواری سے لے آئے ہیں۔"
 "پہلے بھی منگوائی رہتی ہو؟"
 "ارے نہیں نہیں آئی! آپ پوچھ لیں منگوتے۔
 یہ ساتھ ہی تو آئی ہے۔ کبھی بھجپا ہے میں نے آپ
 کے پیسے کو باؤ دار؟"
 چکن میں اس کے رشتے کی مدد کام نہا رہی تھی۔ وہ
 ان دونوں کے پاس بیٹھی شیرینی میں ڈوبی گنگو سے
 متاثر کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ رہی تھی
 سانس بہاؤ دونوں ہی بہت چپ چپ ہیں اور اس کی بات
 کو زیادہ دھیان سے نہیں سن رہیں پھر یہ بھی ہوا کہ نیلمہ
 نے اس کی بات کاٹ کر شفیق کو کوئی قصہ سنانا شروع کر
 دیا۔
 آج ٹیبل پر کھلے سے زیادہ اٹلیو رکھے گئے تھے۔
 یقیناً یہ اہتمام نیلمہ کے لیے تھا مگر انہوں نے صرف
 گھر کے بستے ونگی ٹیبل رائٹس تھوڑے رات کے
 ساتھ لیے۔

انہی پر فتن بھی لیں نا۔ اس علاقے میں اوہر اس
 مکان کی فتن بہت مزے کی ہوتی ہے۔"
 شہریار نے کہا اور انہوں نے سراٹھا کر بیٹے کو دیکھا۔
 "تم آتے رہتے ہو اوہر یہ فتن کی دعوت اڑانے؟"
 انداز ایسا تھا کہ انہی اور وہ دونوں ہبہرا گئے انہی پہلے
 منتحلی اور بولے۔
 "ارے شفیق! تم کچھ لے ہی نہیں رہیں۔ میری
 چکن لڑکا اہتمام میں نے تم ہی لوگوں کے لیے تو کیا ہے؟"
 "مجھے بھوک نہیں ہے۔" شفیق نے بے حد
 رکھائی سے کہا تھا۔
 "اچھا پھر کچھ بیٹھا ڈال دوں؟"
 "میں نے کہا نا۔ بھوک نہیں ہے۔ تیری کھٹف
 بہت کرو۔"
 اب کے اس کا انداز شہریار کو بہت برا لگا کڑے
 تیوروں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا مگر وہ متواہد کب
 تھی۔ تمہارا کچھ کر نیلمہ نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔
 "ارے آئی۔" شہریار نے کہا۔
 "میں بازار کی بی اشیاء نہیں کھاتی۔ پہلے میں خود
 لیتے ہاتھ سے پکاتی تھی۔ تب لہند نے دونوں ہجو میں
 بھی گھر ہستی کو سنبھالنے والی دی ہیں۔"
 انہی اٹھ کر بیٹے کی فرمائش پر اندر سے کچھ لینے گئی تو
 شہریار بولا۔
 "اس نے اتنا سب کچھ آپ ہی لوگوں کے لیے
 منگوا لیا ہے مگر یہ نہیں آپ دونوں اتنے خرچے کیوں کر
 رہتی ہیں۔"
 "تم تو کھارے ہو نا تو اس کھانے جاؤ اور جھوم جھوم
 کے اس کی تعریفیں کرتے جاؤ۔"
 نیلمہ نے بنا کسی لحاظ کے بری طرح ڈانٹ دیا تھا۔
 شفیق اب بھی سر تھکانے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ بہت
 سی باتیں بہت سے منظر و اسچ ہو رہے تھے۔
 کمال سے وہ یہ سب کچھ اب تک کس طرح
 نظر انداز کرتی آئی تھی مجھ سے ہے ووقوف عورت تھی
 اڑانے میں کوئی نہیں ہوگی۔

"جلسے آئی! آخر جو صلہ ڈوب دے گیا۔"
 "ہاں ہاں چلو تو وہ بھی جھٹ سے بولیں۔"
 "وہ چائے بنانے کی ہے۔" شہریار نے کہا اور بایا۔
 "پتہ نہیں بتائے گی ہے یا بازار سے منگوانے کی
 ہے۔" انہوں نے مسز اڑایا پھر بولیں۔
 "ایسی کام چور عورتیں ان ہی مہمانوں کو پسند کرتی
 ہیں جو بنا کچھ کھانے پیے ہی اٹھ جائیں۔ میرا نہیں
 خیال وہ ذرا ان اصرار کرنے کی۔"
 اور انہی ایسا ہی بولا۔
 "مجھے حیرت ہے شفیق! تم جیسی سلجھی ہوئی لڑکی کی
 دوستی انہی جیسی عورت سے کیوں ہوگی؟" اوہانہی پر
 گاڑی میں بیٹھی وہ یہ صرف شہریار کو سنانے کے لیے
 کمر رہی تھیں۔
 "کسی کے بارے میں اتنی جلدی رائے قائم نہیں
 کر لینی چاہیے۔" وہ چپ نہیں رہ سکا۔
 "میں نے یہ ہاں دھوپ میں سفید نہیں کیے۔
 اسکول میں چاہ کی ہے دن میں بیسیوں لوگوں سے
 واسطے پڑا تھا اور اس کے علاوہ کئی بہنوں تک پہنچتے پتہ
 نہیں تھے جنہوں کو دیکھا اور پڑھا ہے نہیں نے انہی کو
 پہنچانے میں کوئی غلطی نہیں کی۔"
 اس دوران شفیق بانگن خاموش اور بے حد تنگی
 تھکی سی تھی جس نے بحث میں کوئی حصہ نہیں لیا
 لیکن جس طرح شہریار کھل کر انہی کی طرف داری کر رہا
 تھا اس کا دل لہو لہو ہو رہا تھا۔
 "شفیق! میری ہی ہے۔ میں نے بیٹھے اس کے
 سامنے انہی کی شخصیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ وہ
 میری دوست تھی۔ مجھے اچھی لگتی تھی مگر میں نے
 شہریار کے دل تک اس کا راستہ بنانے کی حماقت کیوں
 کی اور میں اب تک ہاتھ کھینچ نہیں رہی ہوں نے
 آنکھیں بند کر کے دو ادب پر اعتبار کیا گیا ہے وہ اس کے
 ساتھ آئی اوٹنگ پر جاتی ہے۔ شہریار اکثر اس کے گھر
 بھی جاتا رہتا ہے۔ دل میں چور ہے۔ اسی لیے تو بھی
 مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"
 "اتر رہی ہیں آگیا ہے۔" وہ اتنی ابھی ہوئی تھی کہ

اسے پتا ہی نہیں چلا تھیلہ کی گاڑی پر وہ گھری سانس لے کر تھکے تھکے انداز میں گاڑی سے اتر آئی اس کے انداز کو شہریار نے حیرت سے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“ جب تم اتنی کے پاس آئی تھیں بالکل ٹھیک تھیں شاید ای کی باتوں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے۔ یہ نہیں وہ ایسا کیوں گھر گئی ہیں حالانکہ یہ شہر انہیں ہر ایک کے ساتھ کھلے دل کھلی باتوں سے ملتے دیکھا ہے مگر اتنی کے لیے ان کا رویہ میرے لیے بھی حیران کن ہے۔“

جو اب میں وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اسے بتانا چاہتی تھی وہ اتنی کی رائے سے بالکل متفق ہے انہوں نے اتنی کے بارے میں جو کہا ہے اسے دل سے ماننی ہے مگر وہ کا بوجھ اتنا تھا کہ اس سے یوں نہیں جا رہا تھا۔ جانتے کھڑے یہ شخص اسے خود سے بڑھ کر یہاں تھا۔ بہت مان تھا اس پر اور اس نے کیا کیا اس پر دیکھ کر سڑی عورت کو ترجیح دے کر اسے اپنی نظروں میں دو گاڑی گاڑ دیا۔

شہریار بستر پر لیٹتے ہی سو گیا اسے چند منٹیں آرہی تھی۔ وہ بستر سے اٹھی اور باہر آئی۔ شاید اتنی جاگ رہی ہوں۔ وہ ان کے کمرے میں آئی وہ واقعی جاگ رہی تھیں اور بستر پر لیٹنے کے بجائے سبک صوبے پر لیٹتی تھی سوچ میں گم تھیں۔

”میں آجاتوں اتنی!“

”وہ کون پتا؟“ تم ابھی تک سو نہیں کیوں نہیں؟“ وہ ان کے پیروں کے قریب کمر پٹ پر بیٹھ گئی ممران کی خوشی میں رکھا اور حسیط کا بندھن ٹوٹ گیا۔

”میں بیٹھا ہوں تو نہیں ہیں زندگی میں بہت سے ایسے مقام آتے ہیں جب لگتا ہے زندگی بہت بوجھل اور ہی ہے۔ ہم اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں مگر ہر یہ وقت گزر جاتا ہے۔ زندگی پھر سے رواں دواں ہو جاتی ہے بس بیٹھا ڈرا عقل سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور تم بہت گھبراؤ۔ تم اکیلی نہیں ہو میں تم سے ساتھ ہوں۔“

”مگر میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔ شہریار نے ایک

دوسری عورت کو مجھ پر ترجیح دے کر ٹھکے پیرنی ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔“

”تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟ میرے کی قدر نہ ہو رہی ہو اگر اتنی ہے۔ تم جان لو کہ اس کی نگاہ جو پریشان ہے ہی نہیں مگر ہم اسے کچھ نہیں ہاتھ لگائیں ڈالنے دین گے۔“

”کیا میں شہریار پر اپنے شک کا اظہار کروں؟“

”نہیں اس طرح اسے جو جھجک ہے وہ اتنی ہائی رہے گی۔ میں اس وقت بستر پر لیٹ کر سونے کے بجائے تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔“

”کیا اتنی اپنے میاں سے طلاق لے کر شہریار سے شادی کرے؟“ اس سے آگے سے بولا نہیں گیا۔

”میرا نہیں خیال اس طرح کی عورتیں صرف اور صرف مردوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی منتہی ہوتی ہیں۔ یہ بات تو وہ خود بھی جانتی ہے۔ شہریار اس کے بیچوں کو بھی نہیں اپنا سکتا اور وہ اپنے بچے تو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔“

”وہ شہریار کے ساتھ کھوتی پھرتی ہے۔ مجھ سے یہ بھی برداشت نہیں ہو رہا۔“

”میں نے کہا تا بیٹھا بہت عقل سے کام لینا ہو گا میرا خیال ہے۔ ہمیں اتنی پر بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ ہم اس کی سیاہ شکل دیکھ چکے ہیں۔“

اس نے اذیت میں سر ہلا دیا۔

صبح شہریار کے آنس جانے کے بعد انہوں نے شفق کے سیکے فون کیا۔ کچھ دیر اس کی اکی سے بات کرنے کے بعد فورم سے بذت کروانے کو کہا اور وہاں احوال دریافت کرنے کے بعد اتنی کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

”کیا ہوا اتنی؟“ آپ اس کے بارے میں مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟“

”بہت رخصت ہو گیا ہے اس کا میری بھوکے گھر میں۔ یہاں تک کہ اب تو شفق بھی کھٹکے لگی ہے۔“

”شہریار بھائی بھی اس کا دم بھرنے لگے ہیں کیا؟“

”ہاں کی بات تو پریشانی کی ہے۔“

”اتنی اچھے لگتے وہ بھی اچھی نہیں لگی۔ جب میں یاد کر اس گھر میں آئی تو وہ میرے میاں سے تو بے تکلف تھی ہی۔ ان کے سامنے کھٹے ٹوٹی بست بھی خود کو عقل کل ثابت کرنے کے چکروں میں رہتی تھی اور آپ تو جانتی ہیں مرد ایسی عورتوں سے اگر وہ بیوی نہ ہو تو بہت متاثر ہو جاتے ہیں گھر میں بے وقوف نہیں تھی وہ مجھ سے کہتی ارے بھائی یہ کیا لڑائی سا کھریکن لیا ہے آپ نے۔ اور میں پورے اعتماد سے کہتی دل یہ کالے کلونے لوگوں پر لگتا ہے۔ مجھ پر تو ہر نظر جتا ہے۔ ہاں تم کبھی بھول کر بھی نہ پہننا۔ کبھی میرے بنائے کسی کھانے پر اعتراض کرتی تب بھی میں ایسا ہی جواب دیتی اور آخر اس نے میرے سامنے اتنی تم کر دیا۔ تم شفق بہت نادان ہے اور پھر وہ اس کی دوستی پر ایمان بھی لاد چکی ہے۔“

”تم ساری باتوں سے ٹھیک ایک تسلی تو ہوتی ہے کہ وہ کبھی کر رہی ہے صرف اپنی نصرت سے مجھ کو روک رہی ہے۔ شہریار میں اس کی دلچسپی وہ سڑی طرف کی نہیں ہے۔“

”پھر بھی اتنی آپ نگاہ رکھیں۔“

والی ارم کا مشورہ معقول تھا اور پھر شہریار کا دل بھی اتنی اس کی جانب مائل محسوس ہوتا تھا۔

شفق روپھر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی جب اتنی کا فون آیا۔ وہی بے تکلف اور پیار بھرے انداز شفق نے اسپیکر سن کر کیا اور سیل فون لے کر ٹھیلہ کے پاس آئی۔

”بائے شفق! تمہاری سانس تو مجھے بہت ہی تیز عورت لگتی ہے۔“

ٹھیلہ کے اشارے پر اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

”اس سے ذرا اور ذرا بڑھا کر اور سنو ذرا اور خند مست کرنے کی ضرورت نہیں۔ شفق جلدی دالیں چلی

جانے اچھا ہے۔ ویسے گھر جا کر میرے بارے میں کوئی بات تو کی ہوگی۔“

”نہیں وہ جلدی سوچی تھیں۔ اچھا اتنی میں کھانا بنا رہی تھی۔ شہریار نے ڈالے ہوں گے۔“

”کیا پتا رہی ہو؟“

”قیمہ مٹر۔“

”ہوں میری لیورٹ ڈش۔“ کوئی اور وقت ہوتا تو شفق جھٹ اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالتی مگر آج اس نے ایسا نہیں کیا۔

”اچھا شفق! تم کچھ دیکھو میں ابھی آئی ہوں۔“ وہ فون سے فارغ ہوئی ٹھیلہ کے ذہن میں تجلے نے کیا آئی۔ اٹھ کھڑی ہوئیں اور آگے کھٹے کے بندوہ اتنی کے بیٹے کے ساتھ موجود تھیں۔

”آپ اتنی کی طرف گئی تھیں۔ کیا وہ آپ کے ساتھ آئی ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں صرف اس کا بیٹا! خاصا خلدی اور ہڈ حرم بچہ ہے خیر اس کی کئی عادتیں ہمارے لیے سود مند ہیں۔“

شفق سمجھی نہیں مگر اتنا بھروسہ تھا وہ جو کریں گی غلط نہیں ہو گا اور جب شہریار گھر میں داخل ہوا کچھ دھماکے مار کر رہا تھا اور چاکلیٹ کی فراہمی کر رہا تھا۔

”کیا اتنی آئی ہیں؟“ اس کے بیٹے پر نظر پڑتے ہی وہ پوچھنے لگا۔

”نہیں میں اس کی طرف گئی تھی۔ بیٹی نے رو کر گھر سر رہا تھا رکھا تھا۔ یہ بھی ضد پر خند کیے جا رہا تھا۔ اسے میں نے آئی۔“

”یہ بہت خلدی بچہ ہے۔ اسے کیوں میں آئیں۔“

میں وہ پھر میں رست کا گاڑی ہوں اور یہ اپنے باپ کی کاپی۔“ شہریار کے انداز میں بچے کے لیے بے ڈاری ہی بے ڈاری تھی اور اسے ٹھیلہ نے پہلی کامیابی سمجھا تھا۔

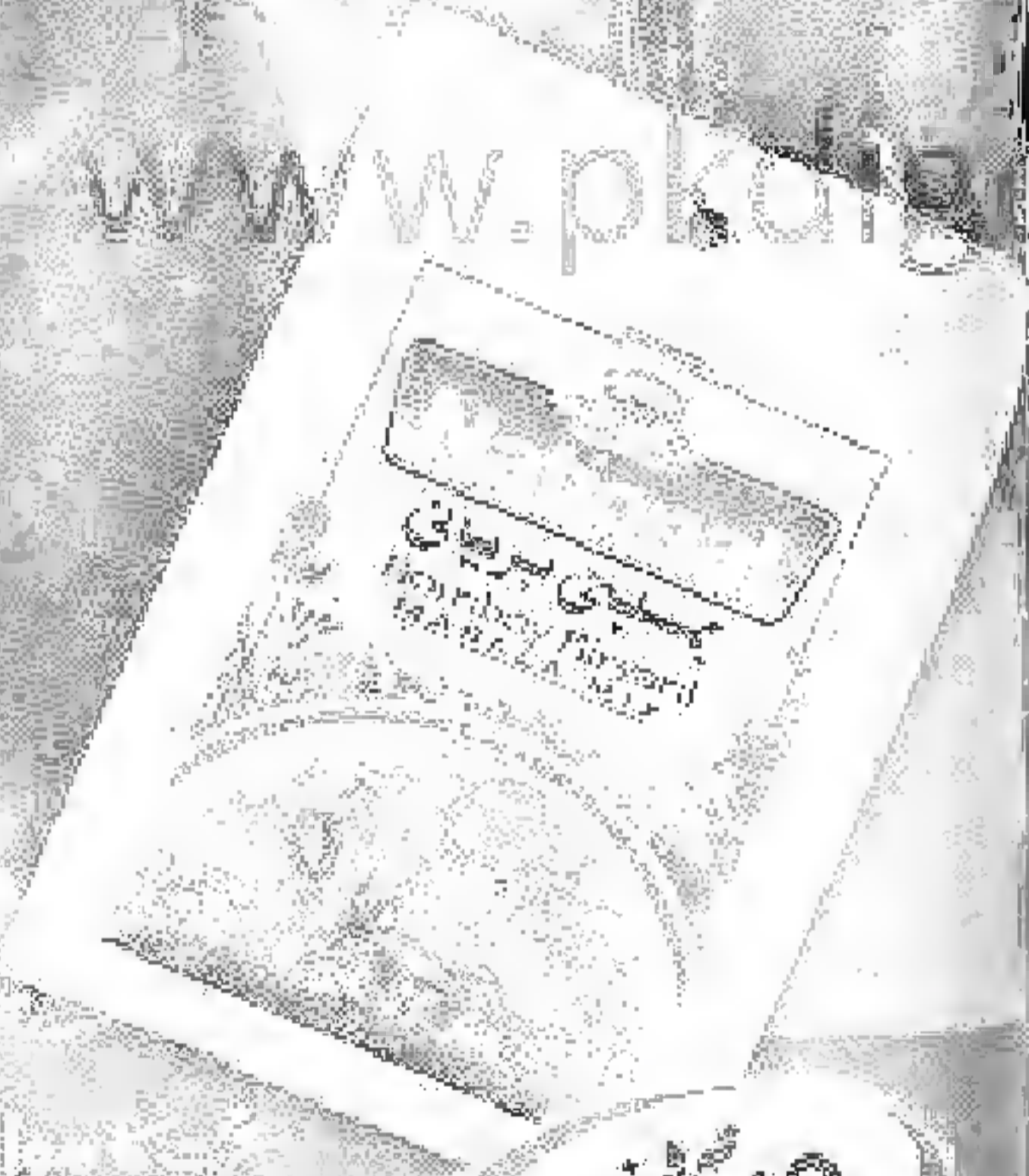
”پلیز اسے خاموشی تو کروائیں۔ شفق سے کہیں۔“

وہ اسے بہت اچھی طرح پتلا کرتی ہے۔“



National Foods
SINCE 1970
www.nfoods.com

خوشبو اور ذائقہ ایسا کر لیں!



10 روپے میں

جب تک کہ آپ کا تعلق پاکستان سے ہے، تو آپ کو اس کی قیمت کے بارے میں کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی قیمت پاکستان کے تمام شہروں میں یکساں ہے۔

فصلیہ بیس مارلہ سڈیو رٹو سڈیو



and more...

BOOKCAST

”شفیق اس وقت کھا رہا ہے۔“
 ”انگل مجھے چاکلیٹ کھانی ہے اور اسے ریٹورٹ میں
 اس آئس کریم بھی کھانے چھوڑنا۔“
 ”چپ خاموش۔ خیر، جو ایک لفظ بھی بولے۔“
 ”نذا بچوٹے کے ذریعے وہ دھماکا پکڑ پھرے گا
 بھاڑے گا۔“
 آئیٹھ کالج بھی بہاؤ ہوا اور ریسٹ بھی کہہنے نے
 ریسٹ پائل لپیٹا شروع کر دیا تھا۔ وہ لاکھوں گھنٹوں کھیل رہا تھا۔
 وہ ہاں ہاں ہاں کے کمرے کے دروازے پر لگ رہی
 تھی پھر چاکلیٹ شور بند ہو گیا۔ اس نے شکر کا کمرہ پڑھا
 کر ریسٹ بدل کر لیں کیا۔
 جب بیڈ کے کوسے کو دیکھا تو وہیں ہی انجلی کے پاس
 تھیں اور خاصی خیران ہوئی۔
 ”انجلی گری میں شہناز کو آجائیں آپ۔“
 ”وہ اصل میں شہناز کھر گیا ہے۔ یہ رو تا ہے تو
 سے ٹھہر آتا ہے۔ بیٹی امو ایسے بچوں کے دوست کو ہی
 دوست کرتے ہیں۔ مگر دوسرے کے بچے کی حد
 اس پیش دہانی ہے۔“
 ”ہاں بلایا انکے دوست گندے ہیں انہوں نے مجھے
 لپ چاکلیٹ بھی نہیں دلائی۔“
 شہناز نے اسے مارا نہیں تھا مگر غیلمہ مبارک
 تھے ہی۔ سمجھاتی آئی تھیں۔ کھر جا کر کہا انگل نے
 کیا ہے۔
 ”انجلی کے چہرے کا تاثر واضح طور پر ہوا۔ پھر وہ
 ہی اور بولی۔
 ”انجلی اندر تو آئیں نا۔“
 ”کیا گندے کے ہا کھر ہیں؟“ انہوں نے گاڑھی رکھی
 چھا۔
 ”جی ہاں سو رہے ہیں۔“
 ”چلو ٹھیک ہے میں پھر کبھی انکی آئی! تم مجھے
 چھٹی تھی ہو۔ تمہارے بچے بھی بہت پیارے
 ہیں۔“
 ”ہاں آئیں۔ شفیق سونے کے لیے کمرے میں
 آئی تھی۔ وہیں بیٹھی تھی۔ وہ بھی اس کے برابر

پڑھتیں آہستہ آہستہ سب بٹانے لگیں۔
 ”میں کس کس کو دیکھوں؟ یہ سب اس سے انجلی
 کے سامنے ہی کیا ہے۔ وہ تو ساری ہے اس کی اس کے
 اپنے گھر کی حالت اس سے بھی اہتر ہوتی ہے۔ میں
 سمجھتا ہوں سب اسے اس بازار جانے کی جلدی تھی۔“
 ”بچوں کو تو گھر چھوڑ آئی۔“
 ”وہ اس کی رشتے کی بہن تھی وہ ان کے لیے
 دو کمرے عزیز کے ہاں تھی ہے۔ بچوں کو کمان پھوڑنی
 تو یہ جو بیٹھی ہے اور گلہ میں جیسے لاؤڈ اسپیکر
 نصب ہے۔“
 اس نے دانش نہیں کھر گئی پر تبھی اس وقت سے
 نے کسی اور مانی سنیں پر غور پاند کیا اور ریموٹ اٹھا کر
 مارا۔
 ”اوسے بد تمیز کرام سے۔“ شہناز نے ریموٹ
 اٹھایا اور وہی آؤں کر دیا۔
 ”انگل مجھے دیکھنا ہے۔“ وہ غافوت کے مطابق فریٹ
 پر لیسٹ کر پاتھ پر بیٹھے لگا۔
 ”نہیں جان میں چاکر شفیق کو فون کر چکی تھیں کہ وہ
 واپس آئیں۔ شہناز سے پکڑ دیکھتے لیکن ان کو شغل
 میں تھا اور وہ اسے سنیں رہا تھا۔
 ”شہناز بیٹھے اب کمرے میں مست چل پڑا۔ یہ

”شفیق اس وقت کھا رہا ہے۔“
 ”انگل مجھے چاکلیٹ کھانی ہے اور اسے ریٹورٹ میں
 اس آئس کریم بھی کھانے چھوڑنا۔“
 ”چپ خاموش۔ خیر، جو ایک لفظ بھی بولے۔“
 ”نذا بچوٹے کے ذریعے وہ دھماکا پکڑ پھرے گا
 بھاڑے گا۔“
 آئیٹھ کالج بھی بہاؤ ہوا اور ریسٹ بھی کہہنے نے
 ریسٹ پائل لپیٹا شروع کر دیا تھا۔ وہ لاکھوں گھنٹوں کھیل رہا تھا۔
 وہ ہاں ہاں ہاں کے کمرے کے دروازے پر لگ رہی
 تھی پھر چاکلیٹ شور بند ہو گیا۔ اس نے شکر کا کمرہ پڑھا
 کر ریسٹ بدل کر لیں کیا۔
 جب بیڈ کے کوسے کو دیکھا تو وہیں ہی انجلی کے پاس
 تھیں اور خاصی خیران ہوئی۔
 ”انجلی گری میں شہناز کو آجائیں آپ۔“
 ”وہ اصل میں شہناز کھر گیا ہے۔ یہ رو تا ہے تو
 سے ٹھہر آتا ہے۔ بیٹی امو ایسے بچوں کے دوست کو ہی
 دوست کرتے ہیں۔ مگر دوسرے کے بچے کی حد
 اس پیش دہانی ہے۔“
 ”ہاں بلایا انکے دوست گندے ہیں انہوں نے مجھے
 لپ چاکلیٹ بھی نہیں دلائی۔“
 شہناز نے اسے مارا نہیں تھا مگر غیلمہ مبارک
 تھے ہی۔ سمجھاتی آئی تھیں۔ کھر جا کر کہا انگل نے
 کیا ہے۔
 ”انجلی کے چہرے کا تاثر واضح طور پر ہوا۔ پھر وہ
 ہی اور بولی۔
 ”انجلی اندر تو آئیں نا۔“
 ”کیا گندے کے ہا کھر ہیں؟“ انہوں نے گاڑھی رکھی
 چھا۔
 ”جی ہاں سو رہے ہیں۔“
 ”چلو ٹھیک ہے میں پھر کبھی انکی آئی! تم مجھے
 چھٹی تھی ہو۔ تمہارے بچے بھی بہت پیارے
 ہیں۔“
 ”ہاں آئیں۔ شفیق سونے کے لیے کمرے میں
 آئی تھی۔ وہیں بیٹھی تھی۔ وہ بھی اس کے برابر

”ابھی ابھی اچھی تھکا ہوا کیا ہوں۔ میں کیا کروں؟“ وہ چٹایا۔

”تم تو ان کے گھر جاتے رہتے ہو۔ تم سے تو کچھ مانوس ہوں گے۔“

”میں نے کبھی انہیں زبردستی نہیں کرائی کالے کالے بچے مجھے اچھے نہیں لگتے۔“

”اچھا میرا خیال کر کے بن دیکھ جاؤ۔“ وہ بدلی سے بیڑو گیا پھر بولا۔

”گھانٹے میں کیا بنا ہے۔ میں صبح تو کراؤں پھر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ غریب بھی شاید بل جائے اور اس چڑیل کے منہ میں فیڈر بھی ڈال دیں۔“

”کھانا تو شفق بنا کر نہیں کی۔ بس وہ انکی کو جلدی تھی بول۔ اگر ایک دن وقت پر کھانا نہیں لے گا تو کیا ہو جائے گا۔ اصل میں اس کا میاں تو ہے نا بھلا مانس۔“

”اب کیا ہوا کھانوں شفق کو نہیں پتہ تھا میں اس سے آئے والا ہوں۔“

”بس بیٹا! سبکی کا بہت اثر لیتی ہے۔“

”کسی اچھی بات کا بھی اثر لے لے۔“

”گھنٹی سی اچھی بات گھر آئے ہر مرد کے آگے پیچھے پھرتا ہے اس کی بیوی کے خلاف ورغلا لایا اپنے شوہر کی پروا نہ کرنا۔ ہر کسی کے سامنے اس غریب کا مذاق اڑاتا تو اس کے آرام کی خاطر محنت کرتا ہے۔“

انہی باتیں ہو رہی تھیں کہ شفق کے زور زور سے بولنے کی آواز اس آئے لگتی۔ نیلی نے سچے کے ہاتھ میں چڑا اٹھلونا کھینچ لیا۔ وہ پھر سے چلانے لگا۔ ساتھ ہی ڈر کر پکی لگی روٹنے لگی۔

”جیب کر جاؤ ورنہ اٹھا کر باہر بھیجتا دوں گا۔“ وہ دھاڑا اٹھا اور اچھی ٹھٹک گئی تھی پھر تیزی سے اندر کی جانب لپکی روٹی ہولی پکی کو سینے سے لگایا بیٹے کا ہاتھ چوم۔

”بہت سے آگے ہو شہیار بچوں پر ناک بھوں چڑھیا رہے ہو۔ آج ہے سرورانی اور بدواشت نہیں کر سکتا۔“

”من میں نہ شہ ہی بہت کرتا ہے۔“ وہ کچھ شرمندہ سا ہوا اور اٹھ کر بیچھ کر لپٹے کمرے میں چلا گیا۔

یہ دونوں انکی کو کھانے پر روکتی رہیں گھوڑ کی نہیں بچوں کو لے کر وہیں چلی گئی۔

تیسرے روز جب نیلیہ اس کے بیٹے کو لینے جا رہی تھیں تو شفق نے کہا تھا۔ ”یہ ناراض ہو کر گئی ہے اب نہیں بھیجے گی۔“

”نرالی کر کے میں کیا طرح ہے؟“ وہ چلی آئیں۔

انہی دنوں میں گھر کی کھلی کھلی شفق پر بہت چوٹ آئی تھی۔ اس سے تو بیڑوں پر کھڑا لگی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ ”شہار کی سنت کو بھی ان ہی دنوں میں جانا تھا۔“ وہ بڑبڑائیں۔

”بس آئی سب مطلب پر مت ہیں۔“ وہ کراہی۔

دو تہم اٹھو چلو میرے ساتھ جب تک ٹھیک نہیں ہو جاؤں۔ میرے گھر تو ہر روز۔“

”کونئی اگر گھر نہیں بس چلو۔“ وہ تینوں کو زبردستی لے آئیں۔ انکی منگنی لباس میں اور لہیر میک آپ کے تھی۔ نیلیہ نے شہار سے اس کے وہ بے پردہ جامے جوڑے اٹھائے تھے۔

میک آپ کے بغیر اس کا ساٹوا رنگہ بہت گراں دار لگ رہا تھا۔ مسکارتے اور آئی پٹنل کے استعمال کے بغیر آنکھیں بھی گھرے سا گھر نہیں دکھ رہی تھی مجاہت ہونٹ اور بھی پراتا پھر چھوڑتے تھے۔ وہ آنکھیں میں تھی۔ یہاں اگر نیلیہ نے اسے اپنے فیڈر روم میں مثالی۔

میک آپ کے بغیر وہ کیسی لگتی ہے۔ وہ خود بھی جانتی تھی۔ خیال تھا شہیار کی کند سے بیٹے وہ میک آپ کر لے گی اس کی پیکٹ۔ وہ نیلیہ انہی نے کی تھی وہ ایسا لگا بھی نہیں لگتی تھیں میں شفق سے لے لوں گی لڑ شفق بہت کئی کئی کھان مصروف تھی۔

شہیار کی گاڑی کی آواز اس نے سن لی تھی اور وہ بڑی بے چینی محسوس کر رہی تھی عام سے کالن کے کپڑے اٹھتے بکھرے ہال سے رونق پھرے انسیہ شفق کہاں مر گئی ہے اسے بے تمنا شفق آ یا اس وقت اس کے بیٹے کے زور زور سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

”انی اکی! شہیار چلا رہا تھا آپ آج پھر اس نصیحت کو اٹھانے ہیں۔“ پتہ نہیں اس کالے کلوٹے میں اب کو کیا کشش محسوس ہوتی ہے چپ کر جا محسوس آتا اب وہ کچھ سے مخاطب تھا۔

”مجھے نہیں اس کی بسن بھی آتی ہے۔ تمہارے بیڈ پر سو رہی ہے۔ نیلیہ نے ہنس کر کہا تھا۔

”میرے بیڈ پر کیوں میں نے شفق سے پہلے بھی کہا تھا اسے میرے کمرے میں مت ڈال کر کے مجھ پر ہی مسل آئی ہے اس سے۔“

”میرا خیال ہے اچھی بچوں کو کم کم ہی شفق سے شاید اس لیے۔“ اس خیال کا اظہار نیلیہ نے کیا پھر اس کے بیٹے کو بارے چپ کرنے لگیں۔

”بچے کی سگریٹن چاہیے۔“ بچہ اپنے نام کا ایک تھلا اندر اچھی شفق میں لیں کھا رہی تھی۔

”میرے بچوں کے لیے اتنی نفرت ہے شہیار کے دل میں۔ کیسے کیسے نام دیتا ہے انہیں اور میری بیٹی مجھ سے اپنے بچے ہیں۔ بہت پار کرنی ہوں میں اپنے بچوں سے۔“ شفق شفق کے ساتھ سیل اٹھایا اور میاں کو کال کرنے لگی شہیار کے گھر کا ایڈریس بتا کر چلا آئے کو کہا تھا۔

باہر اس کا بیٹا اب بھی رو رہا تھا۔ شفق نے شاید اسے پالی کا گلاس لا کر دیا تھا۔

”میں بیوں گا نہیں بیوں گا۔“

”بہت پیارو ہمارے طرف سے۔ خیر وار اب آواز نکالو اور شفق پلینڈ اس وقت کو وہاں سے اٹھاؤ۔ دیکھو آرام سے اٹھانہ جاگ گئی تو گھر میں اٹھالے گی، آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہو رہا ہے میں بس ایک کپ چائے لے کر سونا چاہتا ہوں۔“

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر وہ بڑی بڑی چیت کی خرابی ہے، موٹاپا اور چیت کا برا اثر خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر جھانک کر کئی جھانکائی بھی چیت کی خرابی سے ہوتی ہیں۔ خواتین کے ان تمام مسائل کا حل



واحد و پوری اور موٹاپے سے نجات دہک

Wahid's

Wahid's

واحد و پوری اور موٹاپے سے نجات دہک

موٹاپا، چیت کا بڑا جاننا، دھرتے گرائی و چیز بہت۔ کئی مہاسے، چھپ، چھانک یاں دور کرے قیمت = 60/- روپے

0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003
0300-9726003	0300-9726003	0300-9726003

Wahid Herbs Lab Karachi-Faisalabad

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا اس وقت نظر آئے ہوئے انھی لڑکوں میں آئی تھی۔

”اگر یہ انھی ہے یا اس کا بہوت۔“ وہ ٹھٹھکا۔
 ”بیٹا ادھر آؤ میرے پاس۔ فون کیا ہے میں نے تمہارے ہاکیو۔ ابھی آ رہے ہیں پھر ہم اپنے گھر چلیں گے راتے میں تم جو کو گے۔ تمہارے بیٹا تمہیں ولائیں گے۔“

وہ شہزیاد کی طرف دیکھے بغیر بہت سیٹ انداز میں شاید اسے ہی سنا ہے کوئی سے کہہ رہی تھی۔

”انھی تم بھی آئی ہو میں سمجھا پتے ہی ہیں اور یہ تمہیں ہو گیا طبیعت تو تمہیک سے تمہاری“ انھی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں شفق سے یوں۔

”جی کو مجھے دو اور آئی کے کمرے میں رکھا میرا بیگ بھی لے آنا۔ ان کے بیٹا آتے ہی ہوں گے۔“

”انھی تم لوگ کھانا کھا کر جانا۔“
 ”نہیں انھی! شکر ہے۔ اس کے بیٹا سے کہا ہے میں نے نو بیٹا زار سے لیتے آئیں گے پھر ہم نے اپنے پیٹے کو اس کی پینڈ کے کھلوانے بھی دلوانے ہیں۔“

”اچھا تو بچوں سے بہار کرتا ہے تمہارا میرا چلو یہ بھی نصیحت ہے۔ میں سمجھی جیسے تم پر توجہ نہیں دیتا ایسے ہی شاید بچوں کو بھی اگور کرتا ہے۔“

”نہیں نہیں آئی! اپنے بچوں میں تو جان سے ان کی کوئی ان کے سامنے ان کے بچوں کو کچھ کہہ کر تو دیکھے اور میرا بھی بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب تو میں نے بھی سوچ لیا ہے۔ انہیں بھی شکایت کا موقع نہیں

دلاں گی بس میں میرے بچے اور ہمارے سر کا سا بہن ناظر۔“ یقیناً اس نے یہ سب شہزیاد کو سنا تھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد اظہر آ گیا شہزیاد نے گرج پہلی بار اسے دیکھا۔ اچھا خاصا معتقال شخص تھا کم از کم اس سے تو بالکل مختلف جو کچھ انھی جاتی رہی تھی راتے ہی بیٹی کو پار کیا پھر بیٹے کو گود میں لے لیا۔

”چلیے گھر چلتے ہیں۔“ انھی اس کے بے حد قریب کھڑی تھی اور یہ عام سی بات بھی بڑے خاص انداز میں شاید شہزیاد کو پکھ جتانے کے لیے کہہ رہی تھی۔

”کھانا کھا کر جاتے رہے لوگ۔“ نبیلہ نے کہا مگر انھی کسی طور تیار نہیں تھی۔

”لو اتنے بچھے ماس شوہر کے لیے یہ عورت کیسے کیسے الفاظ استعمال کرتی رہی ہے۔“ نبیلہ نے ان کے جالنے کے بعد کہا تھا۔

”جی انھی! انھی کو ہر روز سمیٹنے کی ہمیشہ سے عادت ہے۔“ آج شفق بھی چپ نہیں رو سکی تھی۔

”گھر میں کیسا سکون ہو گیا ہے سچے تو گھر کی رونق ہوا کرتے ہیں مگر اس کے سچے تو آفت ہیں۔“ یہ نبیلہ تھیں۔

شہزیاد نے شفق سے دوا کے لیے کہا اور پھر سے کمرے میں چلا گیا۔

شہزیاد کو فلو ہوا پھر بخار نے آلیا تین دن تک وہ آفس میں جاسکا اور ان تین دنوں میں ان دنوں نے اسے کمرے میں اکیلا نہیں چھوڑا۔ ایک کام کے لیے انھی تو دوسری آئی تھی۔ وہ اسے انھی کو کال کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھیں اور شہزیاد ایسے سوئے تھے تلاش میں تھا انھی نہیں۔ ان تین دنوں میں صرف چلے روز ہی اس نے انھی کے بارے میں سوچا تھا کیا میں بچوں سمیت اسے قبول کر سکتا تھا؟ یہ میں کسی ظلم میں گرفتار ہو رہا تھا۔ میں جو ہمیشہ خود کو بہت سمجھدار سمجھتا رہا مجھے کیا ہو رہا تھا؟ وہ خود پر حیران تھا اور بس۔

تیسرے دن وہ آفس گیا اور وقت پر واپس آیا۔ شام میں ان دنوں سے کہیں باہر نکلنے کے لیے کہہ رہا تھا اور انہوں نے انکار نہیں کیا۔

بہت دن گزر گئے۔ انھی کا فون بھی نہیں آیا اور شفق خود سے کال کرتی۔ اب تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اور جس روز ڈاکٹر نے شفق کو امید سے ہونے کی خوش خبری دی تھی سو وہ بے اختیار رو پڑی تھی۔

”شفق! کیا ہوا ابھی کیا تم خوشی سے رو رہی ہو؟“

”ہاں بھئی گینا تھا انھی اور مجھے آج تک حیرت ہے۔“

”نہیں آئی! میں شہزیاد کے بارے میں سوچ رہی تھی اگر آپ نہ آئیں اور یہ مسئلہ حل نہ کرتیں تو آج یہ خوب عورت کتنی بے لیاں ہے۔“

وہ جواب میں انھی نہیں کر سکیں بس اس کا سر ہینے سے لگا کر تھکنے لگیں۔ پھر اسے خود سے الگ کیا اور بولیں۔

”بیٹا حدث ہے عورت اپنے مرد کے سامنے وہ سہری عورت کی تعریف نہ کرے نہ مگر وہ سہری بہت ہی باتوں کی طرح ہم نے کبھی اس بات پر بھی غور نہیں کیا۔ اس کی حکمت سے ناواقف ہی رہے۔ میں جانتی ہوں بہت زیادہ قصور شہزیاد کا ہے مگر کیا کریں بیٹا کہ یہ معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے عورت کو بھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے ورنہ آسوار کچھتاوے ہی رہ جاتے ہیں۔“

جب ان کے ہاں پہلی بیٹی ہوئی تو شہزیاد نے بہت خوشی ہوئی اور انہیں ہاں کو یہ خوشی سنائی تھی۔

”کتنی ہے وہ بھائی! شفق ان کے ساتھ پوچھا تھا۔“

”بہت پیاری بالکل شفق جیسی۔“ اور جہاں ماں سطلتیں ہوئی تو وہیں ایک آسودہ سی مسکراہٹ شفق کے ہونٹوں پر بھی سج گئی۔

تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہی وہ پوتی کو دیکھنے پاکستان آ گئی تھیں۔ وہ گاڑی میں انھی انہیں بتا رہا تھا۔

”بہت پس نکھ پکی سے اور تمیز دار بھی۔“

”اچھا! انھی کے بچوں کی طرح گھلا پھاڑ پھاڑ کے تو نہیں روئی؟“ وہ پوچھ رہی تھیں۔

”نہیں نہیں ان دنوں میری اور شفق کی بیٹی ہے بھلا انھی کیسے ہو سکتی ہے؟“

”کیا شکر ہے تمہیں میرے کی قدر تو ہوئی۔“

”کیا مطلب ای؟“ اس نے ان کی جانب دیکھا اور جواب مل گیا۔

کیا تھا اس عام سی عورت میں؟

”بیٹا! میں نے آج تمہیں اس لیے یہ یاد دہرایا ہے کہ اب تم بھی ایک بیٹی کے باپ ہو۔“

”اُمی! میں یہ غلطی کبھی دہرانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ شکر ہے کہ شفق اس بات سے ناواقف ہے۔“ وہ سچ کہتے کہتے رگ تھکیں۔

وہ بات خود اس سال سے شہزیاد پر ظاہر نہیں کی گئی تھی شفق چپکے سے براہ راست کر گئی ہے۔ کیا شہزیاد کو بتاویں۔

انہوں نے کچھ دیر سوچا پھر فیصلہ کیا نہیں شہزیاد کو بتایا تو پھر وہ اپنی محبتوں کے اظہار میں جھجک کا شکار ہو جائے گا اسے اسی غلط فہمی میں رہنے دو کہ شفق کچھ نہیں جانتی۔ وہ تمہاری بے وفائی سے ناواقف ہے۔

اسی میں شفق کی بھلائی ہے۔ گھر قریب آ چلا تھا۔

”اُمی! شفق نے گھر کو بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔“

”میرا فریج بھریا ڈال دیا ہے۔ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ آپ دیکھیں گی تو خوش ہو جائیں گی۔“

”میں شفق یاد آئی تھی جس کی دنیا میں سنے کو ہی تھی اور شوہر مل جانے کے بعد بھی وہ اس کی دلچسپی پر بے چین تھی۔“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
 بیہنوں کے لیے 5 خوبصورت ناول

500/-	رضانہ گورنمنٹ	مرد کی ایک روشنی
180/-	شاہزادہ چودھری	تیرے ہمہ تن شہرت
400/-	لاہور ناٹھار	آنکھوں کا شہر
150/-	فرانز گریز	میں سے عورت
300/-	آئی بی آر	دل آنسو ڈھونڈ لیا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
 فون نمبر 2216361

دلچسپ کہانیاں



”یہ نہیں کرنا، وہ نہیں کرنا“ یہاں نہیں جانا، وہاں نہیں جانا۔ ہرے آگے باہر شاہ سلامت کہیں سکے، میں نے تو اپنی اپنے وقت سے ڈانٹ نہیں کھائی تو تمہارے بھائی صاحب پر یہ پتھر پڑیں۔“

پر یہ جو آج تک اپنے ”بھائی پران“ کی شاندار پرستانہ بارعب شخصیت پر نظر کرتی آئی تھی۔ منشاء حیات کو اسی شاندار شخصیت میں ہزاروں کامیاب نظیر آئی تھیں اور وہ اس زور و شور سے ان کی خامیاں گزواتی تھی کہ اس کا سارا تقاضا تو ادا ہونے لگا۔

”سمجھاؤ نا انہیں اپنی زبان میں منشاء حیات کوئی پر یہ یا لاجب نہیں ہے جو ان کی ہر بات پر احمقوں کی طرح سر ہلائی رہتی ہیں۔“

وہاں کی تھوڑے کے ساتھ دروازہ کھلی کر اس سے تیار ہو کر آواز میں کے ساتھ ہر ہوا تھا۔ پر یہ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔

”یہ تمہارے بھائی صاحب خود کو سمجھتے کیا ہیں؟“

وہ کچھ اصول میں رہ کر بھڑکے دہکتے ہیں۔ زیادہ ہی پختہ خان بٹے کا شوق ہے تو اسے اپنے بسن بھائیوں تک محدود رکھیں۔ خدائی فوجہ نہ بن کر نازل ہو جاتے ہیں۔ میں جہاں جاؤں، وہ مرخصی پہنوں اٹھیں کیا آگے لگتے ہیں؟

”سب تو قلع منشاء حیات آہستہ کی طرح نازل ہوئی تھی۔ پر یہ نے سبے جاہرگی سے اپنے نام عمل اسائنمنٹ کو دیکھتے ہوئے ناکل بند کر دی۔ اب اسے وہ بھائی کھڑے تک ”منشا“ نامہ اپنی منشا تھا۔“

www.paksociety.com

کالم نگار



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لوتی۔ یہ بھی بھلی فرمائیرازی پر "حق" کا خطاب مل گیا تھا۔
 "مگر یہ سب تمہاریوں کی وجہ سے ہی ہے۔"
 ایک ہی غم جو ہم مائدہ ہوئی۔

"ایسا اور ناز بچوان سے بڑی ہو کر بھی یوں ڈرتی ہیں جیسے کچھ غلط کر رہا تو پھر صاحب گریں مروڑیں سے اور وہ اسلوب توکل۔۔۔ مجھے انگریزی تو کیا کرتا ان کا سواں سنتے ہی اسے قدموں پر پائیں بھاگ گیا۔ چونکہ 'ہرمن'۔۔۔ قصہ کیا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر پوچھا مزید بچرکانے کے مترادف تھا۔

"بچپن سے ہی میں نے پیشہ کی ڈرنگ کی ہے۔ اس کا اشارہ اپنی بیعت اور فی شرت کی طرف تھا۔ شکر اور فیض تو میں نے کبھی ساتھ لگا کر بھی نہیں دیکھی۔ میں جس ڈرنگ میں اپنی فیل کرتی ہوں وہی ہنسوں گی نا۔ اور یہ کہستان میں لڑائیاں جیتنے اور شرت عام پاسکتی ہیں پھر مجھے یہ ہی پابندی کیوں ہے میں تو یہی ڈرنگ کیوں کی جو مرضی تھے نہیں۔" وہ صبح سے اپنی چیخ مکر کرتے ہوئے اس نے بد نظری سے جاگڑا بار کر دیا میں بائیں اٹھیا۔

"چھوڑو! شرت برس کر دوا۔ حافظ نے فرام کرنا تھا آج تو۔ برسوں سے منت منت کن رہی ہوں میں اور یہ ظرم خان بیت نہیں کہاں سے نازل ہو گئے۔ اچھے بھلے اسلام آباد گئے ہوئے تھے ایک ہفتے سے۔ سکون ہی سکون تھا قسم سے۔ آج ہی اتنا تھا کل آجاتے۔ اس ایڈیٹ نوکل کو کھینے بھر سے لگنے کا کمرہ رہی ہوں گھر اس کی تیاریاں ہی مکمل نہیں ہوئیں۔ اب کیا فائدہ ہوا اتنا تمہوڑا اپنکانے کا۔ کمرے میں گھسا اٹھدی بکر رہا ہو گا۔ کل ایگزیم ہو ہے۔

ایگزیم توکل کے ہیں اور پریشان بھائی جی ہو رہے ہیں۔ یہ تمہارے بھائی میں ساری خصوصیات "مرکبہ" جیسی کیوں ہیں۔ ہر کسی کے کام میں مداخلت کرنا ہر کسی کے پرسل میں ٹانگ اڑانا۔ کتنا شوق ہے اس میں اپنی اہمیت جتانے کا۔" اصل واقعہ اسے اچھی طرح سمجھ میں آچکا تھا۔

کچھ دیر قبل ہی وہ اور نوکل و کچھ آڈیو ریم میں ہونے والے کسٹ میں جانے کے لیے نکلے تھے اور کٹ سے داخل ہوتے ازراہ شاہ پر لگا پڑتے ہی نوکل کے چھکے جھوٹ گئے تھے۔ ایک تو ان میں میوزیکل ٹائٹ انجولے

کرنے کا تھا دوسرے آئسہ منشا، حیات کی ڈرنگ۔ وہ اس وقت ٹائٹ جیتنے اور ٹاپ میں بیویں تھی۔ جیتنے تو شاہ باہر میں لڑنے کے بھی شاہ و ناؤر پہنتے تھے کچھ لڑائیاں۔ ازراہ شاہ کے ماتھے کی سلوٹوں میں لٹاک آئسہ شیخ مارکیٹ کی طرح ایک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟" نوکل کے ہاتھ پیوی بائیک کے پیڈل پر ہی ساکت ہو گئے۔
 لٹش کر کے عمری بیس میں بیویں ایک ہاتھ پٹا بریف کیس اور دوسرے میں سیل فون پکڑے ازراہ شاہ نے بے حد چھٹی نگاہ سے نیازی سے پل کہ جاتی منشا پر لائی تھی۔
 "ہو۔۔۔ ہم۔۔۔" نوکل سے لوری طور پر کوئی بات نہ بنی پڑی۔

"ہم لوگ کسٹ میں جا رہے ہیں حافظ کے۔ کوئی اعتراض؟" اس کا انداز مزید باؤر لایا۔

"شرم نام کی کوئی چیز اگر تم میں موجود ہے تو اس کا استعمال بھی کر لیا کرو۔ زیادہ ماڈرن ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے خود کو۔ ایگزیم کی ڈیٹ شیٹ آجھی ہے ناں تمہاری۔ وہاں کسی حافظ کی پرکار نہیں کی رو دوا میں کھینچی تمہیں سوا اپنے کمرے میں لے جاؤ اور اسٹڈی کر لو۔ اسے فکلی نظر اور اٹھتے ہوئے اس نے سخت نظروں میں نوکل کی کٹاس لی تو وہ "سوری" کرتا لے قدموں ہی پور بھاگا تھا۔ اس کے پیچھے ہی ازراہ شاہ بھی۔ منشا کو جتنا بھی غصہ آتا تھا۔

"اوس۔۔۔ جل بکڑا۔۔۔ نرم۔۔۔ کمرہ۔۔۔ وہ بھی نیم چڑھا۔" وہ کہتے تو نظروں سے اس کی پشت کو گھورتی اپنے اور ہدیہ کے مشور کہ بیڈروم میں آئی تھی۔
 "سوری یاں۔ رو بھائی ان اچانک ہی آگے۔" نوکل بھی کان بھجانا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"وات سوری رہے تم تو بات ہی مت کرو مجھ سے۔ کب سے بکواس کر رہی ہوں نکل او! نہیں رہا ہو گا اس میں مار خان نے آج ہی اتنا ہے اسی لیے جان بوجھ کر نہ کر رہے تھے۔ اب جاؤ ان کے چروں میں جا کر۔ یہ جو ہوا تھا رگڑا ہے نا کھنڈ لگا کر" اس سے سلامی لے لو۔ مجھ سے بات بھی مت کرنا اب۔" بے حد غصے کے عالم میں اٹھ کر وہ اسٹڈی میں جا چکی تھی۔

"لو گا۔ یہ کیا کہے پار لگی؟" ہدیہ نے بے ساختہ سر

تھا تھا۔

"ایک مغرب سے تو دو سزا مشرق۔ بہت غلط فیصلہ کیا ہے چاہو نے اپنی بیٹی کے مزاج سے واقف ہونے کے باوجود۔" نوکل بھی پریشان تھا۔
 اور جس نے یہ سارا کھڑا ک بھیلایا تھا وہ اپنا نمبر پھر قابو میں کرنے کے لیے شہر لینے لگی تھی۔

ہو ہو ہو

منشا و حیات۔۔۔ حیات احمد شاہ کی اکلوتی دختر تیک اختر سے جو کہ کم از کم ازراہ شاہ کو تو کہیں سے بھی "ٹیک" نہیں سمجھتی تھی۔ بارہ سال انکلیڈ جیسے ملک میں گزار کر وہ چھ سال پہلے اسلام آباد اور ڈیرہ بخت پلے کراچی آئی تھی۔ والد نے شرم کا وہی روایتی جرم پینڈ کی شادی۔ دو سال پہلے ہی ماں کی وفات پر ان کی بیس سالہ پرانی ناراضی ختم ہوئی تھی۔ شرم سعید تھیں تو غیر خاندان سے عمران کی عادت و اخلاق کے سب بندوں میں ہی قائل ہو گئے تھے۔ فائدہ کو تو خصوصاً شرم تھا کہ ماں کی بے جا ناراضی کی وجہ سے وہ لگتا مرض اپنی پیاری سی دیوری سے دور رہیں۔

دو سال پہلے حیات احمد اور شرم شاہ کراچی "شاہ بیس" کے قریب منشا ان کے ساتھ گئیں تھیں۔ ان دنوں اس کا فائل کچن رہا تھا اور بیسے بھی اسے اپنے رشتے داروں سے کوئی خاص انسیت نہیں تھی وہ اپنی برہمن بھر فریڈز میں ہی خوش باش تھی۔ حیات احمد اپنی بیٹی کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے اپنے گھر کا ماحول بہت لذیذ ہی رہا تھا مگر شادی کے بعد انکلیڈ میں گزارے بارہ ماہوں میں وہ خاصے روشن خیال اور وسیع النظر ہو گئے تھے مگر "شاہ بیس" کی اندازہ روایات آج بھی وہی تھیں۔ شرم سعید ان کی یونیورسٹی فیلو اور بڑے باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ شادی سے پہلے ہی وہ اکثر "شاہ بیس" آتی رہتی تھیں۔ ان کے بے باک انداز اور ماڈرن لباس کو ماں کی نے بھی پسند نہیں کیا اور جب حیات احمد نے ان سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو ماں جی ششدر ہو گئیں۔

"احمد شاہ کی ہوس۔ شرم سعید۔ انا ممکن۔۔۔ ہمارے گھر کی عورتوں کے سون سے بھی وہ پہلے بھی نہیں ڈھلکا لور میں پتلون پہنے بان کو ہونٹوں۔ پھر وہ غیر ذات کی ہے۔" ان کا ملاں مروج پر تھا مگر حیات احمد اپنی محبت سے

دستبردار ہونے پر آمادہ نہ تھے۔

"میں ذات پات پر یقین نہیں رکھتا، یہ مسلمان ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہائے ذل ہے۔ بس میرے لیے یہی کافی ہے۔"

"والہ میاں۔ بہت خوب۔۔۔ ایک پرانی لڑکی کے لیے ماں کو غلط ثابت کر رہے ہو۔ یہی سکھایا ہے تمہاری تعلیم نے تمہیں۔ تمہارا بھائی بھی تو بے کٹنا سلٹی ہے آج فائدہ جیسی بیوی پا کر۔"

"فائدہ بھائی بہت اچھی ہیں آپ کی بھانجی ہیں پھر ماں جی اپنا چوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ صبراج اچھی ہوئی مگر مجھے شرم سے ہی شادی کرنی ہے۔" ان کے لیے میں قنصلت تھی۔ ماں کی قائل ہونے کے بجائے پراض ہو گئیں۔

"ٹیک ہے اگر تم نے اپنی مرضی ہی کرنی ہے تو شاہ بیس کے دروازے عم پر ہمیش کے لیے بند ہو چائیں گے۔"

عید الاضحیٰ کا چھٹا

گھانا خزانہ

منجھو کپور، کانیا ایڈیشن

جس میں گوشت کے بکاتوں

کی 25 لذیذ ترکیبیں

20 خوبصورت رنگین تصاویر

نئے ایڈیشن میں۔ 251 روپے کی خصوصی رعایت

کی قیمت۔ 225 روپے ڈاک خرچ۔ 251 روپے

آج ہی نئی آڈیو ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔



منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 مارو بازار کراچی۔

فون 2216364

اس وقت وہ اسے محض ان کی جذباتیت سمجھے تھے مگر اسے
 اگلے میں برسوں میں انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے قول
 میں کس قدر سچی تھیں۔ "مہم نے ہر طرح کے حالات میں
 ان کا ساتھ دیا تھا۔" شاہ بیس "سے بے دخل ہونے کے
 بعد انہوں نے اپنے سرسری ہونے سے انکار کیا تھا۔ ان
 کے عزیز اور جان بھائی انہیں احمد نے ہی ہاں ہی کے علم میں
 لائے بغیر ان کے لیے انگلیز جانے کا انتظام کیا تھا۔ وہاں پر
 دونوں نے جان توڑ محنت کی تھی۔ اولاد اکوٹی تھی اس کے
 گزارا ہاں آسانی ہو رہا۔ بارہ سالوں میں۔ بات احمد کا "شاہ
 بیس" سے براہ راست کر چکے تھے اور پورا عرصہ تھا۔ چھ سال پہلے
 وہ پاکستان آئے تو اثبات احمد کے کہنے پر ہی سکین کاروبار
 وغیرہ شروع کرنے کا ارادہ بنا لیا۔ مہم ان کے ساتھ
 تھیں۔

مشام کو کہتے تھے تھی مگر مہم نے اسے قائل کر ہی
 لیا۔ "شاہ بیس" کے رہنے میں گاؤں کو بھی اور اک تھا
 اس لیے پہلی بار وہ اسے دانستہ ساتھ نہیں لائے تھے۔
 مہم کو گھنے گھنے ماحول کے باوجود میاں کی محبتوں کی فضا
 اچھی لگی تھی۔ ڈبل اسٹوری پورشن میں اثبات احمد اور
 وہاں احمد خانہ ان رہائش پذیر تھے۔

وہاں احمد اثبات احمد سے کچھ برس چھوٹے تھے۔ ان
 سے چھوٹی فاطمہ شادی کے بعد شوہر کے ساتھ قندیل علی گئی
 تھیں۔ ان کی طبیعت کی خرابی پر وہ اور "شاہ
 بیس" آئے تھے اور انہیں منا کر ہی وہم لیا تھا۔ مہم کے
 متعلق جو ان کے خیالات تھے وہ ان سے قطعی مختلف
 ثابت ہو گئیں لیکن یہ ان کی بد قسمتی ہی تھی "صرف وہ
 ہفتوں احمد ماں کی دائمی لچل کو لیک کہہ سکتیں۔"

اثبات احمد کی پانچ اولادیں تھیں۔ سعید اور نازش کی
 ماں کی وفات سے دو ماہ پہلے اٹھتے ہی شادی ہوئی تھی۔ یہ
 دونوں بہن کر کے ماں کے گھر گئی تھیں۔ ان سے چھوٹے
 ازراہ شاد جو ایم بی اے کے بعد زانی فیکلٹی سے منسلک
 ہو گئے تھے پھر ہدیہ تھی۔ ایم اے اسلامیات کی
 اسٹوڈنٹ۔ ان سے چھوٹا نون ہونی اکی کر رہا تھا۔ وہاں
 احمد کے دو چڑوالے بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جنہ اور سید اس
 کے اسٹیج نیو ہی تھیں "کلاس فیلو بھی تھے۔ چھوٹی انجہ
 میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔

وہ "شاہ بیس" میں کئی بار ہی آئی تھی۔ اس کے انداز
 میں نہ ہتھیں تھا اور نہ گرم جوشی۔ وہ دن تک تو اس کا موڑ

آف ہی رہا تھا مگر اسے سارے سڑکی سڑکی میں اس
 کو ساخنہ قول ٹوٹ ہی گیا۔ اس کی عادت اور مزاج مہم
 جیسا ہی تھا اور حیات احمد جیسا ہی تھی۔ جذباتی حیات احمد کی
 طرح تھی تو خوش اخلاق اور زندہ دل مہم کی طرح۔
 ازراہ شاد نام کے "بیوٹے" سے اسے پہلے دن ہی سے
 ڈرانے کی کوشش کی گئی تھی۔

"بھائی ان یہ چند نہیں کرسکتے وہ پشہ نہیں کرتے۔"
 وہ بڑھ ہو گئی تھی اس قسم کے شک سے سن کر۔ اور ان
 سے ملاقات تیسرے روز ان کی سڑکا پور سے واپس پر ہوئی
 تھی۔ اور ان سے مل کر وہ مزید باہر سے ہوئی تھی۔
 "یہ ان کے چہرے پر ایک ہی ناہم کیوں نکس رہتا
 ہے؟" دوسرے دن ہی اس نے "صدمت سے آنکھیں
 چپکا لے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ ان سے کچھ لاکھلے پر ہی تو
 قائل رہتے ہیں لیکن شک۔ ہدیہ کا خلاصہ بند نہیں ہو سکے
 تھا۔

"سچی... میں تو ان کا ایک ہی بوز کچھ دیکھ کر پوچھ رہی
 ہوں۔ انسان میں کچھ تو تحمل ہونا چاہیے۔ یہ کیا لکھا گیا ہے
 کیا کام کیا اور سو گئے ہیں ان کے۔ ہوسہ ہورنگ لائف
 اسٹائل۔" بی بی کیب اچھا لے ہوئے وہ اپنا دلہم کم کرنے کا
 تڑپتے بغیر ہونے لگی۔

"تپ کا پتھر ختم ہو گیا ہو اور اے جوانی یہ خیر یا بھ
 جان کر کہیں۔ میں اس وقت کام کر رہا ہوں۔" بہ دقت
 انھوں نے اپنے منہ کو قابو میں رکھا تھا۔
 "مجھے بھی نظر آ رہا ہے اندھی نہیں ہوں میں۔" وہ
 منہ پھلا کر اٹھ گئی۔ اسے خود بخود میں رعب اٹھانے
 والے مرد باطل پتہ نہیں تھے۔

ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اسے یہاں آئے کہ حیات
 احمد "سسر کی طبیعت کی خرابی کا سن کر مہم کے ساتھ
 انگلینڈ پہلے گئے تھے۔ وہ بھی بہت جلد ہی ان کے ساتھ
 جانے کے لیے مگر انہوں نے دانستہ اسے "شاہ بیس" میں
 چھوڑا تھا اور اب وہ ہفتوں سے وہ ہیں گی۔

"ہیلو گا... " وہ پ سے صوفے پر گرتے ہوئے اس
 نے ریو پٹنے میں مصروف نون اور حیدر سے کہا تھا۔
 کچھ دیر قبل ہی سو کر اٹھی تھی۔
 "ہائے جٹ لڈی۔" حیدر خوشگوار ہی سے بولا۔

"ہدیہ ایسے... سڑا لگ چاگے۔" حیدر نے ہاتھوں میں
 تھپانے پلاتے ہوئے اس نے وہیں سے ہانک گئی تھی۔
 "ہائے میں مر گیا۔" نون میرے رہا۔ تو لکھا ہو جائے
 اور برونو غرق۔" اچانک حیدر آدھارے ان تینوں کو ہی چونکا
 اٹھا۔

"اسے لکھا تو لکھ کر ہدیہ کچھ سے بھائی تھی۔"
 "کیا ہو اجنا!"
 "ایک سیڈنٹ۔"

"کس سے؟"
 "وہ ابور کج جوڑا ہمارا نہیں ک... اندھے کو سا پھل
 پلائی تھی نہیں۔ مٹھوں سے میں نے کیا کہ پہلے چلائی تو
 پہلے خیرے لے کی سڑک ہے جو پھینے کی طرح ڈھرا نا پھر
 ہے۔ اس پر پہلے پہلے رات کھل کر وا۔"
 "بھائی اس کی بریکیں کہاں ہیں؟ ہائے میری
 ٹھیک۔" وہ کشن پر ڈھیر ہو گیا۔

"ہائے ہدیہ ایسے... لگو کوز تو لے کر آؤ۔ مجھ میں تو
 دوا کس دینے کی بھی سکت نہیں ہے۔"
 "بے ماسے... چپ کر کے بیٹھ۔" نون نے لٹاؤ۔
 "کیا زیادہ درد ہو رہا ہے؟" نشاء آنکھیں پھاڑ کر اس کی
 ہانک دیکھنے لگی۔ "میں نے کچھ نہیں آئی تھی۔"

"مہمیں میرا تو بھنگوا لواتے گا سوہ ہو رہا ہے؟" وہ طش کر
 بولا۔ "امی کہاں ہیں؟"
 "پچی اور امی تو بازار گئی ہیں۔" ہدیہ جی گل کو کوز لے
 لے۔
 "ہائے میری ماں بھی اس وقت گھر پر نہیں۔ میرا دیکھ
 لکان سے گا۔"

"جینیں... اب اگر تو نے کچھ اس کی تو میں تیرا گھا دیا ہوں
 کہ "نون نے ذرا تورو۔"
 بڑے بے ہوش ہو کر تیرے کو پتے سے ہم لکھ
 "لکھا تاکرے میں چلا گیا۔ ہدیہ فرسٹ ایڈیکس لیے اس
 کے پیچھے ہی تھی۔

 "میرا مہم کس نے اٹھایا ہے لاون سے؟" اس نے
 لکھ سے آٹھ بجے لکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ سب لوگ
 لکان میں مصروف تھے۔
 "کوئی اٹھانے آجائے۔" اثبات احمد نے محبت سے کہا تو

ہوئے تھے۔
 "کیا کر رہی تھیں؟" وہاں احمد بھی اس کی طرف متوجہ
 ہوئے۔
 "کوئی نہیں چاہی۔ اخبار دیکھ رہی تھی۔ ہدیہ کہاں
 ہے؟"
 "مہم یہاں ہیں جناب۔" ہدیہ ٹب سمیت کچھ سے
 برآمد ہوئی۔

"ابھی کڑھ میرا بھی چائے کا پورا پورا تھا۔"
 "انگریز چائے تمہارے لیے نہیں ہے بیویوں کے لیے
 ہے۔ تم پہلے آٹھا کھاؤ اس کے بعد روو۔"
 "اوو... تو... میں روو نہیں جیتی۔"
 "پھر بھی اتنی گوری ہیں۔" لانا کو خیرت ہوئی اور
 بے ساختہ ہنس پڑی۔

"انگورہ آئی آپ نوپر مل سوٹ سے کر آئی تھیں اور
 میں نے ہدیہ کو بت دیا ہے۔ اس پر سوٹ کرے گا۔"
 جان بوجھ کر ہی اس نے یہ قصہ چھیڑا تھا۔
 "نگورہ تو میں تمہارے لیے لائی تھی۔"

"لالی تو نہیں نگورہ کہا ہے کہ آئی نہیں اس طرح کے
 ڈرہسز میں۔ ان لڑکی اٹل کرتی ہوں۔ یونو میں خود کو بہت
 اور محسوس کرتی ہوں اس طرح کے لباس پہن کر۔ آپ
 میرے لیے امبی شلی لائیں۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ ہٹ
 سو ری انس ناٹ ڈالی جو اس۔" لڑکی ہی بولی جھانکے وہ
 لیکن انہوں نے ازراہ شاد کی طرف دیکھتے ہوئے بولی
 تھی۔
 "لو کے بیٹا! کوئی بات نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے
 بولیں۔

"اور طیب چچی... آپ کے ٹرولر شرت لانا اب
 ہیں۔ وہ میں پہن لوں گی۔" لونا اٹھانے لگا تھا۔
 "بیٹا! شلوار نہیں ہمارا اسلامی ہی نہیں، قوی لباس بھی
 ہے اور پھر لڑکیوں پر تو شلوار سوٹ ہی اچھا لگتا ہے۔"
 اثبات احمد نے رسائی سے کہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آیا ابھی اب تو پاکستان
 میں بھی چیز شرت بہت عام ہے۔ یہ بھی تو اسلامی مملکت
 ہے۔"
 "ہی مشرقی روایات و اقدار کو چھوڑ کر ہم مغربی اقدار
 اپنانے میں خرمحسوس کرتے ہیں تو یہ ہمارا احساس کتہری
 ہے کہ ہم اپنی چیز کو کم تر اور دوسروں کی چیزوں کو بڑھ کر

ہیں۔ وہ سروں کی منتقلی کرنے سے ہم ترقی یافتہ نہیں کہلائے لگیں گے۔

”یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا، اب ایک ٹوکوں کو اپنے ملک کی ہر چیز میں خرابیاں نظر آتی ہیں۔ برٹش نیشنلسٹی اتنی بھی قابلِ فخریات نہیں ہے کہ آپ ہر وقت اس کا حوالہ دیتے رہیں۔“ ازرار شاہ کے سروں نے اس کا خوش گوار جواب خراب کر دیا۔

”مگر آپ کا اشارہ میری طرف ہے تو ماہذا انت مسٹر ازرار شاہ! میں نے کبھی اپنی برٹش نیشنلسٹی کو ایک پیوز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ آپ کی اپنی سوچ ہے۔“

”نہیں نہیں بیٹا! ازرار۔“ کا اشارہ تمہاری طرف نہیں ہے۔“ قانزہ نے جلدی سے بات سنبھالی۔

”میں ان کے اشاروں کو خوب سمجھتی ہوں۔“ وہ جذباتی انداز میں یہ بات کہہ کر اٹھ کھڑی تھی مگر پیچھے سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”دیکھ لیا ازرار میں! منظر بھی کتنا سمجھنے لگی ہے آپ کے اشاروں کو۔“

”چاچو! آپ بھی بس۔“ دوران کی منہی خیر مسکراہٹ پر چھینٹ سا گیا۔

”بھائی! ہدیہ کی پیکر پر وہ بیٹھ گیا، چڑھ کر اوپر آیا تو وہ اسٹور میں کھسی ہوئی تھی۔“

”کیا بات ہے؟“

”فتیحاء کا میگزین نہیں مل رہا، آپ نے تو نہیں دیکھا؟“

”کون دیا تھا وہ میگزین۔“ اس کا اٹھا پر خشک ہو گیا۔

”وہ۔۔۔ فتیحاء ہی لائی کبھی شام کو۔“

”تم لوگ کے ایف سی کئے تھے۔“

”ہاں گئے تھے پھر، وہ سینے پر بازو لپیٹے اس کے سامنے آگھڑی ہوئی۔“

”میں تم سے بات نہیں کر رہا۔“ ایک ناگنی میں وہ تیار ہی سے باک لگی تھی۔

”مگر میں آپ ہی سے بات کر رہی ہوں۔ میرا میگزین۔“ اس نے ہاتھ پھیلا دیا۔ پھر وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف پھرتا۔ فتیحاء کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا۔

”یہ رہا تمہارا میگزین۔ اٹھاؤ اسے۔“ آٹھ واں قسم کے فضول اور بے ہودہ میگزینز تم اس گھر میں لائیں تو میں بہت بری طرح جوش آؤں گا۔“ سبیل پر رکھا تھا، اٹھا کر اس

کی طرف بڑھائے ہوئے وہ غصیب ناک انداز میں کہہ رہا تھا اور وہ۔۔۔ وہ تو آنکھیں پھاڑتے اپنے ان گنت ٹکڑوں میں بٹے اس قلمی میگ کو دیکھ رہی تھی شے اس نے انہی فرصت سے دیکھا بھی نہیں تھا۔

”یہ گھر بے کوئی قلمی اسٹوڈیو نہیں یہاں اس قسم کی خرابیاں لانے سے عمل آسکدہ ہو مگر۔ سوچنا۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

”یہ شخص اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔ بڑا تیا مولوی کہیں گا۔“ بے حد اشتعال کے عالم میں اس نے شاہ کمرے کے وسط میں الٹ دیا تھا۔

* * *

”بھائی! یلین۔“ بڑی لپک کر اس کے سامنے آئی تھی تو اس کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا۔ اپنا کارنامہ دیکھ کر پہلے ہی اس نے اس کے جوش گزار کر کہا تھا اور اب مزے سے واک مین میں رہی تھی۔ ازرار شاہ نے کبھی کسی کی اس حد تک بدتمیزی برداشت نہیں کی تھی۔ اپنے کمرے کا حشر دیکھ کر اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا پورے کمرے میں یہاں سے وہاں غلٹی میگ کے ٹکڑے گھرے ہوئے تھے۔

وہ ازرار شاہ کے کمرے کا حشر دیکھ کر اپنے لیے باہر نکل گئی اور جھانکنے سے اسے اپنے دیکھ کر گھبرا گیا۔

”ہو تم سامنے سے۔ یہ لڑکی غور کو سمجھتی کیا ہے۔ لڑکی ہو گی اپنے ماں باپ کی۔ اپنی بدتمیزی اتنی خود مرگ۔“ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، تب ہی وہ کمرے سے باہر آئی۔

”کیا ہوا؟“ وہ انجان ہی پوچھ رہی تھی۔

”ہم۔۔۔“ اس کا لبں سبیل چل رہا تھا کہ وہ اس کا کیا حشر کرے۔

”فتیحاء تم اندر جاؤ۔“ ہدیہ نے اسے دیکھ لیا کر اندر گیا اور باہر سے دروازہ لاک کر دیا۔

”ہدیہ! دروازہ کھولو۔ میں ڈرتی نہیں ہوں تمہارے اس خطرناک سے۔“ وہ دروازہ بجانے لگی۔

”کیا ہوا ہدیہ! قانزہ جو چھت پر تھیں پریشان ہو کر آگئیں۔“

”کچھ نہیں ائی۔ اور بس۔“ ازرار شاہ کو واپس پلٹنے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ازرار شاہ کا غور پورے خانہ میں مشورہ تھا۔ فتیحاء حیات جاتے کیوں

اس سے وہ بدو مقابلے پر اتر آتی تھی۔ یہی بات اس نے اپنے منہ کی تو وہ مسکرائیں۔

”جیندا تمہارے ابو اور چاچو سوچ رہے ہیں نا تو ایسے ہی ازرار کے لیے فتیحاء جیسی لڑکی ہی سوٹ کرے گی۔“ ازرار کا مزاج بہت کڑوا ہے، اسے اپنی سوتائے کی عادت ہے۔ کوئی نام ہی لڑکی آگئی تو تمہارے بھائی کا غصہ اور خراہ سہ سہ کر ختم ہو جائے گی۔ یہ مزاج! تمہاری دادی پر گیا ہے۔ وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ اپنے بیٹے سے میں سائل ہو رہی ہر داشت کرتی رہیں۔ آخر وقت میں ہی دل نرم ہوا۔

ازرار پیدا ہوا تو اس وقت میری گود میں سعید تھی۔ ہزاروں بھی چھوٹی ہی تھی، اس لیے ازرار کو تمہاری دادی نے ہی پالا۔ میں تو مطمئن ہوں کہ کوئی تو میرے بیٹے کو احساس دلائے والی آئی۔ وہ میرا بیٹا ہے مگر مجھے اس کی خاموشی کا احساس ہے۔“

”ایک سیر تو میرا سوا میرے۔ اپنی مجھے تو مشکل ہی لگ رہی ہے۔“ ہدیہ باپ ہی سے کہہ رہی تھی۔

* * *

”خوف! تمہاری دوست کی برس نکلی ہے۔“ اس کا لبں لڑائی میں ہے۔ اس کی غلٹی وہی کھیل سے لگنے لگی اور گارڈ اور گھبرا کر پھرتا رہا۔

”جگانا ضروری ہے۔ میں نے کیا اور سے ہی گزر جانا تھا، ابھی ہڈی پھلی کر لیک ہو جاتی تو۔“ سبیل فون بچھت کر رہی تھی۔

”تو تم انہوں کی طرح بیٹھو، یہاں استعمال نہیں کر سکتے۔“

”نہیں تو خیر کیا ہوں نکاح میں بھی بند رہوں جتنی ہیں۔“

”یہ دوست تمہاری ہے یا تمہارا ہے؟“ جیندا ہیکس کی دھلائی موقوف کر کے ان کی طرف دیکھا تھا۔

”تمہارا ہی ہے یہ فتیحاء تو بس۔“

”اچھا۔۔۔ لڑکے کا نام ہے۔ مجھے تو نہیں پتہ تھا۔“ وہ صورت سے بولی تو نونل کھا جانے والی نظروں سے گزرنے لگا۔

”خدا کا واسطہ ہے، آہستہ بولوں۔ ورنہ بھائی! ابھی حشر اٹھاؤں گے۔“ اس نے لان چیمبر پر اٹھان سچ کے باسی اٹھا دیں، کھوکھلے ازرار شاہ کو دیکھا۔

”ہو نہ ہو۔ اپنے بھائی کے ڈراوے مت دیا کرو تم مجھے۔ کیا خیال ہے کرکٹ کے بارے میں؟“

”یہ ٹیک خیال ہے۔ لیکن بھائی! میں سے تم نہیں ڈرتی ہو گی مگر نہیں تو اپنی عزت پارٹی ہے نا؟“

”ہاں ہاں پتا ہے مجھے۔ سنی عزت ہے تمہاری۔ چلو جیندا تم مجھے باہر کی سیرتی کر لادو۔ دیکھتے تم نے کتنا تھکا کہ تم مجھے ڈراؤ، کتب کھاؤ، کتب کھاؤ گے۔ سچ میں پور ہو رہی ہوں۔ بیٹو اور نام بھی تم نے کا نام ہی نہیں لے رہے۔“

”کیا ہوا تمہارا دل نہیں لگ رہا بس؟“

”انکل نہیں۔ سبیل جیسی زندگی ہے یہاں پر۔“

”مگر ساری عمر بس رینا پر کیا تو رہا لگی؟“ نونل کے منہ کی انداز سے اسے چوکانا دیا۔

”تو ب۔۔۔ کو میں اور ساری عمر یہاں؟ اس ایسا نہیں یہاں مگر تمہارے بھائی صاحب ڈوہڑا کھڑے ہوئے تو سوچا چاہتا ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ مزہ آتا ہے۔ میں نے تو ابھی تک پورا کرنا ہی ہی نہیں دیکھا۔“

”تو ہم نے کون سا پورا کرنا ہی دیکھ رکھا ہے۔“ جیندا نے منہ سورا۔

”کیوں؟ تم تو بڑے ہو؟“

”سچ پوچھو ریشی اور کلج۔ شام کو چنگ، نزلت کو گھر میں۔ دس بجے کے بعد باہر جانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔“

”لو کہ۔ اس وقت چھ بجے ہیں۔ ٹیک سات بجے ہم سب۔ یعنی تم جیندا حیدر گارڈ اور ہدیہ۔ اگر آئی اور پکی جانا چاہیں تو وہ بھی ٹیک پر چل رہے ہیں اور رات بارہ ایک سے پہلے واپسی نہیں ہوگی۔“

”گھٹ۔“

”ہو موو آر جو جنٹس۔ تک کہے اور کس طرح جانا ہے۔ یہ تم مجھ پر چھو ڈو اور جائزہ لگی طرح ڈو لیں آپ ہو جائو۔“

”ایک گاڑی تو ہونے کے پاس ہے اور وہ سری بھائی! ان۔“

”ہم سوک رہا میں گے۔“ اس نے پورج کی طرف نگاہ اٹھائی۔ نونل اور جیندا ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

* * *

”گہری پر لائن نشلی آنکھوں میں گہرے پینس لگائے اس نے سیاہ قلمی بالوں میں سیرریش جھرتے ہوئے

”جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ کباب میں ہڈی
 بننے کا۔“ وہ مسکرائی۔
 ”اگر سے ہمیں بار بار یہاں کوئی کباب نہیں ہے۔ میرا بھی
 سوڑا ہوا ہے کوئلہ کا۔“
 ”تو پھر چلی جاؤ مولیٰ کے ساتھ۔ میں جانے کب
 ایگزیشن سے واپس آؤں۔ ابھی بات ہے تم جب
 نکلے گی۔“
 ”سچی کر لوں یا اسے ہی ٹھک ہے؟“ وہ سامنے لگے
 قدموں آگے میں خود کو دیکھنے لگی۔ وائٹ اسکرٹ اور
 لائٹ پینک شرٹ اس نے پہنا ہوا تھا۔
 ”اس ڈریس میں بھی لپٹی ہی لگ رہی ہو۔ اگر چہ
 گرتے کاموڈے تو لہو۔“ ناہین تنقیدی لگا ہوں سے اس کا
 جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔ ”کچھ سوچ کر وہ سچ کر کے اس
 کے پیروں میں چلی گئی۔
 بلیک جینز پہ میوٹ کرنا کہیں کر بیٹھے آئی تو مولیٰ اس کا
 اٹھا کر گر رہا تھا۔
 ”چلو۔ میں تیار ہوں۔“ اس کی سٹائشی نظرس خود
 محسوس کر کے اسے اٹھا رہا۔
 ”ہاں چلو۔“ وہ تیل ٹون ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے کھڑ
 ہو گیا۔
 جی میں پر کلف ڈنر کے بعد وہ کافی سے لطف اندوز
 ہو رہی تھی جب اس نے فارمل ڈریسنگ میں ازراہ شاہ کو
 ہاں میں آتے دیکھا۔ وہ کسی شخص سے باتوں میں مگن تھا۔
 پہلے سے ریڑھ ڈھیل کی طرف پرہتے ہوئے اس نے اچھتی
 ہوئی لگاؤ میں انگلیاں پھسائے ایک بیڈ سے لڑکے
 کے ساتھ خوش بچوں میں مصروف فضاہ حیات بردہ لی تھی
 اور جانے کیوں نظرس اس کی سیاہ لٹل میں اٹھ کر وہ لگی
 تھیں۔ وہ اسے کمال حد تک آزاد خیال سمجھتا تھا مگر وہ اس
 حد تک لہری ہوئی یہ یقیناً ازراہ شاہ جیسے شخص کے لیے
 باعث ندامت تھا۔ اس کے پورے خاندان میں کوئی لڑکی
 اتنی آزادی سے جینز پہنے ہوئی نہ تھی کبھی نہ کبھی نہیں
 ہی تھی۔ ایک لڑکی کو اس کا دل چاہا کہ وہ اسے دو پھیرا کر
 بھیجتا ہوا لے جائے۔
 اس کی رنگوں میں جس خاندان کا سوڈو ڈرا تھا اس
 خاندان کی کوئی عورت آج تک باجواب کے باہر نہیں نکل
 تھی اور یہ فضاہ حیات۔ اس کا پس نہیں چل رہا تھا کہ وہ
 کیا کر لے۔ تب ہی اس لڑکے نے بے کلفی سے اس کا

ہاتھ چھام کر کچھ لٹا تھا اور ازراہ شاہ کو وہاں میں بھر پور
 دھواڑ ہو گیا۔ وہ اپنے کوئی گ سے حضرت کہنے وہاں سے
 فوراً اٹھ گیا تھا۔
 شاید کچھ دیر مزید رکتا خود پر قابو نہ رکھ پاتا۔
 ”کون کتنا اور لڑکا؟“ وہ سمیعہ کی بات پر بے ساختہ
 کھانک لڑائی ہوئی لائی سے گزیر رہی تھی کہ معاً پیرس سے
 نکلے ازراہ شاہ نے اس کا ہاتھ سچ کر اسے رنگ کی طرف
 دھکیلا تھا۔
 ”کون تان سے نہیں۔“ اس کے مسکراتے لب پہنچ
 گئے۔ ”تو کوئی طرف تہ ہے کسی سے سوال کرنے کا؟“
 ”تم مجھے زیادہ طور طریقے مت کھاؤ۔ سیدھی طرح
 جواب دو کہ وہ لڑکا کون تھا؟“ سرخ نظروں سے اسے
 گھورتے ہوئے وہ تو اسوں میں نہیں لگ رہا تھا۔
 ”ویسے تو میں آپ کو جواب دینے کی پابندی نہیں ہوں
 لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں کہ وہ مولیٰ تھا۔ میرا لڑکا۔“
 اور یہ بھی وجہ سے اس نے فوجی لاما کان ہارن رکھا تھا۔
 وہ سب لائی میں بیٹھے تھے۔
 ”لڑکا؟“
 ”آپ کو اس کے لیا۔ اور توجہ کو کر رہی۔“
 ”اس کے خاندان کا تو میں کچھ کمر نہیں سکتا مگر تمہاری
 رنگوں میں جس خاندان کا سوڈو ڈرا ہے وہاں نہ تو اس
 بے حیائی کی اجازت ہے اور نہ اتنی۔“
 ”جسٹ ٹھٹ آپ مسٹر ازراہ شاہ! خیر ہاں جو آپ نے
 میری مٹی کے خاندان کے متعلق ایک لفظ بھی مزید نہ کہے۔“
 بے حد ترشی سے اٹھی اٹھاتے ہوئے اس نے گویا وارنگ
 دی کی۔
 ”اگر تم مجھے دوبارہ اس فلرٹ کے ساتھ نظر آئیں
 تو۔۔۔“ اس پر لڑکی کی وارنگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔
 ”ہاؤ ڈریو۔ آپ کون ہوئے ہیں مجھ پر پابندی لگانے
 والے۔ میں چلاں۔۔۔“
 ”انتظار۔۔۔“ فوجی کی ہڈی پر اس کی ہات اور صوری رو گئی
 تھی۔
 ”ہو نہ ہو۔“ وہ تقریباً سر جھکاتے ہوئے چلی تو اس نے
 دوبارہ کالی بھیجی۔
 ”ایک بات یاد رکھنا فضاہ میں اپنی بات دہرانے کا نام ہی

نہیں ہوں۔“
 ”میں بھی کسی کو اپنی لائق میں اجازت کرنے کی اجازت
 نہیں دیتی۔ یہ بات آپ یاد رکھیے گا۔“
 ایک جھٹکے سے اپنی کالی پھرا کر وہ سرخت سے مروی۔
 لب جھٹکے سے دیکھا رہ گیا۔
 ”ممانی کے سرور دینے کی وجہ سے وہ ”سیدو“
 دوبارہ نہیں جانا چاہتی تھی مگر ازراہ شاہ کی باتوں نے اس
 کے ذہن میں اٹل ٹٹن آگ لگائی تھی۔ اسے کلسائے کی خاطر
 ہی وہ اکثر شامیں مولیٰ کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ مولیٰ
 جہاں اس کے اشحات پر سے بنا خوش تھا وہیں ممالی اور
 ناہین اسے نظر انداز کرنے لگی تھیں۔ ممالی اسے خطرو
 جھنڈی تھیں کیونکہ کافی سال پہلے ہی وہ اپنی ڈاکٹر بھانجی کا
 رشتہ مولیٰ کے لیے طلب کر چکی تھیں اس بات کو
 مولیٰ نے طبعی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ ایک کھونٹے سے
 سزا کر رہے والا تھا بھی نہیں مگر فضاہ حیات سے دوستی
 کے بعد وہ اپنی گزشتہ تمام دوستیاں فراموش کر چکا تھا۔ وہ
 فضاہ میں پھر معمولی دلچسپی سے رہا تھا اور یہی بات ان کو
 گوارا کر رہی تھی۔ ماموں تو سیدو تھوڑے مٹی اسے والد
 کے ہاتھ سے پہلے میں انگلیٹھ میں لگی تھی اور یہی
 ان سب سے وہ اپنی بھانجی سے کافی بے کلف تھی۔
 اس وقت بھی وہ ساحل سمندر پر یہ مولیٰ کے سگ چل
 رہی گزری تھی۔
 ”بھوتے سورج کا اظہار کتنا روینک ہوتا ہے ڈا
 ناؤں میں سحر سا طاری ہو جاتا ہے۔ مجھے زور شامیں بہت
 لگتی تھی میں مولیٰ کی ہڈیوں میں اتنا ہرغم بھول جاتی
 ہوں۔ میرے قدموں سے ہر ہر میری ساری کماقت مل میں
 سمویتی ہے۔“ اس سے گزرتے چل کو اس نے پلٹ کر
 دیکھا تھا۔ سیاہ شلوار قمیص میں بیوی اس جھٹکے
 سے والی لڑکی کی اوردی آنکھوں میں بے پناہ جین تھا۔
 ”یہ لڑکی ضرور کوئی غمگین کا اس قسم کی افسانہ نگار ہے۔“
 مولیٰ نے سر گھولی کی۔
 ”جسٹ آپ۔“ اسے نہیں لگی۔ وہ دونوں لب کافی دور
 چل گئے تھے۔
 ”میں نہیں کیوں یہ ادا اس پھر سے والی لڑکی مجھے بہت
 لگتی لگ رہی ہے۔“ وہ اب بھی گردن موڑنے سے ڈکھ

”تم لب اسے گھورتا ہیڈ کرو وہ لڑکا خواجہ خواجہ میں خوشی بھی
 میں جھٹکا ہو جائے گا کہ اتنی خوب صورت لڑکی مجھے مز
 مزید دیکھ رہی ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تمام کر آگے بڑھا۔
 ”ہر کوئی تمہاری طرح نہیں ہوتا۔“
 ”ویسے فضاہ نام اس روز نہیں سے کہ رہی تھیں کہ
 تمہیں۔۔۔“
 ”مجھے معلوم تھا تم مجھ سے یہ سوال ضرور پوچھو گے۔“
 وہ اس کی بات کٹ کر مسکرائی۔ ”مجھے راستی ذاتی طور پر نہ
 ہونلنگ پسند ہے نہ گھومنا پھرتا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میں
 تمہارے لیے اموشنلی فیملی گز رہتی ہوں۔ میرا ایک
 انگ لائق اشاکل ہے۔ در حقیقت میں جیو اور جینے دو کی
 پالیسی پر عمل کرتی ہوں۔ مجھے دو سوں پر بلاوجہ رعب
 چھانڈنے اور ہر بات میں اپنی رائے ٹھونسنے والے لوگ زہر
 لگتے ہیں۔ میں نہیں ہائے ضرور ہوں مگر ایک حد تک۔ یہ
 چھپ کر نہیں مجھے خود بھی پسند نہیں ہوا آج کل میں گز رہی
 ہوں۔ تکی میں۔ میں میل فرزند شہ کی قابل تو ہوں مگر
 اس میں بھی حدود ہوتی چاہئیں۔ اسلام آباد میں میرے
 بست سے فرزند ہیں لیکن ہم سب بہتہ گروپ کی صورت
 میں آؤنگ اور ہونلنگ کرتے ہیں۔ تمہیں کچھ غلط خیال
 مت کرنا۔ اس سب کی ایک وجہ ہے جو میں تمہیں امت
 آنے پر ہواؤں کی۔ وہی اگر جسٹ فرزند اوکے۔“
 ”یہ تو تمہاری بھانجی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ میں
 بھی تم سے لگتی کروں۔“
 ”یو آر آئی ریڈی انڈیجیٹ مولیٰ باجواب میں میں لگتی
 ہوں۔ شی ازوری ناؤں گزل۔ پلیز اگر تم کچھ اور سوچ
 رہے ہو تو اس کو کہیں پر ہم کر دو۔“
 ”اس انڈیجیٹ ممالی جو اس ہے۔۔۔“
 ”ویسے مولیٰ ہمیں صاف بات کرنے کی عادی ہوں۔
 مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی میری مسکراہٹ کا جھٹکا مطلب
 لے۔“ وہ سجدہ ہو گئی تھی۔
 ”اوسے۔ تم ایسا نہیں چاہتیں تو نہ سمی۔“ وہ اس کا سوڈو
 بگڑنے کے ڈر سے فوراً ہوا تھا۔
 ”وہیں گٹ۔ اب چلیں۔“
 ”چلو۔“ اس کے انداز میں سابقہ گرم ہوشی مفقود
 تھی۔

عموماً وہ اسے باہر سے ہی آباد دیتا تھا مگر آج اس کے لئے برائی کو بڑا پورا جوش مل گیا تھا۔
 "جنگل تیار ہو رہا ہے تم جانے کے لیے۔ تمہاری مہربانی بھی یہیں گوارا دل گا۔"

"لٹیک ہے۔ میں چھ بجے تمہیں تیار ملوں گی۔ یک گریڈ۔" بے حد سرسری لنگھ لان میں نہیں کی جیت پر ہم دور از آزار شاہ روڑے ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔
 "اب اندر نکال آئی گے ہو تو کافی۔"

"نہیں۔۔۔ پھر بھی پی لیں گا۔ لوگے ہائے۔" وہ گاڑی ریورس کرنے لگی۔
 "ہائے۔۔۔" وہ گاڑیوں میں رہنمائی لان میں بیٹھ آئی۔ ازراہ شاہ روڑے حد تک پہنچ گئی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جو جینز اور ٹیک کی اور میں پوشیدہ کی طرح جاذب نظر لگ رہی تھی۔ کمرے میں سے بھی ٹوٹا ہوا آئینہ ہمیں سمجھانے انداز میں اس پر اشاری تھیں۔ وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسانے اس کے مقابل آنکھڑا ہوا۔

"امیڈنگ۔ تمہیں تو وہ مشکل اور بے شری میں اواراؤ ڈانا چاہیے۔" وہ سہلے ہوئے کمرے میں کہہ رہا تھا۔
 "آہوند۔ اسے کہتے ہیں انکو کہتے ہیں۔" وہ نے ساختہ نفس بڑی۔ ازراہ شاہ نے بے وردی سے اس کی کلائی مہوڑائی۔
 "تیرے کھٹس بھی "شاد بلیس" میں تپتھا اس کی اتنی اوقات نہیں ہے کہ تم اسے پورا چنگلے کر لو۔ آئندہ اس سے ملاقات کا شیڈول باہر ملے کر لیتا۔ یہ بات تم اسے سمجھاؤ تو زیادہ اچھا ہے مگر نہ میری زبان سے تم رائف ہی ہو۔"

"کھائی پھوڑیں میری۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ میں آپ کی بکواس اتنی خاموشی سے سن لیتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جو بھی بکتے۔"
 "تمہاری سے شٹ آپ۔" وہ دھماکا مارا۔
 "تپ کس رہتے رہتے رہتے رہتے چلا تے ہیں۔" گفت کیا ہیں آپ میرے "وہ جوابا "جی۔"

مردہ ہے لے ڈاک پھر لان پار کر رہا تھا۔
 "تو پنی ایو پنھن کوئی ذہنی مزہ نہیں لگاتا ہے۔ تپ لوگ اس کا علاج نہیں نہیں کرواتے۔ میرے پیر نہیں سمجھو پو روک نوک نہیں کرتے۔ میں کیا پیشی ہوں گیا کر لی ہوں کمانہ جاتی ہوں تو یہ کمان کے خدائی فوجدار ہیں۔ کس سے کہتے بھی ہیں یہ پانی کو لے گا۔ ہو نہ ہو پڑتے تھے چالنے پد پے لوگوں کو روکنا ہے تپ نے کیا زندگی ہے ان کی۔ کیسے دے اور کھنے ہوئے مائوں میں رہتی ہیں وہ لوگ۔ گھر میں بھی ہر وقت اس گڑ کا ٹینٹ لے کر کھوتی ہیں۔ صرف ان کی بیکہ روڑے کھنک کی رو ہے۔"

"ہمیں اپنا لائف اسٹائل ناپند نہیں ہے مٹانا بھائی جان ہمارے آئیڈیل ہیں۔ ان میں کوئی غلطی برائی نہیں ہے۔ وہ لڑکیوں کا پاپر کھلے سر پہننا معیوب خیال کرتے ہیں۔ مایہ مت کرنا تم اتنی پائنت جینز اور شرت پہن کر چلنے کیسے اتنے مردوں کے سامنے آزاری سے ٹھکوم پھرتی ہو پڑیہ بھی طیبہ کے چھپے پٹی آئی تھی۔"

"لٹ۔ ایسویں صدی میں اتنی ٹیکہ کل بائیں۔" وہ طنز سے مسکرائی۔
 "ایسویں صدی ہے تو کیا ہوا۔ اسلام تو وہی چورہ سلا ساں پرانا ہی ہے۔ تو اتنی نہیں پانا سہلے کا۔" وہ اسلام میں عورت کو حجاب میں رہنے اور اپنی زیب و زینت چھپانے کی تاکید کی ہے تو ہم بھائی جان کو یوں الزام دیا۔ زندگی کو محض انہو کے منت کی تہ رہی تو نہیں کیا جاسکتا۔ صرف بھائی جان کے تحت رہنے کی تلافی کے طور پر ہم تمہارا حجاب دینے لگتے ہیں مٹھا اور نہ ہی تو رہی ہے کہ ہم ایک آئیڈیل زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے گھر میں اللہ کی ہر نعمت موجود ہے اور ہم اس کی نیل کے بغیر بھی بہت آسودہ زندگی گزار رہے ہیں۔"

پڑیہ بھی آج اپنی بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر سب کچھ کئی تھی۔
 "ہم سب بس بھائی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں لیکن صرف دعویٰ تعلیم کالی نہیں ہوتی۔ میں نے عالمہ کالج میں بھی پڑھا ہے۔ تو علمی لٹک بات ہے مگر جان بوجھ کر کتا رہتا تو۔"

"اوہ گاڈ۔ تم کیا گناہ تو آپ کی بائیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ بہت غلطی کی میں نے یہاں آکر۔" وہ مسک سے سر ہلانے اندر بیٹھی تھی۔

"بہت مشکل ہے مٹھا۔ حیات کو روبرو اسٹ پر لانا۔ بھائی جان کی کوششیں بے کار ہی جائیں گی۔" وہ گھر آسائیں لیتے ہوئے لان کی لکھاس پر ہی بیٹھ گئی۔
 "تمہارے بھائی کا انداز غلط ہے، اس طرح زبردستی رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مٹھا مزان کی تیز ہے۔ ان کے حکم چلانے پر چڑھائی ہے۔" طیبہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"ہاں بھائی جان کو بھی اپنے مزاج میں نرمی لانی ہوگی۔ ویسے مٹھا ہے بہت کیوٹ۔ بھائی جان کے ساتھ بہت سوٹ لگتے گی۔ وہ توں ساتھ کھڑے اٹھتے تھے ہیں نا۔"

"جب بھی ساتھ کھڑے ہوتے ہیں لڑتے، جھڑتے ہی ہیں۔ حسرت ہی ہے کہ کوئی اچھی بات بھی کر لیں۔"

"وقت آئے پڑھ لیں گے چچی باتی جلدی کیا ہے؟" وہ اس کو بولی تو طیبہ بھی مسکرائیں۔

کشمش پر نیم دراز وہ اپنا گلانی ہاتھ اختیار پر پھیلائے بہت نکاست سے کیونکس گائے میں کمن تھی۔ قدرے غاصلے پر پڑیہ نماز عصر ادا کر رہی تھی۔ ناشوں پر پھونک مارتے ہوئے اس نے کیونکی اسی کے ہالے میں مقید اس کے ہاتھ چرت پر ساہی لکھن دراز پائوں اور ہتھے لیوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بہت دیر سے اچھی لیاں جیٹا سے وعامانگ رہی تھی۔

"کیا مانگ رہی تھیں؟" وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر جانے نماز اٹھانے لگی تو مٹھا نے شرارت سے پوچھا۔
 "تو ہی جس کی طلب ہے۔ صبر، استقامت، پدایت اور عقش۔" وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔
 "تم اتنی بڑے نماز پڑھ رہی ہو، کھنکی نہیں ہو؟"
 "تم اتنی دیر سے کمن پائیں لگا رہی ہو، کھنکی نہیں؟"
 "نہیں۔"

"تو جب تم کو اس بے فکر سے مشغلے میں تھکن محسوس نہیں ہوتی تو پھر میں تو فرض کی ادا نہیں کر رہی تھی۔"
 "ابھی سے اتنی ہی کسی عبادتیں کرتی ہو؟"
 "ابھی سے کیا مطلب؟"
 "مطلب کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے اللہ اللہ کرنے کے لیے۔"
 "تم جانتی ہو کہ تمہاری زندگی کتنی ہے؟"

"نہیں۔"
 "تو پھر تم وقت کا حساب کس طرح لگا سکتی ہو۔ نماز سات برس کی عمر سے فرض ہے۔"

"مگر مجھے تو نماز نہیں آتی۔ میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔"
 "کتنے افسوس کی بات ہے مٹھا، تم نے بچپن میں ہر وہ کام سیکھا ہوگا جس کی تمہاری بچہ نے پدایت کی ہوگی۔ نہیں سیکھی تو ایک نماز۔ اصل تعلیم سے اس قدر غفلت اور وصوفی ہم کو کتنا سمیٹ رہی ہو۔ یہ لگی جوڑی ڈگری تو آخرت میں کام نہیں آتی۔"

"تمہیں دیکھ کر میرا بھی دل چاہ رہا ہے نماز پڑھنے کو۔ کیا تم مجھے نماز سکھاؤ گی۔"

"شیر۔ کیوں نہیں۔" پڑیہ نے ساختہ خوش ہوئی تھی۔ "لیکن اس کے لیے تمہیں شلوار قمیص پہننا ہوگی۔"

"پان نول گی۔" وہ دل سے کہہ رہی تھی۔ مٹھا حیات کو سوار نانا کا مشکل بھی نہیں تھا۔ پڑیہ کو یہ جان کر خوش ہوئی تھی۔

"لیکن تم بھی کسی کو بتانا مت۔"
 "ارے نہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے۔ کیونکس لگا کر بھی نماز نہیں ہوگی۔" اس نے اس کا ہاتھ تھاما۔
 "اس کی وجہ سے ناخن کیلے نہیں ہوتے یعنی کمر وضو نکلی نہیں ہوتا۔"

"تمہیں مجھے نماز سکھاؤ پھر میں یہ اتار دوں گی۔"
 "مگر میں آج ہی۔ میں تمہیں ایک کتاب دیتی ہوں، اس میں پوری نماز لکھی ہوئی ہے۔ تمہیں یاد کرنے میں آسانی رہے گی۔" پڑیہ اٹھی تو وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

"مما پلیر اللہ دن ہو گئے ہیں آج کل آج کل کرتے۔ پورے چار ہفتے گزر گئے۔ ناؤ کا پانی پاس بھی ہو چکا ہے اب تو۔ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ وہاں پر۔" پڑیہ نے بہت نرمی سے گھری ہوں۔ ڈیڈ کمان ہیں بات کرو آئیں ان سے پھری۔ "بسم سے بات کرتے ہوئے وہ اب اس ہونے لگی تھی۔
 "ہاں میں تو ٹھیک ہوں، مجھے کیا ہونا ہے۔ فسکی ہی ہوں جیسی آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔ یہاں سب لوگ بہت

اتھے ہیں کیمت کیمرنگ اور لوگ۔ آیا ابو چاچو کا سزا سنائی
ٹھیکہ چچی کو نقل "چیدر چیدر اور لائیہ۔ سب ہی سے سب
انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے۔ ہدیہ تو سب سے زیادہ اچھی
ہے۔ بہت دہشتی ہو گئی ہے میری اس سے۔"

وہ بات کرتے ہوئے کیمرس تک آئی تھی۔ اپنے کمرے
کے پردے پر باز کرتے ازرا شاہ کو اس کی ہلکی سی تھلک ہی
دکھائی دی تھی۔ غیر ارادی طور پر وہ اپنے ہارے میں اس
کے رنگارنگ کپڑوں کے لیے متوجہ ہوا تھا۔

"ہو نہ! ان صاحب کی تو بات ہی مت کریں مجھ سے۔
بہت تو پچھڑتے ہیں خود کو۔ آپ کو یہ نہیں کہناں سے
اچھے لگتے ہیں۔ سچ کہہ رہی ہوں مگر ایک ان ہی سے
میرے سوارے نہیں لیتے ڈرنا ہاں سب تو بہت موٹ
پنچر ہیں۔ لگتا ہے صبح ہی صبح اٹھ کر مر چیں جباتے ہیں۔
اچھا آپ مجھے کونفرم بتائیں آئے کال۔" وہ ریٹنگ پر جھک
گئی۔

"کیا سہ ہر عید تک۔ نہیں مگر عید میں تو میں چار
بھتے ہیں ابھی۔ تمیں دل تو لگتا ہے یہاں پر آپ لوگ۔۔۔
آپ کی کئی کوئی پوری کر سکتا ہے مگر کہاں گئی ہیں آپ۔
ڈیڈ نہیں باہر گئے ہیں؟ لوگ پھر میں رات میں فون کریں
کی۔ مانو اور ماموں کو سلام کہیے گا۔ اوس کے گڑیا سے۔" سیل
آف کر کے وہ بیٹی اور سامنے کھڑی ہیں سنجیدہ صورت لے
ازرا شاہ کو دیکھ کر پل بھر کو ٹھنکی تھی پھر سر جھٹکتے ہوئے
بیرہیلیاں اتر گئی۔

"ہوئی بات۔" ہدیہ جگن میں کٹکٹس بٹاری تھی وہ وہیں
چلی گئی۔

"ہاں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔
"کیا کہہ رہی تھیں سبھی چچی؟"
"ابھی کونفرم نہیں بتایا آئے کال۔ پھر عید تک کہہ رہی
تھیں۔ اس میں تو ابھی کال ٹائم ہے۔"

"بہت برس کر رہی ہو؟" ہدیہ کے لبوں پر مسکراہٹ
کھڑی۔
"ظاہری بات ہے۔ فرسٹ ٹائم ان سے اتنا دور ہوئی
ہوں۔"

"پیارے کس بھی تو مندھا روٹی نہ۔ وہاں کیسے رہو گی ان کے
بغیر۔"
"کی اگال تو اس میں بہت چٹم ہے۔ دیکھا جائے گا۔"
"شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا کہ تمہیں شادی ہی نہیں

کرتی۔"
"میں حقیقت یہ نہ ٹرکی ہوں۔ شادی تو ظاہر ہے ہوئی
تی ہے۔"
"مگر یہ پوزم یہ یقین رکھتی ہو؟"
"نہیں۔"

"سچ کرتی ہو۔" ایمیزبل کون سا حقیقت میں مل جاتے
ہیں۔ لان میں بیٹو وہیں چائے پیتے ہیں۔" اس نے ٹرٹ
میں کپ رکھے۔
"تم چلو میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" وہ اپنے کمرے کی
طرف بڑھ گئی۔

مونس کی شادی اچانک ہی سٹے پائی تھی۔ اس روز وہ
"سعید" میں آئی تو ناکہ مڑائی نے بتاتے ہوئے کہا تھا کہ
"دو ہفتے بعد کی تاریخ رکھ دی گئی ہے۔"

"ارے واہ۔ یہ تو زبردست میوز ہے۔ کہاں ہے
مونس۔۔۔ مجھے بتانا تک نہیں لگتے تے۔" وہ خوش دلی سے
بولی تھی۔ ناخبر تھی ہی دیر اس کے چہرے کے تاثرات
جا بیتی رہی تھیں۔

"وہ اور شادی کسے کسے گئے ہیں۔"
"ہم آگے ہیں۔" شادی پل خرلا اور وہ مونس کے چہرے
اندرا داخل ہوئے تھے۔
"بیٹو عشا نو اور لنگ اکیسی ہو؟" ترا اسے دیکھ کر خوش
گواریت سے بولی۔

"ایک دم فرسٹ کلاس۔" کتنے تیز ہو تم لوگ۔ وہ ابھی
نہیں لگتے رہی اور شادی کے کارڈ تک چھو لپے۔ مونس ان کا
بد تمیز ہے۔ روز جم میں لگتے ہیں اور ایک بار بھی نہیں بتایا۔" وہ
خراستے گلے ملتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں سزاؤں دینے کے موڈ میں تھا۔ کارڈ پسند آیا
تھیں؟" میں نے ہی جو انہیں کیا ہے۔" مونس ساتھ ٹھیل
سے کارڈ اٹھا کر اسے دکھانے لگا۔

"بہت خوب صورت ہے۔ کارڈ تم دونوں خود لے کر
تھا "شاہ پلس" میں نہیں لے کر جا رہی۔"
"لے آئیں گے تم بڑا تو سہی۔" حرا فوراً تیر
ہو گئی۔

"میں آقا۔" آن تو میں خود کو حرا کی ہڈی ہوں۔"
"تم آگے چائے لے کے یا کال؟" حرا کرسی کی ٹھک تھی

اس کے متعلق دور ہو گئی تھی، اس لیے کچھ ان کا سوز
دور سے بھر تھا۔
"بچائے ہی لے آئیں۔"
"مگر کب بور کے فڈو کھار ہی ہو؟" حرا چیریں سمیٹتے
ہوئے پوچھنے لگی۔

"کوٹ آئے پر کھانوں گی۔"
"وہیے تمہارے کزن کو میں نے ہادی کی شادی پر دیکھا
تھا۔ اچھا خاصا پیٹڈ سم شخص ہے۔ بہت دیر دیر سالگ رہا
تھا۔ کبھی اور ہماری تو چائیں۔"

"ارے نہیں یا را اس سے شادی کرنے سے بتر ہے کہ
اپنی شادی ہی نہ کروں۔ اتنا اور شخص ہے تم سے۔"
"مگر سنا ہی تو تیرا سٹ ہے۔"
"چچ کی بات کر رہی ہوں میں۔"

"ہاں، اس کا تو کہیں ہی تم ہو گا۔" اس نے کندھے
اچکانے۔

"ہدیہ۔۔۔" وہ ہاتھوں میں شرٹ لے لے اس کے کمرے
تک آیا تھا مگر وہ شاید بیٹھے تھی۔

"کیا ہو بیٹا۔" حرا نے اس کی آواز میں سے اپنے کمرے
سے ہی پوچھی تھی۔
"وہ ہدیہ سے کام تھا۔" وہ کمرے میں ہی بیٹھا آیا۔
"کیا کام؟" حرا نے ہنسنے پر حرا سے لطف اندوز
ہو رہی تھی۔

"یہ مین لکوانا تھا۔ آپ اتنی جلدی لیت لیکن۔ آپ
کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ کرسی کھینچ کر ان کے مقابل
بیٹھ گیا۔

"بول ہی بلکہ سنا پور کچھ محسوس ہو رہا ہے۔"
"تو ڈاکٹر کو رکھا آئیں آپ بلکہ ابھی تو توہی پہنچے ہیں۔
میں لے جاتا ہوں۔" وہ لہجہ کی کلائی تھا مگر پریشانی سے بولا
تو وہ حقیقت سے مسکرائیں۔

"اب اتنی بھی طبیعت خراب نہیں ہے کہ میں اپنے
بیٹے کو پریشان کروں۔"
"پریشانی نہیں ہی طبیعت خراب سے توڑا کرتی۔"
"ارے نہیں بیٹا ڈاکٹر نے ہی ہے ابھی چائے کے
ساتھ۔ اس سے ان شاء اللہ بھیک ہو جاؤں گی۔ یہ شرٹ
مجھے دے دو میں ہدیہ سے کہہ دیتی ہوں۔"

"میں خود ہی کہہ دیتا ہوں۔ آپ آرام کریں، ابو مجھے
پہن "وہ جانے کے لیے اٹھا۔
"ہاں کچھ دیر پہلے ہی گئے ہیں۔ فون آیا نہیں ابھی
تک؟"

"آج کا ہے۔" حرا نے آواز آئی تھی مجھے اس کی۔
"مفتاح اپنے کمرے میں ہے؟" اس بار انہوں نے پوچھا
تھا۔

"آئی ڈونٹ نو۔" کمرے میں نظر تو نہیں تھی۔ ویسے
موجود کب تک یہاں رہیں گی؟
"کیوں، تمہیں اس کا یہاں رہنا پسند نہیں۔" وہ
مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔
"تمہیں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ویسے چاہو نے
اپنی صاحبزادی کو حد سے زیادہ آزادی دے رکھی ہے۔ مجھے
اس کا لائف اسٹائل بالکل پسند نہیں۔"

"انگلینڈ جیسے ملک میں بارہ سال گزارنے میں انہوں
نے۔ اب یہاں وہ کرتی کف اسٹائل ایسا ہی ہونا تھا۔"
"پاکستان آئے بھی چھ سات سال ہو چکے ہیں انہیں۔
یہاں آکر تو وہ چیخ ہو گئے ہیں۔ اسپرٹس لیا ہیں۔ وہ
نہیں سنے ہماری کھلی کی لڑکی نہیں لگتی۔"

"تمہیں تو کچھ زیادہ ہی شکایتیں ہیں اس سے۔ اس کا
شوہر خود ہی سدھار لے گا سہ۔" وہ مٹھی چیرتی سے کہہ
رہی تھی۔ ازرا نے چونک کر انہیں دیکھا۔
"سے چارہ سر پیکر کر ہی روئے گا جس کے بھی بیٹے پر میں لگی
معتزہ دیکھو کہ وہ بیٹے والی چیز تو ہیں نہیں۔"

کتنے کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آیا۔ کارٹر میں بیٹے
اسٹڈی روم کو کہ زیادہ تہدید کے استعمال میں ہی رہتا تھا کی
لاشٹ آئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے۔ ہدیہ اسٹڈی میں ہو گی۔" وہ ہنسنے پر
دروازہ کھن کر اندر داخل ہوا تو وہ چائے نماز پر روزانو تھی
رجا مانگنے میں مصروف تھی۔ اس کے لبوں پر سے سانس
مسکراہٹ پھیلی تھی۔ وہ خاموشی سے دیوار پر لگا کیلنڈر
دیکھنے لگا۔ وہ کچھ دیر بعد وہ جائے نماز سمیٹ کر اٹھی تب وہ
بولا تھا۔

"ڈاکٹر ہدیہ اچھا۔" وہ شرارت سے کچھ کہنے لگا تھا مگر گلابی
پرندہ لہاس اور ہم رنگ ویسے میں اس گلابی چہرے پر نگاہ
پڑنے ہی ٹھنک گیا۔ ہدیہ کے گہرے سینے وہ خشاہدیا تھی
جوانے دیکھ کر ہی روتے تھے پ گئی تھی اور اب وہ پشہ چہرے

پرندہ لہاس اور ہم رنگ ویسے میں اس گلابی چہرے پر نگاہ
پڑنے ہی ٹھنک گیا۔ ہدیہ کے گہرے سینے وہ خشاہدیا تھی
جوانے دیکھ کر ہی روتے تھے پ گئی تھی اور اب وہ پشہ چہرے

ہاتھوں پر گر آیا تھا۔

کے گرد سے ہٹا کر اوہرا ہرا کھینچے گئی تھی۔ بیکار ازار شاہ... اس کی نظریں نے اس کے صدمے پر سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے غار یا تھا جو شہوار قیصر روپے میں اس قدر مقدس اور پاکیزہ ٹک رہی تھی کہ وہ اس کی ساری خطا میں بحال چلا گیا۔

”ہنیں مجھے باہر جانا ہے۔“ کچھ دیر بعد اس کی نگاہوں سے پزل ہو کر وہ جانے کے لیے رستہ مانگ رہی تھی۔ وہ ایک دم حواس میں آیا تھا۔

”اوہ سو رہی۔ میں سمجھا کہ بدیہ...“ وہ ایک طرف پر ہوا تھا، وہاں صبا کے جھونکے کی ماسٹر پائس سے گزرتی چلی گئی لیکن تمنا نہیں مگر سے کی دلہیز رسا کت لڑے ازار شاہ کا دل بھی اس کے ساتھ ہی ڈولتا چلا گیا تھا۔



محبت خواب کی صورت

نگاہوں میں اترتی ہے کسی ستاب کی صورت صرف ایک بنا جرنے کا نہیں تھا اور ازار شاہ کے من کی دنیا بیل گئی تھی۔ وہ جو منشاء حیات کو سخت ناپسند کرتا تھا گل کی چوری رات اسے سوچتے ہوئے گزری تھی۔ ایک کمزور سناعت کی گرفت میں آ کر وہ اپنا دل گنوا بیٹھا تھا۔

یہاں منشاء حیات اصل میں وہ بھی جو نظر آتی تھی یا وہ جس کی ایک جھلک نے اس کے وجود میں ایٹل بچا دی تھی۔ شام و سحر میں بے چینیوں سموی تھیں۔

”کیا اس شخص سے محبت ہو سکتی ہے جسے آپ سخت ناپسند کرتے ہوں۔“ اس نے بے چینی سے سوچا۔

”ہاں یہ محبت... محبت ایسے ہی تو ہوتی ہے۔ بہت اچانک بے خبری میں ہی دل پر دلو کر دیتی ہے۔“ دل جو ازار دینے لگا۔

وہ محبت کے وجود سے منحرف نہیں تھا مگر کیا یہ ضروری تھا کہ یہ لڑکی منشاء حیات ہی ہوتی۔ کسی سے بھی محبت ہو سکتی تھی مگر منشاء سے ہی کیوں؟ منشاء حقیقت میں ہی اس کی ”منشاء“ کیوں بن رہی تھی؟

”جے چارہ مگر پڑ کر ہی روئے گا جس کے بھی گلے پڑیں گی محترمہ کیونکہ وہ بد لے والی چیز تو ہیں نہیں۔“ کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے فاکر سے کہا تھا اور کچھ دیر بعد خود اپنا دل ہی بدل گیا تھا۔

”اوہ گاؤں جو بھی ہوا بہت غلط ہوا ہے۔“ اس نے سر

کف کے بلن بند کرنا وہ فریضہ موزا ہیں نیچے آیا تھا مگر اونچ میں خوش کہیوں میں مصروف مولس رفا میں پر نظر پڑتے ہی اس کا حلق ٹپک کڑوا ہو گیا تھا۔ یہ شخص اسے زہر گھاتا تھا۔ کیوں لگتا تھا اس کا اور اک بھی ابھی ہی ہوا تھا۔

شعبہ حسب معمولی ٹراؤڈر شرٹ میں بلبوس اس کی کئی بات پر بے ساختہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ نونل اور حیدر بھی

دہیں موجود تھے اور تو اور طیسہ پٹی بھی۔ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف وہ لڑکی شاید اس کی بہن تھی۔ وہ لانا بد مذہب تو نہیں تھا کہ بنا سلام دعا کے گزر جاتا مگر مولس اور فاکر کے قہقہوں سے اس کا موڈ غارت کر دیا تھا۔ وہ ان کی سمت دیکھے بغیر اون پار کر گیا۔

”یہ غالباً ازار شاہ تھے۔“ مولس اس کی شاندار پرستاشی سے مرعوب ہوا تھا۔ منشاء کو اس کا دل باہر سے گزر جانا بہت گھاتا تھا۔ وہ نونل کی طرف دیکھنے لگی۔

”تھی ہاں پرلنس آف ویلز بلکہ نہیں پرلنس آف شاہ پریس۔“ حیدر کے کپڑے لگے۔

”واضحی نہیں تو پرلنس وہاں تو لایبیرز...“ اس نے اپنے

میں سر ہلایا۔

”لوگ کے بھی بہت دیر ہو گئی۔ ہم اب چلتے ہیں۔ آپ لوگ پلیز ضرور آئیے گا۔“ مولس جانے کے لیے اٹھ گیا۔

”ابھی بیٹھو ناؤ نر کر کے جانا۔“ طیب نے کہا تو منشاء نے بھی ماتحتی کی۔

”ہاں ابھی کچھ دیر ہی تو ہوتی ہے تمہیں آئے ہوئے۔“

”نہیں بار ازار میں تو کالی ٹائم ہے۔ ابھی مجھے حرا کی فریڈیز کے گھر بھی جانا ہے۔ نونل حیدر ضرور آتا تم لوگ۔“

”اب...“ بدیہ نے ماتحت سے سر ہلایا۔ ”اب میرے مخصوص ہائیڈرین سے کیا جرم سرزد ہو گیا۔“

”مجھے سے تو خبر انہیں پر غاش سے ہی۔ شاید کچھ جرم میں میں ان کا فرض لے کر بھائی گئی مگر میرے گیسٹ کے ساتھ اتنی بد تمیزی... سلام کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ مگر بیلو ہانے کرتے وقت زبان مل کھاتی ہے تو نیچے نہ ہی آتے“

اسی انسلٹ لٹل کی میں نے۔“

”حیرت ہے۔ ہاں...“

”اب تم بھی یہی کہتی ہو۔ وہ ایسے ہیں تو نہیں۔“ وہ منہ کاڑ کر بولی تو بدیہ کی ہنسی بھوٹ گئی جسے اس نے فوراً کنٹرول کیا تھا۔ منشاء اسے کھوڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔

پھر وہر تک اس کا موڈ آف ہی رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ کسی کام سے اپنے کمرے کی طرف آئی تو ازار شاہ اور اسے میں ہی ٹکرا گیا۔

”یہ تمہارے کزن صاحب آج پھر تشریف لائے تھے۔“

”ہاں لائے تھے پھر؟“ اس کو تو پہلے ہی اس پر غصہ آ رہا تھا۔

”شاید تم بھول گئی ہو میں نے اس روز...“

”اب آپ کیوں نہیں آتے؟“ اس کا دل میں ہوتے

”نہیں اس میں زیادتیوں کے تو نہیں پھرتا۔“

”مجھے خود ہی موصوف سے بات کرنا ہوگی۔“

مگر ازار۔ میں ایک دم ہانکا پھلکا ہو گیا تھا۔

”سمیعہ اپنا بدیہ کے لیے ایسے کسی رشتے کے دیور کا پراپوزل لاتی تھیں اور حسب سے انی تھیں اس کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔“

”بھال ہے جو آج کل کے لڑکوں کی طرح کوئی اٹھاتی برائی بھی ہو اس میں۔ احتیاطی شریف...“

”بارہ شریف کا رشتہ وار تو نہیں ہے۔“ نونل نے نقد دیا تھا۔ انہوں نے منحنی گھوڑے پر اٹھنا کیا۔

”آپ نہیں کریں ابی ایسا پر تو چراغ سے کڑا ہونے سے بھی نہ ملے۔“

”یہ آؤت آف فیشن محاورہ ہے فیہا آج کل چراغ کہاں ہوتے ہیں۔“

”نونل اب میں ابی سے بات کر رہی ہوں تم سے نہیں۔“ وہ چڑھ گئی۔

”ایسا آپ جانتی ہیں میں زیادہ دیر خاموش بیٹھیں تو میری زبان اٹھ جاتی ہے اس لیے پلیز مجھے بھی اس گون سیز کا فکریں میں اپنے ناؤر خیالات کے اظہار کا موقع عنایت فرمائیں۔“

”تم اپنے ناؤر خیالات پھر بھی دہانا لہجی اس کو بے جاؤ“

”کب سے اس گریم مانگ رہا ہے بے جا رہا۔“

”یہ ہمیشہ کی مشی چارہ کہاں سے ہو گیا۔“

”جو نیر بعد میں سبج کو اٹھا کر میری بڑیاں بددعا میں دیتے گئی ہیں۔“ اس نے نالی کی گود میں دیکے فاران کو دیکھ کر وہاں بی۔ جو کچھ زیادہ ہی صحت مند تھا۔

”ابھی بارکھیں اس نونل کے بچے کو۔ میرے بیٹے کو نظر لگا رہا ہے۔“

”یہ تو میری نظریں میں پورا ہی نہیں آتا ایسا نہیں خاک اسے نظر لگاؤں گا۔“

”تو...“ کتنے برسے ماموں ہو تم۔“

”کچھ دیر میں لے جاؤں گا ایسا ابھی مجھے ذرا دیر کو کر سیدھی کر لینے دیں۔“

”مہم کون سے مل جوت کے آرہے ہو؟“

”یو پیور سٹی سے آ رہا ہوں ایسا سرزیہ کی کی نکاس کسی مل جوت سے کم نہیں ہوتی۔“

”ہاں تو میں گم رہی تھی کہ حسن ہر لحاظ سے پرفیکٹ

ہے۔ میں تو بہت پہلے سے ہی یہ چاہ رہی تھی مگر کل جب
 ڈاؤن آئی نے مجھ سے خود ہدیہ کے لیے کہا تھا تو مت
 پوچھیں۔“
 ”نہیں پوچھتے۔“ اس سے رہ نہیں گیا۔
 ”میں تو کل سے ہی بے چین ہوں۔ ایم سی ایس کر رکھا
 ہے، کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔
 فیملی بھی مختصری ہے اور بھائی ہیں اور ایک بہن۔“
 ”رشتہ تو اچھا ہی ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اپنی بہن کے لیے
 لائی ہو مگر میں نے خیال کیا کہ سکتی ہوں تمہارے ابو اور
 ازرا سے ذکر کروں گی۔ باز بھی آجائی تمہارے ساتھ۔“
 ”بھئی تو مجھ سے بھی زیادہ بے چین ہیں۔ کچھ خالط
 بھائی اور وہ کہیں ڈیڑھ لگاؤ تھا۔ اس لیے وہ دونوں اوہتر
 چلے گئے۔ ویسے تو میں کون پر بھی ذکر کر سکتی تھی مگر مجھے پتہ
 تھا آپ زیادہ ایسورنس نہیں دیں گی۔ آپ کاٹن تو خالہ ہی
 کے منشا صاحب کی طرف ہے، وہ بھی اچھا ہے مگر حسن کی تو
 بات ہی الگ ہے۔“
 ”سچی کہہ رہی ہوں گی اپنا بہت مشکلوں سے یہ کسی
 کی تعریف کرتی ہیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ کچھلے ایک
 کھٹے سے میں حسن میاں کی اتنی تعریفیں سن چکا ہوں کہ
 میرا پناہ لگنا چاہتا ہے ان سے شادی کرنے کو۔“
 ”بدترین۔“ قانڑھٹے لگیں۔
 ”ویسے اپنا آپ کو اپنے بھائیوں کے سر پر سہرا سجانے کا
 کوئی شوق نہیں ہے۔ وہ سروں کی پھینکی لٹی لٹی ہوئی
 ہیں۔ انہیں ”دیر“ کو گھوڑی پر چڑھانے کا کتنا شوق ہوتا
 ہے۔ ایک آپ اور بھوجو ہیں، بھی ہماری شادی کا ذکر نہیں
 کرتیں۔ میں نے اتنے کھٹے ترتیب دیے کہ اپنا جب مجھ
 سے میری شادی کی بات کریں گی تو میں یہ کہوں گا تو کہوں
 گا گھبرائے نصیب۔“
 ”شباباش ہے تم پر۔ بڑے بھائی نے کبھی منہ سے بھابھ
 نہیں لگائی اور چھوٹے بھائی کا حال دیکھ لو۔“ ان کو تو پٹلے
 لگ گئے۔
 ”میں ان کا بھی تو ذکر خیر ساتھ ہی کر رہا ہوں۔ وہ تو خود
 منہ سے کہیں گے نہیں۔“
 ”ہلے کوئی ڈشنگ کی تو کری تو کر لو چھو کری بھی تب ہی
 ملے گی۔“
 ”رزٹ آئے کی دیر ہے تو کری ٹی ٹی ٹی۔ بھائیوں کی
 ٹی ٹی ٹی کس مرض کی دوا ہے۔“

”تم تو مکینب کی انجینئرین رہے ہونا؟“
 ”تو کیا ہے، جب تک میں پندر چاب نہیں لیتی تب
 تک تو بھائیوں کے ساتھ ہی رہوں گا۔“ اس نے ہماری
 پانچک کر رکھی تھی۔
 ”جو سے امی ازرا کے متعلق کیا سوچا ہے آپ نے؟“
 ”میں نے کیا سوچا۔ تمہارے ابو اور چاچا پٹلے کرنا چھٹے
 ہیں اس کی اور فٹا کی بات۔“
 ”کلیا؟ منشا۔۔۔ گروہ تو۔۔۔ ازرا سے پوچھا آپ نے؟“
 ”تمہارے ابو ہی پوچھیں گے۔ میں نے تو نہیں
 پوچھا۔“
 ”مفت بہت اچھی لڑکی ہے مگر ازرا کے مزاج سے
 میل نہیں کھاتی۔ میرا نہیں خیال کہ ازرا اس پر آمادہ
 ہوگا۔“
 ”اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرے گا۔ ہم سب کو
 تو منشا بہت پسند ہے۔“
 ”ہاں پسند تو مجھے بھی ہے مگر ازرا تو بہت موڑی اور
 لکڑ سا ہے۔ نول سے بھی تو دو سال چھوٹی ہی ہے وہ
 تب۔۔۔“
 ”ارے بھائی صاحب مت بیچھو۔“
 ”یوں اس میں کوئی بات تو۔۔۔“
 ”میرا ہی منشا میں نہیں ہے مگر میں کسی اور سے
 کد نہ منٹ۔۔۔“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔
 ”کیا۔۔۔ غصیٹ انسان۔ تم تو زیادہ ہی پھر تھیلے لگتے۔“
 انہوں نے اس کا کان پکڑ لیا۔
 ”امی کو بتا رکھا ہے میں نے۔۔۔ کیوں امی۔۔۔“ اس نے
 کان پھرا لیا۔
 ”ہاں ذکر کیا تھا اس نے۔ اس کے دوست کی بہن
 ہے۔ نصیب ہاں ہے نا۔“
 ”جی۔ اپنا آپ کو ملوا کر لاؤں گا۔ بہت اچھی لڑکی
 ہے۔ پسند آئے گی آپ کو۔“
 ”بہت اچھی لڑکی ہے۔“ انہوں نے نقل اتاری۔
 ”مجھ بھیجنی کر رکھتا ہے ازرا تم لوگوں کو اتنی بھی لٹی نہ
 کرے تو تم تو اسوں پر جا چھو گے۔“
 ”پلیز اپنا کان تو چھو ڈیڑھ۔ اچھا بھلا رشتہ ہاتھ سے نقل
 چائے گا اور نہ۔۔۔“
 ”میرے بیٹے کو اس کے ہمراہ لوا کر نہیں لائے نا بے چارہ
 ایسے ہی سو گیا۔“

”پھر بچے چاروں۔“
 ”رہے ہو تم یہاں سے۔“
 ”جو ہی رہا ہوں۔“ وہ دانت نکالتے ہوئے اٹھ کھڑا
 ہوا۔
 * * *
 ”میری رہنا ہے گی دلہنیا بھیا راجہ بجائے گا باج۔“
 دو سرے روز ہی مادہ آئی باقاعدہ پروپوزل کے کرائی
 تھیں اور ان کے رخصت ہوتے ہی حیدر اور جینر ٹیبل بجا
 بجا کر بے سمرے رانگ لٹاپ رہے تھے۔
 ”بھائی اس سے آگے بھی تو گامیں نہ۔“ لاغیر اشتیاق
 سے کہہ رہی تھی۔
 ”آہو گا تو گامیں گے نا۔ یہ تو ہم نے عا لطف بھائی کے
 گزین کی شادی میں سنا تھا۔“
 ”میری رہنا ہے گی دلہنیا۔۔۔“ حیدر نے پھر تان
 اٹھائی۔
 ”بھیا راجہ بجائے گا باج۔۔۔“ جینر سڑھن رہا تھا۔
 ”میں سے حیدر اتھیری تو آواز بڑی زبردست ہے۔ کم از کم
 آج کل کے پاپ سگروں سے تو اچھی ہی ہے۔“
 ”اچھا۔۔۔“ وہ تو خود آہ بیٹھا ہے۔ تیرے
 میں ہوں کیے جی۔۔۔ کیے جی تیرے من۔۔۔“ جوش
 میں اس نے ٹریک بدلا۔
 ”میں بتاتا ہوں صاحبزادے آپ کو کہ کیسے جیسے۔“
 اثبات احمد نے بالکل اچانک آگراس کی گردن پر ہاتھ رکھا
 تھا۔
 ”ارے تیا ابو۔۔۔“ جینر اچھا۔
 ”کیا ہو رہا ہے یہ۔۔۔“ وہ مصنوعی غصے سے کہتے ان کے
 سامنے ہی بیٹھ گئے۔
 ہدیہ جو ان کی بلواس نظر انداز کیے کونے میں کپڑا بھا کر
 سڑھی کر رہی تھی، خاموشی سے اٹھ کر اوپر چلی آئی۔ منشا
 بیڑہ روندھی ٹیبل اس کی کسی کتاب کے مطالعے میں مگن
 تھی۔
 ”کیا پڑھ رہی ہو؟“ اس نے کپڑے وارڈروپ میں
 لٹکائے۔
 ”اسلام میں مزاج کا تصور، تمہارے ریک سے ہی لی
 ہے۔ ایک انٹرنیٹ تھا اس لیے اٹھائی۔ تمہارے
 ریک چلے گئے؟“

”ہاں تمہا ہر کیوں نہیں کہیں؟“
 ”میں ایسے ہی اموز نہیں بنا۔“
 ”صدے چانوں میں تمہارے موڑ کے۔ کسی سے ملتی
 بھی موڑ کے مطالب ہیں۔“ ہدیہ جھٹکتے ہوئے اس کے ساتھ
 ہی ڈھیر ہو گئی۔
 ”کیسے گئے تمہیں وہ بونگ؟“
 ”آئی چل دی ہیں کیا رانے کے کسی ہوں۔ ابھی کپڑے
 لٹاپا ہے۔ فضول سوال جواب نہیں پوچھو۔ رانہ کی پھر
 کافی فریڈی ہے۔“
 ”اور اس کے بھائی کی۔۔۔“ اس نے شرارت سے لب
 لہا کر دیا۔
 ”مجھے کیا پتہ، میں کون سا ملی ہوں اس سے۔“
 ”گویا ملنے کی خواہش تو ہے۔“
 ”کیو مت۔“ وہ جھینپ گئی۔
 ”کوئی تصویر وغیرہ نہیں لائیں۔۔۔“
 ”کون؟“
 ”تمہاری لٹہ صاحب۔۔۔“
 ”منشا۔۔۔ بہت بد تمیز ہو تم۔“
 ”بھئی، ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ جتنی کوالمنیو اپنا
 گنوا چکی ہیں، اس حساب سے تو یہ پروپوزل فائل ہی
 سمجھو۔“
 ”پھر بھی ابھی کیا پتہ۔ ویسے تصویر تو وہ لوگ لائے
 ہیلتا۔“
 ”کہاں ہے؟“
 ”جینر اور حیدر روڈ سنکشن کر رہے تھے۔ وہیں ٹیبل پر پڑی
 ہوگی۔“
 ”میں دیکھ کر آتی ہوں جگہ نہیں اٹھاندا ہی ہوں۔ تم نے
 کئیے کے نیچے رکھی ہوگی۔“ سرعیت سے ہنسنے لگا اس نے
 ”کتاب ٹیبل پر رکھی۔ ہدیہ نے تکیہ ہی اسے کھینچ مارا تھا۔
 بے ساختہ ہنستے ہوئے وہ ہنسنے لگے ہالوں کو کھینچ میں
 جھڑکی اس کے دو سرے وار سے گل باہر بیڑھیوں کی
 طرف لپکی تھی۔
 ”کہہ آگے رانہ۔“ بے حد مشکلوں سے اس نے
 عجلت میں اوپر آتے ازرا رشتہ سے زوردار ٹکر سے بچاؤ
 کے لیے دونوں ہاتھ آگے کیے تھے وہ بھی فوراً سرسبز ہوا
 تھا۔ نتیجتاً وہ بیڑھیوں پر ٹوندھی گئی اور نیچے لڑکتی
 چلی گئی۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ ازرا رشتہ سے سہارا

بھی نہ دے سکا۔

”نشاع...“ وہ چلایا۔ بدحواسی میں بیڑیاں بچھانٹتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سیل ٹون بھی گر گیا۔

”میں...“ شکیف کی اذیت سے وہ بے اختیار چٹائی تھی۔ بیڑیوں کا کون سا اس کے ہاتھ بر لگا تھا۔

”کیا ہوا... کیا ہوا...“ سب اس کی چیخ میں کر بیڑیوں کی طرف بھاگے آئے۔

”نشاع... نشاع...“ ازرار آخری سیرچی پر اوندھی عمری نشانیوں پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ سے فلک ٹون فرش کو مار کر گر رہا تھا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا۔

”کیا ہوا نشاع کو؟“ وہ یہ گھبرا کر کہنے سے نکلے اور اسے بے ہوش دیکھ کر اس کے خواں جھنجھانگے۔

”خون بہت بہ رہا ہے۔ اس کا سرو نیچا کرو۔ حیدر بیڑیوں کے کڑے جلدی سے۔“ اس نے ششدر رہ جبران کھڑے چروں سے بھجھکا کر کہا تھا۔ سب جیسے ایک دم ہی ہوش میں آئے۔

”اے... اے...“ ہیرہ چیخ مونی نیچے اتری۔ آنسو بے اختیار گالوں پر گھسٹنے لگے تھے۔ طیبہ اور فائزہ دونوں کچھ دیر پہلے ہی گھلے میں کسی کے گھر گئی تھیں۔

”بھائی جان... ڈاکٹر اسفر کے کلبک لے جائیں نشاع کو۔“ حیدر نے کہا تو ازرار نے اس کے ہاتھ پر ہیرہ کا دیا ہوا اوپٹہ باندھ کر اسے ہیرہ کی مدد سے اپنی سوک میں ڈالا۔ حیدر بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ازرار تیزی سے گاڑی بھاگنے لگا۔

”یہ شور کیسا ہے۔“ دانش روم میں شاور لیتے اہت احمد ان کا شور سن کر جلدی سے اٹھے سیدھے کپڑے پہن کر باہر نکلے۔

”ابو... وہ نشاع...“ ہیرہ کو بیڑیوں سے بچتے خون کو دیکھ کر شہرت سے رونے لگا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ان کی واپس ہوئی تھی۔

نہیم جلدی انرا لاقین میں بیٹھے بے چینی سے ان کی آمد کے منتظر تھے۔

”بھائی جان آگے۔“ گاڑی کی آواز سب سے پہلے ہیرہ کو ہی سنائی دی تھی۔ وہ باہر نکلے تو ازرار پوری میں سوک پارک کر رہا تھا۔ نشاع اٹھی سیٹ پر اس کے ساتھ ہی نشاع

تھی۔ اس کے ہاتھ پر سفید بنی بندھی ہوئی تھی۔ باوجود ناگاہک بھی بیٹھ کر نہیں آئی تھیں۔

”نشاع... میری جان...“ فائزہ سب سے پہلے اس کی طرف بڑھیں۔

”آئی...“ وہ ان کا سہارا پا کر ان کے گھے لگ کر بے اختیار رونے لگی تھی۔ وہ لوگ ایک بار پھر جبران رہ گئے تھے۔ ازرار کے اندر کی طرف بڑھتے قدم وہیں ساکت ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں پر وہ نرم کس پل بھر کر سر آیا۔

”بیٹا! بیڑیوں سے کہے کر گھر گئی تھی؟“

”آپ کے بیٹے نے مجھے جان بوجھ کر گرایا۔“ اس نے روتے ہوئے بتایا۔

”کیا...؟“ اس کے منہ سے بھی بے ساختہ نکلا۔ سب اسے متاسف نظروں سے دیکھتے گئے۔

”ازرار! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی بیٹا! تمہاری ناپسندیدگی کا ہم سب کو علم ہے خرم...“

”ابو...“ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر جبران کے باعث الفاظ گھنڈ ہو گئے۔

”بچے نہیں ہو تم! اٹھا کھیں سانس کے پیچور ٹھکن ہو۔ تم سے آئی بچکانہ حرکت کی امید نہیں ہے۔“ وہ اب بے حد بھئی اس کو لانا لگے۔ ازرار بھی کچھ کہہ رہی تھیں اور وہ اس آفت کی پرکالہ سے ہمدردی بھلا کر ایدھیوں کے بل پٹانا۔

”تم ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟ میں نے گرایا ہے تمہیں؟ مجھے کیا ضرورت تھی ایسا کرنے کی۔“ اس نے فائزہ کے ساتھ لگنے لگنے آنسو سائی نشاع کی کھائی ایک گھنٹے سے کھینچی تھی۔

”ہاں! آپ نے گرایا ہے مجھے۔“ اس نے اپنی بڑی بڑی سیدر آنکھیں اس پر جمائیں۔ ”آپ کو پتہ تھا میں گرنے لگی ہوں پھر بھی آپ جان بوجھ کر سانس سے ہٹ گئے۔“ سب کے سیاہ چروں پر بل بھر کو مسکراہٹ چلی تھی مگر وہ ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئی۔

”کیا آپ مجھے گرنے سے بچا نہیں سکتے تھے؟ آپ کہے بھاگ کر کھائی پکڑی ہے اس وقت میں پکڑ سکتے تھے۔“ اس نے کھائی چھرائی۔

”وانس... لیے مزے سے سہرا قصور میرے سر منڈا رہا۔ تم خود اندھوں کی طرح بھاگی آ رہی تھیں۔“

”میں اندھوں کی طرح بھانگی آئی تھی مگر آپ کی توبہید لائٹس آن تھیں۔ میرا اتنا خون ضائع کروا دیا۔“

”میں نے گرایا ہے، غلطی تمہاری تھی۔“

”ہاں...“ وہ اب احمد نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہمت ہو گیا! اب اندر چلو۔ طیبہ! نشاع کے لیے ایلی شیک بناؤ۔“

”جی اجھا۔“ طیبہ اثبات میں سر ہلا کر اندر پلٹ گئیں۔

”چاچو! ان سے کہیں کہ مجھ سے ایک سیکیورز کریں۔“ سب کی ہمدردیاں اپنے ساتھ دیکھ کر وہ پھینٹے لگی۔

”وانس... سوری ہیں اور وہ بھی تم سے کہوں۔“ وہ اچھکے۔

”جی آپ سوری کریں وہ بھی مجھ سے۔ چاچو کہیں نا ان سے۔“

”چلو ازرار! سوری کرو نشاع سے۔“

”چاچو! آئی سیر... غلطی۔“

”غلطی جس کی بھی تھی، خون تو میرا ضائع ہوا ہے نا۔“

”خون ضائع ہونے کا اتنا غم ہے تو ہمدردوں کیسی حرکتیں بھی مت کیا کریں۔“

”بھئی! آیا اور ان سوال سے مجھے جو رہا رہا۔ آپ میری سہانگیوں میں سے رہے۔“

”ازرار... سوری کرو بیٹا!“ اثبات احمد نے مسکراہٹ چھپائی۔

”سوری...“ لٹھ مارا انداز میں کہا گیا۔

”ابو نسبت...“ وہ اسے منہ چڑا کر پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی سب ہی اندر چلے گئے اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

جانے کتنے روپ تھے اس لڑکی کے۔ جی انتہائی سنجیدہ اور مدد نظر آئی اور کبھی بالکل نیکی بن جاتی۔ کبھی پیچھے شہرت پس کر ہونڈنگ کرتی اور کبھی نیکی بی بیوں کی طرح دینے اور دے دے عا گلی نظر آتی۔

اس کا ہر روپ جبران کن تھا تو اس سے محبت بھی حیرت ہی تھی اس کے لیے۔

پارنا اس کی فطرت نہیں تھی مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس کی محبت اسے ضرور ہرا دے گی۔ اسے ایک بار پھر خدوہ سے خبر تو تھا۔

صرف تین دن ہی وہ ڈاکٹر اسفر کے پاس چھوٹیج کے لیے

تھی اور اس کے اگلے دو دن بعد ڈاکٹر اسفر کا پرنٹل ہنس کے لیے آیا۔ ڈاکٹر اسفر گئے دار ہونے کے ساتھ ازرار شاد کے اچھے دوست بھی تھے۔

وہ ٹریک سوٹ میں ماہوس حیدر حیدر کو فل اور ہیرہ کے ساتھ کرکٹ کا شوق فرماری تھی۔ جب ڈاکٹر اسفر اپنی والدہ اور بمن سمیت ”شام سیلس“ میں تشریف لائے۔

”ارے وانس... آپ تو بہت ناگس ڈاکٹر ہیں۔ یہ شہت کے گھر عیادت کے لیے آئے ہیں۔ میرا زخم تو ٹھیک ہو چکا ہے۔ ہاں نشانی ابھی باقی ہے۔“ اس نے ہاتھ پر ہاتھ پھیلا جہاں سنی پلاسٹ کی بینڈیج خدوہ نے ہی کی تھی۔

”منفید کرنا سے انہیں نقشے دیکھ کر ہی وہ فیملی تک بھوڑ کر رہائی آئی تھی۔“

(آپ کا زخم تو ٹھیک ہو چکا ہے مگر میرے دل پر جو پوٹ لگ گئی ہے وہ) ایش لگے تو نہیں جتنے وہ گہری نظروں سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے گئے۔

”یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ ٹھیک ہو گئی ہیں۔“

”ہاں۔“ وہ دلکشی سے ہنس۔ ”آپ لوگ آئیں نا۔ السلام علیکم آئی ایویو پر مئی گریں۔“ وہ اب ان کے عقب میں کھڑی مسٹر سرازری اور ناہیدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”وہ علیکم السلام۔“ جیتی رہو۔“ وہ جواتے تو اپنی نظروں سے دیکھ رہی تھیں مسکرا کے آگے بڑھیں۔

”ہائے۔“ ناہیدہ نے بھی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حیدر اور حیدر ڈاکٹر اسفر سے مل رہے تھے۔ انہیں ڈراٹنگ روم میں بٹھا کر طیبہ بیٹی کو ان کے پاس بھیجا اور خود کین میں چلی آئی۔

”مجھے تو کوئی کڑوا لگ رہی ہے۔“ ہیرہ نے چومنے ہی کہا۔

”کیا مطلب ہے؟ یہ ہمارے گھر میں ہم دیکھو رکھنے آئے ہیں۔“

”میں سیریس ہوں۔“

”وہ تو تم ہمہ وقت رہتی ہو اب میں ہر وقت تمہاری طرح حیدر بی بی تو ہی نہیں رہ سکتی۔“

”پتہ نہیں تم کب سدھو گی؟“

”گولی سدھانے والا لے بھی تو...“ وہ فریج کا جاتوہ لینے لگی۔

”بھائی جان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ انہی طرح

ماہنامہ شجاع 202 جنوری 2008

www.pak-society.com

سودھاریوں کے تھیں۔
 "لیک خیال ہے لیکن پہلے وہ خود تو سدھر جائیں۔"
 "کیوں کیا خرابی ہے ان میں۔ اتنے اچھے تو ہیں۔"
 "ان کے نٹ پونٹ بچے زیادہ ہی کے ہوئے ہیں۔
 تھوڑے وکیلے کرنے کی ضرورت ہے۔"
 "اچھا۔ حیدر کو بلوانا کہاں اور اسٹیکس وغیرہ تو
 ہیں۔ گھو اور بسکتیں بھی موجود ہیں۔ مٹھانی اور
 سموتے وغیرہ لے آئے۔"
 "اس سے تم نے کیا دعوت کی تھی ان کی؟" کہیں
 کھولتے ہوئے وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
 "پہلے ان کو تو ٹونڈو رنگ سودھ کر تو اپنی بڑی ہوئی ہے۔
 گلاس نکالو کیسٹ سے۔"
 "ارے واہ۔ میں کیوں جاؤں۔ حیدر سے کہہ دو"
 میرے تو سسرال والے آجائیں تو بھی نہ جاؤں دیشوڑی
 طرح سینا کرے۔"
 "شاہد تمہارے سسرال والے ہی ہوں۔" ہدیہ کو
 صاف لگ رہا تھا اس لیے جل کر ہوئی۔
 "تو ہوا کریں۔ ہیں۔ کیا بوا اس کی تم نے؟ یہ لے تاک
 والے ڈاکٹر اسٹریٹ تمہارے خیال میں میرا پر پونڈ لے کر
 آئے ہیں؟" وہ بکثت کھیل کر گلاس نکالنے لگی۔
 "لگ تو لگی رہا ہے۔"
 "میں اس کی موٹھیں نہ شہید کروں اگر اس نے ایسا
 سوچا بھی تو۔ کتنے چیب ڈاکٹر ہیں تمہارے محلے کے۔ میں تو
 انہیں خاصا شریف سمجھتی تھی۔"
 "تمہارے ساتھ انہوں نے کیا بد معاشی کر دی پر پونڈ
 ہی تو لے کر آئے ہیں۔"
 "یہ بات ہے تو یہ اونہ خود ہی سارا کام کرو میں جا رہی
 ہوں اوپر۔" وہ جل کر ہر نکل آئی۔
 "گوں آیا ہے۔" میٹر بھوں سے اترتے ازرار شاہ نے
 اسے ساگای تو دیا۔
 "میرے سسرال بوٹے۔"
 "ہیں۔" اس نے گھور ناچا ہارو میرا ہمایاں چڑھ گئی
 تھی۔

یہاں تو کئی سے نہیں کہ بات کیا کریں لوگ خوش
 نہیں ہیں ہنگامہ ہو جاتے ہیں۔ اچھے بچھے سو اور ڈسٹ سے
 ڈاکٹر لگے تھے مجھے۔ دونوں ان سے بیڑی لگایا کو والے کر
 پر پونڈ بھجوا دیا۔ اس طرح تو یہ ہر روز کسی نہ کسی کو پر
 کرتے ہوں گے۔"
 "نہیں۔ ان کی بھی کہہ نہیں رہی تھیں کہ اتنے ساروں
 سے وہ انہیں شادی کے لیے مناسی ہیں کب مانے ہیں تو
 منشاء ملی کور نعت کروا کر ہی دم لوں گی۔ چاہے مجھے ہار ہا
 ہی کیوں نہ بتا پڑے۔ مجھے اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے
 سب منگور ہے۔"
 "ارے واہ۔ ان ہی کا راج ہے نا جیسے میری مرضی
 زیادہ اہمور نعت ہے یا۔"
 "تمہاری مرضی۔ لیکن اس پر پونڈ کو راجہ کت
 کرنے کی وجہ؟"
 "ان کی تاک ضرورت سے زیادہ لمبی ہے۔"
 "واہ۔ یہ ریزن ہو گی تم ابو کو؟"
 "نہیں اس مجھے پسند نہیں۔"
 "تو پھر کون پسند ہے؟"
 "کوئی نہیں۔"
 "سچ بتاؤ کسی بد صحبت وغیرہ تو نہیں ہے؟"
 جانے کیا لگا لگا چاہ رہی تھی اس سے۔
 "کہا نہ نہیں ہے مجھے کسی سے۔۔۔" بے حد تیزی سے
 اس نے ہدیہ کی بات کالی تھی مگر سٹنے لانا میں لیکن جیسے
 روز اخبار کے پیش مطالعے میں مصروف ازرار شاہ برنگاہ
 رشتے ہی اس کی تیراں لنگ ہوئی تھی۔ وحشتوں میں ایک
 بل کو ارتعاش سا پہلا تھا مگر اگلے ہی پل وہ سنبھل گئی۔
 "اگر ایسا کوئی معاملہ ہوتا تو میں نے تم سے چھپانا تھا
 کیا۔" اگلی بات اس نے بہت آسنی سے کہی تھی۔
 "تو پھر ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر اسٹریٹ پر پونڈ ہر لحاظ سے
 پرفیکٹ ہے۔" ہدیہ جان بوجھ کر اسے تخت کر رہی تھی۔
 حالانکہ ڈاکٹر اسٹریٹ کی والدہ سے تو کل ہی اثبات احمد نے
 معذرت کر لی تھی۔
 "تمہیں پرفیکٹ لگ رہا ہے تو تم کرو۔ میرا دل نہیں
 چاہتا رہی ہو۔" لیکن انہوں نے ازرار شاہ کا جائزہ دیتی رہ
 کھڑکی سے ہنسی کی۔ سیاہ کالوں کے تلوکار تھیں میں ناٹک
 پر ناٹک، جس کے وہ اطمینان سے بیٹھا تھا اس کے قاتل
 رہا ہے منشاء خیال کا دل پھر بل بھر کے لیے کھینچا تھا۔

ہدیہ کی بچی چھوٹا میرے ساتھ مجھے شاپنگ کرنے ہے۔
 صرف چار این روگے ہیں ہولس کی شادی میں۔" وہ تیسری
 پار اس کا وہاں غصے تل تھی۔
 "رہی۔ میرا بالکل موڈ نہیں ہے خواہ ہوسے کج شام کو
 ایسا آ رہی ہیں تم ان کے ساتھ۔"
 "مشورے کا ٹکریں۔" اس نے منہ بنا تے ہوئے اس
 کے سارے نوٹس سمیٹنے شروع کیے۔
 "منشاء۔ منشاء۔ میرا ٹیسٹ ہے سچ بلینے"
 "مجھے کچھ نہیں بتا تم اس وقت میرے ساتھ چل رہی
 ہو۔"
 "ہدیہ۔" "وضعنا" ازرار نے اسے پکارا۔
 "تھی بھائی۔" وہ فوراً اٹھ کر ہر نکل گئی۔ وہیں آئی تو
 ہتھاء اسٹریٹ سے نکل کر بیڈروم کی طرف جا رہی تھی۔
 "منشاء۔" اس نے پکارا مگر وہ ان سے کچھ غم سے
 کھانسی اور اندر دھاگہ اور واہ لگا لگا کر آیا۔
 "منشاء اچلو میں تیار ہوں۔"
 "مجھے نہیں جانا نہیں تھی۔ تم جا کر ٹیسٹ یاد کرو۔"
 "منشاء اجلا ہی کرو بھائی ان ہم سب کو شاپنگ کے لیے
 بندے جا رہے ہیں۔"
 "تو جاؤ تم لوگ۔ تم سب میں میں کب سے شامل
 ہوگی۔" وہ سخت متغیر ہو رہی تھی۔
 "منشاء پلین۔" اس نے آخری کوشش کی۔
 "ہدیہ۔ میں گاڑی اشارت کر رہا ہوں۔ دو منٹ میں
 بیچے آ جاؤ۔ نیچے سب تیار ہیں۔"
 "بھائی ان! آپ لوگ جائیں۔ منشاء نہیں جا رہی تو۔"
 "میں بیچے سے گریہ کر رہا ہوں، دو منٹ کا مطلب ہے دو
 منٹ۔"
 اشارت احمد کے کپڑے پر وہ سب کو شاپنگ کے لیے لے
 جا رہا تھا اور نہ خود سے تو کم ہی ایسی فرمائشیں پوری کرنا تھا۔
 ہدیہ اس کے تختی سے گئے پر تو کئی ٹرولر اٹھی تھی
 منشاء میں ہانکا ہوا تھا۔
 "کیا تھا جو میں اس کی بات مان لیتی۔ اب میں تو جا ہی

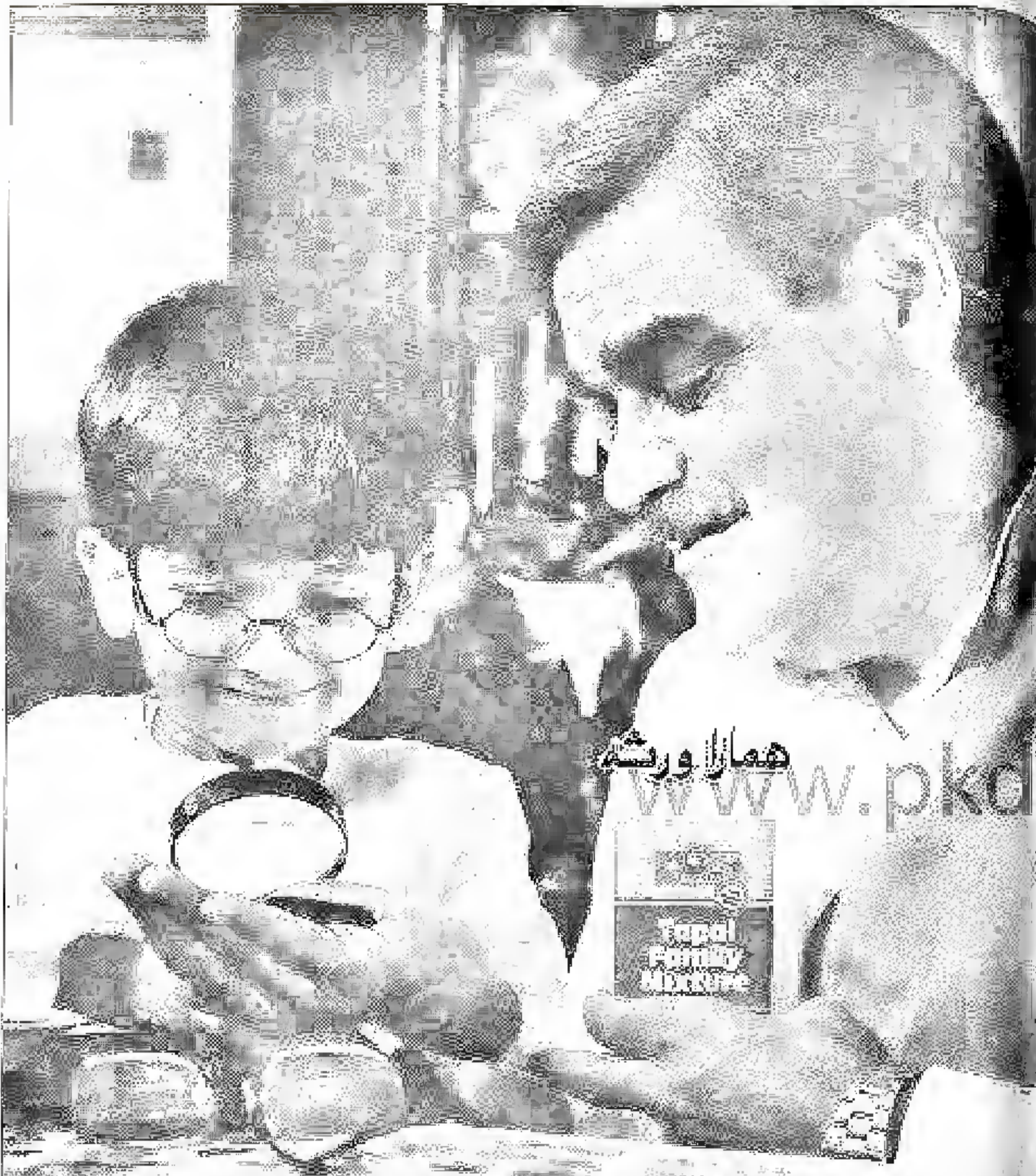
رہی ہوں۔"
 "تمہیں نکل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضروری
 نہیں کہ بیچے اس کی ہی ہانی جائے۔" وہ اس کا روف درست
 کرنا کر پینڈو میں آئی تو لون پر نمبر ڈائل کرتے اور ارشاہ
 نے اسے لب چہانے دیکھ کر ہانکا۔
 "یہ آپ کہہ رہے ہیں بھائی ان۔۔۔" بے ساختہ لیوں
 سے چھٹل گیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھا پھر مسکرا ہوا اسے
 بڑھ گیا۔
 "واہ میں اس سے بھر پور شاپنگ کے بعد انہوں نے بی بی
 میں پر کلفت ڈر کیا۔ ازرار نے سلی بنا اپنے لیکن بھائیوں
 کے ساتھ اس طرح انجوائے کیا تھا۔ وہ اس روز بے حد
 خوش تھا۔
 "تمہاری ایک بات میں نے مانی ہے اور میری ایک
 بات تمہیں ماننا ہوگی۔" منشاء کے لیے پارسل کا آرڈر
 کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ ہدیہ پورے رشتے ات
 مس کرتی رہی تھی بلکہ وہ کیا سب ہی مس کر رہے تھے۔
 "منشاء ہوئی تو یوں، واہ۔ زیادہ غم آتا ہے یہ کلے ہد
 ہے۔ اسے یہ ڈن اچھن لگتی ہے۔" سارے وقت وہ اپنی
 قسم کے جتنے سنتا آتا تھا۔
 رات کے پونے لپارہ بچے اس نے سوک "شاد پلین"
 کے کیران میں پورک کی تھی۔ سب ہی اپنی اپنی شاپنگ
 سنبھال کر نیچے اترے تو اس نے ایک بڑا بیک آخڑ میں
 اترتی ہدیہ کی طرف بڑھایا۔
 "بھائی ان! آپ۔۔۔" وہ سمجھی کہ یہ ازرار شاہ کی
 شاپنگ ہے۔ منشاء کے لیے اس نے جو ٹرولر کے سوا کچھ
 نہیں لیا تھا کیونکہ اس کی جوائن بہت مشکل تھی۔
 "یہ تم اپنی اس موٹی فریڈ کو دے دینا۔"
 "آپ۔" اسے بے طرح مسرت ہوئی تھی۔ اس
 نے منشاء کے لیے شاپنگ کی ہم تو سمجھے تھے کہ تمپ اینڈ
 میں اپنے لیے کچھ خریدنے گئے ہیں۔"
 "یہ نہیں۔ اب اچھا تو نہیں لگتا۔"
 "آپ اسے خود کیوں نہیں دے دیتے؟"
 "میں۔۔۔" وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ "وہ مجھ سے۔۔۔ چٹو
 ڈالی کرنے میں کیا حرج ہے۔"
 سب سے آخر میں وہ اندر آیا تھا۔ منشاء چہرے تلے کی
 شکل بھائے بہت استیقامت سے ان کی شاپنگ دیکھ رہی
 تھی۔

منشاء آئی اچھا، لون سے لگینڈر ہے۔" اسے بل لگایا
 نے روز روز سے مجھاک کر اٹھار ڈی تو وہ سر جھٹکی مایوں
 کی طرف لگی تھی۔

منشاء آئی اچھا، لون سے لگینڈر ہے۔" اسے بل لگایا
 نے روز روز سے مجھاک کر اٹھار ڈی تو وہ سر جھٹکی مایوں
 کی طرف لگی تھی۔

منشاء آئی اچھا، لون سے لگینڈر ہے۔" اسے بل لگایا
 نے روز روز سے مجھاک کر اٹھار ڈی تو وہ سر جھٹکی مایوں
 کی طرف لگی تھی۔

منشاء آئی اچھا، لون سے لگینڈر ہے۔" اسے بل لگایا
 نے روز روز سے مجھاک کر اٹھار ڈی تو وہ سر جھٹکی مایوں
 کی طرف لگی تھی۔



ہمارا ورثہ

رشتوں کی خوشبو، محبتوں کا ذائقہ

زندگی کی اچھی قدروں کی طرح نال چلی میجر رشتوں کی خوشبو اور محبتوں کے ذائقے کے ساتھ تین پشتوں کی محبت جاتی اور آتی!

www.paksociety.com

”واہ نور علی! تمہاری پوا اس تو اسے دن ہے۔ میں تو تمہیں ایسے سمجھتی تھی۔“

”آئی امیری فرارک بھی تو دیکھیں سڑھے تین ہزار کی ہے۔“

”اڑیہ کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔“

”ہاں بہت مزہ مست ہے۔ بہت سوٹ کرے گی تم۔“

طیب نے سب کو سجانے سرو کی تو وہ سوڑھ ہونے کا بہانہ کر کے اٹھ گئی۔ اس کے خیال میں وہ لوگ ضرور اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آتے مگر کسی نے بھی اس کے لیے کچھ نہیں خرید تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی پیکیں تم ہوئی تھیں۔ اس نے بہن بھائی کی محبت نہیں دیکھی تھی مگر ”شمارہ بیس“ میں آنے کے بعد اس کی بہت سے رشتوں سے آشنائی ہوئی تھی۔ صرف ایک شخص کو چھوڑ کر وہ ان سب گول سے جا بے گئی تھی۔

ازرار شاہ سے اس کا کیا تعلق تھا؟ یہ خود اسے ہی معلوم نہیں تھا۔

بیک ٹائی پکن کر وہ بال سیٹ رہی تھی ”بہت دروازہ کھٹکتی تو آواز آئی۔“

”سواری بدیہ۔۔۔ شام میں مجھے جانے یوں غصہ آ گیا تھا۔ میں لیسی ہی ہوں۔ پل تین ٹاک اس میں ماشہ۔“ وہ مسکرا کر چلی مگر کچھ بدیہ نہیں ازرار شاہ کو گرا تھا۔

”آپ۔۔۔“ اسے حیرت ہوئی تھی۔ اور وہ اسے ناکئی میں بیوس دیکھ کر قدرے گزرا گیا تھا۔

”یہ تمہارے لیے۔“ بیڈ پر ٹاپنگ بیگ رکھ کر وہ وہاں رک گیا۔

”تیب۔۔۔“ اس نے سرعت سے آگے بڑھ کر ٹاپنگ بیگ کھولا۔ ایک پیکٹ میں میرون اور ایک کمپینیشن کا بے حد نفیس شلو اور سوٹ تھا اور دوسرے میں لائٹ بیگ نظر کا ان سلا سوٹ جس پر ہلکا کام اور ستارے لگے ہوئے تھے۔

”وہ کچھ لی اپنی ٹاپنگ بلکہ سچ کہوں تو میں بھی ابھی دیکھ رہی ہوں۔“ اس وقت بدیہ چلی آئی۔

”بھائی! میں نے بالکل ایڈ میں تمہارے لیے ٹاپنگ کی۔ ہم تو سمجھے تھے کہ وہ اپنے لیے لینے گئے ہیں مگر یہ تو ابھی بلکہ دیر پہلے ہی ہے چلا کہ وہ تمہارے ڈر پسر لینے گئے تھے۔ ویسے فرمٹ ٹائم انہوں نے کسی کے لیے کچھ خریدی ہے۔“

”سکرالی۔“ ”کیا ہوا تمہیں پسند نہیں آئے؟“

دیا یا اس کی باتوں کا خوف کا حق نہیں ہوا۔ ہم نے ہمیشہ وہی کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تو ہی جو ایک سچے مسلمان کو کرنا چاہیے۔

”یار! تم تو بہت الجھاری ہو۔ اب میرا موڈ بھی ختم ہو گیا ہے مایوں پر جانے کا۔“ اس نے کشتو سے لب اسٹیک رگڑی۔

”مورے نہیں تم جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔ میری وجہ سے۔“

”نہیں! اب موڈ نہیں رہا۔ میں سولس سے ایکسکیوز کر رہی ہوں۔“ وہ سیٹ لون اٹھا کر باہر نکل گئی۔



”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ اپنے جاہل اور پیٹڈ کرزنز کے سچے آکر تم بھی ان کی طرح ہو گئی ہو۔ گناہ تو اب یہ کن چکر میں پڑ گئی ہو۔ مجھے تو شروع سے پچھو سے اختلاف رہا کہ انہوں نے محبت کی تو نیک نیک و رز اور فیصلہ کل بائیں ٹیلی کے شخص سے اور اب تم بھی ان میں رہ کر ان ہی جیسی ہو گئی ہو۔ میں تم سے اسی لیے کہہ رہا تھا کہ تم ہمارے گھر میں اپنی۔۔۔ مونس کا موڈ نے حد خراب ہو رہا تھا۔ کل ہاچوں کے فنکشن میں تو اس نے ہرمانہ بنا لیا تھا مگر آج ہندی میں بھی اس نے اسے سے انکار کر دیا تھا۔

”مونس پلے نم جانتے ہونا کہ میں کتنی موڈی لڑکی ہوں۔ میرا موڈ بالکل نہیں سے فنکشن انینڈ کرنے کا اور ویسے بھی میں وہاں آکر کیوں گی کیا۔ نہ مجھے گانے آتے ہیں نہ ڈھولک بجاتی۔“

”مجھے اور خرا کو ہندی ہی گا رہا۔“
”لو اب میں تم دونوں کو ہندی گانے کے لیے اتنی دور آؤں اور وہ بھی۔“

”کیا پلے نہیں آتی رہی ہو تم؟“
”ٹھیک ہے میں پڑھتی ہوں۔“
”میں جانتی ہوں تم نہیں آؤ گی۔“
”خوب جانتے ہو تو ابصرار کیوں کر ہے؟“

”کو تو پلے۔“ اس نے چیر کر اس کو ڈسکسکٹ کرانی تو رنگ پر جھکی فٹاء مسکراوی۔

”کیا ہوا تم جا کیوں نہیں رہیں۔“ ازرا شاہ نے اپنی خیرت چھپاتے ہوئے پوچھا تھا۔ چھپتے کئی دنوں سے وہ مایوں

اور ہندی کے فنکشن کے لیے اتنی پردوش ہو رہی تھی۔ اسچل ڈارلس بھی ہوا کے تھے مگر کئی کئی دن اسے کھڑے ہی نظر آنی تھی اور آج بھی جانے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

”نہیں میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ وہ جھکتے سے سیدھی ہوئی۔

”سولس بیسٹ فرنڈز رو پکا ہے تمہارا اور تم اس کو۔“ اس کے نیچے میں طنز نہیں تھا مگر منہ سے چڑھتا گات ڈکی۔

”میری مرضی۔ میں جاؤں پانہ جاؤں آپ سے مطلب۔“ اور وہ دو سیڑھیاں بھاگتی بیٹے اتر گئی۔ لاڈلج میں آئی تو حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ سامنے ہی حیات احمد اور تبسم ظہیر وغیرہ سے گلے ملی رہی تھیں۔

”ہمارا آپ ویڈیو ایٹرنگ۔۔۔ آپ لوگ۔۔۔“ وہ بھاگتی ہوئی تبسم کی باتوں میں جا گئی۔

”کیسا گرا کر آئے؟“ انہوں نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی چومی۔

”سونا نس۔ اتنی ایم ریٹی سر رہا تو۔“
وہ دونوں بالکل اچانک ہی اُسے تھے اسی لیے ”شہر چلیں“ کے سب سے پہلے خوش گوار حیرت میں ڈھب ہوئے تھے۔

”بدیہ بیٹا انٹرنٹ شاہد ارسے ڈنکا کا اہتمام کرو۔ تم لوگ قریش ہو جاؤ۔“ تبسم اہت احمد ہدایات جاری کر رہے تھے۔

”نظما اور آپ یہاں ہیں بیٹا! ہمارا خیال تھا کہ آپ اپنے مایوں کی طرف ہوں گی۔ آج غالباً“ مونس کی ہندی ہے۔“ حیات احمد اسے بازو کے گھیرے میں لیے سونے کی طرف بڑھے۔

”پلے ارادو تھا ڈیڈ ایچریل لیا۔“
”السلام علیکم چاہو۔“ ازرا شاہ بھی نیچے آپا تھا۔

”کیسے ہو چک میں؟“ حیات احمد نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اپنے سب بھینچ بھینچوں میں انہیں ازرا شاہ سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی۔

”واکر شہ بالکل خیریت سے ہوں۔ آپ سنا نہیں۔“
”ہم کیا سنا میں بیٹا زیادہ وقت تو انکل کے ساتھ گزرا۔“

”اب کتنی طبیعت ہے سعید انکل کی۔“ فائزہ نے

تبسم سے پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔ اب تو بہت بہتر ہیں پلے سے۔“
”کون کون آیا ہے انکل ڈیڈ سے۔“ ظہیر نے سب کو گونڈا رنگ سرو کی۔ بدیہ شرابی کھینچے آ رہی تھی۔

”انتظار بھالی اور سیکرین آئے ہیں۔ بھابھی کی اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور پانہ بھی ابھی وہ ہیں پر ہیں۔“
”اور ہاری بیٹی کا ستا میں لیا نا تک تو نہیں کیا اس نے آپ کو؟“ حیات احمد کے دائیں طرف ازرا شاہ تھا تو بائیں طرف وہ چکی ہوئی تھی۔

”ویڈیو“ وہ نہتھی۔
”ارے نہیں بھئی۔ ہاری بیٹی تو بہت چاری اور سیدھی سادھی لگی ہے۔“

”جلیبی کی طرح سیدھی ہیں۔“ ازرا شاہ نے سرگوشی کی۔

”لپٹے پارے میں کیا خیال ہے؟“ اس نے گھورا۔
”اول ہوں۔۔۔ لپٹے نیچے لڑتے نہیں ہیں۔“ حیات احمد نے ٹوکا۔

”بیڈی امیری سب سے بہت بنتی ہے ان کے سوا۔“ اس نے ازرا شاہ کی طرف اشارہ کیا۔

”یوں بھئی؟“
”میں اس کے غنی چاہیے ہوں سے نہیں ہتی۔“ نو فل نے لقمہ دیا۔

”بس ایسے ہی بیڈی ام دو لوں کے ستارے نہیں ملتے۔“
وہ کھٹکھٹاتی۔

”ارے۔۔۔ یہ تو بڑی گریز ہو گی۔“ حیات احمد بھی ہنسنے لگے۔

”میں چنچ کر کے آتی ہوں۔“ تبسم انہیں تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھ گئے۔

فتاء کے گلابی لبوں سے مسکن چپک کر رہ گئی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس کے دائیں رخسار میں بڑے دلانے حضور میں ازرا شاہ کو مٹی ہی پار پانہ ڈھونڈا ہوا محسوس ہوا تھا۔



”نظما! تم نے (ناخن) نیلز وغیرہ کلنے ہیں تو ابھی تک لو کیونکہ کل یقیناً عید الاضحیٰ کا چاند نظر آجانے کا امکان ہے۔“ وہ دراز سے کیونکس نکال رہی تھی جب

بدیہ نے اندر بھاگا۔

”تو اس کا میرے نبذ سے کیا تعلق؟“
”تو اس روز تک ہاں اور ناخن وغیرہ تراشنا جائز نہیں ہے۔“

”اچھا چلو ٹھیک ہے۔“
”نظما! تم تیار ہو گئی ہو۔“ شیفون کی ڈیو ساڑھی میں لیوئس تبسم کہتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

”آخر یہاں تیار ہی ہوں۔ بدیہ تم ابھی تک ایسے ہی گھوم رہی ہو۔“

”میں نے بس کپڑے ہی چنچ کر کے ہیں۔“
”ہاں تمہاری تیار کی کا پتہ ہے مجھے۔“

”نظما! یہ آپ ہو میری جان۔“ اس پر ٹٹا ڈالتے ہی ان کا من کھلا رہ گیا تھا۔ میرین اور بیگ لمبی ٹیشن کے شلوار قمیص میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔

”اچھی لگ رہی؟“ وہ نا۔“ میں گڑ گاؤں پٹھ ہر اتے ہوئے وہ کھٹکاتی۔

”آئی کانسٹ بلیر ہیں۔ آپ نے فرسٹ ٹائم یہ ڈریسنگ کی ہے۔ آپ کو تو ابھی ہوتی ہے نا لیٹرن ڈریسنگ ہے۔“ وہ بے لہجہ تھیں۔

”کبھی کبھی ٹریڈ بد لانا چاہیے۔“
”یہ اتنا خوب صورت ڈریسنگ آپ نے خود چوائی کیا ہے؟“

”یہ۔۔۔“ وہ بدیہ کی طرف دیکھنے لگی جو شرارت سے مسکراتے لگی تھی ابھی کے ابصرار اس نے یہ لباس زیب تن کیا تھا۔

”میرے ٹیکرٹ ہے ماما پھر بھی لوہین کوں گی۔ آپ ایئر کر نظر تو پاہن ہیں۔“
”مائی پر بی ڈولی۔ بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔“ بدیہ ساتھ اس کی پیشانی چوم کر وہ اسے جلدی آئے کا کلمہ کرنا پھر نکل گئیں۔

”میں تو اتنی کانفیڈنٹ ہوں آج ماما کے سامنے بزل کیسے ہو گی۔ سیدھی طرح بتا دیتی کہ ازرا شاہ نے گفت گے ہیں۔“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر پرلوم اسپرے کرنے لگی۔

”ازرا شاہ۔۔۔“ ان بے ساختہ حیرت کا جلدی سے دوبارہ سمیٹ کر باہر نکل گئی۔ سامنے ہی وہ اپنے کمرے سے باہر

نکل رہا تھا۔ وائٹ کاٹن کے کھٹ ذہن بھلوار قمیص اور ٹیکہ
 کشمیری شمال کٹھ ہوں پر ڈالے وہ بہت ہنڈ سم لگ رہا تھا۔
 "بھئی طرح وہ اسے دیکھ کر ہنسی تھی اسی طرح وہ بھی
 اسے دیکھ کر وہیں ساکت رہ گیا۔ پنڈل پونجی خاموشی سے
 سر کے تھے۔
 "لائسنس امیری چاہو انھارا لائسنس ہے۔" فائزہ کی بیکار
 پر وہ ایک دم ہوش میں آئی تھی۔ آوارہ انوں کو کالوں کے
 پیچھے ازستی وہ تیزی سے میڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔
 "مختلک نو فضاء..." اس کی تیسیر توار اس کے
 عقب میں گونجی گمراہ کی نہیں۔

بارت اور دو لمحہ کے روز فضاء نے اسی کے نائے کپڑے
 پہنے تھے اور تمام وقت اس کی گہری نظروں کے حصار میں
 رہی تھی۔ یہ تین چار دن سب کے لیے بہت حیران کن
 تھے کہ دونوں کے درمیان سمعی ہی جھڑپ بھی نہیں ہوئی
 تھی۔
 جیسے اور جیسے آج کل شہر سے بکریوں کی تلاش میں
 سرگرداں تھے۔ فوغل ایسے کاموں سے بچتا تھا گمراہ
 دونوں سارا سارا دن بکرا منڈی چھانٹتے رہتے مگر کوئی بکرا ان
 کے معیار پر پورا نہ آتا۔

اس وقت بھی وہ تھک ہار کر پونجی بے نیل و مراد پوس
 لوٹے تھے۔
 "یہ تم لوگ بکرا تلاش کر رہے ہو یا اپنے لیے دامن۔
 کمال ہو گیا۔ چار دن میں ایک بکرا نہیں خرید پاسکے۔"
 انہیں شیک کے گلاس تھماتے ہوئے ہدیہ نے آج بھی
 لالہ زلفرض سمجھا۔
 "یہ جینو کا پچھ اسے کوئی بکرا پسند ہی نہیں آتا۔ کسی کے
 وائٹ پسند نہیں آتے تو کسی کی آنکھیں۔ کسی کا کلر پسند
 نہیں آتا تو کسی کی باڈی لسٹنگ۔" جیسے خود بے ڈوبو پوکا
 تھا۔

"تم نے بکرے کو مقابلہ حسن میں بھیجتا ہے یا اس کی
 قربانی دیتی ہے؟"
 "اوس دن ہزار کے بجائے ہیں وہ بھی تم سے کہہ اب
 قیمت بھی اتنی لدا کرتی ہے اور بکرہ بھی ڈھنگ کا ہے۔"
 "کل دیکھیں گے۔"
 "مصرف پانچ چھ دن رو گئے ہیں عید میں۔ قربانی کے

جانور کی شخصی خدمت گروا تہ جواب بتاتا ہے اور تم دونوں کو
 کوئی بکرا ہی پسند نہیں آ رہا۔ بہت خوب۔"
 "لے آئے بکرے۔" فضاء کچھ دیر قبل ہی نما کر تھی
 تھی۔ پال تو بے میں سٹے ہوئے تھے۔
 "ہاں یہ دو بیٹھے ہیں۔ اس بار ہماری ہی قربانی دے
 دینا۔" جیسے راجا بیٹھا بیٹھا تھا۔
 "وہ پچھو" وہ بکھی تھی تو نے۔ "اس کے بقیہ سوڈے
 بے خبر وہ کسی بات کو ڈا کر کے مسکرا رہا تھا۔ "جس کا مالک ہ
 رہا تھا۔" اچھو کی تھک میں ایک نشہ ہے۔" جیسے کو بھی نہیں
 آئی۔

فضلاء اور نندھارے ہاتھ پر کیا ہوا ہے۔" تبتم اس
 نشان کو دیکھ کر جو نکلیں۔
 "یہ... دو چوٹ لگ گئی تھی۔" اس نے حیات احمد کے
 ساتھ تیسرے ازرار شاہ کو دیکھا جو اس کو دیکھ رہا تھا۔
 "چوٹ... کیسے...؟" دیریشان ہی تو ہو گئیں۔
 "نہیں ایسے ہی۔ آپ چھوڑیں اسے عمدہ ہی لیا وہاں
 مجھ سے۔" وہ ہاتھ میں کون لے تھی تھی۔ صبح عید بھی اور
 اسی کے سٹے میں چار روزات کی تارا پائی جا رہی تھیں۔
 طیبہ اور فائزہ پونجی میں تھیں تو جیسے لائسنس کو سمجھنے کا
 میں مصروف تھی۔

"نہیں آ رہے۔"
 "کیا ہے ماما، مجھ سے کوئی منڈی نہیں لگوار رہا۔"
 "میرے لگاؤ۔" حیدر نے ہنسی میں کہا۔
 "جج میں لگاؤں۔" وہ جوش سے کہتی اس کے پاس جا کر
 بیٹھ گئی۔
 "اور کسی نے لگوائی ہے۔" ہند رہ منٹ میں ایک نکیے
 اور اس کے گرد قلعے بنا کر اس نے اعلان کیا۔ "ڈیٹھو، کتنی
 اچھی لگائی ہے۔"
 "لاؤ میں تمہارے لگاؤ ہوں۔" ہائلن اچانک ہی
 ازرار شاہ نے کہا تھا۔
 "آپ۔" وہ ایک دم چپ ہوئی۔ "آپ کو لگائی تھی
 ہے؟"
 "کو خوش کر کے دیکھتا ہوں۔"

"کوئی نہیں نہیں نے ہاتھ خراب نہیں کروانا۔"
 "لاؤ اور بیٹا" تبتم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پندرہ
 لے

میں جگہ اس کے پاس رہنے کے کشن پر آکر بیٹھ گئی۔
 "اچھی لگائیے گا نہیں کیڑے ملوڑے رہاؤں۔"
 "مسٹر ایڈ مسز حیات! آپ کو اثبات احمد صاحب ایسے
 روز میں یاد فرما رہے ہیں۔" فطیبہ بچی نے لیوں پر چھٹی معنی
 تھک مسکراہٹ سے ہدیہ اور فوغل دونوں کو جو نکایا تھا حیات
 احمد اور مسز حیات فوراً ہی ہنسی گئے۔
 "فوفو یہ کوئی ڈیرا نہیں ہے۔ لگاتے گا کارج ڈانس
 کر رہا ہے۔" شاندار ڈیرا ڈانس دیکھتے ہی فضاء کامت بن گیا۔
 "ایک منٹ روکو تو... تمہارا نام لکھتا ہوں۔"
 "فوفو... اے... اچھی اس نے اتنا ہی لکھا تھا کہ ہدیہ
 نے اس کا ہاتھ چھڑا لیا۔
 "نہیں لڑائی ہے۔"
 "ارے بھی... پورا نام تو لکھتے رو..."
 "بھائی جان! آپ نے غور نہیں کیا نام پورا ہے۔ ایم
 نے اے۔" اس نے ہدیہ کے گھما کے تو وہ ایک لمحے کو پونٹا اور
 دوسرے پل مسکرا دیا۔

ہاتھ کے پاس کے ہاتھ سے کشن چھوٹ گیا۔ لگایا کما
 نے پھر کے کمانے اور حوا ہدیہ کے وہ اس کی طرف
 بلی۔
 "میں نے کہا ہے" بھائی جان "ڈرا سائیڈ پہ ہو جائیں۔
 میں کپڑا بچھا دوں۔ جیڈ شیت خراب ہو جائے گی منڈی
 ہے۔"
 "یہ بھائی جان" کسے کہا تم نے؟"
 "آلہ فضاء حیات کو اور کے؟" وائٹ بدستور اکل
 رہے تھے۔
 "میں لگاؤ باؤں کی تمہارا۔"
 "تمہارے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔"
 "یہ کیڑے ملوڑے خراب ہوتے ہیں تو ہنوا جائیں۔"
 "اوس ہوں نہ رہی یا شہ۔ بھائی جان نے اتنی محبت سے
 منڈی لگائی ہے۔"
 "محبت... تمہارے بھائی جان کو یہ بھی ہے محبت کا؟"
 "کیوں امیرے بھائی جان کو محبت کا کیوں نہیں ہے؟" اس
 نے تیزی سے کہا۔
 "اچھا چھوڑو مجھے سونے رو۔"
 "جیسے آپ کا حکم بھائی جان۔"

ڈاکٹر اسفر کا پورول ابھی تک موجود ہے۔ بھائی جان کے
 دوست ہیں۔ بھائی جان نے مجھ سے ڈاکر کیا تھا۔"
 "مت دھور رکھو۔ ڈاکٹر اسفر۔" اس نے بیادو چہرے
 شیک کھینچ لی۔ آنکھیں بند کرتے ہی چہم سے اس درگمن
 جان کا چہرہ آنکھوں میں اتر گیا تھا۔
 "کیا صحبت ہے؟" اس نے آنکھیں کھول دیں۔
 "کیا ہوا؟"
 "پچھ نہیں۔" وہ کپوٹ بدل گئی پھر ساری رات
 گرو میں بدتے ہی گزری تھی۔

"یہ تم فضول بکواس کیوں کر رہی ہو؟"
 "بکواس... میری صاف گولی کو تم بکواس کہہ رہی ہو۔
 کل سے آپ اس عمدے پر لائو اور ہی نہیں میڈم۔"
 "کیا مطلب۔"
 "مطلب یہ کہ آج بیوں کی میٹنگ میں بنی ملے ہوا
 ہے کہ کل اتنی عید کے روز تمہیں بھائی جان کے نام کی
 انگوٹھی پہنائی جائے گی۔"
 "کیا... میری متعلق اور وہ بھی تمہارے اس ہلا کو خان
 بھائی سے... امیرا سب۔"
 "کیا برائی ہے بھائی جان میں؟"
 "بھائی کیا ہے؟"
 "کوئی ایک ہو تو گواؤں بھی۔ ڈیشننگ 'ویسٹ'
 میڈسم اول انجو کینڈا ویل فینڈر۔"
 "اس آخری بات سے مجھے اختلاف ہے۔ ویسے بھی۔
 مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی بٹر کے بٹے بننے کا۔"
 "اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بات فاضل ہو گئی ہے۔"
 "خوابخواہ، مجھ سے پوچھا تک نہیں اور بات فاضل
 ہو گئی۔"

ڈاکٹر اسفر کا پورول ابھی تک موجود ہے۔ بھائی جان کے
 دوست ہیں۔ بھائی جان نے مجھ سے ڈاکر کیا تھا۔"
 "مت دھور رکھو۔ ڈاکٹر اسفر۔" اس نے بیادو چہرے
 شیک کھینچ لی۔ آنکھیں بند کرتے ہی چہم سے اس درگمن
 جان کا چہرہ آنکھوں میں اتر گیا تھا۔
 "کیا صحبت ہے؟" اس نے آنکھیں کھول دیں۔
 "کیا ہوا؟"
 "پچھ نہیں۔" وہ کپوٹ بدل گئی پھر ساری رات
 گرو میں بدتے ہی گزری تھی۔

"عید مبارک ڈیٹا" تمہارے عید سے واپسی پر وہ بھانگ کر
 حیات احمد کے گلے جا لگی۔ "عید مبارک مائی اول۔"
 "ارے واہ... ہماری بیٹی تو بالکل پری لگ رہی ہے۔"
 اثبات احمد نے اسے دیکھتے ہی کہا تو سفید چوڑی دار پا جامہ
 سوٹ اور بڑے سے روپے میں بری ہی لگ رہی تھی۔
 "میری عیدی... اس نے گلہائی پھیلانی نہیں پر
 سرخ منڈی رہی ہوئی تھی۔
 "عیدی بھی ضرور لے گی پہلے قربانی کے کار شواب سے

فراغت پالیں۔ آپ لوگ اندر جاؤ بیٹا اواب اور نونقل
 فصلی کو لے کر آتے ہیں گے۔ مگر وہ لوگ وہ دن پہلے
 ہی لائے تھے جو پچھنے تھیں میں بندھے ہوئے تھے حیدر
 اور جیند اتنے ہی دن کی سیوا کرنے بھاگ گئے تھے۔
 ”سبزی عید کی۔“ اس نے اندر آکر نونقل کے کان
 کھانے شروع کر دیے۔ اپنی زندگی کی پہلی عید وہ اس طرح
 اپنے رشتوں کے ساتھ منا رہی تھی۔
 ”صحاف کرو بابا! آج جمہوریت نہیں ہے۔“
 نونقل کے بچے۔

”کھانا نہیں؟“
 ”سو چپ۔ عید کا فوراً۔ ورنہ میں ابھی تہ بند
 صاحبہ والی لہجہ لپکھوڑوں گی۔“
 ”اے... اے... چپ... کھانا کھا آ رہے ہیں۔“
 ”تو آئے ہو... میں ڈر رہی ہوں ان سے۔“
 ”آپ ڈرتی کہاں ہیں آپ تو ڈرتی ہیں۔“
 ”تو ڈاڈا لگ بلی۔ سیدھی شراکت سے عید کا ٹکوا
 کھو جس۔“

”غدا کو مانو یا رہے روزگار بچہ ہوں۔ عید لینے کے
 دن ہیں ڈینے کے نہیں۔“
 ”سب پتا ہے مجھے بیٹائی؟“
 ”نونقل سے نونقل۔“ فائرہ ازرار کے ساتھ ہی اندر
 داخل ہوئی تھیں۔
 ”وہ بابہ کہا کون آیا ہے اب لوگ آج ہی منگنی کی رسم
 کرنا چاہتے ہیں۔“
 ”مراٹوں نے تو کس تاریخ بتائی تھی نا۔“
 ”ہاں لیکن اچانک آج کے مہارک دن کا ہی ارادہ میں
 کیا ہے اب کو تو بتاؤنا باہر دو دو سنگتیاں ایک ساتھ ہوں
 گی۔“ وہ گتے کے ساتھ ہی بچن میں چلی گئیں۔
 ”دوسری منگنی کس کی ہے؟“ ازرار نے حیرت سے
 پوچھا تھا۔

”جائے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے
 ہے۔ آپ کی منگنی اور کس کی۔“
 ”میر کی۔“ اسے ارادہ ہی اس نے منشاء کو کھٹھا جو
 نظریں چرا کر رہا نہکل گی تھی۔
 ”تھی ہی آپ کی اور منشاء صاحب کی منگنی۔“
 ”کیا... تم سچ کہہ رہے ہو۔“ اسے خوشگوار حیرت ہوئی
 تھی۔

”آج کورس۔ میں اس قسم کے تھیں مذاق نہیں
 کرتا۔ ویسے اب وہی تو آپ کے ساتھ زیادتی۔“
 ”زیادتی اس نے تو کبھی نہیں کا میں۔“
 ”تو اور کیا۔ آپ کی منگنی تو ہے نہیں منشاء سے۔“
 ”وہ پہلے کی بات ہے۔“
 ”اور... ہوتی۔“
 ”زیادتی تھیلے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”وہ مسکراہٹ چھبیا ما لاونج پار کر گیا۔ دل میں ایک وہ
 ڈھیروں گلاب کھلی اٹھے تھے۔ آہات اہم اور فائرہ بڑھے
 تھے الفاظ میں اس کی منگنی کا ذکر کر کے تھے مگر یہ خبر نہیں
 تھی کہ وہ لڑکی منشاء حیات ہی ہوگی۔
 ”کیا منشاء اس سے رشتہ پر آمادہ ہو گئی ہے؟“ وہ نئی
 آنکھ میں پڑ گیا تھا۔

تبسم ابھی کچھ دیر قبل ہی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی
 تھیں۔

وہ جو کل سے تھیلے ترتیب دے رہی تھی کہ ان سے
 نونقل کا اظہار کر کے صاف انکار کر دے گی۔ ان کے پونچھے پر
 کچھ گندہ ہی نہ تھی۔ نونقلوں نے اس کا ساتھ دینے سے
 انکار کر دیا تھا اور سرچوڑا دیانت میں لے لیا تھا۔
 ”جیسی رہو... ہمیشہ خوش رہو۔“ وہ اپنی لڑائی اور
 عید کی منگنی کی قزوین وارہی پر لب لہجہ سے تو کہتی تھیں۔
 ”پچھ دیر میں لائی تھیں لینے آئے گی۔ میک اپ وغیرہ
 درست کرو۔ بے تہ کو بھی تیار کر دینا۔ اس کے سرسراں
 والے بھی رسم کرنے آ رہے ہیں۔“

ان کے جانے کے بعد وہ کئی باوریل لگا کر اس شخص کے
 لیے تیار ہوئی تھی جسے کل تک وہ سخت ناپسند کرتی آئی
 تھی۔
 ”مجھے ہنکھریاں پستانے کے پچھر میں تھیں اور خوا
 چس تھیں مخرمرا!“ بدیہ کا میک اپ کرنے ہوئے وہ
 مسلسل اسے چھیٹتی رہی تھی۔

اس نے لب اسٹک کا آخری شیعہ دیا تھا جب لاجب اور
 طلبہ ان دونوں کو لینے آئیں۔ دونوں اس وقت میزوں
 رنگ کے لباس میں تھیں۔
 ”منشاء اللہ... چرم بدو...“ طلبہ نے دیکھتے ہی کہا۔
 ”اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہیں آپ دونوں۔ منشاء تو اپنی

میر ابھی تک اب کورس نا۔“
 ”جس قسم کی منگنی ہوگی تو تمہارا بھی کر دیا گی۔“
 ”اللہ کتنی...“ وہ بدیہ کی طرح شرماتی تھی۔
 بدیہ کے سرسراں دانوں نے آٹھ سے کاٹا کچھ ہاتھ اس
 وقت پونے آٹھ سو رہے تھے۔ پارٹی کی اور دیگر کچھ کوان کی
 میک اپ اور کچھ میں چھل ہوئی تھی۔ ان دونوں کو ڈراٹنگ
 روم کے بڑے صوفے پر لاکر بٹھایا گیا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے مہمانوں کی آمد کا غلغلہ اٹھا۔ ازرار
 شاہ سیاہ شلوار سوتے میں مایوں میں میزوں پر فنڈ شامل کدھوں
 پر لیے انہیں رہیوں کرنے باہر نکل گیا۔
 ”یہ تمہارے بھائیوں نے سیاہ رنگ کیوں نہ سنا ہے؟“
 غنشا نے سرگوشی کی۔
 ”نظر بد سے بچاؤ کے لیے لگ رہے ہیں نالیڈی
 کٹر۔“

”تمہارا لیڈی کٹر بھی آئے گا یا نہیں۔“
 ”ارے نہیں توہ تو بہت شرمیلے ہیں۔“
 ”لو ہوں ابھی سے“ وہ تھیں لکھنے پتہ چلا ان کے
 شرمیلے پن کا۔
 ”لیہا نے بتایا تھا۔ بدیہ چپ ہو جاؤ۔“
 ”اگر تم کیا کہو میرا تیار ہی ہوتی ہے۔“
 بدیہ کو لگا کہ اسے جواب دینا چاہتی تھی مگر حیدر اور جیند
 کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ ان کے پیچھے مہمان خاص
 بھی تھے جن میں ناز بچہ فور اپنا کھی میاں سمیت شامل
 تھیں۔

ازرار شاہ نے اسے خود ڈائمنڈ رنگ پرنائی تھی۔ اس کا
 لسن مہسوس کرتے ہی اس کے ہونٹوں میں کچل مچل مچی تھی۔
 اور جب اس نے ہونٹوں سے عید مہارک کہا تو اس کا سر
 ٹھک گیا۔ بدیہ کو اس کی سانس نے رنگ پرنائی تھی۔ وہ
 بچے تک خوب محفل بھی رہی۔ ڈنرو میز سے فارغ ہو کر وہ
 لوگ روانہ ہوئے۔ ایسا ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھی جبکہ
 ناز بچہ رنگ گئی تھیں۔
 ”مجھے تو سمجھ میں ہی نہیں رہا کہ یہ زیادہ کیسے تھی۔“
 ایک مشرقی دوسرا مغرب۔ ان کا ملن غیر نشینی ہی بات
 ہے۔ وہ اپنی حیرت کا اظہار کر رہی تھیں۔

”لیکن تو حیران میں بھرا میں سیکرٹ اپنی کرنا ہوں۔“

نونقل نے کہا۔
 ”یہ بہت کا کمال ہے۔“ حیدر نے اس سے پکتے ہی راز
 کھنڈیا دیا۔
 ”کیا راز تھی...“ وہ دونوں کو دیکھتے تھیں۔ ازرار شاہ
 بدستور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔
 ”لوگ تو بچھو ایسے ہی رہا ہے۔“
 ”میں سچ کر کے آئی ہوں۔“ وہ فوراً ”جان چھڑا کر
 اٹھی تھی۔“

”آرام سے بھئی۔ ویسے آج گرنے کا ارادہ ہوتو ہونا
 جملہ حقوق محفوظ کرواچ کا ہوں۔“ ازرار نے ہاتھ لگا کر
 ”منشاء... عید کی تو کئی جاؤ بھائیوں سے۔“ نونقل نے
 پکارا۔ ”سب بزنسوں سے کر لیتے ہیں۔“
 ”مجھ نفٹ کا بندہ خود کو اس کے نام گھر کا ہے اس سے
 بڑھ کر عید کیا ہوگی۔“ ناز بچہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
 ”منشاء تمہاری عید تو ہے۔“ ازرار نے مسکرا کر
 جو ہاتھ رکھا تھا۔

مگر وہ کہی نہیں سیدھا اپنے کمرے میں جا کر ہی وہ میرا
 اور رات کو بس بدیہ نے اس سے اس اچانک کیا بات کی
 وجہ پوچھی تو وہ مسکرائی۔
 ”ارادہ تھا تو نہیں، نظر کے لیے ہونے کا لگا کر آیا ہوں
 میرا دل ہی مجھے رچا کر دے گیا۔“ اس نے بے بسی سے
 ”تھیں بیٹیہ میں تو بدیہ نے اسے تلخ بھنچ مارا اور پچھر
 دونوں ہی بے اختیار ہنس دیں۔“

خواتین ڈائجسٹ
 کی طرف سے
 بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
رنگ خوشبو ہوا بادل
 ایشیا آفریدی
 منگوانے کا پتہ
 پتہ: عمران ڈائجسٹ
 37- اردو بازار، کراچی۔

پاکستان

اور آج کل سنا ہمیں وہیٹا لوجی نے اتنی ترقی کرنا ہے کہ دنیا فکرمند نہیں رہے گی۔ اب کون کتابیں پڑھتا پھرے گا؟ اور پلوٹیسٹ کی حد تک تو ٹھیک ہے یا اس سے متعلقہ کچھ کتابیں۔ بالی یہ اوب، شعرو شاعری وغیرہ وغیرہ کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ ہماری بھاری فلسفوں والے ٹائل بے سرو پا شاعری بھولے سچے سفر نامے یا اس طرح کی چیزیں پڑھتا رہے۔

ہمارے گھر کا ہول ایسا ہی تھا ہم سب سن بھائی، کزن میوزک، میوزک، پکنک پارٹی، ملے گلے کے عادی تھے بڑھائی میں اتھے تھے اس میں کوئی ٹھیک نہیں تھا لیکن بس کتابوں سے اعلق پڑھائی کی حد تک تھا۔ اسکولک ہمیشہ اچھے انگلش میڈیم اسکول میں رہی سو جو کچھ فکرمند وغیرہ اسکول میں پڑھا سو پڑھا۔ اور تو بس وہی ہی رہی۔ کبھی کبھار کوئی میگزین وغیرہ پڑھتی تھی وہ بھی شو بڑا گوسب یا ڈراموں وغیرہ ٹھیک کے لیے لیکن وہ کی بھی اب میڈیا انٹرنیٹ اور ڈیوائسز نے پوری کر دی۔ میری مشقی اپنے کزن اسد سے ہوئی تھی۔ ان کی جانب انگلینڈ میں تھی اس لیے شادی بھی جلدی کر دی گئی۔

چار سال انگلینڈ میں رہنے کے بعد اسد نے دوبارہ کراچی آنے کا فیصلہ کیا تب تک میری ایمین دنیا میں آچکی تھی۔ مجھے اس فیصلے پر کیا اعتراض ہونا تھا ہمارا لائف اسٹائل تو کراچی میں بھی انگلینڈ والا ہی تھا پھر سارا خاندان ایمین تھا۔ ہم ایمین گھر لے کر بیٹے ہو گئے۔ اب ایمین اولیول کر رہی تھی اور ہمار چھٹی جماعت میں تھا۔ ہمارے سچے ہماری طرح پڑھائی میں

مسز احمد تو ہمیشہ ہی ایسی بات کرتیں کہ مجھے غصہ آجاتا۔ اور پھر سے جب میگزین ان کی ہم ٹولیں جاتی تو میں تھک جاتی۔
”تم کیوں ان کی چچی بن جاتی ہو۔“ مسز احمد کے باہر جانے کے بعد میں نے اسے خڑکا۔
”ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں تم تو خواجوا جی۔ اس نے ان کی حمایت کرنا چاہی پڑ میں نے سچ میں ہی ٹوک دیا۔“

”بس کرو یہ بہنو نماز کا ٹیسٹ کیسا ہوا؟“ میں نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا جو ہمیشہ جماعت میں تھا اور میگزین اس کی گلاس بچے تھی۔
”ابھی میں نے سچے چیک نہیں کیے۔“ اس نے قدرے رکھائی سے کہا تو مجھے اپنے رفیے کا احساس ہوا اور پھر سنے سرے سے مسز احمد پر غصہ آنے لگا ان کی باتوں ہی کی وجہ سے میرے اور میگزین کے درمیان کھٹ پٹ ہو جاتی تھی۔
”اچھا بابا سو رہی اب موڈ ٹھیک کرو۔“ میں نے کہا تو وہ مسکرائی۔



مسز احمد سے میں سخت تالان رہتی تھی۔ ذرا سی فرصت ملی اور بیگ سے کتاب نکال لی۔ گویا اور کوئی کام ہی نہ ہو۔ وہ سینئر ٹیچر تھیں اور اسٹاف کی اکثریت سے ان کے تعلقات اچھے تھے لیکن وہ جو بس بیگ ریڈنگ کی تبلیغ کیا کرتی تھیں اس سے مجھے سخت پڑ ہوتی تھی۔ پھلا یہ کیا بات ہے۔ ہر کسی کا ایسا شوق ہے



اسد سے مشورے کے بعد میں نے قبول کر لیا۔ بچوں کے اسکول اور اسد کے آفس جانے کے بعد میں گھر پر اکیلی ہی رہتی تھی۔ کالج کا بھی کوئی زیادہ بوجھ نہ تھا۔ چلو یہ بڑی ہی سہی۔
پچنگاک کر کے مجھے بڑا مزہ آ رہا تھا اور بھی زیادہ آتا۔

اگر وہاں مسز احمد نہ ہوتیں۔
میں اور میگزین جو ٹیچر پبلش ہیں تھیں اور مسز احمد غالباً میگزین میں۔ مجھے آئے ہوئے بمشکل ایک مہینہ

ابھی تھے لیکن باقی کی مصروفیات دیکھی ہی تھیں جیسی ہماری ہوتی تھیں بلکہ اب تو زمانے نے اور ترقی کرنا تھی۔ کمپیوٹر نے ہم اسٹیشنر، موبائل کارڈز، نیماڈوں سے انسانوں کے ساتھ تو آج کے بچوں میں کہاں سے اولی ذوق پیدا کیا جاتا ان کا کیا تصور تھا؟

اسکول بچوں کی وجہ سے آنا جانا رہتا تھا سو بر نیبل جو میری پرستاشی اور انگلش سے ہونی متاثر تھیں انہوں نے مجھے جاب آفر کی جو تھوڑا غور و خوض اور

پلیئر نہیں۔
 "لیکن یہ سب ہمارے ہی جواز ہیں اور نہ دوسرے ممالک میں ان سب کے باوجود کسی کا بہت زیادہ ٹرینڈ ہے۔" ایک ٹی وی شو میں "انڈیا ہی کو دیکھ لیں۔"
 "ہاں" ابھی کچھ دن پہلے میں نے ایک انٹرنیشنل چینل پر ایک پروگرام دیکھا۔ "عزیزین کو یاد ہوگی۔" جس کا نام تھا My Passion اس میں ایک اداکارہ آئی جس کا نام مجھے معلوم نہیں اور وہ فلموں میں عام سے گھنٹوں میں رول کرتی ہے لیکن اس نے کہا کہ اس کا Passion کس پر دھتا ہے۔ رومی تک کو پڑھا ہوا تھا اس نے۔
 اب مجھ سے برداشت نہ ہوا۔ میں نے کہا ماڈرن تھیویٹ لائف اسٹائل وہ سٹرن تھا یا میں پاکستانی رائٹرز کو نہیں جانتی تھی کہ میری گاڑی پاکستانیت اور بھارت سے میرے میں کوئی شک نہیں تھا۔
 "جھوٹے مبالغہ تو غلے لوگ ہیں۔ اسکرین پر شو کرتے ہیں۔" میں نے غصے سے کہا۔
 "لیکن دوسرے ممالک میں پروگرام میں ناٹف اسلم آیا تو اس نے کہا کہ میرا Passion چشمے خریدنا ہے۔" عزیزین نے بتایا۔
 "ہاں تو ہم سچے لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ کی شو آفٹ کیوں کریں۔" میں نے کہا۔
 "عزیز اسد۔" مسز احمد مجھ سے مخاطب ہوئیں۔
 "کسی سے جھڑپائی سیاسی معاشرتی سماجی یا مذہبی طور پر کتنے ہی اختلاف ہوں لیکن ماننے والی بات مان لینا چاہیے۔"
 "کیوں ہم مان لیں۔" میں بھڑک اٹھی۔ "ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ بس لوگوں کو نہ جانے کیوں ہر وقت دوسرے ملکوں کے گن گنے کا شوق ہوتا ہے اور اپنے ملک کی برائیاں کرنے کا کیا فائدہ ایسی کتابیں پڑھنے کا ہو ہمیں حب الوطنی بھی نہ سکھا سکیں۔"
 میں غصے میں بولتی چلی گئی اور مسز احمد کا سرخ چہرہ

اور عزیزین کی تضحیحی نگاہیں نظر انداز کرتے ہوئے باہر چلی گئی۔
 "تم نے اچھا نہیں کیا۔" عزیزین میرے پیچھے پیچھے آئی تھی۔
 "کیا اچھا نہیں کیا؟ انڈیا کی تعریف نہیں سنی؟ پاکستان کی برائی برداشت نہیں کی؟ یہ اچھا نہیں کیا۔"
 "بات انڈیا پاکستان کی نہیں تھی اور انڈیا سے میں نے جو مثال دی اس کا تعلق انڈیا سے تھا لیکن تم خواہ مخواہ بھڑک اٹھیں اس طرح تو میں امریکہ انگلینڈ کہیں کی مثال دے سکتی ہوں۔ علاقے اور ہم عمر ہونے کی وجہ سے ہم اپنا زیادہ تھکن انڈیا سے ہی کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔
 "ہاں انڈیا سے کرتے ہیں اور انڈیا کو سپر پاور ثابت کرتے ہیں اور خود کو کھانا۔ یہ سے ہمارا Patriotism (حب الوطنی) نہیں ہے؟" عزیزین نے طنز سے کہا۔
 "کس Patriotism کی بات کرتی ہو تم؟" عزیزین کو غصہ آیا۔ "میرے پاس پاکستان کی مثال انڈیا سے برداشت نہ کریں۔ ہم انٹرنیشنل انگلینڈ کی سے بھی بار جائیں اور انڈیا سے نہ ہاریں۔ کیوں؟ ہارتو بار ہوتی ہے۔ ہم رگی بوشنگ جیک کیلس، گیل سب کی پیٹنگ انجوائے کریں اور پورا جہاں کو آؤٹ ہونے کی ہدایتیں دیں۔ یہ ہے حب الوطنی؟ ہم رگی کمری کی ساری فلمیں دیکھیں پھر اس کے کریڈٹرز پر تنقید کریں۔ ہم کتنوں اس موضوع پر بحث کریں کہ ایڈورٹائزنگ سلمان خان اور ایڈیٹنگ نے برقی زلثا سے شادی کیوں نہیں کی؟ ہم شاہد کپور اور گریٹ کپور کے بریک اپ پر غور کریں۔ ہم نئی دن اس ٹیشن میں رہیں کہ VOI میں اشمیت کیوں جیتا اور توہنی کیوں لگی؟ یہ ہے حب الوطنی۔ بس ہماری گفتگو سچ سے شام تک ان کے گرد ہی گھومتی رہتی ہے۔ چاہے ہم تنقید ہی کریں۔"
 میں کچھ دیر کو چپ ہو گئی پھر اچانک بولی۔

"عزیزین! تم لیا سے کیا ہوتی چاری ہو۔ مسز احمد نے تمہیں کیا کر دیا ہے۔ وہ خود تو ایسی ہیں اور پھر دوسروں کو۔"
 "غلط۔ مسز احمد نے کبھی تم سے کیا کسی سے کچھ غلط نہ کہا۔ نہ کیا اور جاتی کیا ہو تم ان کے بارے میں۔ تمہیں دلنا ہی کتنے ہوئے ہیں اور آتے ہی تم نے انہیں تاپتند کر دیا۔"
 "جانتی ہو وہ اے لیوٹر کے بچوں کو انگلش پڑھاتی ہیں۔ آکسفورڈ کی پڑھی ہوئی ہیں اور وہاں کی آفیز پھلکا کر یہاں پاکستان آئی ہیں۔ ان کا ایک بیٹا میڈیا سے منسلک ہے اور آج کل وہ پاکستان کے صوفی شعراء پر ایک انٹرنیشنل ڈاکیومنٹری بنا رہا ہے۔ ان کی بیٹی "عزیز" پر ایک انگلش کتاب لکھ رہی ہے جو آکسفورڈ پریس سے شائع ہوگی۔ خود مسز احمد ٹیسٹس کس کے پینل میں شامل ہیں۔"
 اور یہاں تم خود ہر وقت ٹیکنالوجی کی باتیں کرتی ہو تو غور کرو کیا تم دنیا میں ٹیکنالوجی میں سب سے آگے نکل گئے ہیں؟"
 اس نے کہا اور چلی گئی۔
 میں بو جھل دل سے گھر واپس آئی۔ نہ جانے کیوں سارا دن طبیعت اور اس سی رہی۔ اسد اسلام آیا گئے ہوئے تھے۔ ایسن اور ہمارا ہی کے گھر جانے کی ضد کر رہے تھے۔ میں خود نہیں گئی اور انہیں بھیج دیا۔ میں نے ٹیٹ پر مختلف ویب سائٹس کے فورمز پر کیے۔ میں زیادہ تر فیشن ڈیزائننگ، انٹریئر، شوپز، میوزک، ہیلتھ اینڈ بونی ٹائپ کے فورمز کی ممبر تھی لیکن آج وائٹس طور پر میں نے بک ریڈنگ کے کمیونٹی وزٹ کیے۔ بلاشبہ وہاں ممبرز کی تعداد ہزاروں میں تھی لیکن یہ دیکھ کر باہر ہی ہوئی کہ پاکستانی ممبرز بہت کم نہ ہونے کے برابر تھے۔ حالانکہ عام چیٹ رومز میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے پھر میں نے بدلے ہو کر لی وی کھول لیا۔ لی بی سی پر نہ جانے کون

سی خبر تھی بچوں کا ایک ہجوم تھا۔ نہ صرف بچے بلکہ بڑے بھی۔ اتنا رشت اور دھکم پکی۔ میں ڈر گئی۔ حادثات کے متعلق میں ویسے ہی بہت کمزور تھی۔ خبر سننے پر پتہ چلا کہ وہ بہری پونڈ سیریز کی بک لانچ تھی اور بچوں کا ہجوم بے کراں شائبہ پر اٹھا ہوا تھا۔ خبر سننے پر معلوم ہوا کہ نہ جانے کتنے لوگ رات سے وہاں آکر بیٹھ گئے تھے پھر معصنہ جے کے رونگ کے بارے میں بتایا جانے لگا کہ کس طرح وہ ایک امیر ترین اور مشہور ترین مصنفہ بن گئی۔ بہری پونڈ پر تو فلموں کی سیریز بھی ہے پھر بک لینے کے لیے اتنا رشت میں نے خیران ہو کر سوچا پھر عزیزین کی بات یاد آئی کہ کیا ہم ٹیکنالوجی میں سب سے آگے نکل گئے ہیں؟
 میں نے سوچا تو مجھے اپنے انگلینڈ میں رہائش کے چند سال یاد آگئے اور مجھے یاد آیا کہ وہاں لوگ کتنا پڑھتے ہیں۔ چاہے اخبار ہو، ٹائمز ہوں یا کچھ بھی۔ ٹرین میں سفر کر رہے ہیں تو کتاب نکال لی۔ کہیں انتظار کر رہے ہیں تو کتاب پارک ہو گلیں ہر جگہ۔ اور یہ بک کے پیچھے یا گل ہوتے بیچے۔
 کیا ہمارے بچے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے استعمال میں ان سے آگے ہیں یا کسی بھی طرح کی ٹیکنالوجی میں ہم ان سے آگے ہیں؟ انٹرنیٹ کے مواقع ان کے پاس زیادہ ہیں یا ہمارے پاس؟ سہولیات میں ان کا ہونے میں نے سوچا اور سوچتی چلی گئی۔
 اور مسز احمد نے کہا تھا کہ "کسی سے سیاسی مذہبی سماجی طور پر کتنے ہی اختلاف ہوں لیکن ماننے والی بات مان لینی چاہیے۔"



چنگیز خان کی حیرت

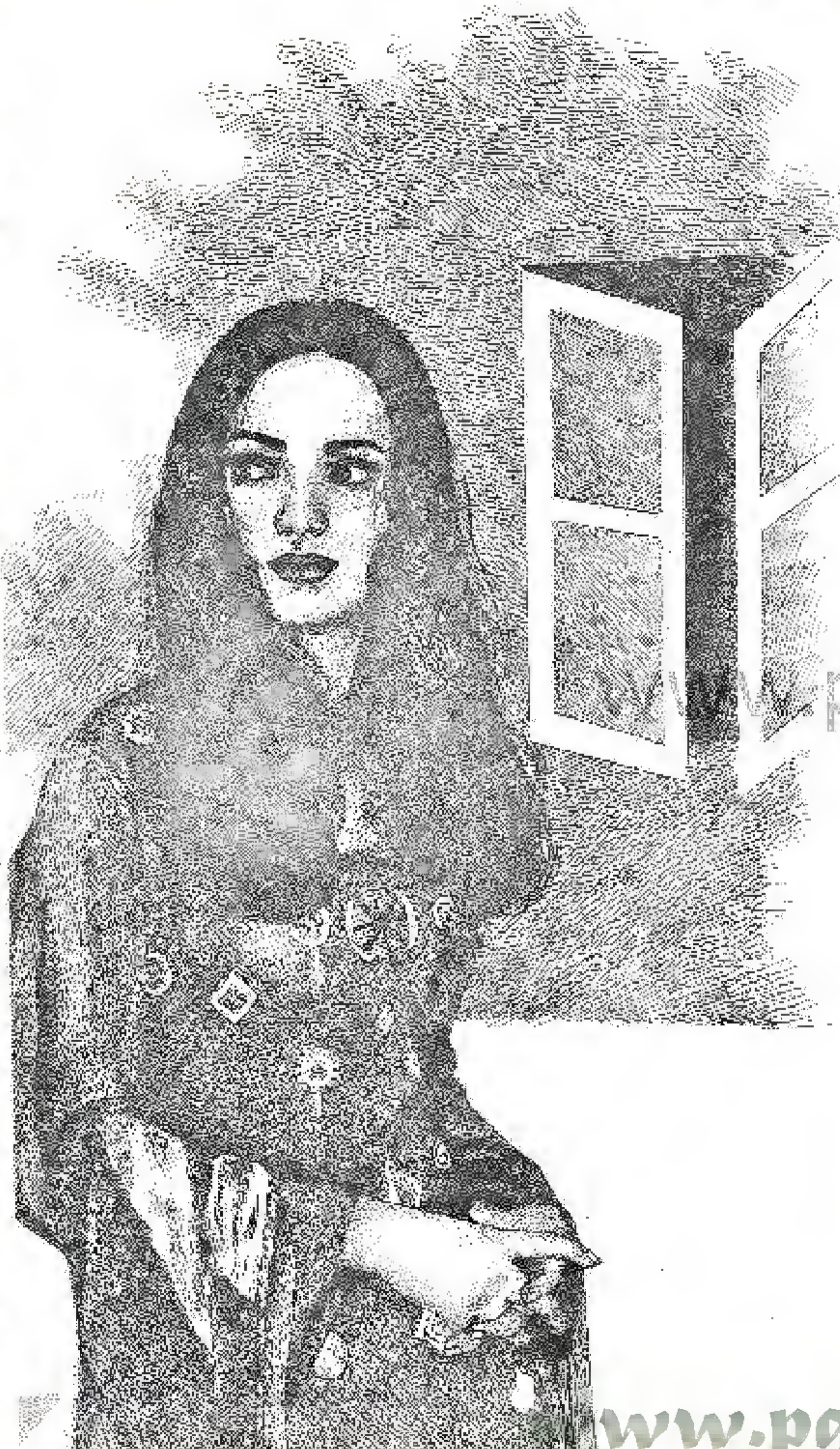
”وہ کچھو بجا رہی ہے، کہیں اس کا باپ دیکھ نہ لے تو بے توہینہ غضب خدا کا ڈرنی بھی نہیں ہے۔“
 ”وہ کچھو ذرا باپ آجائے اس کا سر پہ تو مار ہی نہ ڈالے۔“ ہیروئن کے ہر لٹکتے پڑتے قدم پر داوی ماں کے تصور کو چار چاند لگ رہے تھے۔
 ”توڑ ماری چنگیز کی بھی نہیں کرتی، اب جائے بھی نہیں۔“ ابا بھی تو بے چاری ہے، ہیرو کے قریب خانے پر قدم رکھا بھی نہیں تھا اور داوی نے اس کی واپسی کی

ناولٹ

جلدی بچاوی۔
 ”خدا کی ناسیب لڑکی گورنی بھر گھر ہی نہیں ہے۔“
 کہتے ہیں کہ عشق اندھا ہوتا ہے۔
 انہی کی بات اگر ہیروئن کے کان میں داوی ماں کی پینا کار پڑ جائے تو اس کے عشق کی تپ چھوڑ چار آنکھیں نکل آئیں۔ ”ہائے دیکھو، خبر ہو گئی بنا اس کے باپ کو۔ اب اندھ ماری چار چوت کی ہی کھائے گی بنا۔“
 ”داوی ماں پلیز۔“ اب کے وہ جھلا کر رہ گئی۔ ”دلہا دیکھنے دیں، تمہارے بعد میں کر لیتے گا۔“

اسے سین کے کڑاؤ کیس کی بڑی تھی۔ امیر کیسے باپ کی انکوائری کی تھی، کہ غیب کی خبر سے اس کی تھی اور بیچھے سے باپ کو جہر ہو گئی۔ وہ جائے واروات اور مطالبہ جائے ملاقات پر پہنچ گیا۔ اس کا پڑ چلاں ہیروئن سمی ہوئی ہیروئن اور داوی جان کے پڑ جوش بھرے۔ کمالی وہی جام سی تھی مگر وہی وہی ہی تو ہی تو بہت کم دیکھا کرتی تھی۔ سو منہ بکھڑ تھی ایسے بھی وہ ہر کام اٹھا کر کرنے کی بے لوث تھی۔ کم از کم خفیہ تو آویں دلچسپی سے کر سنے اور نہ نہ کرنے اور آج یونہی اس نے میوڈ بنا لیا۔ فلم دیکھ لی جائے۔ مناسبت اس کے گانے اچھے ہیں۔ ابھی وہی وہی کا بنن ان نہیں کر پائی تھی کہ داوی ماں کی آواز آئی۔

”تمہیں تو کبھی فرصت ہی نہیں ملتی کہ چار گھڑی بیٹھ کر مجھ سے بات کر لو اور کچھ نہیں تو اب اس تصویروں کے ڈبے میں سر کھپاؤ گی۔“ یہ شکوہ اس نے اپنی اتنی ہی عمر میں اتنی بار اور اتنے لوگوں سے سنا تھا جو بے اثر ہوتے ہوتے اب انکا اثر کھانے کا تھا۔



”تو آپ بھی آجائیں نا وادوای کی لہاں کو تو نہیں مل کر
 قلم ریکھیں گے۔“
 ”لو ابھی مہینے سے اٹھے نہیں ابھی شیطان کے
 آگے بیٹھ جائیں۔“ وہ پورانی، چھینٹی پٹے پٹے ہیں
 تک نکلیں۔ پانی سارے گھر والے و عورت میں گئے
 ہوئے تھے۔ اپنے کمرے کے چٹائے سے ہولے سے
 بستر تھا پوتی کے ساتھ یہ تماشا ہی دیکھ لیں۔



”مردوں کو خوبصورت نہیں ہونا چاہیے۔“
 ”ہاں میں خالد انگریز کا لپا قصور؟“
 ”میں میرا مطلب تھا یہ لہذا عورتوں کے لیے اچھا
 لگتا ہے مرد تو۔“
 ”ارے واہ اتنے خوبصورت لفظ پر عورت کی اجازت
 داری کیوں؟“ سہیل نکلیں کے میدان میں ”کے
 صفحے میں سرگھساے بیٹھا تھا اس کے فتوے پر اخبار
 چھوڑ چھا پوسٹ پر۔“

”اچھا ابھی خوبصورت بھانجے! تمہیں اجازت
 ہے بس چاہے اپنے آپ کو خوبصورت کھلوانا۔“
 وہ تھا بھی اچھا خاصا فوجیہ بندہ عمر اس کی اٹھارہ
 سال سے زیادہ ہوگی مگر شخصیت اس کی بھرپور مردانہ
 وجاہت کا نمونہ تھی اور زارا اسے بھی تو سمجھانا چاہ رہی
 تھی کہ حسین کو چہرہ چلاب نظر کشم کی تعریفیں ٹھیک
 ہیں مگر خوبصورت کے ساتھ نزاکت کا تصور ساتھ
 آجاتا ہے اور پھر مرد کی شخصیت کی کشش اس تصور
 کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت تھی مگر
 اور کم اس کے میٹھا ہونے میں یہ بات پیش رہی تھی کہ وہ
 مرد واقعی اس تعریف پر پورے اترتے ہیں ان میں
 نزاکت کا شائبہ نہیں۔ ان میں مردور جھلکتا ہے اور اسی
 لیے وہ کہتی تھی کہ مردوں کو خوبصورت نہیں ہونا
 چاہیے یا اور سبے لفظوں میں اسے خوبصورت مرد
 اچھے نہیں لگتے تھے۔ اچھا لگنے اور نہ لگنے کا انداز وہ
 بے وعترک کر دینے کی عادی تھی۔ اس کے چاہتے
 والے اور سنے والے بھی تو بہت تھے۔ چہ بہ نہیں اور

ایک بھائی اور اس کا نمبر اٹھوان تھا۔ چھوٹی تھی اور
 تھی چھوٹی تھی اور اسے لگتا کہ سب کی امیدوں اور
 بھینٹیں کا واحد مرکز بھی وہی تھی۔ سب اپنے اپنے
 گھروں میں مگن تھے مگر سب ہی بیک وقت اس کی
 دوشن میں بھی رہتے۔
 ”زارا خالد! میرے ساتھ شاپنگ کے لیے چلیں
 گی۔“ خالد دوڑی نکلیں۔
 ”خالد! آج میرے دوست آگے گئے آپ
 ۲۲۔۲۰ بہت مزے کھاتی ہیں بنا میں کی ۲۲۔۲۰“
 وہ ”کیوں نہیں“ کہتی رخت جاتی۔
 ”چھوٹی پھپھو! آج میرے اسکول میں پیر تھی
 نے جب می کو تو فرصت ہی نہیں آپ چلیں۔“
 وہ ایک دم مستیز ہو کر پل میں سر پرست بن جاتی۔
 ”زارا جی! آج روٹیاں ڈالو تو چار چھ زیادہ ڈال لینا۔“
 میری کمر میں سخت درود۔“
 اکلوتی بھانجی کا کچن الگ تھا مگر دیوار ملی ہوئی تھی۔
 اکثر مزے دار خوشبوؤں کے ساتھ کھانے بھی دیوار پار
 کر جاتے۔ وہ کول انگریز تھی اور کولوتی بھانجی
 تھیں۔ وادی جان بھر لپے پر کھانا کھاتے تھے۔
 اپنا ہر عمل اسی سے سراخیام دلوانا پسند کرتیں۔ ابو جان
 کو اس کی عادت تھی اور اسی جان کو اس کی ضرورت۔
 وہ ہر ایک کو بلیک کہتی ذرا نہ کھکتی۔

اور پھر اسی پر قناعت نہیں تھی اس کے اور بھی
 اتنے پرستار تھے کہ شمار میں نہ آتے۔ ایک تو وہ تھی بھانجی
 کی حاضر جواب خود اعتماد اور نہیں کبھی۔ حقیقت میں وہ
 اچھی خاصی سنجیدہ مزاج لڑکی تھی مگر لطف یہ تھا کہ وہ
 اپنے مقدر کی ہر سنجیدگی کو اپنے بھلے انداز میں آسان بنا
 کر لطف لے کی عادی تھی جس سے ایک بار ملتی وہ وہاں
 ملنے کی تمنا کرتا جس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھتا کہ
 تا عمر و امن سے لپٹنے کا آرزو مند ہوتا اور جس کے ذرہ
 بھر کام آجاتی وہ یوں داری صدقے ہوتا کہ اکثر وہ بچ
 ہو کر رہ جاتی۔

”میرے بڑا مسئلہ ہے آج کسی سے مشرا کر مل لوں
 وہ گلے گلے کو تیار لے گا۔“

اس کی اسرافیل عادت۔ اسے لوگوں کے لئے
 اور بڑے بہت روپ دکھائے تھے۔ قصور لوگوں کا بھی
 اتنا نہیں تھا وہ جس سے گھنٹا آٹھا گھنٹا بات کرتی
 لگتا اسی کی ہورے کی اور وہ اپنے نام کی ایک ہی ایک
 زارا عمر بڑا روپ لفظوں میں بٹ جاتی تو بھی کسی کے
 ہاتھ لگتا نہ کہانی کہ وہ مطمئن ہو جائے۔ اسٹیل میں
 مزے کی بات بھی یہی تھی کہ اس ہزار بکھرنے کے
 عمل سے گزر کر بھی وہ آج تک اپنے سے متعلق کسی
 ایک واحد شخصیت کو مطمئن نہ کر پائی تھی۔ اس کی اپنی
 عمر کم تھی اور اس کے چاہنے والوں کے شعور کی عمر
 زیادہ۔

”تمہیں تو چھوٹیں گھنٹوں میں ایک فون کھڑکا لے
 بھی فرصت نہیں آتی۔ یہ تو میں ہی ہوں جو تمہارا نمبر
 بھالتے انگلیاں کھتی رہتی ہوں اور نہ تم تو پلٹ کر
 پوچھو بھی تاکہ خدا زندہ ہے یا مر چکے گی۔“
 ”ارے نہیں بھئی میں اخبار بہت باقاعدگی سے
 پڑھتی ہوں۔ اگر لیا کچھ ہوا تو تمہارے سوئم کی خبر
 خود مل جائے گی۔“

”ہاں اور پھر یہاں سے ہونانی سے زور کھانے
 بانا۔ تمہاری پسندیدہ ڈش جو تمہیں۔“
 ”ارے ہاں زارا بہت دنوں سے زورہ نہیں کھایا وہ
 بھی بڑی کاکا ہوا۔ کتنا مزے کا ہوتا ہے نا۔“
 ”کو تو آج مر جاؤں پر سوں مل جائے گا زورہ۔“
 پوری ایک کھالیتا۔“

وہ دنوں شروع سے ایک ساتھ پڑھتی آ رہی
 تھیں۔ ایک ہی اسکول ایک ہی کالج پھر انٹر کے بعد نہ
 تو آرزو کرتے کا جنون سوار ہوا اور وہ یونیورسٹی تھی
 تھی۔ اسے بھی بہت کھینچنے کی کوشش کی مگر اس کے
 اندر مرد لوگوں کا حصار بہت مضبوط تھا وہ اتنی آسانی
 سے کسی کے ہاتھ نہ آسکتی تھی۔ اس کا تو گھر سے وہ
 گلیوں کے فاصلے پر موجود کالج میں گر بھوٹ کر نا
 قیامت کا مسئلہ تھا۔

”آخریہ ہوتی بھائی تمہاری کب ختم ہوگی۔“
 وادی جان کا مسلسل ٹوٹنا اور اس کا مسلسل نہیں کرنا۔

واہن سے ہوں لا کھن کر جانا اور کھن کر
 اتا۔ ”ابھی جان روز نصیحت کرتیں کہ روز باجوداری
 سے سہلا دتی۔“
 ”غضب ہو گیا زارا! میں نے تو آج ہی دیکھا۔“ وہ
 بمشکل جبر تھی میرا اور مومن خان مومن کو حفظ کرنے
 میں کامیاب ہونے ہی لگی تھی کہ بھانجی نے کمرے
 میں جھانک کر اسے ڈسٹرب کر دیا۔

”کھیا ہوا؟“ وہ بڑی بڑی باتیں سکون سے سنے کی
 عادی تھی اور بھانجی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مزے سے
 غضب قیامت کہہ دیا کرتی تھیں۔
 ”ارے وہ ہمارا کھو گیا کتاب کا یووا بھل گیا۔“
 ”بھل گیا۔ پھر آگہ کہاں ڈالو۔“

”اب میں آگلی جان کس کس طرف دھیان دوں۔“
 اسی اور ابو کا خیال رکھنا اور وادی جان کو تو چاہتے آج کل
 کیا ہو گیا ہے پھر تمہارے بھائی کے مزاج بھی کچھ
 ٹھکانے نہیں ملے۔ کتنے دنوں سے میں نے پودوں کو پانی
 نہیں دیا۔“

”ارے چھوڑیں بھانجی! جس جس کو کس کتنی
 ہیں توئی رہیں پانی پانی چیزوں کو بچتے رہیں۔“
 اس کا اچھا ایسا ہی تھا پٹہ سے کسی کو طو لگتا کسی کو
 پیار اور کسی کو بے نیازی مگر وہ نظر آتی یا نظر آنے
 لگی کوشش کرتی اتنی بے نیاز وہ ہرگز تھی نہیں۔ بہت
 چاہت سے اس نے گلاب کا یووا لگایا تھا اور بڑی لگن
 سے وہ اسے روز پانی دیا کرتی تھی۔ اب وہ مصروف
 امتحان تھی اور اس کی فراغت کو ترستے تھے لوگ اس
 کے پیچھے روز جلتے کر جھتے تھے وہ ان بے ضرر موصوم
 پھولوں کا کیا علم مٹاتی۔

جس دن وہ آخری پیپر دے کر لوٹی ایک طویل
 پر سکون اور جی بھر دینے والی نیند کی خواہش میں اس
 نے بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا۔ وادی جان کو
 سلام کیا تو ”آج تو بیٹا میرے ساتھ کھانا کھانا اور مجھ سے
 ڈھیروں باتیں کرنا۔“

”جی وادی جان! میں تمہارا سا سولوں۔“
 ”بیٹا! میری فالٹیں اور ہر چیز کئی دنوں سے ہے

طنز و مزاح سے بھر پور کالم



باتیں انشاء جمی کی

ابن انشاء

قیمت: - 250 روپے
ڈاک خرچ: - 30 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

ملکتی عمران واہجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

طرح قصہ برداشت کرنا اس کا ہرگز مزاج نہیں تھا۔
”اب جانتے ہیں یا جو کیدار کو کو آواز دلا۔“
”شکر یہ۔“ گھٹے باہر کا راستہ پاس ہے۔ ہاں سونے والا بھی
کو بتادوں گا کہ دن کے ٹیکے میں میری کیا عزت افزائی
ہوئی ہے۔ تو ایک لمحے کو سٹیٹو کی کمراتی آسانی سے
زیر ہو جائے تو انوں میں سے تو رہے گی نہیں۔
”ساتھ یہ بھی بیٹا بیٹھے گا کہ آپ ان کی چھوٹی اور
لاڈلی بہن سے کتنی عزیز سے ملے ہیں۔“ بلا جھجک اس
کے جواب پر سعد خان کو پوچھنا کہ ”طنز کی تیز ہے۔“
”اور۔“ انھی دن ہی دن میں وہ اس کی مزید خوبیوں کو
ہی لگے تھا کہ سہیل کی آواز آئی۔
”ابھی سے کہاں چلے سعد چچا ملتا جان سے تو مل
لیں تو نہیں آ رہے ہیں۔“ گوئی کہ کامن کر وہ ایک
لمحے میں وہاں سے ٹھکنا اور اس سے اگلے لمحے وہ
اپنا غصہ بھول بھال اس کے لیے واقعی پکڑے تل
دہی تھی ظاہر ہے اسے ابو کے پاس آئے مہمان کی
خاطر واری کئی تھی۔ بے دلی سے کرے یا دل سے
کرنا تو تھا اور اس کا موقف تھا کہ کبھی کوئی کام کرنا
کئی لمحہ اوقاتے قوی ہے کرنا چاہیے۔ سوار کرو گا موسم
اور اس کا مزاج عموماً ”اس کے کام پر اثر انداز نہیں ہوا
کرتے تھے۔“

کچھ جنوری کی ایک خاص اہمیت اس کے لیے یوں
بھی تھی کہ اس دن اس کی سالگرہ ہونا کئی تھی اور
شمارے اس کے جو بھی گنتے ہوں اس دن اس کا ستارہ
نوموا ”بت خوش میں آجایا کر تھا“ صبح اس کی فون کی
گھنٹی پر شروع ہوئی اور دن بھر خاص کردہ جب راوی
جان کے پاس پہنچی ہو تو تو یہ میوزک ضرور بچتا۔
”بے کیا تم میں جو راہ چلتے ہر کوئی تم سے دوستی
کرنے بیٹھ جاتا ہے۔“ وہ بچپن سے اسے کتنا قریب
سے دیکھ رہی تھیں اور انہیں آج تک اس میں کوئی
ایسی بات نظر نہیں آئی تھی۔ کیسے آتی۔ وہ کوئی راہ
پتے اس کی دو چار باتوں یا ایسی دوستانہ مسکراہٹ (جیسے
کہہ رہی ہو) صرف تمہارے لیے ہے) سے متاثر
توڑی ہوتی تھیں۔ وہ حسب عادت مسکرا کر مثال گئی۔

”جی۔“ چائے کی پیالی چھوٹی سی میز پر رکھتے
ہوئے اس شخص نے مڑ کر دیکھا تو زارا کے ہوش اڑ
گئے۔
”آئی ایم سوری“ اصل میں میرے بھانجے کا توہ اور
بینو اسٹائل ایسا ہی ہے۔ میں سمجھتی۔“
”محیرت ہے ویٹھنے میں تو آپ بہت ڈینٹ گئی
ہیں اور اتنی غیر منذب حرکت۔ کسی سے فری ہوئے کا
ویسے یہ نہایت گھٹیا طریقہ ہے۔“ اس نے ایسا تاثر دیا
جیسے واقعی کسی شدید حد سے گزرا ہو اور پھر
گندھے اپکا کر چائے کی پیالی اٹھالی۔
”وہاں مطلب ہے آپ کف میں نے آپ کو بتایا کہ
میرا بھانجہ۔“

”شرم کریں بھانجے کو کیوں بچ میں بلا رہی ہیں۔“
”دیکھیں چناب! میں منہ توڑ دیا کرتی ہوں ایسی
باتوں پر۔ آپ ہیں کولن اور اہم بات یہ کہ ہمارے گھر
میں کیا کر رہے ہیں۔“ غصے سے لال پائی زارا کو کم
لوگوں نے ہی دیکھا تھا مگر سعد خوں کو لگا اس نے یہ
اب وہ بھی بے ہمتی اور گھٹیا بھی تھی اس کے
ایک ہی شاہکار ہیں۔
”لوہو تو یہ آپ کا گھر ہے اس کا مطلب ہے
آپ بد اخلاق تھی ہیں۔ گھر آئے مہمانوں کے ساتھ
آپ یہ سلوک کرتی ہیں۔“
”میں اس سے کبھی برا سلوک کر سکتی ہوں۔ اگر
آپ ایک پل میں یہاں سے چلتے پھرتے نظر نہ
آئے۔“
”اس کو کہتے ہیں کھیالی ٹی کھانا نوچے۔ اگر میں
آپ کے نیو ایر کے جواب میں مسکرا کر آپ کو خوش
کران تو آپ اس وقت مجھے گرم گرم چائے کے ساتھ
پکڑے تل مل کر کھلا رہی ہوتی مگر بات یہ ہے بی بی
کہ میں انگریزی کیلنڈر کا نیو ایر منانے کا قائل نہیں
ہوں اور مجھے انگریزی لوگوں سے یوں فری ہونے کی گئی
قطعاً عادت نہیں۔“
اس کا دل چاہا سامنے لگے ٹارٹل کے ورشتہ سے برا
ساتار مل توڑ کر اس کے سر پر مارے۔ حالانکہ اس

ترتیب پر ہی ہے ”آج جو کچھ لیتا۔“
”جی ابو خسوس۔“ ڈاکٹر پھولوں پر غہبت سے کھانے
ہوئے وہ اپنی جان کی طرف تیز رفتاری سے
کھانا آج کل بھانگی جان پکایا کرتی تھیں اور جلدی
جلدی کے پتھر میں وہ سامن جاول کے ساتھ کسی بھی
شخص کے لوازمات سے گریز کرتی اور اسے اٹوا رہا تھا کہ
ای اور اچھے حالتے آتا گئے تھے اس وقت سے۔
”رضیہ خانم کو فون کر لینا اور سونا مانی کے گھر ہو
تاکہ انہیں کسی کام کے لیے ضروری بازار چاہے۔“
وہ جیسے ہی بستر پر آکر بیٹی تو ای جان لے ہو یا کیا مودہ ہرا
ویا۔

ابھی وہ کمرٹ لینے ہی لگی تھی کہ بھانگی کی آواز
آئی۔
”زارا۔ سوری ہو اچھا کوئی بات نہیں۔“ آخری
جملے کے ساتھ ان کے لہجے کی مایوسی کو اس نے بڑی
طرح محسوس کیا مگر فوڈ پر طاری نہ کیا نہ سوتا نہ دم
ہو کر اپنا ہنسٹا مسکراتا پھر سب کے سامنے لانا ہر تھا تاکہ
بچھٹانے گڑھتے سب احکام بچاتے لانا وہ مزے سے
گھری بندھ مو گئی۔ آٹھ اس کی فون کی مسلسل بچی
گھنٹی پر کھلی۔ بہت دنوں بعد اس نے ہراسے ڈھیر
ساری باتیں کیں۔
”فرصت ملی نہیں اور تمہارا پہلا کام فون کا پیسہ
بھرنا۔“ وہ ان جملوں کی عادی تھی ”جو اب“ چیب رہنا یا
بات ٹل دینا اس کا مزاج تھا اور ایسا جب اکثر ہونے
لگے تو لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ بڑے بانگس بے حس ہے
پتھر اور ڈھیت کسی بات کا اثر ہی نہیں۔ مگر لوگ کسی
بات کا رد عمل ظاہر نہیں کرتے ان کا پیشہ یہ مطلب
پر گز نہیں ہوتا کہ وہ محسوس بھی نہیں کرتے۔ کچھ
لوگ احساس کا اظہار سے رابطہ پسند نہیں کرتے کچھ
اس رابطے کے قائل ہی نہیں ہوتے اور بچھ لوگوں کو
اظہار کا ڈھنگ نہیں آتا۔

”بھئی نیو ایر تم کب آئے گا“

”داؤی جی! وہ سنبل نے کیک بھیجا ہے آپ کھا لیں گی بہت مزے لگے۔“
 ”یہ سنبل اب تمہیں کیک بھی بھیجے گی! چند ایوں پر کسی کا احسان نہیں لیا کرتے یہ کوئی زمانہ ہے۔ آج کل لوگ۔“

”اوہ وداؤی جی! دوست ہے وہ میری اور خود ہی اپنی خوشی سے بھیجا ہے کیک کوئی میں نے تھوڑی کھا تھا کہ بھیجو۔“ جیسے درج اس پر مسلسل اور متواتر ہمیشہ سے کی جاتی رہی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے ان روٹیوں کو برتا تھا چڑنا اور جوالی بھٹ کرنا بھی اس کا مزاج نہیں تھا۔

مگر آہستہ آہستہ اسے شک پڑنے لگا تھا کہ اس کا مزاج بدل رہا ہے وہ کوئی تڑپ ہو کر لان کی طرف چل دی۔ اسے بالکل گمان نہیں ہوا تھا کہ سعد صاحب اب بھی تنگ موجود ہوں گے۔

”یار! میں نے پہلے ہی بتا دیا ہے تمہاری خالہ کو کہ میں نیو ایئر وغیرہ کا قائل نہیں ہوں پھر بھی انہوں نے یہ کیک بھیج دیا۔“

”افوہ آہستہ تو بولیں سعد چچا! خالہ نے سن لیا تو قیمت آجائے گی۔ یہ نہ نیو ایئر کا کیک ہے نہ انہوں نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ یہ تو میں چپے سے فریج میں سے مار لیا ہوں ان کی سالگرہ کا کیک ہے اور ان کی عزیز دوست نے خاص طور پر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میں پیش کر لیں اس سے پہلے کہ ان کو خبر ہو۔“

”افوہ! تو تمہاری خالہ آج کے دن پیدا ہوئی تھیں جب ہی میں کہوں کہ مجھے اچھی کیوں نہیں لگیں۔“ سعد خان نے اسے بڑا بڑے میں ٹھنکاوے لیا تھا شاید جب ہی اکتائے لیجے میں نہ زور سے بولا تھا۔

”آج کے دن میں کیا خرابی ہے بھلا کیا؟“
 ”تمہیں نہیں پتا، نیم جنوری میرے لیے بہت منحوس دن ہے۔ اس دن میری بہت پیاری چیزیاں مر گئی تھیں۔“

”کیا چڑیا! سہیل بہت حیرت سے چلایا اور اس کا دل چاہا۔ اس شخص کا سر توڑ دے۔ بے کار میں اتراے

جا رہا تھا۔ مسعد چچا! آپ اور چڑیا! کیوں مذاق کر رہے ہیں۔“ سہیل پھر بولا۔

”فکال سے تشعب! میں اتنا سنجیدہ ہوں اور تم مذاق کر رہے ہو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نہیں میں مجھے ایک چیز سے محبت ہے کہ اچھا خاصا عشق ہو گیا تھا۔ مگر پھر وہ مر گئی اور مجھے یاد ہے اس دن تاریخ تھی، نیم جنوری جو کہ تمہیں کاٹھنڈے میں وہ اس کا سر توڑ توڑ سکی، ہاں تیر تیز چلتے ان کے درمیان رکھی ہوئی میز پر رکھے کیک کو چھٹ لیا۔

”خبردار۔ جو تم نے اس کو ہاتھ بھی لگایا۔“ اس نے گھوڑا سہیل کو اور ستایا سعد کو۔ اور پھر اس تیزی سے پلٹ گئی۔

”خالہ! یہ زیادتی ہے اور انسلٹ بھی کیجی کیا سوچیں گے۔“ چچا چپے چپے مزے سے ہنس رہے تھے اور وہ خالہ کے تعاقب میں دوڑا گیا تھا۔

”اور تم نے یہ خیال نہ کیا کہ خالہ کیا سوچیں گی اور میری سالگرہ کے کیک پر اپنی جیتی چڑیا کا ہاتھ پڑھیں گے اور پھر تمہیں پکاراے طور پر کہا میں نے کیک کھانے کے بجائے اپنے کمرے میں رکھ لیا۔“

”ارے اس سب کے کیک کے لیے تم بچکے سے خفا ہو گئیں لی بی! تمہیں دوست کی دی ہوئی چیز عزیز ہے یا بھانجا۔“

”یہ عزیز اور غیر عزیز کا معاملہ کب ہے یہ تو صرف غصہ ہے۔“ وہ چاہتے ہوئے داؤی جان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ شدید قسم کا غصہ اسے ”بھئی بھئی“ آتا تھا اور یہ بھئی بھئی کا لہجہ رائیگاں جاسے تو جو وحشت ہوتی ہے اس کی وضاحت ممکن نہیں۔

”اپنی پلیز اور میری بہت اچھی دوست ہے۔“ صبح سے وہ کئی بار اپنی سے رفعت کی شادی میں جاسے کا پوچھ چکی تھی اور ہر بار انہوں نے جواباً ”سوال ہی کیا تھا۔“

”جانا بہت ضروری ہے کیا۔“ ایک تو اس کا اپنا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اور اپنی طرف سے کسی بھی

محبت وغیرہ میں جانا بلکہ جاسے سے پہلے کا مرحلہ خاصا غوریں اور صبر آزما ہوا کرتا تھا۔ امی کو ساری سسری چنانا جانے کا ہوا اور نہ جانے کی قابیلی سمجھانا یہ سب تو جائز تھا وہ سکون سے ہٹا کر انہیں مطمئن کر دیتی اور ان کے قائل ہو جانے کی حد یہ جملہ ہوتا۔

”لے لے ابو کو پتہ نہ پتا! وہ اپنی طرف سے پروگرام کا مکمل اور ٹوٹی پوائنٹ خلاصہ کر لے۔ اور ابو جان کے گوش گزار کر دیتی۔ وہ عموماً ”سراہا دیتے۔ لیکن وہ پلٹ کر چار قدم کا حاصل طے کر کے دروازے سے باہر نہ ہوا پائی کہ انہیں اپنی ماں یاد آتیں۔“

”اچھی داؤی کو بتا دیا ہے نا۔“ کبھی کبھی اس کا دل اترتا ابو جان لہکتے میں ہٹا سرو کیہ کرو ان کے سامنے سے چھو ہو جائے کہ وہ ہلکا سا ہونڈے کر جو اپنی ماں کو یاد کرتے ہیں وہ جملہ بلکہ جملہ کیا زہد داؤی اس کے کالوں میں نہ پڑے کہ یہ زہد داؤی جاتے سے تنگ اس کی اچھی خاصی آزما لیں کر دیتی۔

”یہ کون سی دوست ہے تمہاری جسے میں نے آج تنگ نہیں رکھا؟“
 ”کون میں پڑھتی ہے میرے ساتھ داؤی کی شادی“
 ”مگر کھر تو چھٹی نہیں آئی۔“

”کالج میں جو مل لیتے ہیں روزانہ! ان لپے وارڈ روپ سے ایک جوڑا نکالتی ایک رکھتی، کم از کم ان کو انٹرویو کے ایڈا میں ہی جتا تو دیتی کہ اس نے ہر حال جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔“

”تو پتہ کج میں مبارک باد دے لیا۔“
 ”شادی اس کی ہال میں ہوگی کالج میں نہیں داؤی جان۔“

”وصل کام تو یہی ہوتا ہے! بیٹا! مبارک باد دینا۔“
 تنگ و حاسک کے کڑھالی والے واٹ کرتے اور تنگ ہی شلواری پہنے پر مطمئن ہو کر اس نے استری بھی کرنا شروع کر دی۔

”یہ کار ہی ہے یوں غیر لوگوں میں چلے جانا نہ جان نہ پھان۔“
 ”داؤی جی! ہم چار سال سے ایک ساتھ پڑھ رہے

ہیں۔“ قائل ساتر و پشہ استری کر کے اس نے ان کے سامنے ہنک پر پھیلا دیا۔
 ”یہ دھتی تو تم سماں سے بیسیوں لڑکیوں کے ساتھ ہو سب کی شادیوں میں جاؤ گی کیا؟“

”سب لڑکیوں سے میری دوستی نہیں داؤی جی۔“
 وہ الٹا ہی سے تویہ لے کر ہاتھ روم میں گھس گئی۔
 ”عمر سے پوچھ لیا اور سو کو بتا دیا؟“ سناؤ کر ہال پوچھتی جب وہ لنگی تو انہوں نے تنگ کر ایو سی سے پوچھا۔

”ہمیشہ وہ اسے مکمل طور پر زچ کرنے کے بعد آخر کار یہی پوچھا کرتی اور ان کا لہکتے میں ہٹا سرو کیہ کر پھرو بے چین ہو جاتی اور چوکوں کی کیسے؟“

”ایک اور مرحلہ! یہ ہمیشہ سے یونہی تھا! اس کے عشق کے امتحان کبھی تم ہونے میں نہ آتے تھے۔“
 ”تو قار بھائی کب آئیں گے بھائی؟“ شام کی چائے ابو امی داؤی جی سب کو چھوڑ کر وہ بھائی کے ساتھ بی رہی تھی ان کی وضاحتوں اور تفصیلات کا سلسلہ لہا ہوا چلا کرتا تھا۔

”ابو! کھر کا کیا منگت تو آج ہے تمہیں۔ ہاں شاید چچا کے ہاں چائے کا ارادہ کر رہے تھے صبح مگر نہیں۔“ پھر ایک گھونٹ چائے کا۔ ایک خستہ لیکن بسکٹ سے قہقل اور وہ خود صبر کے گھونٹ لیتے ہوئے چائے کا گھونٹ لیتا ہنول جاتی۔

”یہ بھی تو کہہ رہے تھے کہ اگر نہیں جانے کا پروگرام بنا تو توین کروں گا۔ اب تو میرے خیال سے سیدھا لھری آئیں سبک ان کی عادت تھی وہ گھونٹ پانی کی ضرورت ہوئی وہ پورے سمندر کی سیر کروا دیا کرتی۔“

”تمہیں کہیں چاہا ہے کیا؟“ یہ خبر صبح سے اتنی ہزار بار پتا چکی تھی کہ شاید وہ انہوں کو ازیر ہو گئی تھی۔ مگر اس وقت وہ کسی دیوار کے آگے نہیں۔ اپنی اکتالی چھٹی بھائی کے سامنے بیٹھی تھی۔

”جی وہ رفعت کی شادی میں جانا ہے نا وہ جو پھلے پھٹے اس کی خالہ کا رڈ دینے آئی تھیں۔“

”ارے ہاں۔ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ کتنے بچے جانتے تھے مجھ میں کہا۔ اب فون کسوں کی نہیں تو غصہ کریں گے۔“ وہ سکون سے ذرا سی چائے بھی نہ پی پائی تھی۔ ہر جملے کے اختتام پر وہ لہلہہ لہکارتی تھی۔ وہ اپنی بے باکی قطعاً ”ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ مگر پھر بھی وہ مزے لے رہی تھیں۔ ظاہر نہ کرتی تو کیا ہوا ہے قرار تو وہ ہو جاتی تھی۔ یہ ایک تھرونگاؤس حرکت سنی مگر ایک جذباتی انسان کی نفسیات سے کھیلنے میں مزہ بھر جاتا بہت آتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں فون کر کے دیکھتی ہوں۔“ چائے کی پیالی اور بیگٹ کی پلیٹ صاف کر کے انہوں نے بوشکل آؤ کے کہا۔ کرسی ٹھکے کا کرو بھی اٹھنے لگی تو انہیں پھر کچھ یاد آیا۔

”مگر تمہیں جانا کس طرف ہے۔ مجھے قاتلہ باہی سے سوٹ لینے جانا تھا پھر۔“

”کون سا سوٹ؟“ اب کے اسے جھنجھٹانا چاہیے تھا مگر وہ سکون سے پوچھ رہی تھی۔

”کل میلاد میں پستانا ہے قاتلہ باہی کے ہاں۔ چلو چھوڑو کچھ اور پین لول کی تم اپنی تیاری کرو۔“ نہ وہ احسان فرما موش تھی۔ نہ احسان نہ ماننے والوں میں سے مگر بھانسی کی پھولے سے چھوٹے کام کی لوک پک سٹوار کر اسے جمانے کی عادت تھی۔ سو یوں وہ اپنے انگوٹے بھائی کو جھنڈہ دو جھنڈہ کے لیے مستعار لینے کے قابل ہو گئی۔

ویسے یہ نمائند مزے کی بات تھی اور سارے خاندان کے لیے وہ نمائند معتبر اور اونٹے درجے والی شخصیت تھی جس کی سفارش ہر جگہ چلتی تھی اور جس کے ہنم پر بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے کام لگوا لیا کرتے۔ زارا آٹھی زارا خاندان اور چھوٹی خاندان کے نام کا سگہ نئی نسل تو ہر جا بے بے استعمال کرتی۔ یہ روی پکنگ پر چاندی ہے بڑی آپا ہے اجازت چھوٹی خاندان میں گی۔ سقیفہ کاول گریں ہنار سی ساڑھی پر بری طرح آگیا ہے۔ عظمی باہی سے سفارش زارا خاندان کریں گی۔ سہیل کے سب دوست پاکستان ٹور پر جا رہے ہیں مونا

پائی تھی کہ ان کے میاں انکم بھائی کو بھی قاتل خاندان ہی کریں گی۔ اور تو اور سارا آپ کے سات سالہ عملی کو وڈیو کم لینے کا بھوت چڑھا تو ایسا مستر چھوٹی خاندان سے یاد کیا جس نے سائنس آپی پراکٹ کیا اور عملی کی مزا بر آئی۔ مگر یہ تو کچھ نہیں تھا۔ ساری ساری انہیں اور بھائی تک کے مشکل اور ٹیڑھے کاموں کا ٹیڑھا پین زارا لئی بن کے سر کے سجدے تھے اور ہوتا۔

”زارا! تو بات کرنا اب تو سے میرے شیئر زانگ کروں۔“ ہتھیار کو بہت ضرورت ہے پیسوں کی۔“ عظمی باہی نے اچھے کھاتے میں گھرانے کی برہو تھیں۔ مگر ان کا خاندان ان فیشنل خرچ تھا۔

”بڑا اچھا رشتہ ہے یہ کیا ہوا جو برادری کے لوگ نہیں سمجھے جتا ہے سیماس خوش رہے گی۔ مگر ای جان کو کون قائل کرے؟ زارا تم کہہ کر دیکھو۔“ بڑی آٹھی دو ہی بیٹیاں تھیں مگر انہیں ذرا ع کرنے کا شوق۔ ان کے پیار ہوتے ہی لگ گیا تھا۔

”سوز زارا! اب تو سے ان گفتات پر ساکن کرو لیتا پیچیز۔“ وقار بھائی دفتر جاتے جاتے ہائی وی کلم رکھتے دیکھتے جلد ہی میں ہی رہتے اور اس پر وہ دورانیہ لگ کر یہ جاہ جاتا۔ باقی کون رو گیا بھائی جان نہ وہ بھی زارا کی ”صرف آپ کے لیے“ انہم کی طبیعت سے ہر طرح فائدہ اٹھانا جاتی تھیں۔

”میرے بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں میرے ساتھ شاپنگ پر چلو۔ اب میں انہیں نہ تو نہیں کہہ سکتی۔ وقار آئیں تو تم انہیں بتاؤ۔ اب اور ہاں سوز اور اوشنگ سے کہتا اس طرح کہ وہ ناراض ہوں۔“ اور اس کے کہنے کا اوشنگ ہی تو تھا جو اسے ہر جگہ ماننے لے آتا تھا۔ ہر کوئی اس کے کہنے پر رکھ کر بندوبست چلا تا اور خوب چلا تا کہ نشانہ ہرگز خطا نہ جاتا تھا کہ اس کے نشانہ بھی بہت مضبوط تھے اور اس کے قدم بھی بھی لڑکھڑکے نہ تھے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے (یہ بھی ایک محسوس حقیقت ہے کہ کم کم ہوتا ہے مگر پھر بھی)۔ کہ کچھ لوگ دوسروں کے لیے بڑی بڑی جگہیں لیتے ہیں مگر جہاں اپنی ذات کا فائدہ چلتا ہے۔

یوں سر جھکا کر باج بن جاتے ہیں کہ جوتہ انکالتے ہوں ان کا بھی خواہ مخواہ بل کرتا ہے کہ ان کی راہ میں روڑے اٹھا میں۔

”زبے نصیب آج تم نے مجھے فون کیسے کیا؟“ اپنے ہی لہو کے جواب میں اسے ہڑا سے اسی قسم کے تشنگی کی توقع تھی۔

”ایسے ہی دل کر رہا تھا تم سے گپ شب کرنے کا۔“

”چندا کیسے ہی تو تم نے آج تک مجھے فون نہیں کیا۔“

”بلو جب فون نہیں ندا کرتی ہے مگر تم ندا تو نہیں ہو گیا بات ہے؟“

”نہیں سچ۔ ایسے ہی پور ہو رہی تھی تو سوچا تم سے بات کر لوں۔“

”خیریت بھئی آج سوچ کہاں سے نکلا ہے۔ زارا عمر کو پور ہونے کا وقت بھلا کیسے مل گیا۔“

”بھئی۔ تمہیں جس میں کرنی ہے تو میں فون رکھ رہی ہوں۔ اس سے مگر ہے میں کسی وقت نمبر پر بات کر لوں۔“

”نہیں ڈیڑھ مجھے جتا ہے۔ تم رائگ نمبر کو انورڈ نہیں کر سکتیں۔ تم تو برا پر (proper) نمبر کو بھی ڈھنگ سے پتا نہیں سکتیں۔“

”کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو دوست! میں رائگ نمبر کو ہرگز انورڈ نہیں کر سکتی۔“ وہ حیران ہو گئی۔ زارا اپنے اس کی کسی کسی بات کی تصدیق بھی کی تھی۔ ہڈا رنگ یہ اس کا ہمیشہ کا شلوہ تھا بلکہ اس کا کیا سارے زمانے کا تھا۔

”مگر کبھی کبھی کوئی رائگ نمبر انک جاتا ہے نا بار بار دیکھ کر ہونے لگتا ہے۔“

”میں! ایک کیو زی نمبر کیا کہا آپ نے؟“

”یہ ہے ایک عام سی بات کر رہی ہوں۔“

”کیوں آج ایسے ہی“ سب کچھ کیوں کہہ رہی

”تو پھر ڈیڑھ جی بلا رہی ہیں“ اب میں پتشی ہوں۔ اس نے کھٹ سے فون رکھ دیا۔

آج داوی جان کا بلانا اس کے لیے جہاں جتنی کا بہانا بن گیا تھا مگر اسے پتا تھا۔ ابھی کچھ دیر بعد پھر تھنی بیٹے کی اور وہ کہہ رہی ہوگی ”سنو کیا ہوا ہے؟“ اور وہ اسے کیا پتا ہے گی۔ کیا کچھ پتا بھی پائے گی؟ کہ آج اس دن ہو گئے وہ ڈھنگ سے سو نہیں پائی۔ اس کا دلخ کبھی اور رہتا ہے۔ جسم کبھی اور اور فون کی ہر جتنی تھنی پر اس کے دل کی ہرگز کن اس حد سے گزرنے لگتی ہے جس سے کبھی نہ لڑی تھی کچھ تو ضرور تھا۔ لہجے کی کوئی کرامت یا لفظوں میں کوئی سحر شاید جہ سے میں کوئی سچ گوئی اور ضرور ہو۔

”جب تلاش ختم ہو جاتی ہے تو بندے کا دل کرتا ہے ایک طویل گہری نیند سو جائے سکون کی اس حد کو یہ جھونے کی خواہش ہونے لگتی ہے۔ جو انسان جتنی زیادہ صحت خلوص کا نصیب نہیں۔“

ان جملوں کی بازگشت مسلسل اس کے کانوں میں ہوتی رہتی تھی اور اس کے یاد ہونے نہیں سکتی نہ برا نہیں سکتی تھی۔ بھلا یہ سب بیان کرنا ممکن ہے جو صرف محسوس ہو سکتا ہے۔ کسے سنا لے کر مجھے لگتا ہے؟ تنہائی میں آوازیں حوا قب کرتی ہیں اور اندھیرے میں سائے دوڑنے لگتے ہیں۔ وہ کیسے کہہ سکتی ہے کہ اس کے خوابیں مرنا ہونے لگے ہیں۔ وہ یعنی زارا عمر جو پہلے ہی تعلقات کے ایک مضبوط دائرے میں گھری ہوئی ہے۔ اسے ڈھیروں چاہنے والے اور ان کی امیدوں کا واحد مرکز زارا عمر جس کا اپنا کوئی مرکز نہیں اور اس کی تھکا جہاں بھی نہیں تھی کہ وہ اپنا مرکز جتنی پھرے تو پھر وہ کیا کر سکتی ہے؟ یہی سوالیہ نشان تھا جس نے اسے ہڈا کے آگے زبان کھولنے پر مجبور کیا تھا۔

”تھکا لیا یہ سہیل کے وہی سجدے چاہتے تھیں، جنہیں تم دو ہفتے پہلے ہی بھر کر صلواتیں بنا رہی تھیں۔“

ہاں اس نے تو غور ہی نہیں کیا تھا کہ ایک واحد

ملاقات میں اس نے اس شخص سے بہت برا سلوک کیا تھا۔ فون پر تم اس سے بات کیے کرتی ہو اور جن بھرتو ایکسٹنشن لگے ہوئے ہیں تمہارے گھر میں۔

”جو شش کرتی ہوں کہ بھانجی کے کمرے سے بات کروں اور جب ابو گھر میں نہ ہوں تو۔“
 ”نئی ایم سواری ڈارہا بھر مجھے کچھ پسند نہیں آ رہی تمہاری حرکت۔ اگر تمہارے گھر میں کسی کو ذرا ساشیہ بھی ہو گیا تو تمہیں پتا تو ہو گا کہ قیامت کسے کہتے ہیں۔ ابھی اس نے دل کی خوشگوار دھڑکتوں کو چھو کر محسوس بھی نہیں کیا تھا کہ خدشوں کی زنجیریں پاؤں پکڑنے لگیں۔ اسے نڈا کی چٹائی کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ وہی ایک رہنما ہوگی اگر کبھی وہ بھٹکنے لگی تو ان کا تعلق اتنا مضبوط تھا کہ وہ دامن جھٹک کر گزرتے کے بجائے اسے ہاتھ بڑھا کر دسل سے کھینچ لے اور یہ کیسا ستم تھا۔ وہ جانتے بوجھے کہ راستہ غلط ہے اس پر چل نکلی تھی۔

ہاں یہ حضرت انسان ہی تو ہے جو شعور بھی رکھتا ہے اور بھٹکتا بھی ہے پور انسانی زندگی کے کئی ہزار پلٹو ایسے بھی ہیں۔ جو بیان کے چامیں تو لطیفہ لگیں۔ اور محسوس کیے جائیں۔ تو تھوس حقیقت۔
 پہلے دو چار دن کے وقفے سے فون پر بات ہوتی تھی پھر ہر دو سرے روز ہونے لگی اور اب روزانہ ایک مخصوص وقت پر وہ گھڑی کی ٹک ٹک اپنے دل پر محسوس کرنے لگتی۔ اور ہر گھنٹی بچتی اور ادھر اس کا سرورڈ زبان گھر کے ہر فرد کے بارے میں کہاں ہے کیا کر رہا ہے کے اندازے لگانا شروع کر دیتا۔ دادی جان اپنے وظیفوں میں مشغول ہوتی ہیں۔ اسی جان سو گئی ہیں بھانجی جان کتاب یا رسالے میں بڑی طرح غرق ہیں۔ اور وہ خود اتنی بھادر ہو گئی ہے کہ چوری کر رہی ہے اور کسی کو کاٹوں کان خبر نہیں ہو رہی تو اطمینان کا سانس لیتی لیکن ہو جاتی۔
 ”میں اگر آج مونا بھانجی سے تمہارا ذکر کروں تو وہ

ہرگز انکار نہیں کریں گی مگر۔“ بیسیوں بار وہ اس ”مگر“ پر آکر اڑکا تھا اور وہ اس سے وضاحت نہ مانگ پائی تھی۔

”اس سے پوچھو بابا کہ اس ”مگر“ کے آگے کون سی دنیا ہے۔“ نڈا جھنجھلا کر کہہ رہی تھی۔ مگر پوچھ نہ پائی۔ آج اس نے یہاں تک کہا تھا کہ۔
 ”ایک ابھرنے سے میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا میں ذرا خود سلجھانے کی کوشش کر لوں۔“
 ”پھر اس سے کہو روز فون کر کر کے مرنہ کھانا کرے جب مسئلہ حل ہو جائے تو زھنگ سے بات کرے۔“ نصیحت یہ تھی کہ وہ نڈا کے کہے جیسے بے دھڑک اور منتقل نہ کر پائی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بڑا کا پاتوئی تھا اور حاضر جوابی میں یہ بھی اپنی کوئی مثال نہیں رکھتی تھی پھر فون پر باتیں کرنا تو اس کا ورثہ مشغلہ تھا۔ جب سلسلہ چلتا تو وقت گزرنے کا پتا بھی نہ چلتا۔ اور یہ بھی درست تھا کہ سعید خان نے بھی کوئی غیر شاکتہ بابے تکلی بات نہ کی تھی بے باک ضرور تھا مگر بے غیرت نہیں تھا۔

خاندان کا فروغ اس لیے اب خاندان کے نام کا ترمیم و روایت کا بڑا پاس تھا۔ مگر ذرا کے گھر کی ترمیم و روایت اچھی خاصی کڑی تھیں۔ وہ ابھی تک ضرور رہی تھی مگر نڈا کو اتنی بھی یقین تھا کہ جب وقت بڑا تو سنبھلے بھی گی ایسے کہ خود کو بھی نہیں دو سروں کو بھی سنبھال لے موند اسے گلے گلے ٹوک ضرور دیتی تھی مگر روک نہیں رہی تھی کہ اربوں انسانوں کی اس دنیا میں اپنی پسند کی شخصیت پر انکی رکھنے کا حق۔ بہرحال وہ بھی رکھتی تھی۔
 ڈاکٹر ہیشہ سے اس کی کمزوری رہے تھے اور سعد خان تو امریکہ سے ایف آر سی الیس کر کے آیا تھا۔ اور بھری دنیا میں نڈا شاید واحد ہستی تھی جس کے سامنے اس نے اظہار کیا تھا۔ اس دن جب کلج کے زمانے میں فری بیڈ میں وہ دونوں خواتین کے ایک رسالے میں کسی خاتون ڈیکارہ کے انٹرویو کی ٹانگ ٹوڑ رہی تھیں۔

”کچھ دیکھو۔ کتنا مزے کا مونا ہے۔ اب کسے عروس شادی کرنا پسند کریں گی۔“ جو اب ہے۔“ ڈاکٹر سے۔
 ”نڈا کی بات کاٹ کر اس نے کھٹ سے کہا تھا۔ اس نے دیر تک اس کے مسکراتے مگر سنجیدہ چہرہ کو دیکھا تھا اور پھر کہا تھا۔

”چلو میں آج رات بارہ بج کر تین منٹ پر چلے گاؤں گی کہ ایک عدد ڈاکٹر میری پیاری سہیلی کے نصیب میں لکھ دیا جائے۔“ اب یوں تھا کہ ایک عدد ڈاکٹر اس کی سہیلی کی راہ میں تو آیا تھا نصیب میں تھا کہ نہیں اس کے لیے وہ اب بھی صرف دعا ہی کر سکتی تھی۔
 اصل میں کبھی کبھی ہوتا یوں ہے کہ گھر کے اندھیرے میں نہیں کوئی بچھو نظر آجائے تو بہتر اسے پکڑنے کے لیے دو ڈیڑھ ماہے اور اگر ہاتھ آجائے تو پھر خوف سے رونے لگتا ہے۔ اور وہ بھی ابھی دوڑ رہی تھی۔ فطرت انسان کو۔ کبھی بھادر بناتی ہے اور کبھی کبھی بڑبڑ بھی۔

دستور ہم یوں بولتی ہوں بہت اچھی لگتی ہو۔ بہت خوش میں اسے عرفی کی سالگرہ کا قصہ سنا تے ہوئے وہ ٹیپ ہو گئی۔
 ”اچھا۔ اب جارہی ہوں۔ امی بلا رہی ہیں۔“
 عرفیہ کا سلسلہ زیادہ چلے وہ سن نہ پائے گی۔
 ”ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ امی سو رہی ہیں۔“
 سعد خان اس موڈ میں تھوڑی دیر اور کھویا رہنا چاہتا تھا۔
 ”مگر اس سلسلے سے ہیشہ کتنا جانی تھی۔“
 ”مگر ڈاکٹر تو اپنی تعریف پر ساتویں آسمان پر پہنچ جایا کرتی ہیں۔“
 ”میں بھی لڑکی ہوں اور میں بھی ساتویں آسمان تک ہی پہنچ جایا کرتی ہوں۔ مگر کیا کریں مجھے نظر میں لینی کرنے کی بھی عادت ہے اور آسمان کے نیچے زمین ہی ہوتی ہے نا۔“
 ”نظر میں نیچی رکھنے کی عادت ہے تو مجھے کیسے دیکھ

”خسان ماٹیں کہ رک کر دیکھ لیا۔“
 مزاج کے بندے تھے نہیں۔“
 ”مان لیتے ہیں۔ مگر اس قدر بھی نہ منوائے گا کہ چھ ٹٹ کا سعد خان پھر کبھی سہراٹھا کر بھی بند دیکھ پائے۔“
 ”آپ کو ضرورت بھی کیا ہے سہراٹھانے کی۔“
 ”آپ کو دیکھنے کے لیے تو اٹھنا پڑے گا۔“
 مونا باجی کی منہ کی منگنی تھی اسے جانے کا شوق ہو رہا تھا مگر اس نے شوق کا اظہار تو کیا نہیں کیا۔ کہ وہ منگنی شادی کی دعوتوں میں جانے کے نام سے ہمیشہ چڑا کرتی تھی۔ سو آج بھی اسے چڑنا اور ٹھکے کرنا لازمی تھا۔ پہلے وہ فخر نہیں کرتی تھی اسے حقیقتاً دعوتوں وغیرہ میں جانے کے نام سے وحشت ہوا کرتی تھی مگر تو وہ آج دکھا رہی تھی اور کچھ زیادہ ہی دکھائی۔ مگر سچے تو اسے پتا تھا۔ پہلے وہ اس نتیجے پر جلا کڑھا کرتی تھی آج اطمینان سے اس نے سفید مڑتوں کے کام واک فیروزہ کرنا شلوار پہنا۔ فیروزے کی پابلیں کانٹوں میں ڈال کر اور ٹٹو کا بڑا سا دوپٹہ کندھوں پر پھیلا کر اس نے ایک نظر آئینے میں جھانکا۔ یہ ملے ہے کہ بندے کا شوق کبھی نہ کبھی ٹالوان ضرور ہوتا ہے۔
 ”آج تو بڑا اچھا جو ڈاکٹر کر پتا ہے۔ شکریہ ہے تمہیں بھی کچھ عقل آئی۔ اب اس کا واسن تھا ہے رکھنا چھوڑنا۔“ وہ خود کیا تجزیہ کرتی دادی جان کا کہنا بہت تھا۔ اس نے پھر آئینے میں نہیں جھانکا۔
 ”سہیل! تم اب مجھے کم از کم گھر پہنچا دو۔ دادی جی بالکل اکیلی ہیں۔ وہ سو گئی تھی۔ اور مجھے اب پریشانی ہو رہی ہے۔“ سب کا خیال وہ ہمیشہ اسی طرح کیا کرتی تھی اس لیے کھانسنے کے بعد سے ہی اس نے سہیل کا سر کھانا سروں کر دیا تھا۔
 ”ٹھیک ہے خالہ! اس ابھی چلتے ہیں۔“ چاٹھیں اس نے گھر کس کو پکڑ لیا اور گاڑی کی چابی کس سے لی۔ وہ جب پلٹ کر آیا تو وہ جب چوہاں اس کے پیچھے چل رہی۔ ابھی وہ گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ پیچھے سے پھر کسی نے اسے بلایا۔

”پتھر خالی ایک مشابہ“ اس نے سر پوٹ کی پشت سے لگا لیا۔ اس کا ایک منٹ کئی منٹوں کو ضرب دے کر مٹا تھا۔ لیکن ہوا میں اگلے ہی منٹ گاڑی کا دروازہ کھلا اور پتھر اچھڑا۔ اسٹارٹ ہو گیا۔

”تیب“ میرا مطلب ہے سہیل کہاں ہے؟“ گاڑی سڑک پر ڈالتے اور تیزی سے اسٹیئرنگ گھماتے۔

”اسے مونا بھاگی نے روک لیا ہے بہت کام ہیں۔“ آرام سے گاڑی پارکنگ سے نکلی گاڑی کے گیس کے پائرنے لگا۔

”کالم آپ بھی تو کر سکتے تھے مجھے چھوڑنے کے لیے اسے ہی جانا چاہیے تھا اگر نہیں تو پتھر کچھ دیر اور رک جاتی۔“

”لو گاڑی کا مطلب ہے تمہارا۔ اس نے مجھے خود چالنی دی ہے گاڑی کی۔“

”وہ تو بے وقوف ہے۔ کیا آپ بھی۔“

”ہاں میں بھی سب سے وقوف ہوں بلکہ پاگل ہوں اگر کوئی اعتراض ہوتا بھی بتا دو۔“

”آپ سمجھ نہیں رہے سچا کسی کو پانگ گیا تو آپ جانتے تو ہوں گے قیامت کسے کہتے ہیں۔“

”آج پوٹلی پارکس نے تیرا کی کئی کوئی بات اس کے سامنے دہرائی تھی کیونکہ قیامت کسے کہتے ہیں کہ تشریح کس پر خود آج ہی سوار ہو رہی تھی۔ اکثر خوف آوی کے اندر ہی آتے ہیں اور اسے وہشت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے اپنے اندر چور بیٹھا ہے۔ جب ہی تو ڈر رہی تھی ورنہ کم از کم موٹائی تو جانتی ہی ہوں گی کہ سہیل نہیں تو کون اسے چھوڑنے گیا ہے اور رات کے اندھیرے میں خاموش سڑک پر دوڑتی گاڑی میں جس شخص کے برابر بیٹھی وہ ظاہر میں تنگ اور اندر سے خشک ہو رہی تھی وہ ایسا بے اعتبار بھی نہیں تھا۔

”پارا! بھی تو آوی کو اپنی سمجھ کو چھٹی دے دینی چاہیے۔“

”تیلیز آپ سیدھے راستے سے چلیں۔“ اس نے

دیکھا وہ خواجوا میں راستہ لہا کر رہا ہے۔

”تو کچھ بان دیتا ہوں کہ میں نے سہیل سے خود چال مانگی ہے اور سبے ظلم ہو رہا ہے سوا کسی کو خبر نہیں اور میں تمہیں آرام سے گھر کے گیس کے باہر چھوڑ دوں گا۔ وادی جان کو کیا پائے گا کہ تم کس کے ساتھ نکلی ہو۔“

”میں اس طرح کی چوریوں کی قطعاً“ قائل نہیں سید خان۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

”میں بھی اس کا قائل نہیں مگر تم سوچو تم میرے ہاتھ کس طرح آسکتی تھیں۔ مجھے تم سے کچھ پائش کرنی ہے۔“ وہ چپ چاپ اندھیری سڑک کو دیکھتی رہی۔

”پارا اس طرح منہ بنا کر بیٹھی رہیں تو میں تم سے کیا بات کر سکوں گا بھلا۔ اور سوچو یہ سفر تو کتنا خوفناک ہے ابھی ختم ہو جائے گا۔“ وہ اب بھی کچھ بولی نہیں ہاں بلکہ ہی گریبان موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

”خیر رہے دو گز میں نے تمہارے تیوروں کی پروا کرنے تو وہ بات جس کو کہنے کے لیے میں نے یہ سب سب سوزا مول لیا ہے وہ جانے کی بات تو فون میں ہو جاتی ہے۔ سامنے بیٹھ کر شاید بات کی حقیقت بھی سمجھ میں آجائے۔“

”ایسی کیا بات ہے جس کے لیے اتنی تمہید اور ایسی صورت حال بنائی پڑ گئی۔“

”اس دن میں سہیل سے کم جنوری کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ تم نے سنا تھا؟“ اس نے موڑ موڑتے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

”حیران تھی مگر اس کے چہرے پر جیسے ثابت تھا۔ اور تم نے ہرگز نہیں کیا تھا۔“

”خدا ہو گی اس قصور ہی بات کی ہی وضاحت کرنی تھی کیا۔“ اس نے قدرے برہمی سے لٹی میں سر ہلاتے سوچا۔

”اور میں کہوں کہ تمہیں کر لو پتھر بھی نہیں کہو گی۔“

”اس جگہ لطفیہ پر تین کر لوں گی یہی بات اتنی سچی ہے۔“ آپ کو۔“ وہ مکمل خشکی سے بولی۔

”بھی کبھی ان پکانہ لطفوں میں بھی کچھ حقیقت ہوتی ہے زارا! اور جن لوگوں کی زندگی میں ان کی حقیقت ہوتی ہے ان کی شخصیت میں نہیں نہ کہیں جھول رہا ہے۔“

میں امریکی یونیورسٹی سے ڈگری یافتہ نوجوان یقین کرو کہ بچپن میں ایک چڑیا کے عشق میں مبتلا ہوا تھا اور اس طرح ہوا تھا کہ اس کے مرے کا ہون مجھے آج تک نہیں بھولا۔ اس دن میں اتنا رویا اور پھر اتنا بیمار ہوا کہ دنوں بستر سے نہیں اٹھ سکا اور کچھ بھی جب کیم جنوری کا سورج طلوع ہوا ہے تو میں ”جل تو جلال تو“ کا رو کرنا شروع کر دیتا ہوں سارا دن مجھ پر ایک اچھانا سا خوف سوار رہتا ہے کہ آج کچھ نہ کچھ ہو گا ضرور اور کئی بار یہ خوف درست ثابت ہوا ہے۔ کئی بار یہ وہ بھی شفاف سڑک پر بہت آہستگی سے ڈرا یور کر رہا تھا۔

”تمہیں پتا ہے میرے پاپا کا لیکس میڈنٹ اسی دن ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کی ایک ہانگ کٹ گئی تھی۔ پتھر چھوٹا بھائی فید اسی دن فوت ہوا تھا میری بہن ابھی دوست اور گزرا۔ جس کے میرے ساتھ ایم بی بی لیس کیا ہے ڈاکٹر رشنا۔ کو طلاق بھی اسی دن ہوئی۔ پچھلے سال اسی دن ہمارے گھر میں چوری ہوئی تھی اور اس سال بھی میری ہی شیرازہ تمہارے گھر سے واپسی پر چوری ہوئی تھی۔“

زارا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اتنا بظاہر آشوب شخص اتنا احمق بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ سچ ہی ہے ہر انسان پر بھلا لکھا ہو کہ ان بڑھ چال اس کی زندگی کا کوئی بھی کوئی احتمالہ پہلو ہو گا ضرور ہے۔ ہو یا یہ ہے کہ کبھی یہ پہلو بندے کی قدرتی کمزوری کے سبب عیاں ہو جائے اور کبھی کوئی اپنی اندرونی طاقت سے اس پر غالب آجاتا ہے۔

”آپ کے خیال میں اگر کیم جنوری کا سورج طلوع ہو کر ہے تو آپ کی زندگی میں جتنے نقصان ہوئے ہیں وہ ہوتے ہوتے۔“

”یہ اور ایسی بیسیوں باتیں ہیں ایک زمانے سے

سنا آ رہا ہوں لیکن محض دلیلیں بھی کسی وہم کا علاج نہیں ہو کر تھیں۔“

نیپا چور تھی سے واپس موڑا اسوں نے مڑنا تھا لیکن اس نے دیکھا کہ اس نے بہت دیر کے بعد بالکل موڑ پر پہنچ کر ایڈی کبڑا ہوا تھا جیسے وہ تکٹ چلنے رہنے کے ارادے کو اچانک مٹوی کر دیا ہو۔ اس نے سر جھانک کر دیکھا اس کا ساتھی لیا۔ (راستہ لہا کرنے کے چکر میں ہی ایسا نہ ہو کہ پیچھے آنے والے اس سے پہلے گھر پہنچ جائیں۔)

”تو پتھر آپ کے خیال میں اس کا کوئی علاج ہے تو ڈھنگ سے کریں۔“ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔“

”وہ ہم کا علاج کون کر سکتا ہے بھلا۔“

”کوئی بھی ماہر نفسیات یا پتھر۔“ گاڑی سٹیڈ لو سے گیس کے آگے ہی پہنچ گئی تھی۔ گھر کے سامنے پہنچ کر وہ بات پوری کرنا بھول گئی۔ اس نے ظاہر ہرگز نہیں کیا تھا۔ لیکن پورا راستہ وہ خوف زدہ رہی تھی کوئی دیکھ نہ سائے۔“ کے آسیب میں جگری رہی تھی سو وہ فوراً دروازہ کھول کر دوڑ جانا چاہتی تھی۔

”پتا پتھر! اس نے پیچھے سے بہت مشہور آواز میں اسے پکارا۔ یہ طے تھا کہ اس کا اچھڑا ہوا یہاں مشہور اور پریشان ہوا کرتا تھا کہ انکا بندہ ہوں ہاں کو کے ٹیٹے کا ہماز نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ بھی زارا عمر تھی گا کہ ابھی ہوئی ہو اعصاب اس کے بھی اتنی آسانی سے اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے۔

”پتا پتھر کوئی محبت کرنے والا۔“ اس کا چوڑا لہجہ بھی اتنا ہی پراعتقاد تھا اگلے لمحے وہ گاڑی سے نکل کر گھر کی طرف بڑھ گئی۔

”رات تم سجد کے ساتھ اپنی گھر چلی گئیں۔ وہ رشتہ دار ضرور ہے اور سے بھی اچھا لڑکا مگر تمہیں پتا ہے امی ایسی باتوں پر بہت تھا ہوا کرتی ہیں۔“

”مونا بائی! میں نے تو سہیل سے کہا تھا کہ چھوڑ دو۔ اور آ رہا ہوں آ رہا ہوں کرتے کرتے اس نے اپنے پیچا کو پہنچا دیا تو میرا کیا تصور۔“ یوں تھا کہ نہ اس نے کوئی ڈیٹ ماری تھی نہ کوئی غلط حرکت کی تھی۔ مگر جانے کیا تھا کہ اندر کی بیٹی نہیں جا رہی تھی عساری

راست تو فوج چاہئے کس عسکریت سے پختی رہی گھڑی بھر کو نہ سو سکی۔ اور ایسے میں اگر کوئی ٹوک دے تو شرمندگی چہنیں بدل جاتی ہے۔

”میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے۔ سہیل تو مجھ سے مگر تم کو تو متحس ہونی چاہیے نا۔ اچھا خیر اب کوشش کرنا کہ اسی اور داوی جان کو ہوانہ لگے ورنہ تمہیں تو خبر سے وہ قیامت سے کم کوئی معاملہ نہیں کریں گی۔“ حد ہو گئی جس کو دیکھو قیامت کو یاد کرو رہا ہے آخر ایسی کیا بات کہتی ہے میں نے۔ سارا دن وہ جھنجھرائی رہی۔ فون کی بجٹی ٹھنکی پر بھی کان بند کر لے۔ رات اٹھ بجے تک یہ میوزک دہنے دہنے وقت سے بچتا رہا اور بھانجی مسلسل شکوہ کرتی رہیں۔ کہ ”فون کرنے والے کو میری آواز قطعاً پسند نہیں آ رہی۔ بے چارا ہر بار میرے ”سہیلو“ کے جواب میں مایوس ہو کر فون رکھ دیتا ہے۔“ وہ بغیر کوئی دلچسپی لے لے ان کے لٹھے یا شکر کو ان سنی کرتی رہیں۔ ویسے بھی فون کے معاملے میں ہر شکایت اسی سے منسوب کی جاتی تھی ”پیارے“ کہہ کر وہ اس گناہ فون کی صنف بھی جتا چکی تھیں۔

”سنو زارا! میں نے آج تک اپنے اس وہم کو کسی کے ساتھ شیئر نہیں کیا سوائے رشنا کے میرے گھر والے بھی اس قصے کو یاد ضرور کرتے ہیں۔ لیکن صرف ایک مذاق کے طور پر۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہر نئے سال کا پہلا دن میں کس اذیت میں گزارا کرتا ہوں۔ کیا تم جانتے کے بعد سمجھ سکتی ہو زارا اس اذیت کو جس میں میں مبتلا ہوں۔ یہ جان کر کہ تم کیم جنوری کو پیدا ہوئی تھیں۔“

بجی آپ یقین اور بے یقینی کے درمیانے پر اس طرح کھڑے ہو سکتے ہیں؟ وہ سوچ رہی تھی کیا واقعی اتنی فضول سی بات کسی کی زندگی پر اس طرح محیط ہو سکتی ہے اور جب اسے کوئی سزا نہ ملتا تو اس نے ثناء کو یاد کیا۔ کچھ لوگ اتنی طاقت رکھتے ہیں جو ہمیں وقت کے کسی ایسے لمحے میں جس میں ہم پھنس کر رہ گئے ہوں۔ اس سے نکال سکتے ہیں اور اس کا نمبر

ڈال کر دیتے ہوئے اچانک اسے یاد آیا کہ وہ ایک ہفتے کے لیے لائبریری گئی ہوئی ہے اپنے ناموں کی نشانی پر۔ ابو خدا۔ ابھی کل صبح ہی تو اس نے فون کر کے خدا حافظہ کہا تھا اور وہ جو ہیں گنتوں میں اتنی اہم بات بھول گئی۔ اور۔۔۔ صبح سے لے کر اب تک وہ کتنی معمولی باتیں بھول رہی تھی زارا کی امان کے لیے وہ یہ ہیں جتنی ڈانٹا یاد نہ رہی۔ اور ابی جان کو اس نے میٹھی چائے پلائی۔ وہ تو عرصہ ہوا جتنی ملی چائے کا ذائقہ ہی بھول گئی تھیں۔ جب ہی تو بولی تھیں۔

”سہیل! یہ آج چائے اتنی عجیب سی کیوں لگ رہی ہے۔“ وہ ابی نہیں تو بھول ہی گئی۔ ”بھئی چائے کا لگ چوں میں ہی پزارا گیا تھا۔ اور تو اور وہ سر کو تو اس نے نہ دیکھا۔“

”میں نے ابھی تو بھول ہی گئی۔“ بھئی چائے کا لگ چوں میں ہی پزارا گیا تھا۔ اور تو اور وہ سر کو تو اس نے نہ دیکھا۔“

”میں نے ابھی تو بھول ہی گئی۔“ بھئی چائے کا لگ چوں میں ہی پزارا گیا تھا۔ اور تو اور وہ سر کو تو اس نے نہ دیکھا۔“

”میں نے ابھی تو بھول ہی گئی۔“ بھئی چائے کا لگ چوں میں ہی پزارا گیا تھا۔ اور تو اور وہ سر کو تو اس نے نہ دیکھا۔“

کی تھنکی نہیں تھی۔ تیسرے دن اس نے مکمل حاضر رہی کا ثبوت دیا۔ کبھی کبھی جو ہیں گنتوں کا ایک دن بھی گنتیں امتحان لگتا ہے۔ گناہی ہوتا ہے۔ روز مزے کے کام انہیں ایسے کام جس کا جسم اس قدر عادی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی دن کی بدایت کے بغیر ہی قدم اٹھ پڑتے ہیں۔ ہاتھ ملنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہرگز سچ نہیں۔ جو دن حکم نہ دے تو کوئی قدم چھوڑا آٹھ بھی نہ اٹھا سکتے ہاتھ چھوڑا انگلی بھی نہ ہٹا سکتے۔ اس لیے ہر معمولی اور ہر بڑے کام کے لیے حاضر رہی شرم سے۔ اور زارا عمر بھر حال اتنی اوزان نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے کسی بھی ایسی راہ پر خود کو چھوڑ آئے۔

”سنو میں اگر مر جاؤں تو تمہیں اندازاً کتنے دنوں تک خیر نہ ہو۔“ تم سے کم میرے سو کم کا زور اور فاتحہ تو میں کر رہی دوں۔“ اسے حیرت ضرور ہو کر ملی تھی کہ سعد خان اس سے کبھی شکوہ نہیں کرتا تھا۔ آج کر رہی ڈال۔ اور یہ شکوہ اس کے لیے ہرگز نیا نہیں تھا۔ اس سے صحت کرنے والے تمام لوگوں کی شاندار مشق کہ سوچ تھی کہ وہ اتنی ہی سنگ دہن اور نظیر ہے کہ کسی کام پر جینا اس کے لیے کوئی اہم بات نہ تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے آج تک ”نائے اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“ کہہ کر منہ پر ہاتھ نہیں رکھا تھا۔ وہ جب چاہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا کرتی تھی مگر اس کی کسی کو کیا خبر۔

”راز کی بات ہے مگر آپ کو بتانے والی ہوں کہ زورہ میری پسندیدہ ترین سوٹ ڈانس ہے۔“

”یار بولو یہ تو جب میرا دل چاہتا ہے۔ میں تم سے بات کر لیتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی بات کرنے کا دل کر رہا ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ سلسلہ دوسری طرف سے چلے۔“

”سعد! آپ کو بتا ہے۔ میں اتنی آسانی سے آپ کو فون نہیں کر سکتی۔“

”کبھی کبھی کسی کے لیے مشکل میں بھی پڑ جانا چاہیے۔“

”میں نے ابھی مشکل میں ہوں۔ مزید مشکلات میں پڑنے کا کیسے سوچ سکتا ہے۔“

”کچھ مشکلات کو برتنے میں مرنا پڑتا ہے۔“

”مزے کی تاخیر بہت جلد خود بخود منٹ جاتی ہے۔ اور مشکلات کی تھنکی کو خود ہی انگلیوں کی پوروں سے کھینچ کر منٹا پڑتا ہے۔ اس کا لہجہ مایوس ہوتے ہوتے اب سچ ہو چلا تھا۔“

”کیا بات ہے آج بہت تلخ ہو رہی ہو؟ تمہیں کوئی کڑو برہ ہو گئی ہے کیا؟“

”جو کڑوہ کا پانی ہو وہ خود آپ سے پوچھے کہ کیا ہوا ہے؟ تو ہر اذیت کی جس حد سے پٹھا پڑتا ہے۔ اس سے کبھی پٹت کر دیکھیے۔ زندگی کا ایک جتنا ہوا پسند نظر میں آئے گا۔“

سعد خان نے ایک بار بھی جاننے کی کوشش یا خواہش نہیں کی تھی۔ کہ اس دن کی ملاقات یا پھر اس کی باتوں نے اس پر کیا اثر کیا تھا۔ وہ تو خود جیسے اپنی انجمن کا جو اس کے کان بھول پر ڈال کر ہانکا ہو گیا تھا۔ اور وہ حقیقت میں تو وہ اب تک بیچ راہ میں کھڑی بیچھے چھوڑ کر آئے والے اور آگے کو جانے والے راستوں کی طوالت کو بتانے میں لگی پڑی تھی یوں ہوتا ہی ہے جب بندہ آٹھ بند کر کے کسی راستے پر چل پڑے اور پھر اچانک کسی ٹھوک سے آٹھ کھل جائے تو گھب اندھیرا اور سب سے نظر میں آجاتا ہے۔ لہذا تو بادلانی میں ہو جاتی ہے جب کوئی خوشبودار من میں بس ہو تو ایسے ہی بندہ تھوڑی دیر کو آنکھیں موند کر دہوش ہو جاتا ہے لیکن امتحان اس کی ہوش ایک مسلسل اذیت کی ابتدا ہوتی ہے ٹھیک ہے جب امتحان سے تو اس سے دور کیا جاتا تھا۔ ایک دو تین دن سے مشکل لگا لیکن اب وہ مسلسل جتنی فون کی کھنٹیوں کو سکون سے نظر انداز کر سکتی تھی۔ یہ راستہ ہی ایسا ہے جو اس کو پھولے اسے شدید بھٹکا لگتا ہے اور پھر ایک برقی لمر تمام عمر جسم میں سرسبزاتی ہی رہتی ہے۔ یہ تو نہیں ہے کبھی لوگوں کو چھو کر لگتا ہے کہ ان پر ایک کبھی سی طاری ہٹ ہاں مگر ساری انگلیاں ایسی منبجیا نہیں

ہوتی ہیں جن میں عورت مرد کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی۔ وہ ہم بھی ایک ایسا ہی ہے۔ اور ہم وہ واحد شخصیت ہو جس کے حصول کے لیے وہ اپنی اس شخصیت سے لڑ رہا ہے۔ مگر ابھی پختہ ہوا ہے۔ لہذا اس سے باہر ہونا ایک بات یا تو بہت عورت سے سن رہی تھی۔ یہ بالکل نہیں سن رہی تھی۔ تم اس کے چہرے کے شہزادے کی طرح دیکھ کر اسے بولتے ہوئے رکھتا ہوں۔

”تم نے اس سے ذکر کیا تھا کہ اس صاحب کے بیٹے کا نام سعد خان نے تمہیں فون نہیں کیا بلکہ تم نے اسے۔“ ابھی پچھلے فون پر اس کی کچھ باتیں سنیں آ رہی تھیں۔ مگر اب جو کچھ آ رہا تھا۔ مگر اب جو کچھ آ رہا تھا۔ بہت باتیں سنیں تھیں۔

”ہاں۔ میں نے اسے فون کیا تھا مگر۔“

”مدا! میں تمہیں اس بات کے لیے کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے میرا دل توڑا ہے۔“ وہ بیگ کا دھبے پر ڈال کر ایک کنگے سے اٹھ کر باہر دو تین تین قدم ایک ساتھ بھاگتے گئے۔

”زارا! سنو تو۔“ وہ پیچھے سے آوازیں دینے لگی تھی مگر چانتی تھی کہ اگر زارا نے ملنا چاہے تو قسمت کا شور بھی اٹھے تو اس کے کان پر جوں نہ رہے گی۔ اس کے پیچھے دوڑنا بھی بے سود تھا۔ وہ سامنے سے گزرتی ہیں گو ہاتھ دے کر اس میں سوار ہو گئی تھی۔

”یہ مرد ہو کر زارا سی ابھی سے نہیں ہو سکتا تو میں کیوں اس کی خاطر اپنی زندگی میں مزید الجھتی ہوں؟“

عظمتی باجی کے پیڑوں میں رہنے والے کریم صاحب بہت دنوں سے اپنے صاحبزادے کے لیے عظمتی باجی اور شگفتگی بھالی سے کہہ رہے تھے اور اب باقاعدہ پروپوزل بھیجا تھا۔ وہ سن رہی تھی دیکھ رہی تھی اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے بھی سمجھ رہی تھی لیکن اسے پتا تھا۔ وہ کچھ کرے گی نہیں۔ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی کیسے میں منہ دے کر وہ اسے نہیں آتا تھا اور اپنی مشکل کسی اور کو سمجھانا اس کا شیوہ نہیں تھا کسی کسی پر تو آدمی کو مان ہوتا ہے کہ وہ اس کی مشکل سمجھے گا۔ اگر وہی نہ سمجھے تو پالی والو کہ مٹی رو میں کھڑی

رہی ویسے ہی۔

”زارا! حال پلین اپنی کو منائیں۔ مجھے ٹانگہ کی شادی میں ایک دن اس کے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔“ روزی کا حلقہ احباب وسیع تھا اور آنے والے کے معاملے میں اجازت دینے کے لیے بڑی آپا کا نظریہ تھا۔ وہ فون پر بڑی آپا کو من رہی تھی اور اندر کمرے سے عظمتی باجی کی آواز اس کے کانوں میں ہا آسانی پر آ رہی تھی۔

”میرا جان زارا سے پوچھ کر کیا کرنا ہے۔ آپ اپنی مرضی بتائیں اس کی بھلا کیا کرنا ہے ہوگی۔ وہ سہرا حال سے چھوٹی ہے۔ ہماری ہی بات سنے گی۔“

”میں کہہ رہی ہوں ناں آپا! آپ میری بہت تو کبھی نہیں تالیں۔ جانے دیں اسے ٹانگہ بہت اچھی لڑکی ہے اور اس کے گھر والے بھی بڑے ڈینٹ لوگ ہیں۔ میں مل چکی ہوں ان سے پیشانی پر آنے والوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

”زارا! تمہاری اپنی۔“ اس نے فون پر اس کی آواز سن کر زارا عمر کی رائے مقدم بھی کر وہ کسی کو اچھا کہہ رہی تھی تو وہ بلا مبالغہ اچھا ہو گا۔ بڑی آپا نے اجازت دے دی۔ اور اس کی بھی زارے کو اس کے سارے چاہنے والوں کے لیے بڑی محترم و مقدم تھی۔ اس کی اپنی زندگی کے اہم ترین موڑ پر اس کا دل بھی تھم رہی کہ کوئی رگ کر اس پر ایک نگاہ انداز ہی ڈال لے اس نے بھی محسوس کرنا چھوڑ دیا۔

”چند اہم کسی سے کچھ کہہ کر تو ویں کھو۔ سارا آپی سے تو۔ تمہاری بڑی اینڈ اسٹیڈنٹک ہے۔“

”جس معاملے میں مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہ جائے میں اس میں بے کار میں ٹانگہ کیوں آتا ہوں۔“

وہ آج بہت دنوں بعد خدا کے اصرار پر لکھنؤ پر آئی تھی۔ گریجویٹیشن تک وہ دونوں اکثر یہاں پڑھنے کے لیے آ کر رہی تھیں۔

”چاہے وہ تمہاری زندگی کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔“

اس معاملے میں تم صرف ٹانگہ نہیں پوری کی پوری آ کر سکتی ہو۔“ لکھنؤ کی شہریتوں پر کوئی دو مہینے مہینے کرنا نہیں رکھے تھے۔ لکھنؤ کو اس نے پورا گھوم کر سہرا سے پھر تک دیکھا۔

”آئی ڈونٹ پلیٹ۔ یہ تم کہہ رہی ہو نہ۔ اس کا حلقہ احباب وسیع تھا اور آنے والے کے معاملے میں اجازت دینے کے لیے بڑی آپا کا نظریہ تھا۔ وہ فون پر بڑی آپا کو من رہی تھی اور اندر کمرے سے عظمتی باجی کی آواز اس کے کانوں میں ہا آسانی پر آ رہی تھی۔

”تمہارے خیال میں تم ہوش میں آئی ہو اور میرا خیال ہے کہ یہ جو تھوڑے بہت تمہارے خواہش تمہارے ساتھ ہیں ناں وہ بھی چند دنوں میں تمہارا ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔ بھلا بتاؤ تمہیں یہ کبھی خبر نہیں کہ وہ دن ہونے سے سعد خان کا پروپوزل تمہارے گھر پہنچ چکا ہے۔“

”ہاں۔ کب؟ کیسے؟ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔“ وہ تو اس طرف سے اس کا ہر دیا بھگا کر لعل لہر لہرے میں تھی۔ اور خدا کہہ رہی کہ چراغ نے خود چل کر اس کے در پر دست کی ہے۔ وہ واقعی ہوش میں نہیں تھی۔

”تمہیں پتا کرنے کو شش کرو تو کوئی تمہیں بتائے بھی۔“ جبکہ وہ تمہیں بتانے کی کوشش میں بلا نامہ ٹیٹا خان کے ڈاکل پر اپنی انگلیاں گھس رہا ہے اسے تم نے مشتافی چھوڑ دیا ہے۔“ اسے الگ رہا تھا کہ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا مگر سہرا حال کچھ بھی سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اسے سامنے ہی کر سکتی تھی۔

”ویسے پاتے ویں ویں تم سعد خان کے معاملے میں sincere (خلص) کیسے ہوئی ہو۔“ سہرا بات تو یہی تھی جو اس کی عقل میں نہیں آ رہی تھی۔

”زارا! عمر! تم جس معاملے میں ہوش و حواس سے جاؤ میں اس میں خلص کیسے نہ ہوں ویسے سعد خان نے مجھے فون کیا تھا اور رشتہ جو اس کی گزرتی اور واقعی اچھی دوست بھی ہے اس سے کبھی میری اچھی خاصی بات ہو چکی ہے اور بقول اس کے کچھ نہیں ایسی

ہوتی ہیں جن میں عورت مرد کی کوئی خصوصیت نہیں ہوتی۔ وہ ہم بھی ایک ایسا ہی ہے۔ اور ہم وہ واحد شخصیت ہو جس کے حصول کے لیے وہ اپنی اس شخصیت سے لڑ رہا ہے۔ مگر ابھی پختہ ہوا ہے۔ لہذا اس سے باہر ہونا ایک بات یا تو بہت عورت سے سن رہی تھی۔ یہ بالکل نہیں سن رہی تھی۔ تم اس کے چہرے کے شہزادے کی طرح دیکھ کر اسے بولتے ہوئے رکھتا ہوں۔

”تم نے اس سے ذکر کیا تھا کہ اس صاحب کے بیٹے کا نام سعد خان نے تمہیں فون نہیں کیا بلکہ تم نے اسے۔“ ابھی پچھلے فون پر اس کی کچھ باتیں سنیں آ رہی تھیں۔ مگر اب جو کچھ آ رہا تھا۔ بہت باتیں سنیں تھیں۔

”ہاں۔ میں نے اسے فون کیا تھا مگر۔“

”مدا! میں تمہیں اس بات کے لیے کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔ تم نے میرا دل توڑا ہے۔“ وہ بیگ کا دھبے پر ڈال کر ایک کنگے سے اٹھ کر باہر دو تین تین قدم ایک ساتھ بھاگتے گئے۔

”زارا! سنو تو۔“ وہ پیچھے سے آوازیں دینے لگی تھی مگر چانتی تھی کہ اگر زارا نے ملنا چاہے تو قسمت کا شور بھی اٹھے تو اس کے کان پر جوں نہ رہے گی۔ اس کے پیچھے دوڑنا بھی بے سود تھا۔ وہ سامنے سے گزرتی ہیں گو ہاتھ دے کر اس میں سوار ہو گئی تھی۔

”یہ مرد ہو کر زارا سی ابھی سے نہیں ہو سکتا تو میں کیوں اس کی خاطر اپنی زندگی میں مزید الجھتی ہوں؟“

عظمتی باجی کے پیڑوں میں رہنے والے کریم صاحب بہت دنوں سے اپنے صاحبزادے کے لیے عظمتی باجی اور شگفتگی بھالی سے کہہ رہے تھے اور اب باقاعدہ پروپوزل بھیجا تھا۔ وہ سن رہی تھی دیکھ رہی تھی اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے بھی سمجھ رہی تھی لیکن اسے پتا تھا۔ وہ کچھ کرے گی نہیں۔ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی کیسے میں منہ دے کر وہ اسے نہیں آتا تھا اور اپنی مشکل کسی اور کو سمجھانا اس کا شیوہ نہیں تھا کسی کسی پر تو آدمی کو مان ہوتا ہے کہ وہ اس کی مشکل سمجھے گا۔ اگر وہی نہ سمجھے تو پالی والو کہ مٹی رو میں کھڑی

”خیر انکار، اقرار کا فیصلہ تو ابھی ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ سعد خان بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ اسے آسانی سے نظر انداز کیا جاسکے۔ ابوتی آپ تل تو پکے ہیں اس سے۔“

وقار بھائی کا لہجہ ہمیشہ پارعب ہوا کرتا تھا، بات کرتے تو گستاخانہ دے رہے ہیں، لیکن وہ فیصلے اتنی آسانی سے نہیں دیا کرتے تھے۔ اہلست لوگوں سے ان کا فیصلہ اگوانے میں اچھے خاصے باہر تھے۔ وہ گھنٹہ بھر مشغلتی یہ بحث سنتی رہی مگر نتیجہ کیا ہوا کوئی ہر اس تک ہاتھ نہ لگا۔ بحث وہیں ٹھہری۔ جہاں سے چلی گئی اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ جتنا چلے گی اتنی جتنی جائے گی۔ اور سزا ان مباحث کا بھی نہیں مل رہا تھا، اس کے اندر جھل رہے تھے وہ سوچتے بیٹھتی تو خیالات کی بیخارا سے صحت حد تک بے حال کر ڈالتی۔ اچھا خاصا اس نے سب پھوڑ چھانڈ (حتی کہ احساس نہیں) بیٹھ رہے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ خدا کی دوستانہ ہمدردی سے اسے پھر کھولا کر رکھ دیا اور جو ہیں گھنٹے کے بعد بھی اس کے غصے کا وہی عالم تھا۔ جب وہ اس کے ہاں آئی۔ ایک بار اس کا دل چاہتا ہیٹھ کر چل جائے لیکن وہ اس کے گھر آئی تھی یہاں اس سے منہ پھیر کر وہ کہاں جا سکتی تھی۔

”اگر کل تم دو منٹ اور سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لیتیں تو یہ جو پورا دن جل بھن کر کوٹھ ہو گئی ہو اس کی ٹوست نہ آتی۔“

اس کی اسی اور دادی جان سے سلام دعا کر کے بھا بھی سے پھر پت پوچھ کر وہ کتنی دیر تک اس کے کمرے میں بیٹھی دادی جان کے پسندیدہ موضوعات پر کتنی دہی ”زبان خراب“ ہے اور نئی نسل کی بے راہ روی اور ہمزاری کون سنتا ہے، تو بہت دل لگا کر سنتی رہی تھی۔ پہلے کتنی دیر تک وہ انصاری میں سرسیرے ہو کر کھینے کی ناکام کوشش کرتی رہی اور پھر ہاتھ روم میں گھسی پائی سے کھینے لگی تھی۔

”ٹھنڈا ٹھنڈا لنگ رہا ہوگا۔ ہے ہاں۔“ پانی ٹھنڈا کرنے اور پھر لنگ کر اسے ٹوکا تھا۔ بہت غصے میں ڈیچو نہ کرنا

اور مصروف نظر آتا اس پھر وہ پورے لگا۔ نا مجالہ جب اس کے لیے چائے بنانے پر جن میں کھسی تو نہ دانی کہ ہن ڈانڈا وہ بہری رہی کھولتی چائے ڈوبھکتی رہی۔

”ساری دنیا میں تم شور مچائی کچھ بلی ہو کہ اعتماد پر رشتے کی بنیاد ہے، عمر کم خود ایک فیصد بھی اس اصول پر پوری نہیں آتیں۔ غصہ مجھے تم پر آنا چاہیے۔ تم نے کس طرح سوچا اور سسٹم سوچے جا رہی ہو کہ میں ندا اعلیٰ یعنی تمہاری دوست کوئی ایسی بات کر سکتی ہوں۔ جو تمہارے وقار کو مجموع کرے۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے، شیوہ بھانے ہیرو اور روتی سکتی ہیرو میں کو ہوانے کا آئی سمجھ رہی تھی تو خون کر کے تمہارے ہیرو صاحب سے صرف اتنا کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اگر آپ کا جذبہ لیا طاقتور نہیں ہے کہ آپ کی ایک لہجہ کو قابو میں کر کے تو آپ اسے اپنے دل کے اندر رکھیں، دین کر کے رکھیں۔ اور میری دوست کو پریشان کرنا چھوڑ دیں۔“ چائے کا کپ اس کے آگے رکھ کر وہ خود کھڑی رہی تھی۔ بہت دیر بعد وہ کچھ بول سکی۔

”آئی ایم سوری، میرا ہے میرا، میرا ہے میرا۔“

”تو سوری، تمہیں بھی پتا ہے مجھے اس لفظ سے چڑ ہے۔ ہاں جب تمہارا وہاں ڈرا منجھ جائے تو غور کرنا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ تم نے میرا مان توڑا ہے تو۔“

نون کی گھنٹی اسی وقت بجی۔ اس نے بہت دیر بعد وہ کسی ہی احتیاط سمیت نون اٹھایا۔

”وہ منجھو، تمہیں قصور کے کسی کو سزاؤں زیادتی کی انتہا ہے۔“

”آپ کو کوئی ضروری بات کہنی ہے کیا؟“

”اس وقت تو تم بولو اور میں سنتا ہوں۔ یہی اہم ترین بات ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر نون رکھ رہی ہوں۔“

”زارا، کیا کسی قسم کی کوئی تمہیں دل لگائی؟“

”جیلا میرے ہاتھ میں کیا ہے جو اس اور امید کی بات کروں۔“

پتا نہیں یہ کھیک بھی ہے یا نہیں۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ صرف تم ہی میری لہجہ کو مجھ سے بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہو۔ اور یہ بھی میرا ہی خیال ہے کہ اس کا اصل تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تو اس بات پر بھی کھل کر سنتا چاہ رہی تھی مرا کئی طرف سے نون بند ہو چکا تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو نہ اسلئے ہی ٹٹھکی تھی۔

”اس نے کل رات رشتا سے کہا تھا کہ اس سلسلے کے اچھے انجام کی اسے ہرگز توقع نہیں تھی میں نے رشتا سے کہا کہ اس کا خیال بالکل غلط ہے۔ تم بتاؤ کون ٹھیک ہے؟“ اس نے حد درجہ مستحکم خیز تھوڑے لگا کر اسے دیکھا۔

”میں جو نہ تمہیں میں۔ نہ تیرے میں۔ میں بھلا کیا جتا سکتی ہوں۔“ وہ وہاں کچھ نہ جتا سکتی تھی ہر روز محفل جمعیتی ہر روز نہ اگرات ہوتے آج اس کو نون کر کے اس سے پوچھا جا رہا ہے، کل لاناں کے گھر جا کر اس سے پوچھ لینے کا مشورہ ابوتی وقار بھائی کو دے رہے ہیں تھی کہ بعد کی رات بڑے ہاموں، خالہ، نانا، نانی سب ان کے گھر کے ہی رہی لائون میں سرور اور بیٹھ گئے، ضرورت تھی ایک عدو ”دلے“ کی سوچو جو اس قابل سمجھا گیا اسے بلا لیا گیا۔ مگر نتیجہ۔

”دن پردن گزر رہے ہیں، عمر آٹھ سے ایک ڈراما فیصلہ نہیں ہو چکتا۔“ دادی جان نے ٹوک ہی دیا آج سارے، سن بھائی، ابو، امی سمیت اس کے کمرے میں دادی جان کے گرد ڈیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔

”ابھی جان! آپ ذرا سا کم رہی ہیں، مجھے تو دن سوچ رہا ہے۔ نہ رات، ایک ڈاکٹر ہے تو لا سرا لہجہ ستر۔ اس کا اعلیٰ خاندان تو اس کا بہترین ہے۔ یہ خوب تو وہ اخبارات اس کو باکروز کرنا چاہا ہے تو اس کو شریف۔

”اب کیا کروں؟“

”میرا تو خیال ہے ابوتی، اسکے اچھا لیتے ہیں جس کی ہوگی وہ جیتے گا، وقار بھائی نے کچھ جھنجھلا کر کہا تو ابوتی اور دادی جان سمیت سب بیٹھے لگے۔ اور اپنے کمرے کی کھڑکی کے نیچے لان کے ڈاکٹریں

طرف تھی، زارا عمر کا دل چاہا کہ گھنٹوں میں سرور کے پھوٹ پھوٹ کر روئے کچھ کچھ کر سارے خاندان سے سرنگرا آئے۔ کسی ایک کو بھی اس کا خیال نہیں آیا ہے۔ اسے لوگوں میں کوئی بھی نہیں سوچ رہا کہ بیٹھے دیوار سے گئی تھی زارا عمر ایک عامل و باج اور بچھی لکھی لڑکی ہے، کم از کم اترار یا انکار میں گزرتی بنانے کا شعور ضرور رکھتی ہے۔ اور شریعت میں بھی نہیں نہیں لکھا ہوا کہ یوں اس کی زندگی کا سلسلہ چلے اور اسے دیوار کے پیچھے بیٹھا چھوڑ دیا جائے۔ کیا کسی کو اس کا واقعی خیال نہیں آیا؟

بڑی آج اپنی بیٹیوں کے رشتوں کے لیے مسئلہ اس سے مشورہ لیتیں، غصہ بھی باقی ہو اس کے ہر معاملے میں اپنے آپ کو حد درجہ حساس ثابت کر تیں، سوچا پائی جو شاید اپنے دور کے دل کے حال سے واقف تھیں۔ سارے آئی جنہیں گھر میں اس کا بہترین ہمدرد رازدوں ہونے کا دعویٰ تھا، اور وقار بھائی اور بھائی جن کے بیٹھے مسئلے اور ابوتی نے ان کے بغیر کے خاموشی سے شیخ کے تھے اور نہ ہی شہ ایہ کو نہ دادی جان ان لوگوں کو بھی نہیں۔ ہاں کسی کو احساس نہیں اس کی ذات کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کی بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ اگر (نالی) بڑی ہی تھی ہے تو اس کا وہ بیٹ بھی کوئی قانونی حیثیت رکھتا ہے۔

”اسکے اچھا نہیں گے مگر زارا عمر کا منہ کھول کر نہیں دیکھیں گے کہ اس میں بھی زبان ہے، اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر نہیں محسوس کریں گے کہ یہ بھی وہ شرف کا ہے۔“ وہ ریسیور کان سے لگا کے کمرے کے کنارے کی دیوار سے گئی کھڑی تھی۔

”تو تم کیوں منہ کھول کے اپنی زبان کو زحمت کلام نہیں دے رہیں۔“ ندا اس سارے سلسلے سے حد درجہ پتلا ہو گئی تھی۔

”بھئی۔ تم دیوار کے پیچھے سر جھکائے بیٹھی رہو گی تو کسی کو کیا خاک نظر آو گی۔ سامنے ٹوک اور لوگوں کو اپنے ہونے کا احساس دلاؤ۔“ یہ روز اس کو ایک ہی مشورہ دے رہی تھی۔

”کیا کروں لوگوں کے کندھے ہڈ کران سے کہوں کہ سونیں نہیں تو ہوں۔“

”ہاں تو کیا حرج ہے اگر اسی طرح اپنا آپ منوانوں۔“

”یہ نہیں سمجھیں نہیں کہ میں اس طرح اپنا آپ ان لوگوں کو محسوس کرواؤں جنہیں میں اپنی ذات کا حصہ سمجھتی ہوں۔“

”اور آج اگر اس ذرا سی بات کو تم نے ٹانگ کا مسئلہ بنا لیا تو ہماری عمر خود اپنے آپ کو محسوس کرنے سے بھی کترائی ہوگی۔ ایک بار زرا عمر ایک پار جہد لفظ چند نکلے پول جاؤ۔“

”کسی بندے کے سامنے جس پر تمہیں بہت مان بھی ہو اور جس کے بارے میں تمہارا خیال ہو کہ وہ تمہارا اجر ہم بھی قائم رکھے گا۔ وہ کیا ہے کہ مان تو اسے سب پر تھا بھر تو اس نے بھی ہمیشہ ہر کسی کا دکھا تھا مگر۔“

”ذرا کھو سعد خان اگر ناکام ہوا تو مزہ تو نہیں چائے گا مگر ابھی تو اس کے اس کی زندگی میں ایک لمحہ ہے۔“

پھر یہ لہجہ میں اس کی زندگی ہوگی۔ ”تمہارے خون رکھ دیا تھا کمرہ کئی دہر تک رہی سو رہا تھا۔“

”سب کی باتیں سمجھتی ہے محسوس کر سکتی ہے اور اس کی ایک ذرا سی بات سے صرف یہ تنہا گئی کہ بن کے بنا ظاہر ہوئے اس کی بات رہ جائے۔ ایسا ہو آپ سے ناں جب آپ اللہ اللہ کیا گل ہو رہے ہوں اور ایک ہی چار دیواری میں رہنے والے آپ سے اچھے اور اچھے کے فاصلے پر چلنے والے آپ کے برابر بیٹھے ہوئے آپ سے باتیں کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے۔“

”تو پھر آپ کی کیفیت کو محسوس نہ کر سکیں۔“

خدا کی باتوں کا اس پر اثر تھا۔ سو آج سارا دن وہ اسی جگہ میں رہی کہ ایک ایسے جملے کو ترتیب دے لے۔ چند لفظ ایسے جوڑ کر کسی سے کہہ دے ڈاڑھی جان کو گھانا دیتے ہوئے وہ کئی بیکاری باتیں پول گئی۔ مگر ان سے کچھ کہنا۔

”میں تو پہلے ہی کہتی تھی یہ فائیس وئی ہی آرد کیج دیکھ کر آج کی نسل کے پیدوں کا پانی بالکل مر رہا ہے۔“

لوگ لڑائی میں بھی کبھی ایسے بے پروا نہیں ہوتے۔ محسوس نہیں کیا کہ وہ کھڑی تھی۔ ”وہ کھڑی تھی۔“

”ابھی جان کو در زنی کے پاس سے آگے نہیں گئی تھی۔“

”تمہارے ہاتھ تھے اور زانیہ بھی وہاں سے خالہ کے گھر ہونے والی وقت کی روایت تھے ہوئے بھی اس نے اسے پارک کر رکھا تھا۔“

رات کے گھانے کے لیے وہ نہیں ڈالتے ہوئے بھی اس نے سوچا آج وہ دو چار بریلیاں زیادہ مل لے۔ اور بھائی تیار گرم گرم روٹیاں دیکھ کر یقیناً غمناک ہو کر خوشگوار حیرت سے بچ گئیں گی۔

”کیا بات ہے زارا البتہ کے یہ عنایت۔“ اور وہ کہہ دے گی۔ ”کیا کہہ دے گی؟“

”نہیں ہے اس پر اور اس کی سوچ پر۔“ اس نے جھنجھکیا کر آج روٹیاں ہی نہیں ڈالیں۔ ”داڑھی جان آج ڈبل روٹی کھا لیں گی اور اسی کا چاول از روہ خود غمناک یہ ناممکن ہے۔ وہ کبھی کسی سے ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔“

”ابو کو چاہے بھی اس نے آج حتی المقدور غور بات کر کے دی تھی اور اب سر جھکا کے کمرے سے باہر جا رہی تھی۔“

”بالکل ٹھیک تو اس کی تھی۔“

”خان! وہ وہ ڈالے تک بیٹھی ہی تھی۔“

”کیا بات ہے زارا ابھی مجھے لگ رہا ہے تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔“

”ابو جان ہمیشہ اسے اس دروازے پر چوکاتے تھے۔“

”جی ہاں کچھ نہیں۔“

”مگر وہ۔“ اگر ابھی اس نے اس تھکی سی کرن کو اپنی ”نہیں“ سے بخاریا تو اس کے یقیناً اندھیرا ہی ہے۔

”وہ ابو اچھے اصل میں ڈاکٹر بہت اچھے لگتے ہیں۔“

”اوں میرے خدا زندگی کا مشکل ترین لمحہ اور مشکل ترین جملہ وہ ایسے ہسٹریٹ کر لینی دیر تک یقین کر لینی رہی کہ کیا واقعی اس نے کہہ دیا۔“

”آج یہ جنوری ہے۔“

”میرے سر پر کھڑے ہوئے۔“

”میرے چڑیوں کی بچھا ہست سے سعد خان کی آنکھ نکل گئی۔“

”کی اور روشنی کی چلی کرن کے ساتھ یہ احساس کہیں کے ذہن میں گردش کر گیا۔ اس کی تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں اور اب نیند اسے یقیناً ”دوبارہ مدحوش نہیں کر سکتی تھی۔“

اس نے پھر بھی چادر تان کر آنکھیں بند کر لیں۔ کاش وہ آج کی حالت میں بیدار نہ ہو۔ سو پارے اور یہ دن سرک جائے۔ وہ ایک ڈیڑھ وار شخص ’معاشرے کا اہم فرد‘ کمر سعد خان اس وقت اپنے آپ کو دنیا کا کمزور ترین شخص سمجھ رہا تھا۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ پورے چھ فٹ کا مرد اس وقت کسی کی گود میں سر رکھ کر کے کہہ سکتا ہے ڈر لگ رہا ہے۔ ٹانگے ٹھک اپنے اپنے آپ سے لڑنا اور پھر اپنی سوجوں پر فتح پانے بہت بڑی کامیابی ہے۔ وہ اپنے چہرے کو گراٹھ گیا۔ نماز پڑھ کر اس نے کپڑے تبدیل کیے۔ جاگڑ پیسے اور جاگٹک کے لیے نکل گیا۔ صبح دم بہت حد تک دیر ان سرک پر دوڑتے ہوئے اس نے اپنے اندر بے پناہ مانگی جذب کرنے کی کوشش کی۔ یہ اونچا اور سخت ابھی اس کے نو پر بھی گر سکتا ہے۔ اس کا ذہن اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ بہت دور تک گیا اور پلٹ کر آتے ہوئے چلا اسان خیالوں کو پیچھے رکھ کر آگے بڑھ کر گیت تک آکر وہ پھر گزرا۔ سب خیریت ہو۔ کیلک جاتے ہوئے نہیں منٹ کی ڈرائیو میں وہ تیسویں بار گھوم رہا تھا۔ اب یہ رنگ اس کو روٹتا ہوا گزر جائے گا۔ یا یہ گاڑی ضرور اس کی گاڑی سے ٹکرا جائے گی۔ مگر روز کے وقت پر وہ کیلک میں موجود تھا۔ ہر مریض کی نبض ٹھٹھکتے ہوئے اس کے اپنے دل کی دھڑکن بے قابو ہوئی۔ ہر فنون کی تھی بر اس نے ”خدا خیر کرے“ کا ورد کیا۔ اور شام کو ہاتھوں میں سر دیے وہ چائے کی پیالی سے اٹتے بیٹے بگڑتے ہوئے گود پر تک لٹا کر لیا اور اسی وقت فنون کی تھی تھی۔

”ابھی تیار ہو کر میرے گھر آئیے۔ فوراً۔“

”ہونا ہمالی سے کیوں پوچھنا بیکار تھا۔ وہ دن خاتم ہونے اور سنانے کی عادی نہ تھیں۔ اگلے دن منٹ بعد پھر اس کی شیرازہ سرک پر دوڑ رہی تھی۔ اور اس کے دل سے اس کے پیچھے۔ اچانک ہی گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس نے لگا اس کی گاڑی کے پرچے اڑ گئے۔ وہ اہم

”کی آخر حد یہ ہے کہ اس کو بالآخر حقیقت جان لیا جائے۔“

”مونا بھائی کے گھر کے آگے شدید دباؤ میں اس کے پاؤں بریک پر پڑے تھے۔ سو صرف بریک چرچر کرتے تھے اور اس کے دل غم میں جھلکے ہوئے تھے۔ بے شک آج کے دن میں اس نے جتنے وہم کیے تھے شاید آج تک نہیں کیے تھے۔ مگر اس کا کوئی وہم درست ثابت نہیں ہوا تھا حالانکہ یہ بھی سٹے سے کہ آری مستقل ایک ہی بات سوچتا رہا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔“

”اگلے گھنٹے وہ اپنے والدین بھائیوں اور بھائیوں کے ہمراہ زارا کے گھر کے ڈیڑھ گھنٹے میں بیٹھا بہت سے ہنستے مسکراتے چہروں کو دیکھا ایک پر ایک گیا تھا۔“

”کھینچنے لگا لی صوف میں بڑے سے لٹو کے دوپٹے کو سر پر سینٹے۔“

”جھانکے وہ زوشنی کا ہالہ بنی اس کے صین سامنے والے صوف پر بیٹھی مسکراتی تھی۔ ناازک ہی اچھو تھی اس کے ہاتھ میں ڈالنے سے پہلے اس نے سر گوشی کی۔“

”ابھی برتھ ڈے۔“ اور پھر اس نے اچھو تھی پھرتے اس کا ہاتھ پھر لرز رہا تھا۔

”ہاں یہ واقعی مبارک دن ہے۔“ اس کی آنکھوں کی چمک اس کے واہموں کو جھانڈانے میں واقعی غیز تھی۔ مبارک عداست کے شور کے بعد سب اراہر ابھر مکن ہو گئے۔

”میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھے ابھی آپ سوچ رہے تھے کہ اسی لئے آپ کے دل کی دھڑکن رک گئی تھی ہے؟“

”ہاں اور پھر میں نے سوچا اگر اس لئے رک بھی جائے تو کیا۔“

”مگر آج آپ کا کوئی وہم درست ثابت نہیں ہو سکا کہ آج سورج کی پائی کرن کے ساتھ ہی امید کی ایک کرن آئی کا ایک دیا کہی تمام دن آپ کے گرد روشن رہا تھا۔“

”یقیناً“ زارا بھائی نے محنت کر کے لگا لگا دیا۔ وہ پاپی تو میرے واسطے تم گر سکتا تھا۔ سوچ کر مسکرا لیا۔

پاری لکھنوی لکھنوی



مازیہ نے دوپٹہ کھینچ کر مزید چہرے کے اوپر ڈالا تھا اس سے برہ کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے ایسا کیا گیا تھا۔

وہ حسین بھی اور اسے اپنے حسن کو بچا کر رکھنے کے تمام کر بھی آتے تھے۔ وہ ہمیشہ اوصاف جاوید کاٹی پھر کر مذاق اڑاتی تھی اور فرازیہ ہمیشہ اسے ڈانٹ دیتی تھی۔

”شرم کرو کچھ۔ مجھے تو لگتا ہے وہ تمہیں بے حد پسند کرتا ہے بلکہ تم سے شدید محبت کرتا ہے۔“ فرازیہ نے اسے چڑانے کے لیے اب وہ بات چھپری۔ تھی جو مازیہ عارف کا ہلڈر ریشر منٹوں میں پائی کر دیتی تھی۔

حلا تک یہ بات فرازیہ کو مو فیصد ہی لگتی تھی۔
 ”کیا؟“ وہ رک کر یوں چبکی گئی کہ اور گرو سے گزرتے والے بھی رک کر اسے دیکھنے لگتے تھے۔
 ”کیا بد تمیزی ہے چلو تو۔“ فرازیہ نے سٹپٹا کر اس کا بازو کھینچا تھا۔

”تم ایسی بات کرتی ہو کیوں ہو۔ تمہیں معلوم ہے ہا کہ میں اس شخص کو قطعی پسند نہیں کرتی اور تم پھر بھی میرا پیڑ اس کے ساتھ بیٹنے کی کوشش کرتی ہو۔ فری! آخری بار کہہ رہی ہوں آئندہ تم نے ایسی باتی سیدھی بات کی تو میں تم سے پتی پکی ناراض ہو جاؤں گی۔“

”یہ لوہ میری توجہ جو آئندہ تم سے کچھ کہا۔ تم تو یہ بھی خیال نہیں کرتی ہو کہ یہ ہمارا گھر نہیں شہر کی ایک سڑک ہے جس پر لڑکیوں کا یوں چلانا مستحب

”السلام علیکم!“ وہ دونوں کانچ جانے کے لیے گھر سے نکلی تھیں۔ سخنی سے گزرتے ہوئے اوصاف ان کے قریب سے گزرا تھا اور ان دونوں کو دیکھتے ہی نگاہیں جھکائے سلام کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

”و علیکم السلام!“ فرازیہ نے ذریعہ سلام کا جواب دیا تھا جبکہ مازیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”تم اپنی عادت سے باز نہیں آ سکتیں۔ دانست نکالنے کے بجائے بے چارے کے سلام کا جواب دے دیتیں تو بڑے اشغال میں کچھ ٹیکوں کا اضافہ ہی ہوتا کی نہ ہوتی، لیکن تم تو۔۔۔“ فرازیہ نے چلتے چلتے مازیہ کو اچھی خاصی جھاڑ پلا دی تھی۔

فرازیہ اور مازیہ چڑواں بہنیں تھیں لیکن ان کی عادت مزاج اور خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔
 ”مجھے تو آرام سے ڈانٹ دیا ہے لیکن اس کا اشغال ملاحظہ نہیں کیا۔“ مازیہ بے شکل اپنی ہنسی پر قابو پا کر بولی تھی۔

”کیوں کیا ہوا ہے اس کے اشغال کو؟“
 ”یہ خال فراسٹ کے اکلوتے فرزند ارجمند اوصاف جاوید صاحب کچھ زیادہ ہی دیو قسم کے اور مولوی تاپ نہیں ہیں؟ اب دیکھو تا یا آج کل کے لڑکوں کا یہ اشغال کہاں ہوتا ہے لیکن اسے تو دیکھ کر لگتا ہے کہ بے چارہ ابھی تک اٹھارہویں صدی میں ہی رہا ہے۔ ابھی اس کی جگہ کوئی اور ہونا تو کبھی ہمیں دیکھ کر اس طرح گھر میں نہ گھستا جیسے وہ بیاری اور خوب صورت لڑکیوں کی بجائے غلی میں کوئی بھوت دیکھ لیا ہے۔“

سمجھا جاتا ہے۔ "وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیوی
 تھی۔
 "اور تم خیال کرتی ہو کہ کون سی بات کہنے والی ہے
 اور کون سی نہیں۔" وہ دونوں بیٹھنے کی طرح لڑ پڑی
 تھیں۔
 میں منٹ کی سیدل مسافت پر ان کا کالج تھا جس
 میں سے دس منٹ گزر چکے تھے۔ فرازیہ کو یقین تھا کہ
 باقی دس منٹ کا فاصلہ بھی لڑائی میں کہنے کا اس لیے وہ
 اس سے دو قدم آگے ہو کر چلنے لگی تھی۔

"چائے ملے گی؟" سب سے پہلے مانوس اور مسکورا
 گن جو شیو کا جھونکا چلنے پھرنے کے تھنوں سے
 نکلا رہا تھا اور پھر اس نے شاکستہ آواز میں یہ الفاظ سنے
 تھے۔
 "کیوں نہیں؟ بس ابھی لائق آپ ہر جا کر بیٹھیں؟"
 لیکن کے دروازے میں ایسٹنڈنٹ ڈیشن کو رکھ کر وہ
 یکدم فرطیں ہو گئی تھی۔

یہ شخص اس کی زندگی میں ایسا ہی تازہ ہوا تھا جھونکا
 تھا جس نے اس کے روز و شب کو مہر کر رکھا تھا۔
 "یہاں کھڑا اچھا نہیں لگ رہا ہوں کیا۔" وہ دو قدم
 چل کر اور آگے آیا تھا۔
 "اصل میں یہاں گرمی بہت ہے نا۔"

کیٹلی میں دودھ اڑ پیتے ہوئے اس کے ہاتھ اور لہجہ
 دونوں لرز رہے تھے۔ وجہ ڈیشن ہی تھا جو اب اس کے
 بالکل پیچھے اکھڑا ہوا تھا۔
 "تم بھی گرمی میں ہی کھڑی ہو۔ جب تم جیسی
 تازک لڑکی گرمی کی شدت کا مقابلہ کر سکتی ہے تو کیا میں
 اتنے مضبوط آدمی اسے نہیں سہہ سکتا۔"
 "میں تو چائے بنا رہی ہوں اس لیے اس گرمی کو
 برداشت کر رہی ہوں اور آپ!"
 "اور میں اس لیے اسے برداشت کر رہا ہوں کہ
 مازیہ عارف بھی اس گرمی میں کھڑی ہے اور میں مازیہ
 عارف سے الگ تو نہیں ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر

ڈیشن پر اصرار کیا چائے کا گنگ اٹھا تھا اور پھر
 سے باہر آ گیا تھا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے باہر آئی تھی لیکن
 اب قدم رکھ نہیں رہی تھی اور نہیں رہتے۔
 "میں مازیہ عارف سے لڑتی ہوں نہیں ہوں۔" یہ فقرہ
 مسلسل ساعتوں میں گزرتا رہا تھا۔

ڈیشن جیسا بویل مسٹر ڈو جیہ اور بویل ایجو کیشن
 شخص جس لڑکی کو اس طرح چاہتا ہو وہ خود پختہ بھی تاز
 کرے کم تھا۔ یہ مازیہ عارف کا ذاتی خیال تھا۔
 "وہ چائے سے فٹل فرمایا جا رہا ہے۔" مازیہ اور
 ڈیشن گن میں پڑی کر سیدوں پر آئے سامنے بیٹھے
 سرگوشیوں میں جانے کیا باتیں کر رہے تھے جب
 فرازیہ دونوں ہاتھوں سے متحیرے ہانوں کو لپیٹتے ہوئے
 باہر آئی تھی۔

ڈیشن ان کا خالہ زاو تھا لیکن مازیہ کی طرح وہ بھی
 مانتی تھی کہ جو بات ڈیشن میں ہے وہ ان کے پورے
 خاندان کے کسی اور شخص میں نہیں ہے۔ وہ لڑائی پرین
 کی اس میں حد سے زیادہ دلچسپی سے بھی بخوبی آگاہ تھی
 اس لیے دن سے ڈیشن کو وہی مقام دیتی تھی جو مازیہ
 کے رشتے کے حوالے سے اسے دینا چاہیے تھا۔
 "تم سو رہی نہیں اس لیے تمہیں تمہیں بلایا۔
 حالانکہ ڈیشن تو کہہ رہے تھے فرازیہ کو جگا کر لاؤ۔"
 مازیہ نے وضاحت دی تھی۔
 "یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم دونوں میرے آنے سے
 پہلے اس طرح باتوں میں گم تھے کہ تم لوگوں کو کسی
 تیسرے بندے کا کیا خیال آتا تھا۔"

"ہاں کا مطلب ہے تم اب ہزاری جاسوسی کرنے
 لگی ہو۔" ڈیشن خالی کپ ڈیشن پر رکھتے ہوئے اس کی
 جانب مڑا تھا۔
 "جی نہیں مجھے کیا پڑی ہے جاسوسی کرنے کی یہ تو
 سامنے کی بات ہے۔ میری جگہ کوئی بھی ہو تا اس نظر نہ
 دیکھ کر وہی اندازہ لگا تا جو میں نے لگایا۔" وہ منہ پھینکا کر
 بولی تھی۔

"اچھا یا آپ لڑنے مت بیٹھ جاؤ یہ بتاؤ چائے کی پوگی"

مازیہ اتنا خیال رکھنے والی اور بڑھ چڑھ کر کام
 کرنے والی نہیں تھی لیکن ڈیشن کے آنے ہی اس
 کے مزاج میں ایک واضح تبدیلی آئی تھی۔ فرازیہ اور
 دوسرے گھر والے پہلے پہل اس تبدیلی پر حیران ہوتے
 تھے لیکن جوں جوں بات ان کی سمجھ میں آئی گئی تھی
 ان سب نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔

"تم بتاؤ گی تو ضرور بیوی لگی۔" فرازیہ بھی ایسے
 موقعوں پر اسے خوب جگ کرتی تھی۔
 "بنا لاتی ہوں۔" وہ اپنا اور ڈیشن کا خالی کپ اٹھا کر
 کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

"یہ مازیہ اتنی اچھی نہیں ہے لیکن تمہاری
 موجودگی میں ہو جاتی ہے۔" وہ مازیہ کی گرمی پر بیٹھتے
 ہوئے ہنس کر بولی تھی۔
 "پھر تو تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں
 تمہاری بسن کو ایسا بنا دیتا ہوں۔" وہ بھی اس کی بات کا
 مزہ لیتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ تو ہے۔" وہ بولی پھر دونوں کھانسیاں کر رہیں
 لیکن میں چائے بنا لی مازیہ نے فوراً کچن کی کھڑکی
 کھول کر انہیں سننے ہوئے دیکھا تھا "چائے کا پانی
 چولھے پر ڈال کھول رہا تھا اور وہ یک ٹک ڈیشن کو دیکھتی
 اس کی کڑکشی ہنسی میں کھولی رہی تھی۔

"بیٹا! اندر آ جاؤ تمہارا اپنا گھر ہے۔" خالہ فراست
 نے اوصاف کو کسی کیم سے ان کے گھر بھیجا تھا اور اب
 دروازے پر ہی کھڑا ان کا پیغام تشکیلہ بیگم کو پائینا رہا تھا۔
 وہ اوصاف کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں
 ۔ وہ بہت شرمیلنا اور کم گوڑ کا تھا اور سلجھی ہوئی عاہولت
 کا مالک تھا۔ وہ بہت چھوٹا سا تھا جب ان لوگوں نے اس
 گھر میں آ کر رہنا شروع کیا تھا۔ فراست اور تشکیلہ پہلے
 ان سے ہی پرہیزوں کی بجائے بنوں کی طرح رہی
 تھیں۔ اوصاف فرازیہ اور مازیہ کے ساتھ تشکیلہ کو کر
 وان ہوا تھا لیکن اب وہ ان دونوں سے کچھ جھگڑنے لگا

تھا۔
 "بیٹا! یہ وہی گھر ہے جہاں تم دن کا بیشتر حصہ
 گزارتے تھے اور بڑا روک ٹوک آتے جاتے تھے پھر
 اب اتنا کیوں جھگڑ رہے ہو۔" وہ اسے اندر لے آئی
 تھیں۔ جو نکالیں جھکائے ان کے ساتھ ساتھ چل رہا
 تھا۔

"بیٹھو بیٹا! انہوں نے صحن میں رکھی گرمی کی
 طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ تشکیلہ بیگم کے بیٹھنے کے بعد خود
 بھی بیٹھ گیا تھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" کچھ فاصلے پر کچھ چارپائی پر
 مازیہ بیٹھی کالج کا کوئی کام کر رہی تھی۔ اوصاف کے
 بیٹھنے ہی اس نے اپنی کتابیں سمیٹ لی تھیں۔

"بس امی! میرا کام ختم ہو گیا ہے اور پھر یہاں
 دھوپ بھی بہت تیز ہے اندر کمرے میں جا رہی ہوں۔"
 وہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اوصاف آیا ہے تم نے اسے سلام بھی نہیں کیا۔
 بھائی سے تمہارا۔" تشکیلہ بیگم کو مازیہ کی بد تمیزی ایک
 آنکھ نہ بھائی تھی۔ لہجہ بھی اوصاف کی موجودگی کا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
 بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زمین کا دشمن	رضوانہ کاروان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رضوانہ کاروان	150/-
شہزاد کے مدعا دہ	شازیہ چوہدری	300/-
حیرت نامہ کی شہرت	شازیہ چوہدری	150/-

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے 30 روپے
 سہ ماہی کا چھپڑ
 بکس رضوانہ ڈائجسٹ 37 دروازہ نزد کاروانی
 فون نمبر 2216361

خیال نہ ہوتا تو اسے بے بجاؤ کی ستائشیں۔ لیکن اپنا عنصر پی کر رہ گئی تھیں۔ جبکہ ان کے بھائی کہنے پر اوصاف نے گری پرے تھیں سے یہ سلوبہ لاکھا۔

”اسلام علیکم“ وہ اپنی اماں کی طبیعت سے واقف تھی۔ اگر اب بھی سلام نہ کرتی تو پھر بعد میں ایک لہجہ بیکھر سنتا پڑتا اس لیے لکھ مارنے والے انداز میں سلام چھڑا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ اوصاف نے صرف ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔
 وہ خوب میں چمکتا گلہاں چہرہ جو اب اتار کی طرح دہک رہا تھا۔ وہ لہرو لہرو مغربور لڑکی اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتی تھی۔ وہ اندر کمرے میں جا چکی تھی لیکن اوصاف کے تن میں کو سرشار سا کر گئی تھی۔

”بہت لاپرواہ ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو بیٹا اسے اس میں اور فرازیہ میں بہت فرق ہے۔ میں تو اسے بہت سمجھاتی ہوں کہ اگلے گھر جاؤ گی تو کیا لے کر جاؤ گی۔ کچھ تربیت اور طریقہ سیکھ بھی لیں۔ لیکن اس لڑکی کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔“ وہ مازیہ کے جلنے کے بعد اوصاف سے اس کی شکایتیں کرنے لگی تھیں۔

”خالہ جان لڑیہ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائے گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“ اس نے اٹھیں تسلی دی۔
 ”خاک سمجھے گی۔ تم بیٹھو بیٹا! میں ذرا فرازیہ کو دیکھوں وہ تمہارے لیے چائے تو بنا سکے۔“
 ”نہیں نہیں خالہ جان! یہ تکلف نہ کریں۔ چائے پھر بھی سہی اس وقت تو مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
 ”اگرے بیٹا! بیٹھو تو چائے کی ایک چال کے لیے تکلف کیسا اور تم کون سا روز روز آتے ہو۔ آج بھی دو روز سے سے لوٹ رہے تھے وہ میں ہی زبردستی لے آئی۔“

”اچھا خالہ! خدا حافظ۔“ وہ جس طرح دسے پاؤں آیا تھا اسی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

”خدا حافظ بیٹا!“
 ”فراسٹ کٹنی خوش بخت ہے۔ ایک بیٹا ہے لیکن دس پر بھاری ہے۔ اللہ ایسی سعادت مند اولاد ہر کسی کو دے۔“ اوصاف کے جانے کے بعد شکلیہ بیگم نے دل میں سوچا تھا اور مازیہ کی خبر لینے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

”فری! میری اچھی بہن پلیر بہن جاؤ نا۔ دیکھو تم میری مدد نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا اور پھر اس میں غلطی کیا ہے۔ ذیشان کوئی غیر نہیں ہے ہمارا اپنا ہے پھر اس کے ساتھ جانے میں کیا اعتراض ہے۔“
 ”نہ مجھو مازی! یہ ٹھیک ہے کہ ذیشان ہمارا کزن ہے لیکن جب تم اس طرح کالج کے یونیفارم میں اس کے ساتھ جاؤ گی تو دیکھنے والے کیا سمجھیں گے۔ تمہارے یا اس کے ہاتھ پر تو نہیں لکھا ہوا کہ تم دونوں رشتہ دار ہو لوگ تو ذیشان کے ہاں نہیں رکھنا۔“
 ”تم یہ بیکھر پھوڑو۔ کس وہ اتنی دانتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔ تم اسی سے کہہ دینا میرا پریکٹیکل ہے اس لیے رہے گی۔“
 ”امی! مجھے ڈانٹیں گی کہ میں کچھ دیر انتظار کر کے تمہارے ساتھ نہیں آسکتی تھی۔“ فرازیہ نے اسے گھورا تھا۔

”فری پلیر!“ وہ اپنی بہت بڑی ہوئی تھی۔
 ”اچھا ٹھیک ہے لیکن آخری بار۔“ فرازیہ ہمیشہ کی طرح اس کی خند کے آگے ہار گئی تھی۔
 ”اوہ سو سوٹ۔“ مازیہ نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں ہار سے بائیں ڈال دی تھیں۔
 ”اچھا آپ برے ہو۔ ساری لڑکیاں ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ ذیشان کے ساتھ میں اور تم دونوں جا میں گے مجھے آگے جا کر اتارو نا۔“ فرازیہ نے اس کے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ چلو آؤ گیت پر چلتے ہیں۔ یہ نہ ہو ذیشان وہیں کھڑے انتظار کر رہے ہوں۔“ مازیہ اسے کھینچتے ہوئے کالج کے گیٹ پر لے آئی تھی۔

”فری بے چاری تم سے بہت محبت کرتی ہے۔“
 فری کو انہوں نے بڑی سزا پر اتارا تھا اور اب مازیہ بڑے مزے سے ذیشان کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ جب ذیشان نے فری پر تبصرو کیا تھا۔
 ”ہاں تو اسے محبت کرنی بھی چاہیے میری بہن جس سے کیا۔“ وہ شوخی سے بولی گئی۔

ذیشان کی ہمراہی اور سانا موسم اس کے انگ انگ پہ سرور طاری تھا۔
 ”یہ تو زبردستی والی محبت ہوتی نا پارا!“ وہ اسے پھینٹنے کے انداز میں بولا تھا۔
 ”نہیں محبت بس محبت ہوتی ہے اس میں زبردستی والی کوئی بات نہیں ہوتی۔“
 ”اوہ مازیہ عارف بھی ایسی گہری بات کر سکتی ہے۔“

”کچھ نہیں خالہ! یہ محبت جس خول کی بات ہے۔“
 ”دیکھو کتنی لڑا نہیں ہے۔ تمہیں لڑنے کے لیے تو اپنے ساتھ نہیں لایا ہوں۔“ اس نے گاڑی ایک خوب صورت پارک کے باہر کھڑی گئی۔
 ”پھر کس کے لائے ہیں؟“
 ”تم سے باتیں کرنے کے لیے، تمہیں ہی بھر کر دیکھنے کے لیے، تمہیں اپنی سنانے اور کچھ تمہاری سنے کے لیے۔“ وہ چلتے چلتے پھولوں کے ایک سچ کے قریب آ بیٹھے تھے۔

”سنو مازی! تمہارے بغیر یہ زندگی مجھے زندگی ہی نہیں لگتی کیونکہ میرے پاس ایسی زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے جس میں تم شامل نہ ہو۔ تمہارے بغیر میں زندہ بھی نہیں رہ سکتا۔“
 ”ذیشان! ایسے مت کہیں۔ ہمارے مقدر میں کوئی رکاوٹ کوئی گردش نہیں ہے۔ ہم ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں گے۔ آپ باپوسی کی باتیں بہت کریں۔“

”مازی! یہ جو محبت ہوتی ہے نایاب نہیں ہر ذرا ہوتی ہے۔ یہ ہمیں ہر ذرا کی رہتی ہے۔ میں بھی بہت بڑول ہو گیا ہوں تمہارے پھرنے کا وہر کا میرے دل کو خوفزدہ کرتا رہتا ہے۔“

”میں نے تو سنا ہے ذیشان! محبت انسان کو بہت بہادر بنا دیتی ہے۔ ہندہ اس کی خاطر ہر شے سے ٹکرا جاتا ہے۔ اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے چھوڑتا ہے بشرطیکہ محبت خالی ہو۔“

”نہروں شاکر نے شاید ایسے ہی لہجے کے بارے میں کہا ہے۔ وہ اس کی باتیں سن کر بولا تھا۔
 کتنی شگاف ہے یہ آواز
 جیسے کی طرح سے جس نے میرے اندر کے تمام موموں کو آئینہ بنا کے رکھ دیا ہے
 پتھر ہو کہ پھول ہو کہ سبز ہو
 تاروں کی ہرات ہو کہ بہتاب
 سورج کا جلال ہو کہ تن میں
 خواہوں کی دھنک کھینچی ہو لی ہو
 بارش ہو شوق کھلی ہو لی ہو
 ہر دم کا گواہ اس کا لہجہ
 تہ تک جسے آنکھ چھو کے آئے
 کتنی شگاف ہے یہ آواز!

”ذیشان! آپ بھی ناہیں۔“ وہ بڑی طرح جھینپ گئی تھی۔ ذیشان کی پر خدت نظریں اسے موم کی طرح پگھلانے لگی تھیں۔
 ”چلیں بہت دیر ہو گئی ہے۔“ مازیہ گواچانک خیال آیا۔

”پس چلو!“ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
 ”مازیہ! پتہ ہے میں تمہیں سارے زلزلے سے چھین لوں گا۔ تم صرف میری ہو اور صرف میری۔“
 راستے میں ذیشان نے پھین کا ایک اور جھٹکا اس کی ہتھیلی پر دھرا تھا اور وہ آنکھیں موندے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔

”خالہ فراسٹ کی ہمت کیسے ہوئی اپنے پسندو اور جاننے بیٹے کا رشتہ میرے لیے لے کر آئے گی۔ کیا سوچ کر نہیں منے ہمارے گھر کا رخ کیا ہے آخر؟“ اس نے جسے ہنسنے بیٹا جان کے گھر سے نکلتے تک صبر کیا تھا اور اب کمرے میں آتش فشاں بنی بیٹھی تھی۔

اوصاف جاوید اس کے لیے رشتہ بھیجے یہ سوچ سوچ کر اس کا دل غماؤں ہوا جا رہا تھا۔

”مازیہ! ہوش کے ناخن لو۔ اس طرح بیٹے چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس گھر میں میری ہودہاں پھرتی آتے ہی ہیں۔ بیٹی والوں کو ہر کوئی پوچھتا ہے اور پھر اوصاف کے رشتے پر جس طرح وہی تباہی بک رہی ہو نہیں پوچھتی ہوں لیکن کون سی قیامت آئی ہے۔ لڑکا ہیرا ہے ہیرا لاکھوں میں ایک ہے۔ ٹھیک ہے اس گھر میں سب کا جھکاؤ نشان کی طرف ہے اور پھر وہ ہیرا ہنا تھا ہے میرے لیے ہر کسی سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے میں نے فراسٹ کو بڑے طریقے سے جواب دے دیا ہے لیکن کوئی تم سے پوچھے کہ تم کیوں آگ کا شعلہ بنی بیٹھی ہو۔ اوصاف جاوید کا رشتہ ہی کیا ہے تاہم نے تمہیں اس کے ساتھ رخصت کرنے کی تیاری تو نہیں کر لی۔“ ٹھیکہ بیگم نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کر دی تھی۔ وہ کب سے بیٹھی اس کا رونا نہ ماسن رہی تھیں۔

”انور! اسی جان! آپ بھی ماسن۔“ رخصتی والی بات پر وہ جھنجھلا گئی۔ لیکن ان کی ان سب باتوں سے ایک بھید تو کھل گیا تھا کہ نشان کی اور اس کی پسندیدگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

”اس اوصاف کے بچے کی خبر تو میں اچھی طرح لوں گی۔ مجھے کہیں ملے تو سنیں۔“ ٹھیکہ بیگم کے کمرے سے نکلتے ہی وہ اذیت کی گپا کر بولی تھی۔

”خبردار جو تم نے اوصاف سے کچھ کہا تو۔ پہلے ہی بے چارے کا دل توڑ دیا اور پھر بھی تمہاری تسلی نہیں ہوئی۔“ فراسٹ نے سختی سے کہا تھا۔

”کب کیا کیا کہا تم نے بے چارے کا دل توڑ دیا۔“ فری تم سب جانتی ہو پھر بھی ایسا کہہ رہی ہو؟“ اسے سچ

مجھ فراسٹ کی بات سے صدمہ پہنچا تھا۔
”چلو چھوڑو۔ اسے انکار کر تو دیا ہے لب تم کیا چاہتی ہو۔“

”تمہیں اس کا اتنا خیال ہے تو خود کرو اس سے شادی۔“ اسے فراسٹ کا اوصاف جاوید کی حمایت کرنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اسی لیے تپ کر بولی۔

”وہ مجھے ماسن سمجھتا ہے اس لیے مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ ویسے بھی ہماری ایسی قسمت کہاں ہو بھی آتا ہے تمہارا امیدوار بن کر آتا ہے۔“ فراسٹ نے ٹھنڈی آواز سے مزید کہا تھا۔

”میں جا رہی ہوں۔“ وہ ٹھیکہ اس پر پھینک کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا۔ مست ہوا جھومتی جھانکتی ہر آنکھ میں دستک دے رہی تھی۔ یہ سہانی شام اور دلکش موسم نشان اور مازیہ کے دل کا پیمانہ ہوا تھا۔

آج ان کی رخصتی کی تقریب تھی جو وہ ایک گھر میں تھی کوئی دکھاوا نہ تھا اس لیے ساہو سی یہ تقریب کسی بھی تکلف کے بغیر تھی۔ نشان کی طرف سے نبیلہ خالہ اور خالو مازیہ کو انگوٹھی پہننے آئے تھے ان کے علاوہ چند ایک رشتہ دار تھے جن کو خاص طور پر بلایا گیا تھا۔

مازیہ پلٹے گاٹاں جوڑے میں کھلی پڑ رہی تھی۔ وہ خوب صورت تو تھی لیکن کھنٹی اور چہرے کے انچاز نے اس کے چہرے پر وہ رنگ کھیر رکھے تھے کہ اس پر سے نگاہ بٹانا مشکل تھا۔

”میری مازیہ تو چاند کا ٹکڑا ہے چاند کا ٹکڑا۔“ نبیلہ خالہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پالے میں لے کر چونا تھا اور وہ شرم سے دوہری ہو گئی تھی۔

”آپ عاتیا“ کولی ماسن ہیں جو ابھی ہوئی اس طرح تعریف کر رہی ہیں۔“ تزکیوں کے گھر مٹ میں سے کسی نے کہا تھا اور ہر طرف تھقے بکھر گئے تھے۔

”مازیہ میری بیوی نہیں میری بیٹی ہے۔ میں ہاں جانے کے دل کا ٹکڑا۔“

خالہ نے اسے سینے سے لگایا تھا اور ہر لڑکی اور ہر عورت نے مازیہ عارف کی قسمت پر ایک بار تو حضور رشک کیا تھا۔ لیکن فراسٹ بیگم جیسے اس محفل سے اٹھ کر باہر چلی آئی تھیں۔ اس چاند کو تو ان کے آنکھ میں چمکتا تھا کیونکہ ان کا پیار اور سعادت مندر میں اس چاند کا اس شدت سے تماشائی تھا کہ اس کے بعد وہ ہر آرزو ہر خواہش بھلا بیٹھا تھا۔

اس نے آج تک ان سے کچھ نہیں مانگا تھا اور اگر کچھ مانگا تھا تو وہ اپنے سینے کی بھولی میں نہ ڈال سکی تھیں۔ اس خیال سے ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ لیکن مازیہ انہیں بیٹیوں کی طرح ہی عزیز تھی ان اس کی خوشیوں کو اپنی نظر لگ جانے کے ڈر سے اس کے قریب سے اٹھ آئی تھیں۔

حسین شام کی باقیات پھولی، مٹھائیوں کے خالی ڈبے، منہری لڑکیوں کی صورت سخن میں جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ چونکہ سب مہمان قریب ہی سے آئے تھے اس لیے تقریب ختم ہونے ہی والی ٹوٹ گئے تھے۔ چونکہ رات بھی گرمی ہو گئی تھی اس لیے پھیلاوا سمیٹنے کی بجائے اپنے اپنے بستروں پر گر گئے تھے۔

واحد مازیہ تھی جس کی آنکھوں سے ٹینڈ کو سوں دور تھی جو خوش رنگ سے بن رہی تھیں۔ وہ بستر سے نکل کر باہر سخن میں چلی آئی تھی۔ سخن میں بکھری بہت سی چیزیں اور پھر اس کے ہاتھ کی ایک انگلی میں چمکتی ہوئی خوب صورت ٹوں والی انگوٹھی اسے یاد دلانے کو کالی تھی کہ وہ نشان کی ہو چکی ہے۔

عارف ہجر محکمہ لاکھ نہیں میں تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ایک سچے مومن کی طرح اپنے آپ کو حرام کی کمائی سے بچانے رکھا تھا اور اپنی بیٹیوں کی پرورش حق عطا کی کمائی سے کی تھی۔ وہ قیامت پسند تھے اور قیامت پسندی کو ہی پسند کرتے تھے۔ لیکن آج کل وہ

ایک مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ایک مل اونر ٹیکس کی لاکھوں کی رقم بچانے کی خاطر انہیں بہت تک کر رہا تھا۔

”عارف احمدیہ معاملہ زیادہ تو ہم تمہارا منہ بند کر دیں گے۔“ ہاشم صدیقی نے اپنے موقف پر ڈٹے عارف احمد سے آخری مرتبہ ڈیل کرنے کی کوشش کی۔

”ہاشم صاحب! آپ میرا منہ بند کرنے کے بجائے قومی خزانے کا منہ بھروں تو آپ کے حق میں زیادہ بہتر ہو گا۔“ عارف احمد نے بھی ٹکڑا توڑ جواب دیا تھا۔

”تم جیسے معمولی افسر ہاشم صدیقی کی جو تیاں سیدھی کرتے ہیں اور تم اس معمولی افسر پر اتنا اڑا رہے ہو کہ ہاشم صدیقی کو سمجھانے لگے ہو۔ خیر ہم تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتے تم نے ہم سے ڈیل نہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا ہے۔“

”ہونہ! بکھری ہوئی تجویزوں کو مزید بھرنے کے لیے ہر کام کر گزرتے ہیں یہ بھی نہیں سوچتے کہ دو دن کا لینڈ جن خرید رہے ہیں۔“ عارف احمد نے بے جا جن ریسیور کو کھورتے ہوئے دل میں سوچا تھا اور ریسیور کیشنل پر سچ کر پھر سے اپنا کام کرنے لگے تھے۔

”ای جان! چار بچنے والے ہیں اور مازیہ ابھی تک کلج سے واپس نہیں آئی۔“ فراسٹ کو یلکا سنا بخار تھا اس لیے اس نے کلج سے چھٹی کر لی تھی۔ وہ سو کر ابھی تو سہ پہر کے سائے ڈھل چکے تھے۔ اس نے ٹھیکہ بیگم سے پوچھا تھا۔

”ہاں میں خود پریشان ہوں بنا تھائے وہ کبھی اتنی دیر سے نہیں آئی۔ تم اس کی دوست آسیہ سے معلوم کرو کہیں اس کی طرف نہ ہو۔“

”جی اچھا۔“ فراسٹ جلدی سے ٹیلی فون کی طرف بڑھی تھی۔

”ای جان وہ آسیہ کے ساتھ بھی نہیں ہے۔“ تھوڑی دیر بعد اس نے باہر آکر مشورہ سے انہیں بتایا

”بائے اللہ! تو پھر وہ کہاں چلی گئی؟“

”کیا ہوا خیروت تو ہے۔ تم دونوں کے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں؟“ عارف احمد اس سے ٹوٹے تو ان دونوں کو پریشان سے اوجھڑا دیکھ کر پوچھا تھا۔

”بابا! مازیہ ابھی تک نہیں آئی۔“

”اچھا۔ تم لوگ پریشان مت ہو میں پتہ کرتا ہوں۔ وہ اگلے چند منوں باہر نکل گئے تھے۔“

سہ پہر سے شام اور شام سے رات ڈھلی لیکن مازیہ کا کہیں نام و نشان نہ ملا تھا۔ عارف احمد اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے تھے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔

پھر بیٹی کا نازک معاملہ تھا اس لیے وہ کسی کو بتا بھی نہیں رہے تھے۔ لیکن جب ساری رات اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئی اور صبح کا اجالا ہر طرف پھیلنے لگا تو عارف احمد نے شکیلہ بیگم کے کہنے پر نشان کے گھر اطلاع کی اور اس کے والد کو مدد کے لیے بلا دیا جو اسے لہس بی تھے۔

نیشان اس کے والد اسحاق جمال اور عارف احمد تینوں اسے ڈھونڈنے نکلے ہوئے تھے جب فرازیہ نے مازیہ کو کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا اور شکیلہ بیگم کو چیتے ہوئے متوجہ کیا تھا۔

”مازیہ میری جان!“ شکیلہ بیگم جن کے آنسو کلی شام سے نہ گئے تھے وہ ڈر کر اس سے پست گئی تھیں۔

”مازیہ! تم کہاں چلی گئی تھیں؟ تمہیں پتہ ہے ہم کتنے پریشان تھے۔“ فرازیہ نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا تو شکیلہ بیگم نے پوچھا تھا۔

”خائف! مجھے نہیں پتہ وہ کون لوگ تھے۔ میں تو کالج سے آ رہی تھی کہ وہ زبردستی مجھے ایک گاڑی میں ڈال کر لے گئے تھے اور ایک کمرے میں بند کر دیا تھا ساری رات میں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر روٹی رہی تھی لیکن کسی نے مجھے باہر نہیں نکالا اور جب صبح ہوئی تو وہ

مجھے گاڑی میں ڈال کر گھر کے باہر چھوڑ گئے۔ پتہ نہیں کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے۔“ مازیہ نے رندھی ہوئی آواز میں بتایا تھا۔

”تمہیں کسی نے کچھ کہا تو نہیں میرا مطلب ہے کوئی غلط نیت سے تو تمہارے قریب نہیں آیا۔“ شکیلہ بیگم نے اس کے قریب ہو کر اپنے امدادیشوں کی تصدیق کرنا چاہی تھی۔

”تمہیں خائف جان! جس طرح وہ مجھے لے کر گئے تھے ایسے ہی چھوڑ گئے کمرے میں کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ مجھے تو انہوں نے کھانے کو کبھی کبھی نہیں دیا تھا۔“

”اچھا پھر ان لوگوں کا کیا مقصد تھا؟“ مازیہ کے ہاتھ پر جہاں فرازیہ اور شکیلہ بیگم نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا وہیں شکیلہ بیگم سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

”فرازیہ! تم اپنے بابا جان کو فون کر کے بتا دو۔ وہ جانے کہاں کہاں خوار ہو رہے ہوں گے۔“ شکیلہ بیگم کو کچھ دیر بعد خیال آیا تو انہوں نے فرازیہ سے کہا تھا۔

عارف احمد کو لگ رہا تھا کہ ایک رات میں ہی ان پر قیامت گزر گئی ہے۔ فرازیہ کا فون سنتے ہی وہ تینوں لٹے قدموں گھر کی طرف دوڑے تھے اور مازیہ کے سلامت دیکھ کر انہوں نے سب کا شکر ادا کیا تھا۔

”میں جانتا ہوں یہ کبھی حرکت کس کی ہے۔“ عارف احمد کے ذہن میں ہاشم صدیقی کا نام ابھر رہا تھا۔

”بھائی جان! کیا آپ اسے جانتے ہیں؟“ شکیلہ بیگم نے حیرت سے پوچھا تھا۔

”ہاں بہت اچھی طرح۔ ہاشم صدیقی ایک مل اوپر ہے لاکھوں کا ٹیکس تھا اس پر جسے وہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ مجھے کئی بار دھمکیاں بھی دے چکا تھا۔“

”تو آپ نے مجھے پکھے کیوں نہ بتایا؟ میں اب بھی اسے نہیں چھوڑوں گا اس کے خلاف انعام کا پرچہ ضرور کٹے گا۔“ اسحاق جمال نے غصے سے کہا تھا۔

”ہاں پرچہ تو میں ضرور کٹواؤں گا تاکہ اسے پتہ چلے کہ عارف احمد اتنا کمزور نہیں ہے۔“

اس سارے معاملے میں ہاشم صدیقی کا بچہ بھڑانا نہیں البتہ مازیہ عارف کی زندگی پر اس واقعے نے گہرے اثرات چھوڑے تھے۔ جب عارف احمد نے اسحاق جمال سے بات کی تھی تو اس نے پھٹائی سے ہنسنے ہوئے ان کے شک کی تصدیق کر دی تھی۔

”عارف احمد! تمہاری بیٹی کو ایک رات کے لیے سمان بنایا تھا لیکن خدا گواہ ہے اس کی طرف کسی نے پہلی آنکھ سے دیکھا تک نہیں تھا۔“ اسحاق جمال کے ٹھنڈے لہجے نے عارف احمد کو ساکت کر دیا تھا۔

یہ خبر جس جس کے کانوں تک پہنچی تھی اس نے ایک دفعہ انہوں سے کہنے کے ہمارے مازیہ کو کبھی تو لٹی اور شک بھری نگاہوں سے ضرور دیکھا تھا۔

مازیہ عارف ایسے کسی شخص کا سامنا کرتے ہوئے کٹ کر رو جاتی تھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس ماحول سے بھاگ کر نہیں دوڑ سکتی جائے ان لوگوں کی شک بھری نظروں سے چھپ کر بھاگ جائے۔

”نیشان! تم گھر کیوں نہیں آتے۔ تم سے ملنے تمہیں دیکھنے اتنے دن ہو گئے ہیں۔“ ایک دن دل کے ٹھنڈے پھوڑے ہوئے اس نے نیشان کو فون کیا تھا۔

”میں پوسٹ اتنی تڑپا ہوں کہ کسی اور چیز کا ہوس ہی نہیں رہتا۔“ اس کا لہجہ پہلے والا نہیں تھا۔ مازیہ نے ہنر کے دل کو قابو میں رکھتے ہوئے اس لیے کو بیچانے کی کوشش کی۔

”نیشان... میں کوئی چیز تو نہیں مازیہ ہوں تمہاری مازیہ شوہر کے نہیں تھی۔“

”مازیہ پلیز! مجھے دوسرا پتہ مت کرو۔ اس وقت میں واقعی بہت مصروف ہوں۔“ وہ اٹھا ہوا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے کال کر لینا۔ پھر ہم ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔“

”مازیہ! میری کال کا انتظار مت کرنا میں کچھ دنوں تک ہزی رہوں گا۔“

”نیشان! پہلے ہی بہت دن ہو گئے ہیں ہمیں بات کرنے سے ہوئے۔ مجھے لگتا ہے تم بھی بدل رہے ہو۔“ وہ روٹے والی ہو گئی۔

”میں نہیں بدل رہا ہوں بلکہ تم بدل گئی ہو۔“ وہ پر اسرار انداز میں بولا تھا۔

”میں! میں! کیا بدل ہوں۔ میں تو پہلے والی مازیہ ہوں۔“

”یہ تم کہتی ہو نا۔ لوگوں سے پوچھو جو تمہارے پارے میں کیسی اتنی سیدھی باتیں بنا رہے ہیں اور میں تم سے محبت ضرور کرتا ہوں لیکن اپنے اندر اتنا طرف اور حوصلہ نہیں پاتا کہ زندگی بھر کے لیے لوگوں کی نظروں میں تماشا بن جاؤں۔ اس لیے پلیز آئندہ مجھے کال مت کرنا۔“ اس نے ڈٹتے جیسے لفظوں میں بتا دیا تھا کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس پر شک کرتا ہے۔

”تو کیا تم بھی... تم بھی نیشان! مجھے ایسا لگتے ہو نا“ بے اعتباری کا دکھ اس کے لفظوں میں گرنے لگا تھا۔

”میرے کھٹے یا نا کھٹے سے کچھ نہیں ہوتا مازیہ! جو حقیقت ہے سو ہے۔ پلیز مجھے آئندہ دوسرا پتہ مت کرنا۔“

”نیشان... نیشان... نیشان...“ وہ سری طرف ٹوٹ رہی ہو چکا تھا۔ وہ سب برائیاں اس کی زندگی کو بیکار کر رہی تھی۔

حلقہ سماعت میں آگ آئے ہیں اب کتنے آواز کا اک قطرہ

لیکن نہیں مل پاتا

تین تین میں اتنی ہے

نہ تیری جس کا لب

کس تن کو چھو تا ہے

میں جاس سے بے گل ہوں

اور تیرے تکلم کا! اک گھونٹ نہیں ملتا

اس قحط صدائیں دل اب کے نہ کھٹے شاید یہ جاس سماعت کی

جائے لے کے لئے شاید
مازیہ عارفہ لوگوں کی طرح نظرین بمن کی شک
بھری زہر آلود باتیں، مریج مسالے سے بھری اپنے
متعلق مختلف کہانیاں سب مدھی تھی۔ لیکن نشان
کی بے اعتباری اس کی نفس نفس کو تیز دھار آلے کی
طرح کاٹ گئی تھی۔ جس شخص کو وہ زندگی سے بھی
زیادہ قابل اعتبار سمجھتی تھی اس نے اپنی کم طرفی
دیکھائی تھی کہ خالق جانے بغیر اس کی زندگی سے یوں
انگ ہو گیا تھا جیسے کبھی اسے جانتا ہی نہ ہو۔

”شکلیہ! اواز کی سرخسی کے آگے ماں باپ کا کیا بس
پہتا ہے۔ میں نے تو اس لڑکے کو بہت سمجھایا ہے لیکن
وہ میری ایک نہیں سنتا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ مازیہ سے
شادی نہیں کرے گا۔ ہاں اگر آپ اپنی بس سے
مستقل ہیں ایسا کوئی رشتہ ضرور جوڑنا چاہتی ہیں تو پھر
فرازیہ کے لیے بات کر لیں لیکن مازیہ نہیں۔“ نبیلہ
خالہ شرمسار سی امی جان کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں
۔ اور مازیہ کی ہاتھیں یہ سب سن کر مقنوع ہوئی جا
رہی تھیں۔

”ارے فرازیہ تو میری پیاری سی بسن ہے۔“ کسی
وقت نشان نے یہ فقرہ بہت لڑتے کہا تھا جو اب مازیہ
کے دل پر قیامت ڈھا رہا تھا۔
”لیکن نبیلہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر مازیہ میں
اچانک اس کو کیا برائی نظر آنے لگی ہے۔ وہ اور مازیہ
“

”وہ کل کی بات تھی شکلیہ! اب وہ ایسا نہیں
چاہتا۔“ نبیلہ خاندانے ان کی بات کاٹ کر سفاکی سے
کہا تھا اور مازیہ کو یہ سن کر اپنے پاؤں پر کھڑا رہنا دشوار
ہو گیا تھا۔

ان کے درمیان اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں اس میں
یہ سننے کی تپ بھی نہ حوصلہ۔ وہ قدموں کو کھینچے
ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

فرازیہ تک جب یہ بات پہنچی نشان نے مازیہ سے

تکلفی پوچھا کہ اسے پروپوز کیا ہے تو اس نے گھر میں ایک
بچکھڑا کھڑا کر دیا۔
”نبیلہ خاندانے ہمارا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ
ہمیں اسے مضبوط کرنے کے لیے مزید کسی رشتے کا
سہارا چاہیے۔ وہ آپ کی بسن ہیں اور ہمیشہ بسن ہی
رہیں گی میرے لیے ایسا سوتے کا بھی مت۔ مجھے
نشان کی خواہش سے زیادہ اپنی بسن کی خوشی عزیز ہے۔“

اور دل سے تو وہ بھی ایسا نہیں چاہتی تھیں سو انہوں
نے نبیلہ کو انکار کر لیا تھا۔
”فرازیہ۔“ مازیہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی
تھی لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔ جس طرح اس کی بسن نے
اس کا مان رکھا تھا وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اور اب اس
کے گلے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

”مازیہ! جو شخص زندگی کی اونچ نیچ کو نہ سمجھ سکے
اعتبار قائم نہ رکھ سکے جو ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں
کچھ اور جس کے قول و فعل میں اتنا تضاد ہو اس کے
لئے یہ قیمتی موتی مت شائع کرو۔ یہ تو اچھا ہے اس نے
شروع میں اپنی رائے نہیں لیا۔ اگر تمہاری شادی اس
سے ہو جائی اور وہ بعد میں یوں کھل کر سامنے آتا تو
سوچو زندگی تمہارے لیے موت سے بھی بدتر ہوتی۔
اس لیے اس پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو کہ اس نے
تمہیں ایک بڑی اذیت سے بچالیا۔“

فرازیہ کی ہر بات اپنی جگہ سوتی صبر و دردت تھی
لیکن مازیہ اس دل کو کیسے سمجھائی جس پر آج بھی اس
بے وفا کاراج تھا۔

ایک چھوٹے سے واقعے نے مازیہ عارفہ کی زندگی
کو سرتاپا بدل کر رکھا تھا۔
نشان اب ان کے گھر نہیں آتا تھا۔ صرف نبیلہ
خالہ آتی تھیں وہ بھی شکلیہ یتیم کے پاس بیٹھ کر رہی
جاتی تھیں۔ ان کی فرازیہ اور مازیہ سے پہلے وال ہے
تکلفی نہ رہی تھی۔

”نشان کی شادی ہو رہی ہے۔“ ایک شام نبیلہ
خالہ ان کے کمرے ہو کر کہیں تو اس نے پیچھے وہ خیرہ جوڑ
تھیں جس نے مازیہ عارفہ کے دل کو نئے سرے سے
پہلے کی گرم سلاخوں میں پرو دیا۔
شکلیہ یتیم مازیہ سے نظریاتی پھر رہی تھیں کہ
جیسے اس سارے معاملے میں ان کا تصور ہو۔
”امی جان! آپ تیاری کر لیں آپ کو اس شادی
میں ضرور جانا ہے۔“

وہ بہت بے چہری اور لاپرواہی تھی لیکن وقت
نے نل از وقت کھنڈار کر دیا تھا۔
”نہیں بیٹا! نبیلہ سے میں نے کہہ دیا ہے اس کو
بیٹے کی خوشیاں مبارک ہوں لیکن ہم میں سے کوئی
نہیں آئے گا۔ اولاد کے آگے تو کوئی چیز کوئی رشتہ
نہیں ہوتا۔ تمہارے بیٹے نے میری بیٹیوں کے دل
دکھائے ہیں ہم اس کی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتے؟“

”امی جان! جس طرح ہم سب لوگ مجبور تھے اس
طرح نبیلہ خاندانے بھی بیٹے کے سامنے مجبور تھیں ان کا
کوئی تصور نہیں ہے۔ آپ کی طرح میں بھی ان کے
دکھوتے بیٹے کی خوشی میں ان کی۔ من شریک نہیں ہوگی
تو تصور کریں ذرا انہیں کتنا دکھ ہو گا۔ آپ وعدہ کریں
آپ وہاں ضرور جائیں گی۔“

”میری بیٹی! شکلیہ یتیم نے اپنی لاپرواہی اور
سلاخوری سی لہنی کا یہ روپ دیکھا تو اسے سینے سے لگا کر
رہنے لگی تھیں۔

اس نے ماں کو تو سمجھا دیا تھا باقی لوگوں سے بھی
پنے آنسو پھیلائے تھے لیکن نشان کی شادی کا سن کر
جس طرح دل کو کوئی فوج رہا تھا وہ تکلیف سہی نہ جا
تی تھی۔ بھوک پیاس اڑ گئی تھی اور نیند آنکھوں
سے یوں روٹھی تھی کہ جیسے لب بھی مہیا نہ ہوگی۔

”بس! مازیہ کو میری جھولی میں ڈال دو۔ میرا بیٹا
سے پھولوں کی طرح رکھے گا۔ وہ محبوب میری بیٹی
ہے۔“

ہوئی تھیں کو خالی مت لوٹا۔ میرا بیٹا بہت صابر اور
مخصوص ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگا اور
زندگی میں پہلی اور آخری بار جو چیز مانگی ہو انھی تک میں
اسے نہیں دے سکی ہوں۔ بسن! اب کے مجھے خالی
ہاتھ نہ لوٹانا میں اپنے بیٹے کا سامنا نہیں کر سکتی۔“

دھوپ ڈھل کر چمن سے ہوئی ہوئی دیواروں پر
بیرا کر چلی تھی۔ درختوں کے نیچے ہلکی ہوا سے
دھیرے دھیرے ابل رہے تھے۔ شکلیہ یتیم چاہتی بیٹے
چھتے یکدم ساکت ہوئی تھیں اور اب خالی خالی نظروں
سے ان کو دیکھے جا رہی تھیں۔

”اوصاف تمہاری نظروں کے سامنے بنا رہا ہے
تم سے زیادہ اس کی عادتوں کو کون جانتا ہو گا پھر بھی
شکلیہ! تم سوچ لو جتنا دل چاہے انتظار کرو ان لوگوں اس
پار مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹا۔“ فراسٹ خاندانے ایک بار
پھر اپنی بات دہرائی تھی۔

فرازیہ جو قریب ہی تھی۔ فراسٹ یتیم کی بات سن
کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”امی جان! اوصاف بھائی بہت اچھے ہیں۔ فراسٹ
خالہ صحیح کہہ رہی ہیں۔ وہ اپنی مازیہ کو بہت خوش
رکھیں گے۔“

اس نے آج سے بہت پہلے اوصاف یتیم کی
آنکھوں میں اپنی بسن کے لیے بہت کچھ پاپیڑہ اور
خائن محبت دیکھی تھی۔ ایسی محبت خود بخود سے
تھیں بس عمل سے کی جاتی ہے۔ جس کی سچائی کی
گوواہی کسی پارک پائس یا کسی سڑک پر نہیں دینی جانی جو
صرف کسی راز کی طرح دل میں چھپائی جاتی ہے اور
وقت آنے پر اس کی خوشبو چاروں اور کھینچتی ہے۔

وہ کہہ کر اٹھی اور سیدھی مازیہ کے پاس جا بیٹھی۔
”مازی! اب تمہیں کچھ اور جھولی محبت کا فرق
معلوم ہو گا۔ دیکھو اوصاف چاہتے ہیں کہ ان کوئی رشتہ نہ
تھا لیکن وہ تم سے محبت کرتا تھا اور اس نے تمہیں نشان
کی طرح بہت سی جھولی کہانیاں تمہارے بارے میں
سن رکھی ہوں گی لیکن اس میں اور نشان میں کتنا فرق
ہے کہ اس نے تمہیں مورد الزام نہیں سمجھ لیا اور نہ

اب WARID سے بھی 78601 ڈائل کیجئے

اور انٹرویو کے سببے ٹیلی فون کی سروسز

Telefun

تازہ ترین خبریں

پسندیدہ گانے

موبائل فرینڈشپ

مکڈونلڈز میل

BVD موبویز

ایٹ ٹرفیٹ گھنٹے

بے شمار کیٹیج انعامات

صرف ایک فون کال پر

78601 0900-78601 PTCL ڈائل کیجئے

ٹیلی فون کی سروسز کے بارے میں مکمل معلومات اور نئی نئی قسم کی شہادت کیلئے ڈائل کریں

ٹول فری نمبر 0800-78601 اس نمبر پر کال کرنے والی تمام کالز کے چارجز ٹیلی فون ادا کرتے ہیں

for more information visit: www.telefun.com.pk

Call Rate 14.07/min

Ad Created

NOORANI

تو اس وقت شکر ادا کرنے کے بعد وہ کمرے میں آیا اور
"السلام علیکم!" وہ بیڈ پر مازیہ کے پاس بیٹھتے ہوئے
بولے۔

"وعلیکم السلام!" مازیہ کو وہ دن یاد آیا تھا جب اس
طرح سلام کرنے پر اس نے فرازیہ کے سامنے
اوصاف کا خوب مذاق اڑایا تھا۔ دل پہ آنسوؤں کی
بارش میں کچھ اور تیزی آئی تھی۔

"میں بہت خوش نصیب ہوں۔ پتہ ہے کیوں؟"
اس نے تھوٹھٹ الٹ دیا تھا۔ سامنے وہ شعلہ جوانہ
جی اس کے دل کے تاروں کو ہلکائی تھی۔

"پوچھو گی نہیں کیوں؟"
"کیوں؟" اس کے لہجے میں اصرار تھا اسے
پوچھنا ہی پرنا۔

"اس لیے کہ تمہارا ساتھ نصیب ہوا ہے۔" اس کا
دل ایک بار پھر بھر آیا تھا اور آنکھیں آنسو چھپاتے
چھپاتے بھی چھٹک بڑی تھیں۔

"آئندہ ان آنکھوں کو کبھی روئے نہیں دینا کیونکہ
تمہارے آنسو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہیں جو
بھی دکھ ہو گا میں اس دکھ کو اپنی ذات پر سمون دوں گی۔"

صرف اور صرف خوشیاں تمہاری ہوں گی۔ پولویہ سووا
منظور ہے؟" اس نے مازیہ کے آنسو اپنی انگلیوں کی
پوروں پر چلتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں کہا تھا۔

"منظور ہے؟" اس نے کچھ مل کے لیے سوچا اور
اس کی پھلکی ہوئی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ہوئی ناپا بات؟" اوصاف نے مسکراتے ہوئے
اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام
لیا تھا۔

اور مازیہ نے پہلی بار کھل کر مسکراتے ہوئے اس
کے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔



تمہاری محبت ختم ہوئی بلکہ فراسٹ خالی پہلے سے
بھی زیادہ پیامت اور شوق سے تمہارا ہاتھ مانگنے چلی آئی
تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا چاہتی ہو؟"
وہ سچائی مانتے ہوئے بھی ڈیٹھان کی جگہ اوصاف جاوید کو
نروے لگی تھی اس لیے اس کی باتوں سے آگاہ کر لیں۔

"میں یہ چاہتی ہوں کہ اب الی جان تم سے پوچھیں
تو تم انکار نہ کرنا۔ شادی تو تمہیں ایک دن کرنی ہی ہے تو
پھر وہ شخص کیوں نہ ہو جو پورے خلوص سے تمہیں
چاہتا ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اور کچھ؟" وہ بڑے آرام سے مان گئی
تھی۔

مغرب کی آوازیں ہونے لگی تھیں وہ فرازیہ سے
کہہ کر وضو کرنے چل پڑی تھی۔

"جب ڈیٹھان نہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔" وضو
کرتے ہوئے بھی اس کا دل عجیب انداز میں گرا رہا تھا۔

وہ سوچتی بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر مندی
رہی تھی۔ پورپور خوشبو میں بھی ہوئی تھی۔

اوصاف جاوید کو اس بات سے کوئی غرض نہ تھی
اسے تو بس اتنا پتہ تھا کہ مازیہ عارف ہمیشہ کے لیے اس
کی ہو چکی ہے۔

اس نے مازیہ عارف کو بے تحاشا چاہا تھا لیکن اس کو
اس سے مانگا نہیں تھا اس نے اسے ہمیشہ دعاؤں میں
اپنے اللہ سے مانگا تھا۔ اس اللہ سے جو معجزے دکھاتا

ہے ان دعاؤں میں جن سے تقدیر بدل جایا کرتی ہے۔
محبت کے ساتھ جو بے غرض اور بے ریا ہوتی ہے۔

وہ کم رو تھا۔ اس میں اعتماد کی کمی تھی۔ اس میں
صنفت مخالف کو اپنی طرف راغب کرنے کے اور مجھے
ہنچکنے سے نہ تجھے نہیں اس میں سچائی تھی اس کے قول
و فعل میں تضاد نہ تھا اور پھر اسے اس ذات اعلیٰ صفات

سے ماننے کا ہر آقا تھا جو کسی کی جسمانی خالی نہیں رہتے

سورج کا لہر

خاورِ لٹ

سعدیہ بیگم سے بیاہی تم نعم کیفیت چھٹی نہیں روپاتی۔ وہ بیاہ کو ہمانے سے عارف بیگم سے ملوانے سے جاتی ہیں عارف بیگم کی خراب طبیعت اسے ہر چیز بھڑا دیتی ہے۔ وہ پوری نہیں سے ان کی بھولتی کرتی ہے لیکن بند غصے کا شہسب اسے بے دخل کیے رکھتا ہے۔ زریاب کی حقیقت کھلنے پر اسے اپنی عظمت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا محسوس کرتے ہوئے اللہ سے گڑگڑا کر سکون کی دعا مانگتی ہے۔ ولید کے ذریعے اسے واضح کے بیانات کا اندازہ ہوتا ہے تو وہ مزید دل گرفتہ ہو کر واپس سعدیہ بیگم کے پاس جانے کو بے چین ہو جاتی ہے۔ اس کی اچھا ناکہ روانی عارف بیگم غصوا اور ولید کو غیب میں مبتلا کرتی ہے۔ اسی وقت کسی کی آمد سب کو جو کا دیتی ہے۔ گھر کچے پر ابھی سعدیہ بیگم کو پیش قدمی پرستہ دیکھ کر ہنک سے رہ جاتی ہے۔

www.pkdigest.com



WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضویا کے سامنے حارث کھڑا تھا۔

”آئی آئی ہیں؟ دیکھو میں بیچ اور اور اچھوڑ کر آیا ہوں۔ کدھر ہیں وہ۔ اوکے یا زرا تھینکس ہائے۔“ وہ مڑ کر اپنے لفٹ دیتے والے دست کو ہاتھ ہلاتے ہوئے اندر آ گیا۔

”مگر تم تو کدھر رہے تھے آج آئیڈی میں میسٹ ہے تمہارا فزکس کا اور تم بیچ کھیل کر آ رہے ہو۔“ ضویا وچن کر ہاتھ جمائے کر پوچھنے لگی۔

”وہ آئی! بیچ کا بھی سبک فائل تھا۔ سمجھا کرو سب چنتا ہے۔ آئی کدھر ہیں آئی! وہ پکارتے ہوئے اندر چلا گیا اور ضویا اسے گھورتی رہ گئی۔ ولید کدھے اچکا کر حارث کے پیچھے ہی اندر چلا گیا۔



”ہر انسان خوش قسمتی یا بد قسمتی کو اپنی نظر سے دیکھتا اور سمجھتا ہے مگر ایک پیمانہ تو سب کی نظروں میں سب سے زیادہ قابلِ قدر ہوتا ہے اور وہ ہے دولت کا پیمانہ!

میری نظروں میں بھی اس پیمانے سے بڑھ کر کبھی کوئی پیمانہ نہیں رہا اور ساری زندگی میں نے اس پیمانے کے تعاقب میں سرہٹ بھانگتے گزارے اور سرہٹ بھانگنے کے دوران میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کیسے قیمتی انمول رشتے اور لوگ میں خود اپنے ہاتھوں سے جھٹکتا دھکارتا ہی ایک بے وفا پیمانے کے پیچھے بھانگتا رہا اور اٹھ ہٹاؤ ہٹاؤ بھانگنے میں میں یہ قطعاً بھول گیا کہ اس پیمانے سے بے وفائے بھی اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں بلکہ اس دنیا کے تماشا گاہ میں سراسر نظر کار ہو گا ہے۔

دولت کا یہ پیمانہ اگر کبھی میرے پاس آ بھی جاتا تو کتنے دن میرے پاس رہتا؟ کتنے کے چند دن اور ایسا ہوا بھی۔ یہ پیمانہ میرے ہاتھ آیا بھی اور میں نے خود اسے اپنے ہاتھوں سے جھٹک کر چھٹا چور کر دیا ہے نامزے کا لطف!

اس کا حاصل دوڑ کے دوران میں بھول گیا کہ میری

اصل دولت روپیہ پیسہ اور زر و جواہر نہیں بلکہ مجھ سے وابستہ رشتے ہیں جنہیں اس بے وفائے دولت کی خاطر میں ایک ایک کر کے دھکا مار رہا ہوں۔

میری ہر زیادتی وطن و تشفی کاٹوں گھونٹوں کے جواب میں بھی مجھ سے وفادار رہتے والی میری بیاہاز پر عزیز گار بیوی جس نے میرے ہر ظلم کو صبر کے ساتھ سہنے کی انتہا کر دی اور اس کے صبر نے مجھے اور شہرہ دی آج جتنے سمجھ میں آ رہا ہے کہ ظالم کو ظالم کون بناتا ہے مظلوم کی خاموشی اور صبر۔

اس نے خاموشی اور صبر سے اپنے اعمال کے توشہ خانے میں میرے لیے واکی سزا کیسے درج کرائی۔ ہر لاث ہر گھونٹے ہر پھپھر ہر الزام کا جواب آج میرے سامنے ان تاریک اندھیری خوفناک راتوں کی صورت میں موجود ہے۔

اور مجھ سا بے نصیب کون ہو گا کہ میرے جیسے بچوں کے بچپن اور لڑکپن کو ڈنڈے مارنا کاٹنے کے ٹولوں کے پیچھے بھاگتا رہا اور کئی کئی ٹولوں کے حصول کے لیے میں نے کس کس برائی کو اپنے گلے کا بیٹوشی بار بنایا۔ اب یاد آتی ہے۔ دھوکا دینا، چھوڑ دینا، چوری چھاری چھکاری، ٹھوڑا سا فراڈ، چھوٹا موٹا چھپا اور سب سے بڑا ہاتھ جو میں نے ایک مالدار عورت سے جھوٹی محبت کا فریب رچا کر شاوی کر کے مارنے کی کوشش کی مگر پانسہ اٹا پڑ گیا اور میرے ہاتھ ایک جھجھکی ہوئی کوشت زدہ ناکام زندگی آئی۔

ٹیک ہوئی کی کھری محبت اور بے ریا ساتھ نے بھی میری آنکھیں نہ کھلیں۔ حقیقتاً میرے قسب پر دولت کی مہر لگ چکی تھی اور یہ مہر آنسوؤں سے لپکتی سے یاد دلاؤں کے سحر سے ٹوٹنے والی نہیں تھی اور بیچ کا گیا کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں قلب لندھے ہو جاتے ہیں۔ سو میں دولت کی حرص میں دل کا اندھا ہو چکا تھا۔ سو مجھے کیا بھال دیتا تھا۔ الٹا اس ہوس ڈر میں جو ہاتھ مارا سوالیہ باز۔

میرے کردار کا ٹھیکاپن اس سے بڑھ کر کیا ہو گا۔ ایک بار بیوی کے دماغ پھوڑنے کی کوشش کی تو دوسری

بار دینی منہ آ کر میری بار ایک دولت مند مگر بھروسے سے اور میری قسمت کا مذاق اچھو ہر بار مجھے منہ کی کھائی پڑی۔

ایسہا انصاری سے سجدہ انصاری کے بعد دوسری بار مجھے اپنی قسمت کی لاشی گئی تھی کہ جس کا ہر نمبر میرے عقدر سے بیچ ہو رہا تھا۔ میں نے اس گفت کو استعمال بھی بڑی مہارت سے کیا اور دوسری بار قسمت نے بڑی مہارت سے اس کا جواب میرے منہ پر دے مارا اور دو ڈھائی لاکھ کے چیک اور تھوڑے سے زیورات کے ساتھ بھلا میری حرص کا منہ بند ہونا تھا؟ مجھے تو ڈھیروں ڈھیر دولت چاہیے تھی۔

اگرچہ وہ دو ڈھائی لاکھ بھی میں نے آرام سے ہتھیا لیے۔ اپنی پچھلی جیبی بیوقوف چینی سے ٹکروں پر قرار کو قرار نہیں تھا اور بالآخر یوں سمجھو ہزار سالہ تمپیا کے بعد اس دولت کے ظلم کدے کا وردانہ مجھ پر کھل ہی گیا شاکت کی صورت میں۔

ہاں! او! پھر میری بڑی قسمت آئے گی۔ چند دن کے خوابناک عیش کے بعد میری حرص طبیعت نے روز سونے کا لہڑا اپنے والی مرئی سے سارے اندھے ایک آبی یار حاصل کرنے کے لیے مرئی ہی حائل کر ڈالی اور ساتھ ہی اس ظلم کدے سے دولت و سوائی کے ساتھ دھکا بھی مل گیا۔

آج میں ہوں اور عمر قید کی یہ کال کوٹھری کہ جن میں پورے قید کے ساتھ کھڑا ہوں تو مگر کوٹھم دینا پڑتا ہے میں جو کبھی خیدہ کرتا تو کیا خیدہ نہیں چلا تھا اور آج سیدھا کھڑا ہونے سے بھی قاصر ہوں۔

مجھے دولت سے بڑا پیار تھا اور اس پیار نے مجھے قدم قدم پر رسوائی، جگ ہتھائی دی اور میں سمجھا اور اب اس پیار نے میرے جسم پر ہی نہیں میری دونوں پر بھی سکوں کے نقش کدھ کر دیے ہیں۔ میرے سارے بدن پر انکھنی چوٹی اور روپے برابر لٹیر کے نشانات۔

میرا تو بدن میرے اللہ نے تمسائل بنا دیا۔ دیکھتے ہوئے سرخ سرخ جھٹکتے جھٹکتے دیکھتے سکے۔ کوئی میری لذت میری تکلیف کا شاید ہی اندازہ کر سکے۔ درد و

درد کنار میری حالت دیکھنے والا بھی نہیں۔ اور یہ سب لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ میری حالت یہ رحم کھیا کر میرے لیے رحم کی دعا کی جائے، مجھ جیسا رازش، ٹھنڈا انسان کسی رحم کسی ہمدردی کی دعا کا مستحق نہیں اور سچ اکوں تو میرا دل اس تکلیف و حالت نارویٹے والی تنہائی اور ٹھنڈے اندھیرے سے نہیں گھبراتا۔ سوچتا ہوں شاید اسی طرح انہی زندگی کی واکی سزائیں کچھ ہی واقع ہو جائے تھوڑی سی معافی مل جائے۔

تو پھر یہ سب لکھنے کا مقصد یہ ہے سب بڑھ کر بھی جن جن کی زندگیوں کو میں نے دوڑخ ہٹانے کی کوشش کی ان کے دلوں میں میرے لیے ہمدردی کی رشتی پیدا نہیں ہو سکتی۔

ایسہا انصاری! بیٹی اس لیے نہیں سکوں گا کہ مجھ جیسا بد بخت باپ سکوانے کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔ جو اپنی فرشتوں جیسی معصوم بیٹی کے جذبات کو روندنے اور اس کی روح تک سچلنے سے دریغ نہ کرے وہ کیسے باپ کھلا سکتا ہے؟

میں نے دیکھی تھی تمہاری آنکھوں میں اس منحوس پیمانے کے لیے تڑپ، تشنگی اور حسرت۔

نہتیں جب تک ہمارے پاس ہوں ہم انہیں محسوس تک نہیں کرتے بلکہ اکثر دوسروں کی طرف دیکھ کر اپنی حالت پر جھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ میں نے بھی تو ایسا ہی کیا۔ جی باپ کی محبت نے انسانی فطرت سے مغلوب ہو کر بچوں کو سنے سے لگانے کی خواہش بھی کی تو ہمیشہ ”رفع و رسد یہ کھولے سکے ہیں“ کہہ کر جھٹک دیا اور آج جسے آج بری طرح سے یہ زخمی دل ہمک رہا ہے کوئی سب کوئی میرے پاس ہو سکتا۔ رافع ایک بار ایک مار سے میں اپنے بچوں کو گھٹے لگا سکوں گھٹے بھی لگا سکوں ان کو چھو کر ان کا بہت بھرا لیس اپنی انگلیوں کی پوروں میں محفوظ کر سکوں۔

مگر میں نے تو انہیں بھی نفی کیا ساتھ رہنے والے بھی نہ گردانا اور آج۔ یہ تو میری ناممکنی

بے بسی ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ اور نعمتیں جو تم سے چھین سکتیں ان کا ملال ہم وقت تمہاری حسرت بھری نگاہوں میں نے بکھوڑے لیتے دیکھا۔

اب اس کمال کو ٹھہری میں بیٹھ کر سوچتا ہوں، تجزیہ کرتا ہوں کہ ہم سے وہی کچھ چھینا جاتا ہے جو ہمارا ہونا ہی نہیں۔

اور چھوٹا نقصان ہمیشہ بڑے فائدے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اگر ہم بے تحاشا اور ملتان کریں تو۔

رافع مجھ جیسے بد نصیب کھولے تھے جیسے انسان کا کھرا پیرے جیسا بیٹا ہے کہ جسے یقیناً بیٹا پکارنے کا بھی مجھے حق نہیں مگر تم نے میری کیننگی اور گھٹیا پن کے باوجود میرے ساتھ بیٹگی کی ہے۔ میرے چار آنسو بہانے پر اپنی کھلی منہ میرے حوالے کر دی۔ اس وقت تو مجھے اپنی کامیاب اور کاری پر ہنسی اور تمہاری یہوقولی پر مزہ آیا تھا اور آج سوچتا ہوں تو تمہاری یہ معصوم حرکت میرے لیے جسد و رشک کا باعث ہے کہ تم نے کس طرح اپنے نصیب کے خسارے کو میری تقدیر کا حصہ بنا دیا۔

”انصاری ہاؤس“ کا چھوٹا سہارا، معنوی خوشی تم سے چھین کر رافع جیسے انمول انسان کی رفاقت شاید تمہاری اس معصومیت کو دیکھتے ہوئے رب نے تمہاری قسمت میں لکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ایسا انصاری! آخر شریان منا اور سارے آنسو دھو ڈالو۔ کہ میری کیننگی اور گھٹیا پن نے تمہارے لیے واگی مسرت کا اہتمام کر ڈالا اور بھی روپے پیسے جھسی بے جان چیز کے چھین جانے پر ایک آنسو نہ بہاؤ۔ اپنے انمول آنسو اس چیز کے لیے بہاؤ جو تمہارے لیے رو سکتا ہے اور دولت جیسی بے وقافتے کسی کے لیے ایک قطرہ آنسو نہیں بہاتی پھر ہم اس کے چھین جانے پر کیوں روتے ہیں؟

تمہاری اصل دولت رافع جیسا بلند کردار انسان ہے اور دیکھتا تمہاری یہ دولت دن بدن بڑھتی چوگی ہوتی جائے گی کہ تمہارے دل سے اس کے چھین جانے کے

سارے غلام نہیں کم ہو جائیں گے۔ اسے کھل کر پاپ کی بے جا تعریف نہ سمجھنا اپنے بیٹے کے لیے فکر قدرت مرگ کی گھڑیوں میں اذیت کے جنم سے گزر کر انسان کا بے ریا شخص مشورہ جاتا۔

تمہیں چھوٹے دکھ پہنچا کر بڑی خوشیوں کی نوید سنائی گئی ہے اس نوید کو کان نہ لگا کر سنو۔

جانے سے پہلے معافی نہیں مانگوں گا۔ تم سے نہ کسی اور سے مجھے معلوم ہے میں معافی کا حقدار ہوں ہی نہیں۔

اور اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دینا آفتاب زہری کو یہ گوارا نہیں کہ اذیت کی ان گھڑیوں میں کوئی خاموش رہے۔ اس پر ترس کھائے۔ ہاں روشنی سے جب بھی ملاقات ہو تو ایک الگ پیار بھرا ہاتھ میری طرف سے اس کے سر پر ضرور رکھو۔

یہ خط میں تم تک کیسے پہنچا رہا ہوں؟ ان سارے بے جان نونوں کے بدلے جو میں نے قسمت اٹھیاے تھے، اب میرے لیے کاغذ کے پرزے ہیں کسی کے کام آجائیں گے۔“

اندھیری رات کے منہ زکا آنری پیغام

صبح کے اجالوں کے نام خط پر جا بجا آنسوؤں کے دھبے تھے اور ٹوٹی پھوٹی تحریر بے ربط جملے آفتاب زہری کی شکستہ حالت کے گواہ تھے۔

وہ خود بھی تو رو رہی تھی۔

اس منحوس خاکی لٹاے کا عقدرہ حل ہو چکا تھا۔ اور اب اسے یاد آیا تھا ملازم نے اسے یہ کہہ کر رفاقت دیا تھا کہ تپ کے پرانے مٹلے سے کوئی شخص دے کر گیا ہے۔ یہ اس وقت فریال کی اذیت بھری کہانی سن کر آ رہی تھی۔ ذہنی طور پر بڑی طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس نے تو شاید ملازم کی بات بھی نہیں سنی تھی۔ خاکی لٹاے سے فوراً ”ہی طلاق کے دستوں نے مرا اٹھایا اور اس کے دل دور کی دنیا تسمہ دیا ہو گی۔

وہ زریاب سے ملنے کے بعد اپنے برادر دل کو چھرت آباد کرنے کے لیے اس کی ہمراہی کے لیے بری طرح

سے بے تاب ہو رہی تھی۔ اس وقت تو اسے زریاب اپنی اپنے ہر درد کا دریاں ہیر زخم کی دوا لگ رہا تھا جو اس کے خوب صورت رویے بکھرے ماٹھی کو ایک بار پھر زندہ کر کے اس کی زندگی کا حصہ بنا سکتا تھا۔ لیکن تو رافع سے علیحدگی کے منہ لہے میں شدت آگئی تھی۔

اور زریاب کی جو بھینٹ صورت فریال نے اسے دکھائی تھی اسے لگا وہ اپنی کوتاہی اور حماقت کے ہاتھوں خود اپنی زندگی کی کیننگی کو الگ لگانے چلی تھی۔

رافع کے ساتھ وہ کیوں ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی؟ اور جب بھی رافع کی اپنی ہوئی شخصیت کی زریاب کی شاندار ٹوشنگ پر سناچی اور دولت کی چمک دمک سے مقابلہ کرتی تو دل ہر سمجھوتے سے انکار کرتا۔

اس کے دل کی دو سری چھین، جب اس نے رافع کو روشنی کے معاملے میں جنگیوں کی طرح دیکھتے اور گالیاں بکتے سنا۔

اور جو زبان اور فحش گفتگو زریاب کے بارے میں فریال نے بتایا۔ رافع کی بدکھائی اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھی۔

زریاب کے مقابلے میں رافع کی غمناکی مگر آج وہ جس مقام پر لکھا تھا وہ اس کی اپنی آن تھک محنت کا پھل تھا۔ سنی کے باپ کی جھنجھی ہوئی وراثت نہیں جس کے مل بوتے پر زریاب اپنا تاند کاٹھ اونچا کیے لکھا تھا۔

”اور میرا دل جو اس سے خائف تھا اس دل میں لیلیغ درد نے گروٹ لی کہ وہ مجھے۔ ایسا انصاری کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ ہاں صرف یہ غم تھا سب سے بڑا کہ وہ مجھے انور کر رہا ہے۔“

”یعنی ابھی رافع نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اور ان سارے نئے واقعات کی روشنی میں ابھی تو میرے دل نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔“ اچانک ہی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی نہ جانے کب کا سینے میں گھٹا ہوا سانس اس نے سچو اطمینان سے خارج کیا۔

”وہ سب کچھ جو میرے دل کے سماں خانے میں

اندھیری آنکھیں پوشیدہ ہے وہی سب تو رافع کے دل میں ہے تب ہی تو وہ میری ضد کو ٹالے لے جا رہا ہے۔ وہی۔ وہی تو ہے میرا چارہ گس۔ میرے ہر درد کی دوا اور میں خواب کے پیچھے کمراب کے پیچھے ٹوڑ ہو رہی تھی۔“

وہ آنکھیں موندے مسکرائے جا رہی تھی۔ ایک زمانے کے بعد جیسے اس کے اعصاب پہ دھڑکی غم کی چٹائیں ایک ایک کر کے اس کے قدموں میں جا گری تھیں۔ اس کے کندھے ہر پوچھ سے آڑوں ہو گئے تھے۔

وہ اٹھی اور اس خط کو ضائع کرنے چلی دی آفتاب زہری کی خواہش کے مطابق۔ شاید ہی ایک سنی کے عرصے اس دنیا یا اس دنیا میں آفتاب زہری کی سزا میں تخفیف ہو جائے۔

”ان کے مجھ پر ایک نہیں دوا احسان ہیں۔ ایک اس طوفانی رات کو مجھ پر چھوٹا الزام لگانے کا احسان اور دوسرا آج سے وہ جلتے ہوئے کاغذ کے شعلوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔“

”اس لیے پھینچو رو رہی تھیں۔“ اسے سعیدہ بیگم کے آنسو یاد آئے دفعتاً باہر فون کی تھنٹی بٹنے لگی۔ ”رافع کا فون ہو گا۔“ یہی بار اس کا دل فون کی تھنٹی سن کر اٹھ کھلی بال پہ دھڑکا تھا۔

وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

”تمہارے پاس کتنے سے ملنے کے لیے صرف اڑتالیس گھنٹے ہیں۔ ان دونوں کے دوران اگر تم مجھ سے ملنے نہ آئیں تو مجھ سے محبت کے جوئے پیمان تم نے باندھے ہیں پر سوں تک سارے شہر میں نشر ہو جائیں گے۔ مجھے معلوم تھا تم ایک دن میرے ساتھ یہ ٹھہرو رو یہ ضرور اپنا دل کی کسی جگہ سے اس دن کی تیاری پہلے سے کر رہی تھی۔ ہم دونوں کے بیچ بھلا پر بڑے میرے ہلکے سیری کاریکا روٹنگ بن، ہمیشہ آن ہو ما تھا کہ تو کوئی خوب صورت سے دوچار جسے سنوا دوں یا تم یونہی مجھ سے ملنے آ جاؤ گی؟“ اس وقت اس کی جو ذہنی حالت تھی وہ کسی بھی طرح زریاب کے فون کے لیے تیار نہ تھی اور اس کا فون نہ سننے کے لیے

تو اس نے اپنا سیل فون مسلسل آف کر رکھا تھا۔ مگر وہ اس طرح کے اونچے چھکنوں پر اتر سکتا ہے اس کا اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا۔

”نہیں... میں نہیں ٹوکن گی جو کر سکتے ہیں مگر میں وہ ٹھوس سبجے میں ہوں۔“

”بول ڈیری بول۔ مجھے تمہاری یہ مساوی پسند آتی۔“ اوکے اب سب کچھ تمہارے حسب خواہش ہو گا بلکہ یہ تو تمہارے ساتھ نیکی ہی ہو گی کہ رافع جو تمہیں طلاق دینے پر آمادہ نہیں وہ تمہاری رومانٹک گفتگو سننے کے بعد ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرے گا۔ چلو ہم کسی کا بھلا ہی کر سکیں۔ تم نہیں آتیں نہ سہی کل یا پرسوں شام کو میں خود حاضر ہو جاؤں گا کیونکہ تین دن بعد میری سیٹ کنفرم ہے۔ اب جانے سے پہلے اپنی ڈارٹنگ سے آخری ملاقات نہ کی تو یہ پیار کی بدنامی ہو گی چلیں۔ جی مہبت کے سارے تقاضے ہم ہی نبھائیں گے۔ اوکے ٹیک کیسز بقی ملنے پر۔“

اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ اس کا سر بڑی طرح چکر رہا تھا۔ اسے تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ جس شاخ پر بیٹھی تھی پار پار سے کانٹے کی کوشش کر چکی ہے اور آج اس کی یہ کوشش رنگ لارہی تھی۔

”تو یہ ہے میری زندگی میں خوشی کی حقیقت ہے۔ رافع کتنا ہی بلند کردار روشن خیال گھرا اور مخلص کیوں نہ ہو کم از کم بے غیرت نہیں۔ اس کا تو مجھے کبھی طرح سے علم ہے جب بھی موقع آیا وہ غیرت پر محبت اور اپنی ذات کی ہر خوشی کو قربان کر ڈالے گا۔ اور میرے خدا آپ میں نے کیا کیا؟“

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے جھکتی چلی گئی۔

پچھو اٹھتے بیٹھے اسے کہہ رہی تھیں۔
 ”وزیر اس ککر ٹکرا نہیں دیکھے جانی یا وہاں سے اٹھ کر چل رہی تھی۔“

”آخر ہوا کیا ہے کچھ پتا بھی تو چلے کسی نے کچھ کہہ دیا اور یہ رافع کو دکھو پورے چار دن ہو گئے آج کوئی فون نہیں آیا خود کر رہی ہوں تو وہ مشین بولتی ہے آگے سے۔ ایسے تو کبھی نہیں ہوا کہ وہ مجھے فون کرنا بھول جائے۔“ وہ بات کرتے کرتے اٹھ کر چل دیں۔

”مصر کا نام ہو رہا ہے نماز پڑھ لوں۔ تم بھی اٹھ کر پڑھ لو اور چلو وہ گھڑی جا کر ان سے مل آتے ہیں۔ تم زرار رافع کو فون کرنے کی کوشش تو کرو شاید نمبر مل جاتا۔“ وہ جانتے جانتے اسے کہہ گئیں۔

وہ بیٹھی سب کاٹی رہی۔
 ”زریاب کی ڈیڈ لائن ختم ہونے میں چند گھنٹے باقی ہیں۔ رات کو یا کل شام... یا اللہ اعلم کیا کروں...؟“
 پچھو کو بتا دیں سب۔ وہ کیا سوچیں گی کہ میں اس طرح جھوٹ بول بول کر اس سے ملنے چاہتی تھی۔

بے شرمی اور ذہنیاتی کے ساتھ اسے اس وقت فون کی دھبے چینی سے اٹھ کر کھینچنے لگی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ ایک بل کو خوفزدہ ہی ہو گئی۔
 ”زریاب کا فون ہو گا۔“ وہ وہیں کھڑی سمی ہوئی نظروں سے بچتے فون کو دیکھتی رہی۔
 ”رافع کا فون نہ ہو میں اسی سے پوچھوں وہ کب آ رہا ہے؟“ اسے اس بل رافع کا خیال کسی ذہن کی طرح لگا تھا پچھو چھاؤں کی طرح... بے لگاں گھڑی میں کسی سائیکل کی طرح۔

”ہیلو...“ اس نے کانپتی آواز میں ریسیور کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔
 ”ہا ہا ہا تم آ جاؤ... تم کیوں چلی گئی تھیں مئی...“
 ضویا بڑی طرح سے رو رہی تھی۔
 ”ضویا! کیا ہوا بولو کیا ہوا مئی کو؟“ وہ تڑپ کر بولی۔
 ”ابھی کیا جی آسے تھے اسوں نے مئی کو پچھو کو ولید کو بہت برا بھلا کہا اور ساتھ ہی کہہ گئے کہ ہم لوگوں

کا جتنا بھی حصہ ہوتا تھا وہ بابائے خرچ کی صورت میں انہیں دیتے رہے ہیں۔ سارا حساب کتاب ان کے پاس لکھ رکھا ہے ہمارے حصے میں فقط دو تین لاکھ آئیں گے ورنہ کہتے ہیں تم لوگ کیس کرو۔ مئی تو کچھ بول ہی نہ سکیں وہ گرتے گرتے چلے گئے اور مئی وہیں بے ہوش ہو گئیں۔ میں انہیں ہسپتال لے کر جا رہی ہوں پلینزم آ جاؤ۔“

”میں آ رہی ہوں ضویا! تم فکر نہیں کرو گھبراؤ نہیں ہمیں آ رہی ہوں۔“ وہ آنسوؤں کے درمیان تیزی سے بولی۔ ضویا شاید پہلے ہی فون بند کر چکی تھی۔
 ”کیا ہوا؟“ پچھو اس کی پریشان آواز سن کر اس کے پاس آ کھڑی ہو میں تو اس نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی۔

”اوہ یہ تو بہت برا ہوا۔ پتا نہیں بھائی صاحب نے اس دولت کی خاطر اور کتنی جانوں سے گھیلنا ہے اور جس کے لیے یہ سب کچھ سمیٹ رہے ہیں وہ عیش میں اڑتے ہوئے گویا اسے تلی لگا رہا ہے۔ چلو تم کپڑے بدل لو ہم بھی چلتے ہیں۔“ وہ اسے دل بھادتیے ہوئے بولیں۔

”تمیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں چلیں۔“
 وہ دونوں جب ہسپتال پہنچیں تو عارفہ بیگم کو آئی سی یو میں لے جایا جا چکا تھا۔

”ڈاکٹر کہہ رہے ہیں لگے چوبیس گھنٹے ان کے لیے بے حد خطرناک ہیں اگر سروائیو کر سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ... بہت جان لیوا پارٹ انٹیک ہوا ہے۔“
 ضویا نے روتے ہوئے پتایا تھا۔

کھڑے کھڑے سب کی ٹانگیں شل ہو گئیں اور دعا کرتے لب جھٹکتے گئے پھر شام گہری رات میں ڈھل رہی تھی۔ اس کا موبائل بار بار بج رہا تھا اور ہر بار نمبر دیکھتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اسے رافع کی کال کا انتظار تھا اور زریاب... شاید انتظار کی آخری انتہا تھا۔
 ”بیگم صاحبہ! مجھے اجازت ہے میں جاؤں۔ موسم بھی خراب ہو رہا ہے۔“ ڈرائیور سعدیہ بیگم کے پاس

آکر بولا تھا۔
 ”ہاں تم جاؤ۔“ انہوں نے اسے اجازت دے دی۔

”ٹھہرو حبیب گل۔“ وہ چند لمحوں بعد اس کے پیچھے چلی آئی۔
 ”مجھے جانتے ہوئے ڈرائیور اپ کرنا۔“ اس نے آریا پار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”یوں اس کو اور شہہ ختی جائے گی مجھے کھا تو نہیں جائے گا۔ جو ہو گا وہ کھا جائے گا۔“ اس نے دل میں سوچا اور پچھو کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر چلی آئی۔

”بی بی جی یا ہر موسم بہت خراب ہے۔ بارش ہو رہی ہے اور پائل...“
 ”تم مجھے صرف ڈرائیور کرو گے۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

باہر تیز بارش ہو رہی تھی اور سارا آسمان بادلوں سے اتارا تھا۔

”تو میری قسمت کا فیصلہ آج بھر یہ دیوانہ وار رہتی بارش ہی کرے گی۔“ وہ دھڑا اسکرین پر تیزی سے گردش کرتے واٹس زکو دیکھتے ہوئے ہنسی گئی۔

وہ اب اس کشمکش کے پرنس سے نکل آنا چاہتی تھی اور اس پرنس سے نکلنے کا توان گیا ہو گا اس کی خبر اس کے دل ناواں کو نہ تھی۔



”وہ کہہ رہے ہیں وہ نیچے نہیں آسکتے انہیں نمبر پچھو سے آپ اوپر آ جاؤں۔“ ریپبلکنٹ نے ریسیور دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔ وہ چند لمحے سگی قریش پر جیسے گڑھی رہ گئی۔

”یہ خوف یہ وحشت میری جان لے لے گا۔ آج جو ہو گا وہ کھا جائے گا۔“ اس نے لٹٹ سے اتر کر کارڈیور کے ریڈ کارڈ پر چلتے رکتے بے شمار پار سوچا اور آخر کار فیصلہ کر لیا۔

”ہاں تو ہو سو ہو۔“ اور وہ اندر داخل ہو گئی۔

وہ واہش روم سے گیا چرو لے نکل رہا تھا اس کی طرف دیکھ کر وہی جاندار مسکراہٹ اچھالی۔

”میں نیچے آنا چاہ رہا تھا مگر طاقت ملنے نہیں دے رہی تھی۔ اسی لیے تمہیں زحمت دی ورنہ تمہارے خوف سے میں آگاہ ہوں۔“ وہ جھانکنے والے انداز میں بولا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے منگھکیوں سے ساہیڑھیں پیر پڑی ”بھول“ کی طرف دیکھا زریاب کی آنکھوں کے سرخ ڈورے اور لڑکھڑاتا منہ تو اس کا گواہ تھا۔

”بیٹھو بائیں جانتا ہوں تم سستی رہا اور ہو۔“ اس نے بے تکلفی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کالچ کر بیٹھا جاہا۔

”پاپیڑ۔“ وہ جیسے کرٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

”میں خود بیٹھ سکتی ہوں اور میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔“ اسے ایک دہرایا آیا تھا کہ مٹی ہپتال میں ہیں اور کس وجہ سے ہیں۔ اس کا خون کھولنے لگا۔

”میں جانتا ہوں مائی ڈسٹری ایو ادا میں حسین والوں کی شان ہوتی ہیں۔ تمہاری موتوں کی اور یہ قابل موسم ہم خود کو سنبھالیں تو کیسے؟“ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اس کی طرف برہما۔

”شٹ آپ۔“ اس نے چلاتے ہوئے اسے دھکا دینے کی کوشش کی مگر وہ تو کسی بھاری چٹان کی طرح وزن تھا۔

”چھوڑو مجھے۔“ چھوڑو۔“ اس نے اپنی پوری طاقت لگائی تھی اسے دھکیلنے کے لیے۔

”چھوڑنے کے لیے تو نہیں پکڑتا زریاب۔۔۔ بس چند خوب صورت لمحات اس حسین شام میں اپنے اس پروانے کی چھالی میں ڈال جاؤ اور بس۔۔۔ اتنی سی بات کے لیے اتنے خرچے۔۔۔ بھول گئیں کبھی ہم بھی تمہاری چاہ تھے۔ تمہاری صبح تھے تمہاری شام تھی۔۔۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد۔۔۔“ وہ اس کے بازو جکڑے لڑکھڑائی آواز میں کہہ رہا تھا۔

اسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی کمزور اور کم

ہمت ہے تھوڑی ہی کوشش اور زور آزمائی کے بعد ہی اس کی ہمت دم توڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

جس کے ساتھ کبھی اس نے دن رات رو رو کر دعا مانگنی تھیں آج اس کے ساتھ رسوائی اس کا مقدر بننے والی تھی۔

”میں نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ کیوں آئی اکیلی ادھر قریب کھانے۔ فریال نے کہا تھا۔۔۔ یہاں وہ انسان کے روپ میں بھینٹا ہے شیطان ہے۔ اور میں نہ جانے کس زعم میں اس شیطان سے پختے پٹی آئی میرے خدا میری خدا کر۔۔۔“

اور پھر تو نہ جانے کیسے اس کے اندر کوئی لڑوا سا بھڑک اٹھا تھا۔

اس نے زریاب کے ہاتھ پر زور سے کانٹے ہوئے پوری طاقت سے اسے دھکا دیا اور کالچ کے دوسری طرف الٹ گئی۔

زریاب شاید اس کے کمزور پر جانے سے اس دھکے کے لیے غرار میں تھا کہ اسے اس کا ہر جملہ کی سائیڈ سے ٹکرایا چند لمحوں بعد وہ سر پکڑ کر ہشکل اٹھتا ایسا ہا کے پاس کی چند لمحوں تھے۔ اس نے واہش روم کے پاس پڑا ہشکل کا گھلا اٹھا کر زریاب کی طرف پھینکا۔ اور زریاب کے منہ سے نکلنے والی تیز بیچ نے اسے چنوا کہ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوا۔

وہ اس کے گرنے کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف لپکی بیٹا نہیں ورواں ڈپا ہر سے لاک کھنایا آلو چنگ لاک ہو گیا تھا اس کی ہزار کوشش اور جھٹکوں سے بھی نہ کھل سکا۔

زریاب دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تیز ہوئی واہش روم کی طرف بڑھی اور جلدی سے اندر گھس کے لاک گا لیا۔

وہ اب دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا۔ اگر اس نے لاک باہر سے کھول لیا تو۔۔۔ اس نے گھبرا کر دروازے کے اوپر لگی چٹختی بھی چڑھا کر لی اور خود پکڑے

گرتے ہوئے بے اختیار روکنے لگی۔

کئی دن گزر گئی اسے کچھ بتائیں چلا۔

وہ کیا کمروں باہر بھی مکمل خاموشی ہے کیا معلوم وہ درندہ گھات لگائے بیٹھا ہو۔ اب کیا میں ساری رات ادھر۔ ایک بار پھر نہیں نہیں میرے خدا یا بائیں کی بار نہیں۔ رحم کر مجھ پر رحم کر میری خطا میں بخش دے۔ مئی پچھو میں نے یہ کیا کر ڈالا گیا کمروں؟ وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

باہر ابھی بھی بارش ہو رہی تھی۔ ہاتھ روم کی چھت کے پاس چھوٹا سا روشن دان تھا بارش کی آواز ادھر ہی سے آ رہی تھی۔

”یا اللہ! کیا کمروں، گلیاں دروازہ کھول کر باہر جاؤں۔“ وہ وحشت بھرنے انداز میں اٹھ کر ٹھٹھنے لگی۔

کان لگا کر دروازے سے باہر کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر ہر مکمل خاموشی تھی۔

”اگر زریاب کو کچھ ہو گیا۔۔۔ وہ گلا سٹا بھاری تھا اس کے شاید خون بھی نکل رہا تھا۔۔۔ میں یہاں ہاتھ لگا کر اسے زندہ کر دوں گا۔“ اس خیال سے تو اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی ایسے ہرجال اس نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔

”اگر زریاب ٹھیک ٹھاک ہوا اور ہوش میں۔۔۔ اور میرے انتظار میں۔“

اور اگر وہ۔۔۔ مریا ہوا۔ تو بھی میں نہیں بھسکوں گی۔“

ایک طرف کنواں اور دوسری طرف کھالی والا حساب تھا۔ اسے لگا یہ منحوس بارش اس کی زندگی کو آخری اندھیروں کے حوالے کرنے آئی ہے۔

وہ نیچے پیڑھ کر ایک پار پھر پھوٹ پھوٹ کر روئے لگی۔

”کاش میں کسی کو بتا ہی آتی۔۔۔ ولید کو بھی ساتھ لے آتی کسی کو تو ہمارا نہ بنایا ہوتا۔۔۔ حارث کو لے آتی۔۔۔ میرا منیا مل باہر رہا ہے کمرے میں۔۔۔ اگر میں کسی طرف ولید کو کال کر سکوں۔۔۔ مگر باہر کیسے جاؤں؟“

اور پھر شاید اس کے آنسوؤں پر غدر کو ترس گیا یا کسی دل سے چاہنے والے کی کوئی دعا اس کے حق میں متبول ہوئی یا اس کی اپنی ہی کسی نیک کابل۔۔۔ اس کے کان قریب ہی کوئی غیر مانوس سی آواز سن رہے تھے۔

اس نے گھبرا کر چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور لڑھکر ادھر دیکھا۔

”اے میرے خدا یا! یہ مائی گا اور۔۔۔“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھتی رہ گئی۔

وہ سارے ستر کے دوران ایک بل کے لیے بھی پڑ سکون نہیں ہو سکا تھا۔ اس ذہنی کھنچاؤ نے اس کے اعضاء شکل ڈالے تھے مگر کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔

ایک آخری حل تو ان کاغذات کی صورت میں اس کے ریف کیس میں موجود تھا جو وہ ڈائیورس بیسز کی شکل میں تیار کروا کے لے جا رہا تھا۔

یہاں کے لیے۔۔۔ خواہ اس نے اپنے لیے اگلی فرمائش کی تھی۔۔۔ یہ ہے اس کی یہ خواہش میں صراط سے گزر کر پوری کرنے کے قابل ہوا تھا یہ اس وہی جانتا تھا۔

کاش۔۔۔ کاش جیسے دن سے میں اپنے دل میں چھپے ان جذبات کو بیجا پر آشکار کر رہا خواہ اسے ناگوار ہی گزرتا، جس طرح آہستہ آہستہ وہ ہسوائن ماحول میں رہنے کی عادی ہوئی جلی گئی کسی طرح میرے جذبات بھی اس کے دل پر خواہ ہوئے ہوئے سنی اثر کرتی جاتے مگر میں نے تو ان جذبات کو سیپ کے موتی کی طرح سخت خول جیسے نظر انداز کر دیتے والے روئے کے پیچھے پھپھا کر رکھا کچھ حالات سے مشروط کر کے۔۔۔ بس میں یہاں کے لیے سب سہولتیں حاصل کروں گا پھر ان موتیوں جیسے سچے انداز کھرے جذبات کو اس کے سامنے کھول کر رکھ دوں گا۔

اور میں جو ساری زندگی وقت کی قدر کو اپنی ہر تریخ پر اولت دیتا رہا یہاں کے محاسن میں بھول گیا کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا کہ مناسب و موافق حالات پیدا ہونے پر مجھ جیسے منصوبہ ساز اپنے جذبات کا اظہار

سائے صوفے پر ولید کا موبائل پر دیا تھا جائے ہوئے
شاید وہ اب بھری بھول گیا تھا۔ رافع نے آگے بڑھ کر
موبائل دیکھا لیا۔

”وہ ولید میں، یا سید! پلیز کم ٹو بیلٹ کی۔ میں
ہوٹل سے کے کمرے میں ہوں۔ میں یہاں لاکڈ
ہوں۔ پلیز آجاؤ پلیز ولید“ وہ ہتھیوں کے ساتھ
روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور رافع کے بچوں کے نیچے
سے نشن نکلی۔

اسے یہاں پتہ سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر چکیاں
سن کر اس کی سماعتوں میں آندھیاں ہی طے نہیں۔
”وہ اس وقت ہوٹل کے کمرے میں کیا کرنے لگی
ہو گی اور ولید کو فون“

”اللہ کا شکر ہے پھونکی تالی کی حالت اب خطرے
سے باہر ہے۔ ڈاکٹر زکائی مطمئن ہیں۔ خطرہ تو ابھی ہے
مگر پھلے سے کم تمہارا آگے مبارک ہوا۔“ اسی وقت ولید
اندہر آتے ہوئے پولا تو رافع نے چونک کر ہاتھ میں پکڑا
موبائل دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے ہاتھ
پشت پر کر لیا۔

”تمہارے پاس گاڑی ہے نا“ وہ ایک دم ولید سے
بولتا۔

”ہاں ہے۔“ وہ کچھ حیران سا بولا۔
”مجھے ذرا چالی دو میں ابھی تصویریں دیر میں آتا ہوں۔“
وہ غلٹ بھرے انداز میں بولا تو ولید نے کچھ بھی
پوچھے بغیر چالی نکال کر اس ہاتھ پر رکھ دی تو وہ ولید کا
موبائل آگے سے پیچھے صوفے پر رکھتے ہوئے آگے
گیا۔ ”کہہ کر باہر نکلیں گیا۔“

رووازہ لاکڈ تھا چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے
رووازہ سے پرہیز کر دی۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔
اس نے ایک قدم پیچھے ہو کر روم نمبر دھاکی نمبر
تھا جو اب نہانے بیٹا تھا۔ رافع نے اب کے ذرا ڈور سے
دنگ دی۔ مسلسل خاموشی پر اس نے کی ہول سے
اندہر جھانکا۔

سائے بیٹہ خالی تھا۔ سائید ستن پر برقی فون سے
اس کا فون کھولا گیا۔ اس سے رووازہ دنگ ہوا شروع
کر دیا۔

”ایسا! تم اندر ہو تو رووازہ کھولو۔“ اس بار اس
نے بلند آواز میں کہا تھا۔ بند رووازہ کے پیچھے بھی
سی آہٹ ہوئی۔

”رووازہ لاکڈ ہے شاید۔“ اس کی کانپتی ہوئی آواز
رافع کو سنائی دی تو ایک گمراہ علمبردار اسے اپنے رگ سے
میں اتارنا محسوس ہوا۔ وہ حیران سے تھی۔
”ہینڈل کو گھما کر دیکھو رووازہ چالی اندر ہی نہیں ہو گی نا“

رووازہ کے ساتھ کھٹو پتر کی آوازیں آنے
لگیں۔ رافع کے جبر کا یہ نہ جیسے پھلنے کو تھا تب ہی
رووازہ کھل گیا۔

”راسب رافع۔“ وہ رافع کو اپنے ساتھ پانے کی
بانگن بھی توقع نہیں کر رہی تھی۔ اس کی حالت سجد
مخدوش ہو رہی تھی۔

”رافع۔“ پھر کھٹی کھٹی سی چیخ اس کے لبوں سے
نکلی اور وہ اس کے فون پینے میں منہ چسپا کر چکیوں
سے روٹے لگی۔

”چپ کرو یا پلیز چپ کر جاؤ ورنہ کھو یہاں سب
وہ اسے اپنے ساتھ لگائے لگائے او قدم اندر
کمرے میں آ گیا۔

”نہیں نہیں مجھے اندر نہیں جانا۔ مجھے یہاں سے
بلے چلو۔ چلو۔“ وہ ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے
چلیدہ ہوتی ہوئی باہر کی طرف لگی۔

”اچھا چلتے ہیں ایک منٹ کھرو۔“ وہ اسے تسلی
دیتے ہوئے اندر کی طرف دیکھنے لگا۔

”رافع! چلیں۔“ چلیں پلیز میں مرجاؤں گی چلیں
وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے ہسٹریائی
انداز میں چلائی تھی۔

اس نے کندھوں سے پکڑ کر ایسا ہکا بھرا سا سائے کیا۔
اس کے بال کھڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر کوئی نشان
نہیں تھا جبکہ گردن پر دو تین جگہ خراشیں تھیں۔

اس کے یوں دیکھنے پر وہ ایک لمبے کوٹھکی۔ اور
اسے پہلی بار اپنے دوپٹے کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔
بے اختیار اس نے مڑ کر اپنے دوپٹے کی تلاش میں
نظریں دوڑائیں۔

دوپٹہ تین قدم کے فاصلے پر کالج کے پاس پڑا تھا۔
رافع نے آگے بڑھ کر اسے دوپٹہ پکڑ لیا اور ہاتھ روم
کے دروازے کے پاس ڈال دیا۔ وہ زریاب کو چونک کر
دیکھنے لگا۔

”بظاہر وہ زخمی نہیں تھا مگر بے ہوش تھا۔
”اچھوڑو میں رافع! اس موڈی کو سب پلیز چلیں۔
چلیں یہاں سے۔“ وہ اس کی شرت کا کالر پیچھے سے
کھینچتے ہوئے خوفزدہ آواز میں بولی۔

”ایک منٹ دیکھو تو لینے دو کہیں خدا خواست۔“ وہ
اس کے دل کی دھڑکن اور تھن میں جھپک کر رہا تھا۔
اسے شاید کہیں گہری جوت آئی تھی۔

رافع نے اسے بمشکل اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔ ایسا ہانے
اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت سے منہ
پھیر لیا۔

رافع نے گاڑی میں آکر بیٹھے لیکن اس سے کچھ
نہیں پوچھا۔ وہ خود کو بمشکل کھینچتے ہوئے پل رہی تھی۔
گھٹتے بھر کے اس جان لیوا حادثے نے اس کے جسم
سے ساری توانائیاں چوڑی تھیں۔

لفٹ سے باہر قدم رکھتے ہی وہ چکر اتر گرنے لگی
تھی۔ رافع نے اسے کندھے سے تھام کر سہارا دیا اور
اسے تباہی نہیں چلا ان ہاتھوں کی اجنبیت کب اس
کے لیے اتنی گہری اپنیست میں بدلی کہ اسے ان کا لمس
نا آشنا محسوس ہی نہیں ہوا۔

”تم بیٹھو میں ابھی آیا۔“ اسے گاڑی میں بٹھا کر وہ
ایک بار پھر ہول کے اندر چلا گیا۔ وہ ریپیشنٹ سے
کچھ کہہ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔
باہر بادشہ ختم چکی تھی۔ مگر سیر نہیں ابھی کیلی تھیں
رات گہری اور تاریک ہو چکی تھی۔ ہوٹل کی پارکنگ
مڑ سے مڑتے ہی آگے سب طرف خاموشی مٹاتا

اور اندھرا تھا۔
وہ چپ چاپ بیٹھی رافع کے سوالوں کا انتظار کر رہی
تھی۔

”کیا ولید نے رافع کو بھیجا ہے؟“ اس کو یہ ابھن
بھی پریشان کر رہی تھی۔ مگر رافع تو یوں لب سے بیٹھا
اشمک سے ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے ساتھ بیٹھے اس
کے وجود ہی سے لاعلم ہو۔

گاڑی نے سوڑ کا نا ہی تھا کہ گھیر گھیر کی گواڑ کے
ساتھ اس کا انجن بند ہو گیا۔
”کیا مصیبت ہے۔“ وہ اترتے ہوئے بڑبڑایا اور
بونٹ اٹھا کر چیک کرنے لگا۔

ایسا کی پریشان بیٹھنے لگا نہیں اچانک اپنے بائیں
جانب دیکھتے ہوئے پتھر اسی تھیں۔

ایسے تباہی نہیں چلا کہ وہ مائوس رسٹوں پر سفر کر
رہی تھی۔ نہ جانے کب اور کیسے زندگی ایسے سن بدلتی
ہے کہ مائوس رسٹ اجنبی اور دلچسپی راہ گزار انسان کو اس
کی منزل کی جانب لے جاتی ہو گی ہے۔

وہ ”انصاری ہاؤس“ کے سامنے کھڑے تھے جس
کے باہر مین گیٹ کے اوپر بڑا سا بیئر گلا تھا برائے
فروخت گلا۔

کبھی یہ انصاری ہاؤس اس کے لیے ہار غدن کے
باغوں میں سے ایک تھا جس سے نکلے جانے کا غم
اسے آوم جو اکی طرح دن رات رلا آتا تھا۔ یہ وہ سراب
تھا جس کے پیچھے بھانگتے بھانگتے اس نے اپنے خوابوں
کے پاؤں ہی اٹھائے تھیں کیسے تھے توج اپنی جان اور
آبرو سب کو اوپر لگانے چلی تھی۔

سراب خواب ہی تو ہوتے ہیں اور خواب بند
آنکھوں سے ہی دیکھے جائیں تو بھلے لگتے ہیں۔
حقیقت میں ان کے تعاقب میں نکل تو توج حقیقتوں کے
پتھر آؤں گی آنکھیں پھوڑ دیتے ہیں۔

”شکر ہے لمبی گریز نہیں تھی“ کب رافع نے اس
کے برابر آکر بیٹھتے ہوئے گاڑی اشارت کی اس نے
نہیں چلا۔ ایسا کی محویت پر ایسا بھرا ہوا اس کا
پاؤں ڈر اس کا پیچھے بیٹھا تھا۔ انصاری ہاؤس پر اسے زریاب

فروخت کے بیڑے لے کر ذرا سا چوکایا پھر اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔

ایسہا کی محبت توئی تو ایک گھرا سا نس لے کر اس نے گرین موٹر کرائج کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بار پھر گاڑی ڈرائیو کرنے میں محو ہو چکا تھا اس کی سو ہوگی سے ناظم۔

ایسہا کا پی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے یا چٹا کر اس سے پوچھے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا کیوں نہیں۔

وہ بے بسی اپنے گہرے احساس میں گرفتار لب کاٹتے ہوئے اپنے ہاتھ مسلتے تھی۔

”تم فریش ہو کر پھر ہسپتال چلتے ہیں۔“ وہ رافع کی آواز پر جوئی۔ ان کی گاڑی گھر کے آگے کھڑی تھی۔ یہ چاہی لے لیں۔ میں اسی سے لے کر آیا تھا۔“ اس نے چاہی دیتے ہوئے کہا تو اسے گہری شرمندگی نے آیا اس کے چہرے سے کوئی کیا کچھ نہیں اخذ کر سکتا تھا۔

”اگر اللہ نے میرا رونا رکھنا ہوتا تو یقیناً کوئی دیکھتا رافع کو بھیجے گا مطلب۔۔۔ اب جو بھی کچھ ہے میں خود رافع سے پوچھ لوں گی اس نے کیا طے کیا ہے مزید شش و پنج کی حالت میں رہ کر مجھے ایک بار پھر ان ہوسوسوں کی سٹی پر نہیں لگتا۔“ وہ دل میں فیصلہ کرتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس کی گود سے کوئی چیز آہستہ آواز کے ساتھ پیچھے گری تھی۔ پہلے رافع کا ارادہ بھی اندر جا کر تھوڑا فریش ہونے کا تھا مگر پیچھے گری اس چیز نے اسے گاڑی میں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔



”مجھے اب اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔“ وہ دھوپ میں کرسی پر بیٹھی تھیں اور بیا ان کی کمزور پنڈلیوں اور پاؤں پر زیتون کے تیل سے ہلکا ہلکا مساج کر رہی تھی۔ غمگینان کے پاس بیٹھی سب کٹ رہی تھی۔

”مئی یہ کون سی نئی بات ہے۔ بے پناہ اولاد آوم جیسے

ہی پیدا ہوئی ہے موت کا خوف اس کے بڑے ہونے کے ساتھ ہی بڑا ہوتا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی حضرت ملک الموت میرے سامنے آئے اور غمگینا بی بی۔۔۔ مرحومہ ہوئیں کہ ہوئیں۔“ وہ سب کی پہلی پہلی قاشوں پر تنک اور کئی مزہ میں چھینکتے ہوئے مزے سے بولی۔

”ہر وقت اول قول نہ بکا کرو۔ اس بار تو شاید تم دونوں کی رعائیں مجھے بھیج لائیں مگر اب مزید انتظار۔۔۔ میں۔۔۔ میں نے تمہاری بیٹی اور چچا کو آج شام بلوایا ہے شادی کی ڈیٹ فیکس کرنے کے لیے۔ تمہاری پیچھو تو تھوڑی دیر میں آئے ورنہ میں ان سے کچھ مشورہ کرنا ہے اور۔“

”مئی! اللہ کا خوف کھائیں۔ ابھی آپ کو ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہے اور آپ ڈسچارج ڈیٹ کے کاروگرام بنا رہی ہیں۔“ ضویا زور سے چینی تھی۔

”پھر وہی فضول بکواس۔ تم اٹھو اور جا کر بچن کو دیکھو۔ میں بیا سے بات کر لیتی ہوں۔“ انہوں نے باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا۔

”ماشاء اللہ مئی جی کیا سنا باندو ہو رہا ہے آپ نے مشورے کے لیے۔“ وہ بیا کی سنجیدہ شکل کو دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ”ان سے تو اچھا آپ کو یہ سامنے والی دیوار مشورہ دے دے گی۔ نہ دیوار نے آگے سے ہوں یاں کرتا ہے نہ لگا رہا۔ اس طرح بی بی نہ ہاں کریں گی نہ ہیں۔“ وہ جاتے جاتے اسے چرائی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہے ضویا۔ بیا! مجھے بتاؤ بیٹا مسئلہ کیا ہے۔ کیوں اس قدر گم غم سی ہو کیا پریشانی ہے۔“

پہلے میں سمجھی شاید رافع کے ساتھ تمہاری کچھ گزرو ہے مگر جس دن سے ہوش آیا ہے رافع سے ملی ہوں تو اتنی ہی ٹھنک جانے کے ڈر سے اسے جی بھر کر دیکھتی تھی نہیں کہ میرے رب نے میری مصدوم بیٹی کا کیا دلچسپ ہتھیار جوڑ دیا ہے۔ سجدہ تو تم پر جان چھڑکتی ہے فور گھر میں کون ہے جس سے تم پریشان ہو؟ وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے سنجیدگی

سے پوچھنے لگیں۔

”کھئی! ایسی کوئی بات نہیں ہمیں یونہی تب کی باری نے مجھے جیسے خوفزدہ کر دیا کہ خدا اتنا خواستہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔ آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے ضویا کی جلد سے جلد شادی کر دینے کا۔۔۔ مئی! ہم بیٹیاں بہت کمزور ہست بڑول ہوتی ہیں اور خود سے کوئی بھی فیصلہ کم از کم میں تو درست نہیں کر سکتی۔ میں نے تو اپنا ہی تجزیہ کیا ہے مئی! مجھے نہ انسانوں کی پہچان ہے نہ اپنی۔۔۔ دوسروں کو جاننے پر کئے کا انسان تب دعو کرے جب وہ خود کو سمجھ لے اور اس دنیا کا سب سے مشکل کام اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ بڑے واقعات کو جانے دیں۔ اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم اس طرح سے رسی لپٹ کر جاتے ہیں کہ اپنا وہ روپ دیکھ کر ہم خود چونک جاتے ہیں کہ یہ میں ہوں! اور جو انسان درست فیصلے کی قوت ہی نہ رکھے وہ مشکل حالت کا کیا سامنا کرے گا۔“

وہ نہ جانے کیسے جا رہی تھی۔ عارفہ بیٹھ کر کچھ سمجھ رہی تھی۔

”کیا پریشان ہے بیا! انہوں نے پیار سے اس کا گال سلایا۔“

”مئی! مجھے لگتا ہے میرے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں اب۔۔۔ اب مزید کوئی بھی بڑی بات نہ کوئی صدمہ کچھ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مئی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ ان کے کندھوں پر سر رکھ کر سسکتے تھی۔

”کیا رافع نے کچھ کہا ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”السلام علیکم بھالی جان! ماشاء اللہ آج تو بہت بہتر لگ رہی ہیں۔“ سعدیہ بیگم کی باتوں آواز کے ساتھ رافع کے بھاری قدموں کی آہٹ نے اسے ایک دم سے سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔

چہرے پر آئے ہاں بناتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں دگڑھیں اور پائیں کھڑکی پھینکو کو سلام کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسے پیار کر کے کرسی پر بیٹھ

تھیں۔

”وہیسی ہیں اب ممائی جان۔“ وہ اس طرح کھڑے کھڑے عارفہ بیگم کا حال پوچھنے لگا۔ ایسہا نے ایک شکاہتی آواز میں پر زائل اور سر جھکا لیا۔

”اللہ کا شکر ہے بیٹا! اس نے کچھ فرائض ادا کرنے کے لیے نئی زندگی دی ہے۔ اس کا بھنا بھی شکر ادا کروں کم ہے بیٹھو نا۔“

”ممائی جان! کچھ فرائض نہیں انشاء اللہ آپ اپنے سارے فرائض اپنے ہاتھوں سے ادا کریں گی۔“ وہ بڑے براعت اور اپنا نصیحت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”انشاء اللہ۔“ سعدیہ بیگم نے بلند آواز میں کہا۔

”میں اب چلتا ہوں امی! مجھے آٹس سے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ اسی طرح کھڑے کھڑے بولا۔

”یہ کیا بات ہوئی بیٹا! اب آئے ہو تو تھوڑی دیر بیٹھو۔ بیا! اٹھو بیٹا چائے لے لو۔ اتنی دیر تو بیٹھو گے نا! انہوں نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ وہ سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی۔ اس نے جانے بنا کر ضویا کے ہاتھ بھجوا دی اور خود چن میں ہی رہی۔ نہ جانے دل کو کیسی آس لگی تھی کہ وہ جانے سے پہلے ضرور اس کے پاس آئے گا۔

اس رات اسے ہسپتال پہنچا کر بے حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ تھوڑی دیر ہی رکھا تھا۔ آگے دن بھی کھڑے کھڑے عارفہ بیگم کی نصیحت پوچھنے آیا۔ اس سے اس نے کوئی بات نہیں کی حالانکہ اس رات کے بعد اس کا رونا روناں رافع کے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ پتا نہیں وہ اس سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا۔ نظر تنک نہیں ملتا تھا۔ یوں اس سے گزر جاتا جیسے کسی گری یا صوفے کے پاس سے کوئی لا تعلقی سے گزر جاتا ہے۔

اس کے دل میں کیا تھا؟ وہ اس کی ذریعہ کے کمرے میں موجودگی سے کیا سمجھتا تھا اور اس سمجھنے کے نتیجے میں کیا طے کیے بیٹھا تھا یہ خیال ہی اسے وحشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اور اپنی بہت ثابت کرنے کے لیے نہ اس کے پاس الفاظ تھے اور نہ

ابھی تو وہ خاموش تھا مگر جب بولے گا اس سے پوچھے گا تو وہ کیا کہے گی کیسے اپنی صفائی پیش کرے گی؟ یہ خیال آتا تو اس کی خاموشی ہی غیبت لگتی لیکن آخر کب تک؟ کوئی کب تک انتظار کی سوتی پر لگ سکتا ہے وہ اس سارے قصے کو آریا پارکیوں نہیں کرتا اور یونہی برتن اوھر اوھر اٹھا کر رکھتی رہی اپنی ابھی ہوئی سوجوں سے باہر آئی تو روضہ کے قدموں کی گونج دار چنپ پیوٹی دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔ اس کا جی چاہا اپنا مردیوار کے ساتھ دے مارے۔ یہ آخر اب مجھ سے کون سا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ میری بے بسی کا مزہ لے کر منگولی انسان۔ "پہلے بے بسی پھر طیش لے لے آئی وہ زور زور سے برتن تھتھتے لگی۔

"ارے رے۔۔۔ بیا آ یہ برتن ہمارے اپنے ہیں کرائے کے یا ہمسایوں کے نہیں، کچھ تو خیال کرو۔" اس وقت ضویا اندر داخل ہوئی تھی اور اس نے ضویا کی بات سن کر اپنے ہاتھ میں چاکری پلیٹ ڈور سے سٹک میں دسے ماری اور آنکھوں میں ٹھنڈی نمی کو پیتی بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"اسی" اسے کیا ہوا ہے؟ وہ اس کے یوں بھاگنے پر حیران ہی سوچتی رہ گئی۔



ضویا اور ولید کے نکاح اور رخصتی کی بات پر محض پندرہ دن بعد کی برکھی گئی حالانکہ اس نے عارف بیگم سے کہا بھی کہ اتنی جلدی بھلا تیاری کیسے ہوگی پھر وہ بھی ابھی پوری طرح سے صحت مند نہیں ہوئیں۔

"تیار رہنے کے لیے تو تمہارے چچا چچی نے صاف منع کر دیا ہے کہ انہیں فرنیچر، مشینری اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ ان کے گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ ولید نے ابھی دماغ پہلے اپنا گھر فرنیچر کرا لیا ہے۔ اس لیے فرنیچر کے نام پر تو ایک پیڑ بھی انہیں نہیں چاہیے۔ رے کپڑے اور زیور تو وہ اس کے لیے بھی منع کر رہے تھے مگر اتنا تو

بہر حال ہم کریں گے اور دیکھنا جیسے ہی تیاریاں شروع ہوں گی میری بیماری کیسے غائب ہوتی ہے۔ میں تو ایک ایک سال میں ہزار بار شکر ادا کر رہی ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی جی کو رخصت کر سکوں۔"

"مئی! آپ کو یہ سب ابھی اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ابھی آپ مکمل طور پر ٹھیک بھی نہیں ہوئیں پھر آپ کے پاس کون رسے کا بھلا۔" ضویا سنجیدگی سے ان کے پاس بیٹھ کر کہنے لگی۔

"میں جو ہوں مئی کے پاس۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کے منہ سے اچانک نکلا تھا۔

"شادی تک نا میں کے بعد تو تم بھی چلی جاؤ گی۔ پچھو نے تمہیں یہاں ہی لیے تو رہنے دیا ہے شاید

ضویا کے "شاید" سننے یا کے دل میں جتنا دلچسپی بھٹاؤا۔ کچھو ہر دوسرے میسرے دن چکر لگاتی تھیں آتے جاتے اسے اسی لگاؤ سے تیار کرتیں مگر ساتھ چلنے کو ایک بار بھی نہ کہتیں۔

"چتا نہیں انہاں بیٹھے کے کیا بنے کر کے کیا ہے اسے اب اس خیال سے ان وقت ہونے لگی تھی۔"

"اور مئی پلیز میرے لیے یہ بکس بھر بھر کپڑے اور دوسری عورتوں کی طرح ڈھیز سارے بھاری زیورات نہ بنائے گا۔ مئی۔ میری پسند کے اسٹائلز میں چار ہونٹے اور ہلکی سی جیولری بس۔" وہ اپنے خیالوں سے چونکی تو ضویا کو کہتے نہ۔

اور وہ خود کتنے دن تک اس بات کا سوگ مناتی رہی تھی کہ مئی نے اسے خاندانی دستور اور رسوم کے مطابق ٹرک بھر کر جینر نہیں دیا اس تھوڑا سا زیور کو سوٹ ایس کپڑوں کے اور چیک بک کی صورت پونجھ گئے سے آثار پھینکا ہے اور یہ ضویا۔

"کیا واقعی میرے بہت سے عم بہت سی محرومیاں خود ساختہ تھیں۔" وہ قدم قدم پر خود ہتھالی سے گزر رہی تھی۔

"میں واقعی بہت بدل گئی ہوں۔ ضویا ٹھیک کرتی ہے۔" اس نے آخر میں خود ہی اعتراف کر لیا۔

"اور مئی جی آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ٹرک بھر جینر لے جانا بھی کوئی کامیاب شادی کی ضمانت نہیں تو پھر اتنے تر دو کی بھلا کیا ضرورت۔ زندگی تو لوگوں کے ساتھ گزارنا پڑتی ہے چیزوں کے ساتھ تو نہیں۔" ضویا کی آواز ایک بار پھر اس کے کان میں پڑی۔

"روشی کیا لے کر گئی تھی؟ اور کتنی خوش ہے۔ وہ میں تو پھر بھی شاندار خاندانی بیک گراؤ نہ جینر کے نام پر اچھا خاصا سونا پیسہ لے کر آئی تھی۔ یہ ہے میری کامیاب زندگی۔" تو پھر ساری اواسی نے پھر اسے گھیر لیا تھا۔ وہ ان دونوں کو باتیں کرتا پھوڑ کر چپکے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔



"یہ تو بھی سراسر زیادتی ہے۔ ہر کوئی میری بی بی سنواری دلہن کو دیکھنے کے بجائے کسی اور کی پرانی دلہن کو دیکھے جا رہا ہے۔ اتنا تو بھی یہ ایسہالی بی کو میری دلہن کے پہلو سے۔" وہ جو ضویا کے سچے سنورے شرمائے شرمائے روپ کو نگاہوں کے رستے دل میں لگاتی اس کی طرف پھلکی اس کی طرف کر رہی تھی۔ ولید کی اچانک آواز پر ایک دم سے سیدھی ہوئی تھی۔ وہ ضویا کے دوسری طرف بیٹھا بڑے سختی خیر انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا ایسہالی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم؟" ایک دم ہی سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"بھئی ابھی سووی والے سے کہہ رہا تھا کہ میری دلہن کے اچھے اچھے کلوز اپ لینا بڑی کوئی بڑا تھوڑی آتا ہے تو کہنے لگا اچھا جی لے لیں گے پہلے یہ جو حسین چھو ہمارے گھر کے فورس میں آ رہا ہے پہلے اس کے تو چند اچھے اچھے کلوز اپ محفوظ کر لیں۔ اب بولویہ زیادتی ہے کہ نہیں۔" وہ ایسہالی کے گھورنے کی پروا کیے بغیر اسی ہتھالی سے بولا تو وہ غصے میں اٹھ کر جانے لگی۔

"بیبا! تم ولید کی باتوں کا برا نہ مانو وہ کسی تو چاہ رہا ہے کہ تمہیں غصہ آئے اور تم اس سے لڑو۔" ضویا نے

گولڈن اور براؤن بنا رہی پھولوں والی خوب صورت ساڑھی میں وہ کبھی لگے رہی تھی اس کا اندازہ اسے خود بھی تھا مگر اس طرح سب اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں گے یہ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا جس کی نظروں میں وہ اچھا لگتا چاہ رہی تھی وہ تو شاید اس کی طرف دیکھنا ہی بھول گیا تھا۔

مندی اور بارات میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ وہ جی سنواری خوشبوؤں میں کسی اس کے بالکل اس پاس سے گزرتی رہتی اور وہ کسی پتھر کے بت کی طرح انجان بنا رہا حالانکہ کئی بار اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ مستقل کسی کی نظروں کے دھار میں ہے اور ان نظروں کی تلاش میں جب اس کی تلاشیں پناہی نگاہیں رانج کے چہرے پر آ کر ٹھہرتیں تو وہ پہلے کی طرح بالکل اجنبی ہوتا۔ اب تو اسے اپنی ٹھیک ٹھاک انصاف محسوس ہونے لگی تھی اور وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ شادی کے ہنگامے سرور ہوتے ہی وہ خود خلع کے لیے درخواست دے دے گی۔

رانج کا انجان رویہ اسے بہت کچھ سمجھا چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر کوئی گھٹیا الزام لگا کر اسے ٹھوکر مارے وہ خود کیوں نہ پس کر داسے اور اب وہ اتنی بہادر ضرور ہو گئی تھی کہ یہ سب کر سکتی تھی۔

"اب بیٹھو بیبا! قریب لے لے اسے بیٹھنے کو کہنا۔"

"تمہیں" تھینکس راب تم بیٹھو اپنی بھائی بھائی جان کے پاس۔" اس نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے بتانے والے انداز میں کہا تو وہ آنکھ دیا کر نہیں پڑا۔

"ہاں بھئی انہیں بہت جلدی ہے۔ جانے دو انہیں کسی اور کی جان بننے۔" پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ولید کی سرگوشی سن لی تھی کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اقل یاؤں سے سینڈل اتار لیتی۔

پچھو اور مئی چینی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھیں وہ چپکے سے اس کے پاس سے گزرتی پٹنل کے چوم سے باہر نکل آئی۔

لش کریں لان کے درمیان میں بہت خوب

کھانسی، نزلہ، زکام کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی موثر تدبیر بھی



سعالین جوشینا لعوق سپستان صدوری

سعالین مفید ذریعہ ہوتا ہے جو نزلہ، زکام اور ناس کی خرابیوں سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔ اس کا استعمال آسان ہے اور اس سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔

جوشینا نزلہ، زکام، ناس اور آنکھوں سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔ اس کا استعمال آسان ہے اور اس سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔

لعوق سپستان نزلہ، زکام، ناس اور آنکھوں سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔ اس کا استعمال آسان ہے اور اس سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔

صدوری نزلہ، زکام، ناس اور آنکھوں سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔ اس کا استعمال آسان ہے اور اس سے تعلق رکھنے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں کا آسان اور موثر علاج ہے۔ آپ گھر میں ہونے والی کھانسی، نزلہ اور ناس کی خرابیوں سے نمٹنے کے لیے اسے استعمال کریں۔

سعالین، جوشینا، لعوق سپستان، صدوری۔ ہر گھر کے لیے بے حد ضروری



www.hammad.com.pk

ہمدرد دوائیں اور دواخانہ کے لیے درخواستیں بھیجیں۔
آپ کو ہمدرد دوائیں اور دواخانہ کے لیے درخواستیں بھیجیں۔
آپ کو ہمدرد دوائیں اور دواخانہ کے لیے درخواستیں بھیجیں۔

Adapt: S.S.E-1/2001

صورت سوئینگ بول بنا ہوا تھا جس میں صاف شگفتہ پائی بگورے تھے سفید روشنی کو مختلف رنگوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

وہ بول کے کنارے چلتی ایک طرف ہی رہ گیا۔ نیکسٹ اگا کر کھڑی ہو گئی۔ باہر اچھی خاصی خلی خلی تھی مگر آسمان بالکل صاف تھا۔ تاروں بھر آگرا تیل آسمان۔

ولید اور ضویا کتے خوش قسمت ہیں جو چاہا سوچا لیا۔ اللہ ان دونوں کی خوشیاں اور محبت یونہی قائم و دائم رکھے۔ اس کا دل کسی اور بات کے غم میں نہ ڈھال ہوا جا رہا تھا اور وہ اپنے خیالات کی رو کسی اور جانب موڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ جو پچھلے چند دنوں میں خوب زور شور سے کھے جا رہی تھی کہ ضویا کے بعد وہ مئی کے پاس رہے گی۔ ولید اور ضویا نے چچا جان کے ساتھ مل کر چپکے سے اس کا بھی حل ڈھونڈ لیا تھا۔

مئی کے بالکل ساتھ والا گھر چچا جان نے خرید لیا تھا۔ دونوں گھروں کی کچھل دیوار گرا کر بیچ نہیں رہی تھی لیا گیا تھا اور عارفہ بیگم نے یہ گھر کس طرح خرید اس کا علم بھی اسے کل ہی ہو سکا۔ وہ اس بات پر سب سے خوب جھگڑنا چاہ رہی تھی کہ اسے کسی بھی بات سے باخبر نہیں رکھا جائے مگر شاید اسے اپنے خیالوں سے ہی نجات نہیں ملتی تھی خواہ وہ گردی خرید سکتی۔

عارفہ بیگم نے اپنا سارا زور بچ ڈالا تھا۔ ضویا نے اپنے لیے محفوظ رکھی مئی ساری رہے اور ولید بھی مئی کو وے دیا تھا۔ بچہ چچا جان نے رقم دی تھی اور یہ گھر خرید لیا گیا تھا۔ آیا جان نے تو جتنے کے نام پر ان کو صرف ڈھائی لاکھ روپے دیے تھے جو انہوں نے کوئی بھی شکوہ کیے بغیر رکھ لیے تھے۔ کہ ہر حال ایک جھٹ اور نہیں چاہیے تھی کہ ان کی بیٹیاں سسرال سے آئیں تو ان کے گھر کو روانہ کھلائے۔

ضویا نے مئی کی اصل غم گسار مٹی ہونے کا حق ادا کیا ہے اور میں سب میں کیا کروں مجھے تو اپنے غم۔ بچھو لیسے اور وہ مئی ہوئی ہیں بالکل انجام۔ شاید کسی نے اسے آواز دی تھی۔ وہ گھراساٹس

پتے پر پلٹ کر جانے لگی کہ ولید دم نہیں ہے۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا وہ ذہنی و جسمانی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھی سو اسے جھونک میں کھینچنے والے کی طرف کھینچی چلی گئی۔

دماغ کے سنبھلنے سے گھبراتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے خود کو الگ کیا تھا وہ نہ جانے کب اس کے پاس آکر کھڑا ہوا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

”یہ کیا مذاق ہے؟“ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگاتے ہوئے بولی۔

”یہ مذاق نہیں۔ میرے صبر کی انتہا ہے۔“ وہ گہری آواز میں بولا۔

”ضرر یا تمنا۔“ وہ دانت کچکا کر بولی اور اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔

”تمنا۔“ ہاں یہ لفظ ٹھیک ہے۔ ہم دونوں شروع سے اب تک جن ذرا مائی موڑ سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ اسے ایک تمنا ایک کمان کہا جا سکتا ہے۔ ایک ایسی کمان جو آنسوؤں میں بھگی ہوئی ہے اب یہ تمہارے اور میرے ہاتھ میں ہے کہ ہم اسے الیہ انجام سے دور کر کے مئی کی طرف لے آئیں۔“ وہ اپنی طرف اس کا ہاتھ اپنے لہجہ سے ہاتھ کی گرفت میں لیے مزے سے بولا۔

”اچھا پلیر، میرا ہاتھ چھوڑیے اور یہ کمانیاں بنانے یا سنانے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے جو کچھ اپنے دل میں سوچ رکھا ہے اور اس روٹی بسورٹی کمانی کو جو بھی انجام دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے مجھے ساتھ سنبھ میں ہر طرح کا انجام سننے کے لیے تیار ہوں۔ آپ اس تکلیف و ڈرامے نے میرے اعصاب اس قدر تھکا ڈالے ہیں کہ مزید انتظار شاید آپ میرے جان سے گزرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”تمہارا کیا خیال ہے مئی نے اتنے دن جو تم سے لا تعلق اختیار کیے رکھی ہے وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے تھی؟“ وہ شاید اس کی مزاحمت سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اس کے نازک ہاتھ پر اپنی گرفت اور بھی سخت کرن۔

”توبہ، کتنے ظالم ہیں آپ۔ کیا تو نہیں گے میرا ہاتھ

کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”خاتم کون ہے ابھی اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ لیکن چھوڑ دیا ہاتھ ویسے میں نے چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا تھا۔“ اس نے کہتے ہوئے ایک دم سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا جیسے دوسرے ہاتھ سے سہلے تھے ہونے والے ناراض نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں فصلے پر اسی رات پہنچ چکا تھا جب تمہیں ہسپتال چھوڑ کر گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ اپنے ہاتھ کی تکلیف بھول گئی۔

”کیسا فیصلہ؟“ اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

”تمہیں چھوڑ دیتے گا۔“ وہ سنجیدگی سے بولا تو اس کا سانس جیسے سہتے میں اٹک گیا۔

”مجھے بتاؤ کوئی بھی غیرت مند شوہر جو اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے لاکھڑے سے اس حال میں نکالے اور پھر بھی اسے اپنے سے علیحدہ نہ کرے تو ایسے مردوں کو ہمارے معاشرے میں کیا کہا جاتا ہے۔ اس رات رشتہ بھر یہ خیال میرے دل و دماغ پر کسی تانیا نے کی طرح برستا رہا تھا اور شاید میں اس معاشرتی دباؤ میں آکر اپنے جذبات کا خون کرنے پر بھی تیار ہو جاتا اگر تم وہ چیز اپنے ساتھ زریاب کے کمرے میں نہ لے کر آتیں۔“

”کیا... کیا چیز۔“ اس نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

بول کر تھک رہا۔ کہہ رہا ہے کچھ اچھا لیکن بھنوت کا ہمت بوجھ تھا میرے سینے پر۔

دوسری وہ شام جب روشی نے نیند اور گولیوں کی ادھی خیشی حلق میں اندازش کر خود نشی کی کوشش کی تھی۔ اس شام جب اس کا نکاح ہونے والا تھا۔ اور میں اسے سب طرف ڈھونڈ آیا تھا اور ٹھیک وہی کچھ ہمارے ساتھ ہونے جا رہا تھا جو میرے باپ نے تمہاری زندگی کے ساتھ کیا تھا۔ اس شام اگر تم مجھے اس بند اسٹور میں بے ہوش پڑی روشی کے پاس نہ لے جاتیں جبکہ تمہارے پاس اپنا انتہام لینے کا اچھا موقع بھی تھا۔

اس شام تم نے ہمارا میری بہن کا روم رکھا بولو ایسی لڑکی بری کب ہو سکتی ہے جو مومخ ملنے کے باوجود اس کے ساتھ بھلائی کر جائے جس نے اس کے ساتھ برا ترین کیا ہو۔ اس شام تم نے دوسرا بوجھ میرے کندھوں پر رکھ دیا تھا۔

میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ کبھی زندگی میں موقع آیا تمہارا روم رکھنے کا یا کسی بھی بے گناہ کا تو میں ضرور ضرور اس قریب کو لارے گی کوشش کروں گا۔ سو اس رات جب تم نے ولید کو فون کر کے بلوایا اور قدرت نے مجھے اپنی آمد سے دو دن پہلے وہاں بھجوا کر وہ فون کال سننے کی توفیق دی اور میرے سامنے میرے عہد کو کھڑا کر دیا۔ اس عہد کی وجہ سے میں معاشرے کی کسی بھی گالی کو قبول کرتے ہوئے تمہیں اپنا سنے کو تیار تھا۔

میں ضویا کی شادی کے فوراً بعد تمہیں لے جانا چاہتا تھا تم سے کچھ بھی سوال جواب کے بغیر کہ میرے عہد نے مجھے اس کا پابند کر دیا تھا۔

وہ گیا زریاب کا معاملہ... تمہیں شاید یاد نہ ہو جب پہلی رات تم ہمارے گھر رہنے کے لیے آئیں اور میں نے تم سے زریاب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بڑی نخوت سے جواب دیا تھا جیسے کسی بہت معتبر انسان کا ذکر آیا ہو۔

زریاب کی ان ساری حرکات کا مجھے چند دن پہلے علم

ہو چکا تھا اور میں تمہیں وہی بتا کر خیردار کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اگر میں تمہیں کچھ بتاؤں تو تم نہیں نہ کرو گی۔ تو تم نے بڑی رکھائی سے کہا تھا کہ تمہیں نہ بتا کر نہ کرنا میرا مسئلہ نہیں۔ تمہیں بتاؤں۔ اس کے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مجھے یہ سب باتیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ تم نہیں نہیں کرو گی۔ لہذا اسے میرے حسد پہ محمول کرو گی اس لیے میں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

تم زریاب کے جال میں کیسے پھنسیں اس کا بھی مجھے کچھ اندازہ ہو گیا تھا اسی رات... اور میں سمجھتا ہوں اس میں بھی کوئی میری بے اتنی ملکیت کو آپ خود (اپنا میں) نہیں کریں گے تو دوسرے ضرور اسے چھیننے کی کوشش کریں گے جس انتہات کی تلاش میں ہم زریاب کی طرف پہنچیں اگر وہ مجھ سے ملنا ہوتا تو۔ پھر مجھے بار بار تمہاری طرف سے طلاق کے مطالبے کا بھی راج تھا۔ تمہارے دل کا کیا حال ہے مجھے اندازہ نہیں تھا مگر پھر تمہاری کیفیت دیکھ کر ہوتا چلا گیا۔

”خیر چھوڑو اس ذکر کو یہ تو لہذا تمہارے عمر اس میں سب سے مزے کی بات ہے کہ تم اپنی سٹائی اپنا گواہ اپنے ساتھ لے آئی تمہیں جس نے سارا معاملہ پیشے کی طرح صاف کر دیا۔“ وہ کہہ کر چپ ہو گیا تو بیانے بے چین ہو کر اسے دیکھا۔

”زریاب کا بلیک بیری“ جس سے تم نے ولید کے موبائل پر کال کی تھی اور خوف و وحشت میں تم وہ موبائل اس طرح منحنی میں دیوے میرے ساتھ گاڑی میں آئی تھیں اور جب تم پہنچ کر نے کے لیے گھرا تریں تو وہ سیل فون تمہاری گود سے نیچے گر گیا اور اس میں شاید زریاب نے تمہیں بلیک بیری مہلک کرنے کے لیے سب کچھ ریکارڈ کر رکھا تھا۔“ رابع کی بات پر بیباکی سانسیں جیسے چھننے لگیں جس خوف کے باعث وہ اس سے لٹنے لگی تھی اس لیے اس کے سامنے کول اپنے ساتھ اٹھا کر لے آئی۔

”خف ہے میری بے توفی اور حماقت پر... مجھ سے

احسن لوگوں کا یقین“ ایک خوشگوار و کامیاب زندگی پر کوئی حق نہیں ہوتا۔“ وہ ایک بار پھر ملنے والے میں خود کو لہجہ طعن کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

”اور اس میں اس آخری شام کی ساری گفتگو بھی ریکارڈ تھی وہ شاید تمہیں مزہ ہر اسماں کرنے کے لیے ریکارڈنگ میں بنیں کر کے دوش روم میں چھوڑ آیا تھا اور اسے نہیں سنا تھا یہ تمہاری بے گناہی پر آخری امر ثابت ہو گی اس کی بدلتی اور تمہاری مزاحمت و مقصد سب کچھ واضح تھا۔“ وہ کہہ کر ایک دم چپ ہو گیا۔

”زریاب کی سحر انگیز شخصیت کا بت تمہاری نگاہوں کے سامنے پائش ہونا ضروری تھا ایک کامیاب زندگی کا آغاز کرنے کے لیے۔“

میا کو کافی دیر بعد جیسے اس جملے کی بازگشت اپنے کانوں میں سنائی دی۔

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

ایران ڈائجسٹ

نومبر 2007 کا شمار شمار ہو گیا ہے

Emale: id@khawateendigest.com

ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان جو منحنی کی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ پرتھو سلسلہ ”آتش زاوہ“

معاشرتی برائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے ایک نوجوان کی مظلوم خیر داستان ایم اے راحت کے قلم سے ”کاروان“

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں



زندگی

تم مجھے زندگی کہتے ہو

مجھے یقین ہے

مگر میری ایک خواہش ہے

کہ اس زندگی کے بعد

مجھے ایک اور زندگی ملے

تاکہ میں دیکھ سکوں

کہ تم

میری زندگی سے

کسی اور زندگی تک کا فاصلہ

کتنے عرصے میں طے کرتے ہو

فرزاد سہیل

حقاطی بند باندھ لیجیے

ہم ہیں آوارہ سو بسو لوگو!

جیسے جنگل میں رنگ و لہو لوگو!

ساعت چند کے مسافر سے

کوئی دم اور گفتگو لوگو!

تھے تمہاری طرح کبھی ہم بھی

رنگ و نکہت کی آبرو لوگو!

قریب عاشقی، سراجہ دل

گھر ہمارے بھی تھے کبھو لوگو!

وقت ہوتا تو آرزو کرتے

جانے کس شے کی آرزو لوگو!

تاب ہوتی تو جستجو کرتے

جانے کس کس کی جستجو لوگو!

کوئی منزل نہیں، دوانا ہیں

ہم مسافر ہیں بے ٹھکانا ہیں

ابن انشراح

پارک کی طرف جو رہتا تو وہ گھبرا گئی۔

”چھوڑیں مجھے چھوڑیں نا کوئی دیکھ لے گا۔“

”آئی ڈونٹ کیئر، اب تو چاہے سارا شہر دیکھ لے۔“

وہ اسے اسی طرح بازو سے پکڑے پارک تک لایا تھا۔

”اس میں۔“ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ابھی تھوڑی

دیر پہلے تو آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا وہاں جگہ جگہ

سیاہ بدھیاں منڈلا رہی تھیں اور ہلکی ہلکی بونڈیں پڑنا

شروع ہو چکی تھیں۔

”یہ بارش بھی نا۔ یہ بارش میرے لیے کتنی

بارکت ثابت ہوتی ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔ یہی

بارش تو تمہیں مجھ تک لائی تھی، بیشک کے لیے۔ اور

آج پھر۔“ اس نے ڈرا یونگ سیٹ کے ساتھ کا

دروازہ کھولتے ہوئے اسے بٹھا کر خود ڈرا یونگ سیٹ

سنبھال لیا۔

اور وہ جو آج تک اس بارش سے خائف رہی تھی

مسکراتے ہوئے اپنی اٹھیلی کھڑکی سے باہر نکالتے

ہوئے رافع کی بات کی تائید کرنے لگی۔ واقعی یہ بارش

تو جب بھی برسی اس کی خوابوں میں داک کی ٹوشیاں ڈالنے

لگی ہیں اسے کبھو دیر میں آئی بلور اب جب سوچ سکتی تو

”میں اب کبھی بارش سے خائف نہیں ہوں گی۔“ اس

کے لبوں سے پھسلا تھا۔

”صرف بارش سے؟“ رافع نے شوخی سے پوچھا تو

وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور اس بار اس کی ہنسی میں رافع

کی ہنسی بھی شامل تھی۔

اسے معلوم تھا یہ بارش اسے رانے نہیں ہٹانے

آئی ہے۔ اس کے من کی پاس بچانے۔

وہ کھڑکی سے باہر سر نکال کر بڑے شوق اور نکلن

سے بوند بوند برستی اللہ کی اس رحمت کو دیکھنے لگی جو وہ

بیمار کرنے والوں کو محبت کی بوچھاڑ میں بھگونے کو

بے تاب ہوئی جا رہی تھی۔



میری بے گناہی بھی اور ذریعہ کی خواہش بھی۔“ وہ

بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو اس نے اثبات

میں سر ہلادیا۔

”تو اتنے دن۔۔۔ اتنے ڈھیر سارے دن۔۔۔ جب

آپ اوجھر گھبراتے رہے، میرے اس پاس پھرتے

آج بھی نظروں سے نکلنے لگتے پھیرتے اب کو سب

معلوم تھا؟“ وہ کہتے ہوئے چارٹاٹ انداز میں اس کی

طرف بڑھتی اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے ایک بار پھر

اثبات میں سر ہلادیا۔

”یعنی میری بے بسی کا مذاق اڑاتے رہے، مزہ لیتے

رہے۔“ وہ اب اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

”اصل میں تمہارا حسن پر سوزو عملیں تھوڑا رویا

دھویا لگا اچھا لگتا ہے جیسے چاند کے گرد جالہ۔۔۔ تو میں

نے سوچا۔۔۔“ وہ معصومیت سے اقرار کرتے ہوئے

بولی۔

”تو میں نے سوچا کچھ دن اور اس رونی صورت کا

نظارہ۔“ غصے میں چلا تے ہوئے اس نے پوری قوت

سے رافع کو پیچھے ہونٹنگ اپیل میں دھکیلنے کی کوشش

کی مگر یہ الگ بات کہ اس کے فوارے جسم کو تو وہ پیچھے نہ

دھکیل سکی لہذا اس کے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں آ

گئی۔

”چھوڑیں مجھے بے ایمان انسان ظالم۔۔۔“ وہ اب

بھی پوری طاقت سے اسے دھکیلنے کی کوشش کرتے

ہوئے کچھ اور اس کے قریب ہوئی جا رہی تھی۔

”اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ اس سے زیادہ خوبصورت

کے بند نہیں باندھ سکتا۔ تمہیں سب کچھ بتا دیا تو پھر

ایک بل کے لیے خود سے دور نہیں رکھ سکوں گا۔ کہاں

تمہیں ضویا کی شاہی کے لیے رکھنے دوں۔ ابھی تو تم

سے بہت سارے ڈھیر سارے اولین دن سے لے کر

اس گھڑی تک اتنے بدلے لینے ہیں کن کن کے کہ تم

ضویا اور ولید کو کیا اپنے گھر میں بھی کسی کو کتنے ہی دن

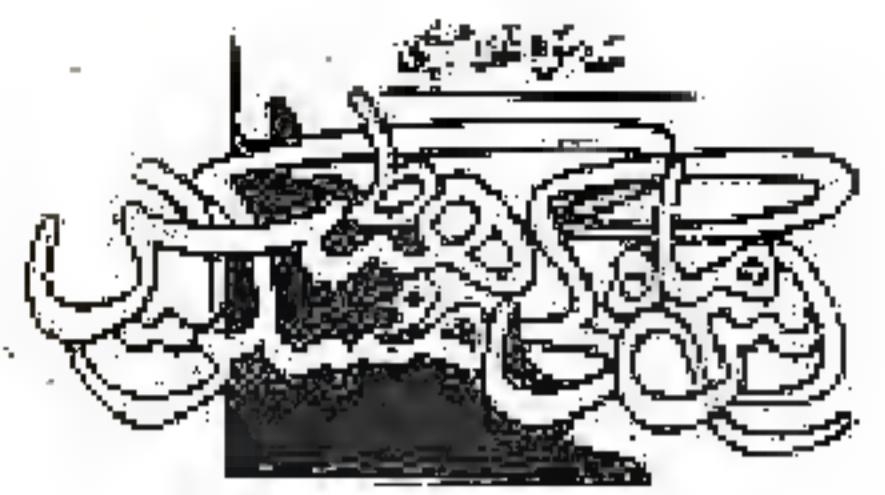
تک نظر نہیں آو گی۔ ظالم میں ہوں کہ تم چلو ابھی

سارے حساب کتاب کر لیتے ہیں کون ظالم سے اور

کل اور آج

پہلے ایسا
کب ہوتا تھا
اجنار ہویا اندھیارا
جب ہونا ہوتا تب ہوتا تھا
ایک ہی دن
چلتا تھا ہتھوں
خواب تھے تھوٹے
رات بڑی تھی
وقت با
نکلتا تھا کم باہر
جیب کے اندر
جیب گھڑی تھی
آنکھ اٹھی
اور منظر بدلے
یہ کیسا...
جنجال نیا ہے
پچھلا سال
گیا تھا کل ہی
آج جو دیکھا
سال نیلے
پہلے ایسا
کب ہوتا تھا

نگری نگری پھر مسافر گھر کا رستا بھول گیا
کیا ہے تیرا، کیا ہے میرا، اپنا پرایا بھول گیا
کیا بھولا کیسے بھولا، کیوں پوچھتے ہو بس یوں سمجھو
کارن روشن نہیں ہے کوئی، بھولا بھالا بھول گیا
یاد کے پھیر میں آکر دل پر ایسی کاری چوٹ لگی
دکھ میں سکھ ہے سنگھ میں دکھ ہے، بھید یہ نیا بھول گیا
سوچو پوچھو کی بات نہیں ہے من موچی ہے ستانہ
لہر لہر سے جا سر چکا، ساگر گہرا بھول گیا
بہسی بہسی میں کھیل کھیل میں بات کی بات میں رنگ مٹا
دل بھی ہوتے ہوتے آخر گھاؤ کا برسنا بھول گیا
اپنی ہتی ہتی ہتی ہے جب سے دل نے جان لیا
ہتے ہتے تھوڑے بتا، رونا دھونا بھول گیا
جس کو دیکھو اس کے دل میں شکوہ ہے تو اتنا ہے
بہیں تو سب کچھ یاد رہا، پر ہم کو زمانہ بھول گیا
کوئی کہے یہ کس نے کہا تھا کہ دو چو کچھ جی میں ہے
میرا جی کب کب بچتا یا اور پھر کہنا بھول گیا
میراجی



حماقت

ایک آرش نظم دیکھ کر ہاں سے باہر آ رہا تھا کہ پوچھیں
لے اسے کر لیا۔ پوچھ لے کر آنا ہوا۔
"اجنار دن اور لی، آخر ہم نے نہیں پکڑ ہی لیا۔"
آرش نے قہقہے لگانے لگا۔ پوچھیں سے اسے پارچ دن
اور پارچ رات سوتے نہ رہا۔ آرش ہنستا ہی رہا ایک
ماہ تک اسے صرف چند گھنٹہ پانی اور چند ٹھنکے کھانے
کے سوا کچھ نہ ملا۔ لیکن وہ ہنستا ہی رہا۔ دو ماہ تک قید
تنبانی میں رکھا اس کو کڑے کڑے کرنے کی دھمکی دیا۔
پندرہ دن تک آنکھ نہ کھلے۔ وہی رکھ کر کھانا کی محنت
سے سخت سہرا میں اس پر اس کے بعد ناکام ہونے
پر ایک روز پوچھیں انھیں لے کیا۔

وکیل نے اس قبائلی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ
"آپ نے بڑا نیک کام کیا ہے۔" بھوکوں نے جواب دیا
"میرے آؤ ایک ملازم بھی لڑا نہیں جو ایک سال
سے زیادہ عرصے سے میری ملازمت میں رہا ہو۔ البتہ
اجنار دن میں تو یہ بات ناچھی لگے گی۔"
گر یا شاہ۔ کہہ روڑ پکا

سینھ صاحب

سینھ صاحب نے آرش سے پوچھا۔
"آپ میری جملہ برکت بتائیں گے وہ خوبصورت
ہوگی نا؟"
"ہی ہاں آپ سطلوں میں رہیں صاحب! آپ خود کو
بھی نہیں پہچان پائیں گے۔"

کبانی

یہ اس علاقے کا سب سے اونچا اور مشہور پہاڑ
ہے۔ گاؤں کے ستیا کو بتایا۔
"اس سے کوئی دکوئی روایت یا کبانی بھی واسطہ نہ
گی۔" ستیا نے دلچسپی سے پوچھا۔
"ہاں، ایک مرتبہ ایک ستیا جو اس پہاڑ پر چلا
اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔ گاؤں کے ستیا نے بتایا۔
"وہ کیا ان کے ہاں سے کچھ نہیں لیا تھا ان کا
کیا بنا؟" ستیا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے
پوچھا۔

وصیت

ایک خوات کبوتریں جیب مرنے لگا تو اس نے
وصیت لے میں کھوا دیا کہ پانچ ہزار روپے میرے ان
ملازمین کو دے جاؤں جو عرصہ پانچ سال سے میری خدمت
میں مامور ہیں۔

"بس اتنا ہی پنا چاہو کہ وہ دوسری طرف اڑ کر آجے
روا نہ ہو گئے تھے۔" گاؤں کے سطلوں سے کچھ میں بتلے
ہوئے جواب دیا۔
نور، قرآن، کراچی

بہت بڑا سودا کرنے کے بعد ایک ماں دار تاجر اپنے خیالوں میں گم سرنگ پر چلا جا رہا تھا۔ اپنے خیالوں میں وہ ایسا کھویا ہوا تھا کہ نظریں آسمان پر تھیں امداد گروہ کے بھی مہکا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ چور ہے پر پہنچا ہی تھا کہ ایک تیز رفتار کار اسے چبوتی ہوئی گزری امداد گروہ کو روک گئی۔

کار چلانے والا شخص تاجر کے قریب آ جانے پر اس سے پوچھا۔
"تیسے صاحب! اگر آپ وہاں نہیں دیکھیں گے جہاں جا رہے ہیں تو وہاں پہنچ جائیں گے جہاں دیکھ رہے ہیں؟" عقلمند تاجر غامضانہ فرمایا۔

بچھو دار

ہوری نے شوہر سے پوچھا۔
"میں جی آپ اتنی دیر تک کہاں تھے؟"
"دیکھو! کچھ دلچسپ شوہروں کے ایسے سوال ہیں جو پوچھیں! شوہر نے تاملت سے جواب دیا۔
"مگر کچھ دارم وہ بھی تو اپنی بیویوں..."
"ابھی بیوی بات کر رہی تھی کہ شوہر نے اس کی بات سمجھنے ہوئے کہا۔
"دیکھو! کچھ دارم وہ بھی بیوی نہیں ہوتی؟"
مصلح کل۔ مگر گویا

ایک سفر

ایک صاحب اپنے سفر کا حال سننا رہے تھے۔
"تو میں اپنے میں ہی گھڑی رفتار سے جا رہی تھی مگر اس بڑی طرز ڈنگ گاڑی تھی کہ مجھے اندیشہ تھا کہ میسرری بندوں کے تمام خورد آٹک ہو جائیں گے۔ کبھی مسافر اچھلتے تو ان کے سر پر تھ سے جا گرتے اور کبھی وہ بے جا بے ایک برس سے دو برس سے تک لڑھکتے جاتے۔ انہیں وہیں اپنی سیٹوں پر بیٹھا مشکل ہو جاتا۔ سچے بچھن، نہ رہے تھے۔ اور آیت دکھائی دے رہے تھے۔ میں تو مضبوطی سے سیٹ کے بچھے پارے بیٹھا تھا لیکن اندیشہ تھا کہ کسی بھی لمحے اچھل کر پانچ روپے سے جا گراؤں گا۔
اجانک قدرت کو ہم پر دم آیا تو میں کچھ ہوا انداز میں چلنے لگی۔ زمین کی کھڑکھڑاہٹ اور مسافروں کی چیخ و

پکار مٹی تو کمپارٹمنٹ میں کچھ سکون سا محسوس ہونے لگا اور اس کی دماغی صور سے تھی کہ زمین پر مٹی سے اترتی تھی۔
شربا۔ فرحت تمام فنی۔ غامضانہ

اتنی سی بات

بہاؤی علاقے کی ایک نہایت ضعیف عورت کو ایک چکڑے کے سلسلے میں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا گیا تو جج صاحب نے پوچھا۔
"آپ اس چکڑے کے سلسلے میں کیا جانتی ہیں؟"
"ایسی کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔" چکڑوں بھرے چہرے والی طاقتور نے سہمرا جواب دیا۔
"پھر بھی... آپ بتائیے تو سہی... آپ نے کیا دیکھا؟"
جج صاحب نے اصرار کیا۔
"ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی... بڑی ہی سزا ایک بار پھر بے پروائی سے ہتھیلا کر کہا۔ "میں ادھر غیب گل نے شہباز خان کو پھیرا بوللا۔ شہباز خان نے غیب گل کے سر پر ڈنڈا مارا۔ غیب گل ادھر... گڑھے ٹھنڈا ہو گیا۔ غیب گل کا دوست ادھر کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ غیب گل گر گیا ہے تو اس نے پھر کال کر شہباز خان کو بتا دیا۔ ادھر شہباز خان کا دوست بھی موجود تھا۔ اس کے جب یہ دیکھا تو کوئی چلا کر غیب گل کے دوست کو پھینکا اور دیا اس کی بک بک میں زمین آدی اور مر گیا۔ بس اتنی سی بات پر جج صاحب شروع ہو گیا۔"

کیا فائدہ...

دولت مندوں کے پاس چندہ لینے والے کثرت سے آتے رہتے ہیں لیکن انہیں ان سے جان چھڑانے کے طریقے بھی خوب آتے ہیں۔ ایک سچو صاحب کے پاس کچھ لوگ علاقے کے بکسوں کے لیے تھی منیت گاڑی خریدنے کے سلسلے میں چندہ لینے بیٹھے۔
"بھئی میں تو مندرت جا ہوں گا۔ منی منیت گاڑی کے لیے میں تو چندہ جنس دے سکتا۔ علاقے میں پہلے سے جو منیت گاڑی موجود ہے، پچاس سال پہلے میں نے اس کے لیے چندہ دیا تھا اور آج تک مجھے اس گاڑی سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ تو میں نئی گاڑی کے لیے چندہ کیوں دوں؟"
ندا یوسف۔ کراچی

منگنی اور شادی

"میں تم سے شادی کر کے تمہاری خاطر بیٹے ڈیڑھی کا نشانہ اور آسامیوں سے بھرنا چھوڑ سکتی...
"تو اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ شادی کے بعد میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھیں وہ لوگ گا۔"
"آئندہ میں کسی لڑکی سے شادی کی درخواست نہیں کروں گا۔"
"کیوں کیا پھر کسی لڑکی نے تم سے شادی سے انکار کر دیا؟"

"نہیں۔ آج ایک لڑکی نے ہاں کہہ دی...
"میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گا جب تک کہ مجھے اپنے سے بالکل اگت لڑکی نہیں مل جاتی۔"
"میرے خیال میں تو پھر نہیں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی چلیے۔ تمہارے محلے میں کئی تو ہیں اور بافتنی لڑکیاں رہتی ہیں۔"
"میں اس لڑکی سے مزور شادی کر لیتا مگر اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ مجھے اپنا اداہ ملتوی کرنا پڑا۔"
"کیا کہہ دیا اس نے؟"
"اس نے نہیں کہا دیا۔"

بے چارگی

ازواج مریض نے ماہر نفسیات کے کئی سوالوں کا جواب نہیں دیا تو اس نے مریض سے دل کی بات آگولنے کا طریقہ سوچا اس نے کاغذ پر منسل سے ایک عمومی کیرکچری اور مریض سے پوچھا۔
"یہ کیا ہے؟"

"دکھش لڑکی" مریض نے جواب دیا۔
"ماہر نفسیات نے عمومی کیرکچری کے درمیان سے ایک آٹمی کیرکچری اور پوچھا۔
"اچھا یہ کیا ہے؟"

"حسین و حیل لڑکی سر کو جھکائے بال منوار رہی ہے۔"
"نوجوان مریض نے خلائوں کو گھومتے ہوئے جواب دیا۔
"میں تمہارا مسند کچھ گبات" ماہر نفسیات نے کہا۔
"تمہارے ذہن میں دو ماہر نفسیات خیاالات بھرے ہوئے ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" نوجوان نے احتجاج کیا۔
"گندی گندی تصویریں تو آپ خود بنا رہے ہیں۔"

کیا فائدہ

میاں بیوی کاڑ میں جا رہے تھے کہ ارض نے آ لیا۔ ڈنڈا اسکرین بالکل دھندلی ہوئی مادہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کئی بار غارتہ ہوتے ہوئے، کیا تو خرافت سے لڑتی ہوئی بیوی سے تمہارے کہا۔

"ماہر روک کر ڈنڈا سکرین صاف کیوں نہیں کر لیتے؟" شوہر نے کہا۔ اس سے فائدہ ہے؟ میں تھنک تو پھری بھولی آیا ہوں۔
"کڑن، پیش۔ کراچی"

نشانیان

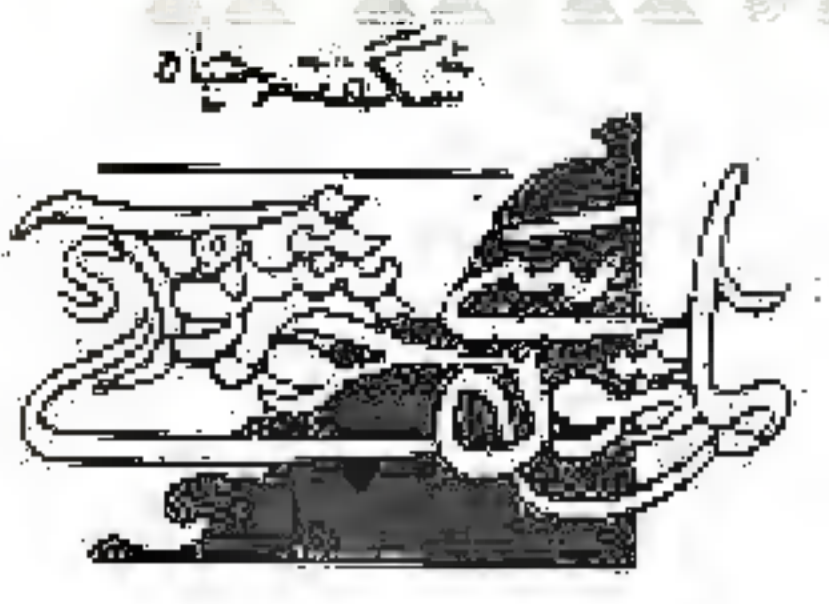
عبداللہ کوڑے میں جلا گیا۔ اس کے عزیز واقارب اسے مردہ سمجھ کر تدفین کی تیاریاں کرنے لگے مگر وہ دفن ہونے سے پہلے جوش میں آیا۔
"کچھ دیر کے لیے مرنے کا یہ تجربہ کیسا تھا؟" دوستوں نے جاننا چاہا۔

"بھئی میں مرا نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں زندہ ہوں مجھے بھوک لگ رہی تھی اور اپنے پاؤں مجھے ٹھونسنے محسوس ہو رہے تھے۔" عبداللہ نے بتایا۔
"پھر بھی... تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم زندہ تھے؟"

"بھئی... سیدھی ہی بات ہے۔ اگر میں جنت میں ہوتا تو مجھے کھوکھو کیسے نہ لگ۔ یہی ہوتی امداد گریں جہنم میں ہوتا تو مجھے اپنے پاؤں ٹھنڈے ٹھنڈے ہرگز محسوس نہ ہو رہے ہوتے۔"

فرمائش

دادا جان نے ٹھنڈی ماس کے کرپوتے سے کہا۔
"آج کل کی لڑکیاں تو کسی بات پر نہیں شرماتیں۔ ہمارا زمانہ تو تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑکیوں کے چہرے شرم سے سرخ ہو جاتے تھے۔"
"کیا آپ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے بتانا بہتر کریں گے؟" کرپوتے نے سنجیدگی سے فرمائش کی۔
"اسیہ جاوید۔ علی پور چھوٹہ"



شکستہ جیاد

اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں یہ ہوا چاہتا ہے

بے تصور

آسید نے دعویٰ سے شکایت کی۔
وہ بچل بار تم جو کہہ رہے دعویٰ کے لئے ان میں سے
مٹی کے تیس بیسی بو آ رہی تھی
بی بی اس میں سید کیا تصور ہے۔ میں جب
کپڑے لے کر گیا تب بھی ان میں سے مٹی کے ٹول کی بو
آ رہی تھی۔ دعویٰ نے اظہیان سے جواب دیا۔

ہری مرچیں

وہ کچھ اس قسم کا ایک شہ ہے کہ جب ڈاکٹر کو کسی مین
میں دکھانے کے لیے مگزی یا پتھر نہیں ملتا تو وہ
اسے کاٹ کر لیتا ہے۔
ہاں ہاں بہت سے لوگ نشوں پر مشورہ کرنے
کے اہل ہیں لیکن انہوں نے اگر گندی باتوں اور گالیوں
کو ان مشوروں سے نکال دیا جائے تو پھر انہی میں
چاہنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔

کبھی کا ایک ملازم اپنے لیے پتھر لگانے کی سہولت
منظور کرنے کی عرض سے غلام پھر رہا تھا۔ اس میں
ایک سوال تھا۔
"کیا آپ کے خیال میں آئندہ تین مہینوں کے اندر
کسی دہشت آپ کو ایمر جنسی میں اپہتال جانے کی
ضرورت پیش آسکتی ہے؟"

میں ہن کے مرکزی علاقے میں بہت سے ہانگے والے
مختلف بے کار ڈبے کھڑے ہوتے ہیں جن پر مختلف
انداز میں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ ان کی مالی مدد کی جائے۔

نوٹ: ان عبارات پر توجہ نہیں دیتے لیکن پچھلے دنوں
ایک ماہگئے دلہے کی عیادت سے سب کی توجہ اپنی
طرف مبذول کرنے لگی۔ اس نے اپنے بے کار ڈبے
پر رکھا تھا۔ بریڈیٹ ادا ٹیلیفون جولی کے ہاں تھے
کی پیدائش متوقع ہے۔ میں اس موقع پر تھوڑے
کے لیے رقم جمع کر رہا ہوں۔ براہ کرم میری مدد کریں۔
صدف عمران کراچی

شرط

خرم ہٹ کے سر پرچی اور بانڈ پر ختم ہوا دیکھ کر
بہنے پوچھا۔
خیریت تو ہے۔ کیا آج پھر نورسا مکمل کا ایک بیڈنٹ
ہو گیا؟
نہیں۔ خرم ہٹ نے فری فری سی آواز میں
جواب دیا۔
تو پھر یہ حالت کیسے ہو گئی؟

دراصل میں نے عدیل ہٹ سے دو سو روپے کی شرط
لگائی تھی کہ وہ مجھے کتھے پر رکھے گا۔ اس کی سیرھی پر نہیں
چڑھ سکتا۔
تو پھر کیا۔ میں شرط جویت گیا۔ خرم ہٹ نے کہتے
ہے جواب دیا۔

بے خیانتی

نئے سے دوست مندر ہونے والے میان ہوی اور پ
کی سیر کے لیے چلے گئے۔ وہ اپنی زبان کے دوست احباب
سے چینی سے ان کے سفر کا مال گننے کے مشورے دیے۔ ان کے
اعزاز میں وہی کئی ایک دعوت میں ایک قانون نے
تو دور لیتے کی ہنگامے پوچھا۔
"آپ نے دم کو بھی اپنے دوستوں میں شامل رکھا تھا
یا نہیں؟"

مجھے تو معلوم نہیں کیا حکم نے بے نیازی سے کندھے
آچکا کہ کہا۔ گھٹت پھر میرے میں ان خرید کر لے گئے۔

اپنی جہت

عراق کے لوگ میں دیا امریکی فوجی ایک ٹرک میں
بار سے تھے کہ راستے میں ایک صحیح حکامت ہم پر نظر
آیا۔ ایک فوجی نے چٹا کر ڈرا ٹور فوجی سے کہا۔
"اسے اسے رکھا ڈی دو کو۔ سڑک کے بچوں سے
بھیڑ بھٹا ہوا ایک ہم بڑا ہے۔
ڈرا ٹور کے والے فوجی نے آنکھیں میکر کر ہم کی طرف
دیکھا پھر یہ روٹائی سے ڈرا ٹور تک جاری رکھتے ہوئے بولا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سیدنا جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ کھڑا خرابی لوگ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ وہ کھیل رہے ہوئے
تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا برا حال دیکھا تو لوگوں
کو صدقہ دینے کی رغبت دلائی۔ لوگوں نے صدقہ دینے میں
دیر کی یہاں تک کہ اس بات کا بیج آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے چہرے پر معلوم ہوا۔ پھر ایک انصاری شخص دو لوگوں کی
ایک پھیلنے لگا کر آیا پھر دوسرا آیا یہاں تک کہ اصدقا اور
خیرات کا تار بندہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے
پر خوشی معلوم ہونے لگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرنے لگتی ہے وہ
ہم کو جان سے خوش فرماتے ہیں۔"
پھر قرآن مجید میں موجود ہے پھر لوگ اس کے بعد اس
کا عمل کرنے لگے تو اس کو اتنا ثواب ہوا کہ جتنا سب عمل کرنے
والوں کو ہوگا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو
گی اور جو اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرنے لگتا ہے وہ دعوت
یا گناہ کا لاکھ اور لوگ اس کے بعد اس پر عمل کرنے لگے تو
تمام عمل کرنے والوں کے برابر گناہ اس پر لکھا جائے گا اور
عمل کرنے والوں کا گناہ کچھ کم نہ ہوگا۔
(صحیح مسلم)

حج اکبرہ

عبداللہ بن مبارک حد درجہ کے تھے تھے۔ ایک سال
حج کرتے ایک سال جہاد میں شریک ہوتے۔ آپ حج سے
کار خ ہوتے تو حرم شریف میں ایک ساعت کے لیے سو
گئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے نازل
ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔
"اس سال کتنے لوگ حج کو آئے؟"
دوسرے نے جواب دیا: "چھ لاکھ"

پھر اس نے پوچھا: "کس قدر لوگوں کا حج قبول ہوا؟"
دوسرے نے کہا: "کسی کا حج قبول نہیں ہوا۔"
آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سننا تو سر سے دل
میں ایک انتظار پیدا ہو گیا۔ میں نے کہا۔
"اس قدر لوگ اعراف سے اس قدر بیخ اٹھا کر کھڑے
اور پیاباؤں کو عبور کر کے آئے ہیں ان کی تکلیفیں اور عذاب
ضاح ہو گیا۔"

پھر اس فرشتے نے کہا: "دشمن میں ایک موحی رہتا
ہے اس کا نام علی بن الموائج ہے۔ وہ حج کو نہیں آتا مگر
اس کا حج قبول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں
کو اس کے طفیل بخش دیا۔"
جب میں نے یہ سننا تو خواب سے بیدار ہو کر خیالی
کیا کہ مجھے دشمن جا کر اس شخص کی زیارت کرنا چاہیے۔ جب
میں دشمن پہنچا تو اس کا گھر تلاش کیا۔ وہ دارانے پر دستک
دی اندر سے ایک شخص نکلا میں نے اس کا نام دریافت
کیا اس نے کہا۔

"علی بن الموائج"
میں نے کہا: "مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"
اس نے کہا: "ان کہو۔"
میں نے کہا: "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"
اس نے کہا: "میں بارہ روزی کرتا ہوں۔"
پھر میں نے خواب کا تمام واقعہ اس سے بیان کیا۔
اس نے پوچھا۔

"تعباً نام کیا ہے؟"
میں نے بتایا: "عبداللہ بن مبارک"
اس پر انہوں نے بتایا: "مجھے تیس سال سے حج کی
آرزو تھی میں نے اس مدت گزار میں تین بار دینار حج
کیے اہذا اس سال حج کا ارادہ کیا۔ ایک دن میری بیوی

نے جھکا جا رہی تھی مجھ سے کہا: ہمسایہ کے گھر سے طعام کی خوشبو آ رہی ہے۔ جاؤ اور میرے لیے کچھ طعام ان سے مانگ لانا۔ جب میں گیا تو میرے ہمسایہ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں دن سے اس کے کنبے ٹکٹے میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں کھانا آج اٹھانے سے میں نے ایک مردانہ کھا دیکھا تو اس سے ایک کڑا گوشت کھانا اور گھر لانا طعام بنا یا وہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو میری جان کو ایک آگ سی لگ گئی۔ میں نے تین چار درہم گھر سے اٹھا کر لایا اور اسے منہ دے دیا کہ اس سے بال بچوں کا گزارہ کرو کہ میرا حج بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر عبادت ہے کہ میرے حلال گوشت کو دیکھ کر بغیر الہی مرام حج اس نے مجھ کو اس فعل کو قبولیت حج کا درجہ عطا فرمایا۔

محبت کیا ہے؟

ایک دفعہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے دریافت کیا گیا۔
 "محبت کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا:
 "محبت، محبوب کی طرف سے دل میں ایک تشویش ہوتی ہے۔ پھر دنیا اس تشویش سے ایسی ہوتی ہے جیسے انکلی کا حلقہ یا چھوڑا ہوا جھوم۔ محبت ایک تشویش ہے جو محبت ختم کر دیتا ہے۔ عاشق ایسے محرابوں کو اپنے محبوب کے مشابہہ کے سوا کسی چیز کا نہیں ہوش نہیں۔ وہ ایسے بیمار ہیں کہ اپنے مطلوب کو دیکھے بغیر تندرست نہیں ہوتے۔ وہ اپنے خالق عزوجل کی محبت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور اس کے ذکر کے سوا کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتے۔"

(آفتاب از رحمت الاملاہ)
 ایضاً انارک جگوالی

راز کھونا

حضرت عروہ کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکی نے حد شرعی سے بچنے کے لیے خود کو کئی کوشش کی اور زندہ رہ گئی اور پھر گت سے تائب ہو گئی۔ ایک آدمی نے اسے نکاح کا پیغام دیا جو کہ اس واقعہ سے لاعلم تھا۔ شہر پرست نے حضرت عروہ سے پوچھا:

کیا میں اس آدمی کو یہ واقعہ شادوں؟
 آپ نے فرمایا: کیا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہے تو اسے جانک کرنا چاہتا ہے۔ واللہ اگر کوئی کسی سے بھی اس کا ذکر کیا تو میں مجھے لوگوں کے لیے عزت بنا دوں گا۔ جس طرح پاک دامن عیضہ کی شادی کرتے ہیں اسی طرح اس کی بھی شادی کرو۔
 ترجمہ شعیب بیٹ۔ گوید لوالہ

یاد رکھیے

حضرات آپ جاہلینہ نہیں کر سکتے کیونکہ تاریخ کی اہم عدالت نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ عبادت واقعی طور پر تو رہا کر سکتے ہیں لیکن شکست نہیں کھا سکتے پھر تو سکتے ہیں لیکن شکست نہیں سکتے۔

(ہشتر)

جلد بازی میں پوری کتاب کو پڑھنے سے ہر شبے ایک ایک صفحہ کو پڑھا اور پڑھ گیا جائے۔ (میکلے)
 ایک بڑوں آدمی کے ہاتھ میں پستول تھی پڑا دو لیکن جب اس پر حملہ ہو گا تو وہ ایک گولی بھی نہیں چلا سکے گا لیکن ایک بھادر آدمی بے دست و پا بھی میدان فتح کر لے گا۔ (سینکس)
 ایسیلہ امتحان۔ چچہ دینی

خواہم پیار کے

- آنسو کی ڈاست کے قریب آنے کی دلیل ہیں۔
- ماسوا سنٹے تو مازد کہہ رہے آئے۔
- آنسو کا سفر دکھ نہیں، رسید ہا بارگاہِ حمدیت میں لے جاتا ہے۔
- خوش نصیب انسان وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش ہے۔
- راستہ سڑک یا زندگی، کری کا اپنا کوئی شعبہ نہیں ہے۔ سڑک تو وہی رہتی ہے، صرف مسافر کا فرق ہے۔ اسی سڑک پر عروج و گریہ پھرتے رہتے ہیں۔ وہیں سے اللہ کا وہی بھی گزرتا ہے۔ (واصف علی واصف)
 حدیچہ رحمن۔ ایم۔ بی۔ مدین (دکن)

خود یا ہمسایہ

عاجزی اور کینلی میں بڑا فرق ہے۔ کس نصی کو تغیر ذات تک نہ پہنچاؤ۔
 طوفانوں کی طاقت سب کشتیوں کو نہیں ڈبو سکتی۔
 انسانی عقل و خرد کی تمام طاقتیں مکاری کے کمزور جانے کے سامنے بے بس ہیں۔

(واصف علی واصف)

گل پر مری مرزا۔ لاہور

شوریت

حضرت امام خاں نے فرمایا: عورت میں تیری تعریف اس لیے نہیں کرنا کہ تو کمالات میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ میں اس سبب تجھ سے محبت نہیں کرتا کہ تو انسانی راحت کا سب سے موثر اور ستر چتر ہے بلکہ میں اس واسطے تیری تعظیم کرتا ہوں کہ انسانیت تیرے ہی فہم سے ہے۔
 (امیر شاہ۔ نصی شریف)

دعا

ایک مرتبہ ایک قوم حضرت معروف کرہؓ کے پاس سے حد سے زیادہ غلہ لے کر گئی تھی اس کے پاس شرب اوردیگر سامان تھیں رکھا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا:

"آپ اللہ کے لیے بددعا کیوں نہیں کرتے؟" آپ نے فرمایا:
 "اے اللہ ان کو آخرت میں بھی ایسا ہی خوش و خرم رکھ دے جیسے یہ دنیا میں خوش ہیں۔" لوگوں نے اس دعا پر تعجب کیا تو فرمایا:

"العیاذ باللہ میں کسی مسلمان پر بددعا کروں سے شک اٹھتا نہیں آخرت میں اسی وقت خوش کیسے گا جب دنیا میں نیکی اور نیکو فوہم کی توفیق دے کر نعمت کرے گا۔ یہ اس کی حق نسبت میں سے ہے۔"
 نورین ظفر خان۔ لودھراں

سنہرے اقوال

- ضرورت بڑوں کو بھی چاند بنا دیتی ہے۔ (مراکٹ)
- آنسو کی کوپہ جانیے وہ یہ غلوں کو بالوں سے ملے

بندوں ہونے سے دیکھتے ہیں۔ (الی ہنشو)
 * طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے سوا کسی کے چہرے کو دیکھتا ہے۔ (مولفٹ)
 * وہ آدمی غلط ہے جو اپنا کام جلائے کے لیے دوڑنے کے وہ غلوں سے استفادہ کرنے کی مصلحت دیکھتا ہے۔ (ویاٹ)

* یہ کتنی عجیب بات ہے کہ چھوٹے بچوں کو ہم پہلے تو بولنے کی تربیت دیتے ہیں اور پھر ان کو ڈانٹتے ہیں کہ خاموش ہو جاؤ۔ (جمو برٹ)
 * تقریباً ہم سب اس کے محاکم ہیں۔ (زحیر لیٹ)

- عقل مند لوگ اندازہ نہیں کر سکتے کہ بے وقوف اب کیا کئے والا ہے۔ (برائیت)
- ذہانت گفتگو کا نیک ہے۔ (بیر لیٹ)
- فلسفہ جنہلی کی بیل پر گلاب کا پھول۔ (لارڈ ٹنڈراٹ)
- آہ! اس کے ہوشوں پر سگڑا ہٹ لیکن آنکھوں میں آنسو تھے۔ (اسکاٹ)
- بے عمل ہستائیز ضروری گفتگو کرنا اور غلط جملہ سنا بے وقوفی ہے۔ (ہیو ماٹ)
- سستہ نسبت از ہر کہہ روز یکا

سادگی و نفس کشی

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ شیر ناکمؓ کے زیادہ اختلاف میں ایک اعزالی کا اونٹ مر گیا۔ وہ دو درواز کا سفر طے کرتا ہوا بیت المال سے اونٹ ماہل کرنے کے لیے دار الخلافہ مدینہ منورہ پہنچا۔ حضرت علیؓ کو اللہ و جس کی رہائش گاہ پر آیا تو حضرت امام حسینؓ نے اس کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا: حضرت امیر المؤمنینؓ کو اللہ و جس کو کاروبار و معاملات کے سلسلے میں کہیں باہر تشریف لے گئے؟
 حضرت امام حسینؓ نے اس اعزالی کو مسجد کے حجرے میں بٹھایا اور کہا:

"میں آپ کے لیے کھانا تیار کر کے لاتا ہوں۔ چنانچہ خود ہی دیر میں پڑ لکھتے کھانا تیار کر کے آئے۔ اس کے سامنے رکھا۔ حضرت علیؓ کو اللہ و جس بھی مسجد میں

گلابی دن بے گلابی

تو بہت جبین ضیاء
دم توڑتے برس نے اس بار بھر صدائی
ہمیکے سے اس برس بھی نصیب کہا و سیر
کھنڈی شاہین قیصر
میں ٹوٹ کر نہ آؤں گا
تو منتیں جہزاد کر
یہ عمر بھر برلائے گا
نہ دل کا اعتبار کر

ڈیڑا فرحت
مجھ سے جنھن سے واقف میرے جذبات سے تھا
اس کا رشتہ تو فقط اپنے مناوات سے تھا
اب جو بھڑا تو کیا روئیں جدائی پہ تیری
یہ اندیشہ تو ہمیں پہلی ہی ملاقات سے تھا
دوبلی سیلابی
کس قدر تکلیف وہ تھا آرزوؤں کا سفر
مسئلہ در مسئلہ ساتھ در ساتھ

عاشا سلم
منور میں مجھ کو ڈولتے تو بات تم پر کبھی نہ آئی
یہ سارا مل یہ لاکر ڈولنا، کوئی سے کا تو کیا کہے گا
جی میں آیا تو خوب کھیلا، جوتی سے آرا تو توڑ ڈالا
میرا جگر بھی سے اک کھوتا، کوئی سے کا تو کیا کہے گا
سکان سنی
بجھر کی شب تالار دل وہ صد دینے لگے
سننے والے رات گنتے کی دعا دینے لگے
باغبان نے آگ دی جب آئینے کو پر لے
جی پہ تمکھ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
صائمہ سیم
یادوں کے ماشے بھی اہم ہیں بہت
دیکھ ملی کتاب کو آہستہ کھول لے

دیوہ ضعیف
وہ جو چاند تاروں کے بان پر سر شام گھر سے نکل پڑا
مجھے دو سنتوں پہ غور تھا، وہ کہاں ڈھلا، وہ کہاں گیا
دھڑکنوں میں جو شخص تھا میں کہ جس کے دل کا سکون تھا
عزم زندگی تیری تھیاں، وہ کہاں گیا وہ کہاں گیا
پر دین انھن شاہین
بہاول نگر

ہم صبح پرستوں کی یہ ریت بڑنی ہے
ہاتھوں میں تم رکھنا یا ہاتھ ظلم رکھنا

کشتار
مجھ لکھ نظر آتا ہے کبھی اک اک سال
کبھی مجھ کی طرح سال گزر جاتا ہے
کبھی جڑی کبھی کبھی کبھی کبھی کبھی
دھرت سے دوستی بہ حال گزر جاتا ہے

عبادنا ملیم
میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں کوئی پرچہ نہ
یہ اگر ضبط کا آئینہ ہے، تو پتکا کیسے

عباد فرید
اک اور برس بیت گیا اشک رواں کے ساتھ
اس سال تو خدا کرے کوئی خوشی ملے

ایقدا انا
اک اشک چمک جلتے تو طوفان اٹھائے
دکھتا ہوں میں آنکھوں کے بیابان میں سمندر
اک پائے سے کیا اس کی ملاقات ہوئی ہے
رتا ہے ہر وقت اجالوں میں سمندر

نورین ظفر خان
کیوں اداں بیٹھے ہو اس اندھرنے میں
دکھ تو کم نہیں ہوتے رہتی تھانے سے
کچھ سمجھ نہیں آتی شہر کے ملبوں کی
تو ب روئے جاتے ہیں آہستہ دکھانے سے

واڑھی جھلک جاتی راہ سے کسی سے دریافت کیا
جب آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں، اس وقت
تو نہیں دیتے لیکن جب آپ کو قبر یاد آئے بلتے یا آپ
کسی قبر کو دیکھ لیں تو اس قدر شدت سے روتے ہیں
اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا: میں نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی
منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل
میں کامیاب ہوا، اس کے بعد کی منزلیں بھی اس پر
آسان ہوں گی۔ اور جو اس منزل میں کامیاب نہ ہو سکا
اس کے لیے اس کے بعد کی منزل اور بھی مشکل ہوگی۔
کنول شاہین - تلنگنگ

ستہری باتیں

- و جس نے مجھے ایک لفظ سکھا دیا اس نے مجھے غلام بنا لیا۔ (حضرت علیؓ)
- و چونکہ باہل کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ عالم ہے اس لیے وہ بھی کی بات نہیں مانتا۔ (حضرت امام غزالیؒ)
- و ہنسنا اور غرور سب رہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ خدا کو جانا۔ (جعفر)
- و ضمیر کی غفلت اس دنیا کو ہی دوزخ بنا دیتی ہے۔ (ابو موسیٰ)
- و غامضی گفتگو کا خم ہے۔ (ابو علی سینا)
- و جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ (گوٹے)



تشریف لے آئے۔ اعرابی نے کہا۔
خبریں یہ کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک اس غریب
شخص کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہ کر لوں جو
صحن مسجد میں خشک ہوئی پانی میں جگا ہو چکا ہے
ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔

یہی تو میرے والد امیر المومنین حضرت علیؓ خیر خدا
کرم آقا و جہاں ہیں۔ وہ اپنے معمول کے برخلاف یہ
پر تکلف کھانا ہرگز نہ کھائیں گے۔
اعرابی یہ سادگی اور نفس کشی دیکھ کر حیران رہ گیا
کہ۔ سلطنت عظیمہ کے سارے سپہ سالاروں کے مالک کی یہ سادگی
ایسی خشک خدا جی کو غریب ترین انسان بھی کچھ ہوا
نکرے۔ غرض اس اعرابی کو بیت المال سے ایک عمدہ
اونٹ ڈالا گیا۔

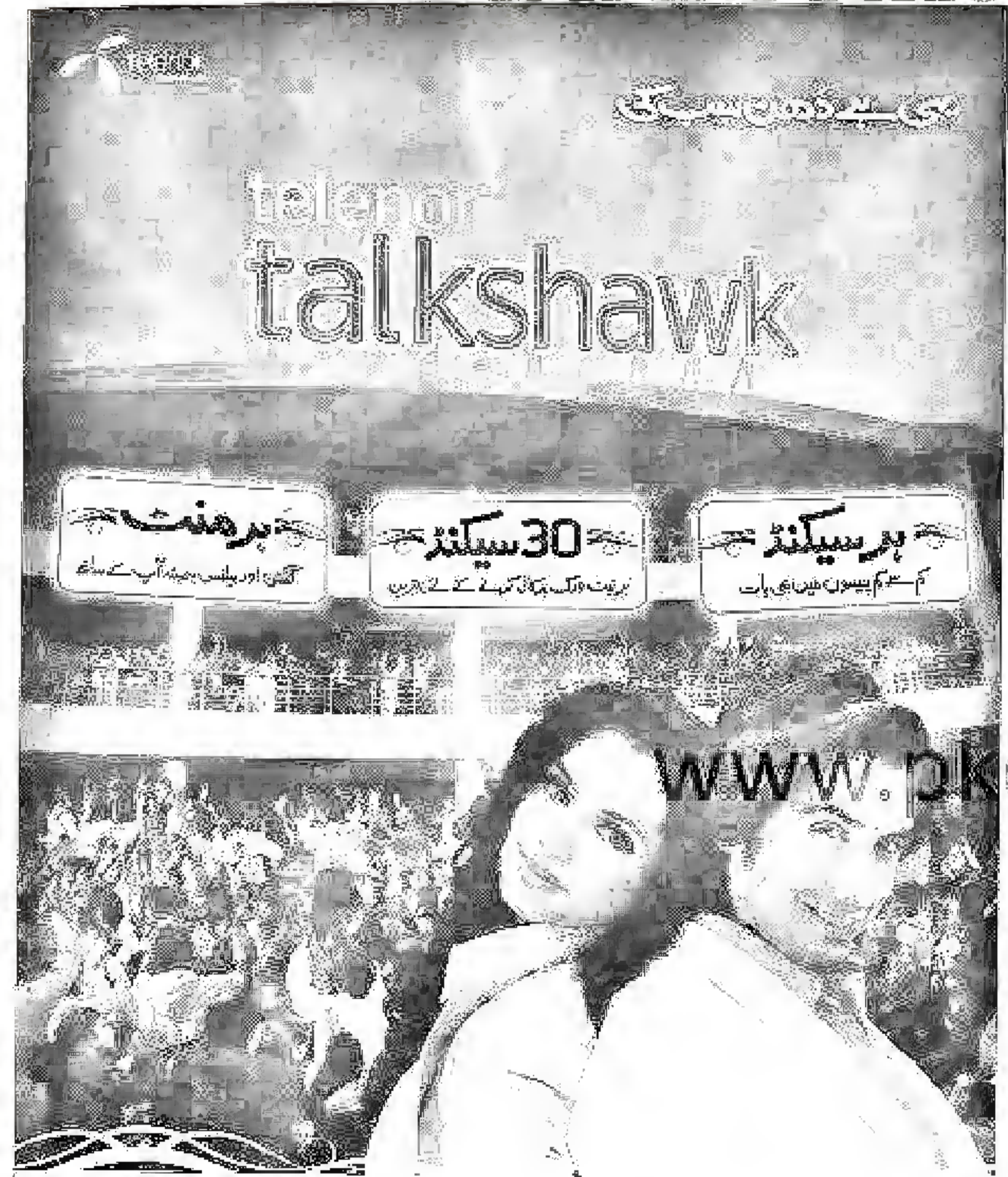
اندوہہ شکرگزاری و حیرانی کے جذبات سے ہریز
شاد کام اور بامراو اپنے وطن ماہوف کو واپس چلا گیا۔
گڑیا شاہ - کبر و پیکر

کچھ باتیں آپ سے کہی ہیں

- بے خبری، غم سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔
- تکلیف کی زیادتی، محبت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔
- زمین اور آسمان زمین کے درمیان بھری پانی کی بوتلیوں کو یوں چھینے جیسے پندے زندگی کے لیے ذوق چھینے ہیں۔
- جب انسان کچھ باتیں تو کچھ کھو بھی دیتا ہے۔ پالنے کی سسر شادی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی ہے اور کھو دینے کا مثال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔

قبر کی منسزلیں

حضرت عثمان بن عفانؓ کے غلام حضرت بانیؓ سے منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو ان پر اس قدر وقت غامضی ہوتی کہ آنسوؤں سے ان کی



پرمنٹ
گٹن اور بیلنس ہمیشہ آپ کے ساتھ

30 سیکنڈ
بہترین وقت ایک بہترین لمحہ کے لئے

پرسپیکنڈ
کم سے کم بیسوں میں ہی بات

پچھلے ری چارج کا بقیہ بیلنس نئے ری چارج پر واپس ...
یعنی ری چارج کا ایک ایک پیسہ وصول

تسویں talkshawk پیج کو حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل Telenor SIM سے 345-66 پر ای-ڈائی کریں

www.telenor.com.pk

پرمنٹ ورک پر کال کرنے سے لے کر بہترین پیشگیچر

شہزاد احمد بیٹ
اک ہر وہی ٹوٹ کے آیا اپنے دیس
مذرتوں بعد کسی کی وید ہوتی ہے
جھنگ جھنگ سارا نیا سال
روشن ایسی اپنی امید ہوتی ہے

شہزاد شاہ
کہیں سوچ سے ڈرنے کی نہیں ہے
کہیں تپتی سے بھنورا لڑ گیا ہے
بڑی ہے اور کس رشتوں پر کچھ ایسی
لہو کا رنگ بھیکا پڑ گیا ہے

شہزاد رانا
یہ سال بھی گزر رہے تیرے ہمارے کی مانند
آتے ہوئے کچھ اور تھا کہ اتنے ہوتے کچھ اند
رکھا جو ہندی
بہنے یہ سوچ کے بننے کا ہنر سیکھ لیا
درو رکھا ہے تو پھر دیدہ تر کیا رکھا

سیدہ خانم شہد
جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہیں بچوں کا سوال ہوتا ہے
کسی کا بن کر رہتا ہے ہر جی ملتی
کسی کو اپنا بنانا بھی کمال ہوتا ہے

داعیلہ ملک
سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جا لگے دلیر
پھر وہی میری طلب اب کے برس مل جائے تو
آئینہ

عنا سلیم اعوان
وہ اس انداز کی عجب سے محبت چاہتا ہے
کہ میرے ہر خواب پر اپنی حکومت چاہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ میں اس کی ضرورت میں چکا ہوں
تو کر یا وہ مجھے حسب ضرورت چاہتا ہے

ہری پور پڑا
پہلے ایک آنکھ تھی پڑنم، یہ کیسا سوگم تھا
بھڑا ہونے جو درد خوں کے بات اسکے برس
کسی کے جانے کا اشرف جگہ کروں کس سے
بھلا ہوتی ہے میری خودیت ذات اب کے برس

عزیز طاہر بیٹ
دنا کا تو کبھی ہوگا، ترانے کو ہم یاد بھی نہیں گئے
مگر فالتو میں لکھی پوسیدہ کتابوں کی طرح
میرے خواب مجھے جگا ہنر گئے چاندنی بن کر
تیری یادیں مجھ پر برسیں گی غزلوں کی طرح

جمیلہ شاہ، رابعہ شاہ
آنکھوں میں کوئی خواب اُڑنے نہیں دیتا
یہ دل کی گھنچے چین سے مرے نہیں دیتا
پچھلے تو مجھ پر یاد تھا اب سے غلوں میں
مل جائے تو پھر جڑ سے گزرنے نہیں دیتا

شہزاد رابعہ
تھے تھے ہم کہ پاؤں کے کانٹے نکل گئے
متر کی قریب آئی تو رستے بدل گئے
دوست ہم کو جین کی رفاقت پہ ناز تھا
وہ شوگ بھی ہوا کی طرح آگے بدل گئے

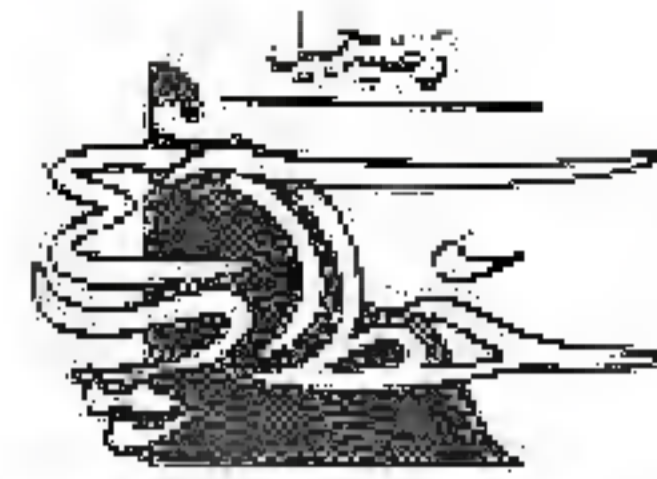
میرا لالی
کھیتوں میں پھر سر سوزا کی اُبت آ رہی
آج تبیں تو کھٹے پھر اب سال ہوا

میرا لالی
آہم وقت رنج و مال کیا جو گزر گیا سو گزر گیا
اسے یاد کیسے نہ دل دکھا جو گزر گیا سو گزر گیا

تغایز بیٹ
یارب یہ سال سب کی مترت کا سال ہو
پیغام عشق لائے یہ عشرت کا سال ہو
آنسو کا سال ہو نہ یہ آہوں کا سال ہو
نغمے سے سنائے بہادریوں کا سال ہو

مرکز دھما
بصیاں لگیں
نئی رتوں میں دکھوں کے سلسلے ہیں نئے
وہ زخم تازہ ہوئے جو کہ بھرنے والے تھے
یہ کس مقام پر ہو گئی تھی پچھلے کھٹنے کی
کہ اب تو جانے کہیں دن ستور کے والے تھے

بہاول پور
ماتل جٹ
شہزاد تو کچھ بھی ڈور نہ تھی اس نشان سے
جھگ کہ جہاں گرا تھا پرندہ اُردان سے
برسوں کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس طرح گیا
چیسے کوئی ستون گرا جو مکان سے



خطا گھواٹے کے لیے پڑا
ماہنامہ شعاع 37- اردو بازار کراچی۔
Email: info@khwatandigest.com
Shuazmonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔
آپ کی خوشیوں سکون اور عافیت کے لیے دعا میں۔
پسلا خط نادیہ جمالی اور شوبہ جمالی کے لیے لکھتی ہیں
کاغذ کی طرح بہت خوبصورت تھا۔ لڑکی کا گلابی
گلابی چھوٹا ٹرم، بہت پرکشش سا لگا۔
جب "شعاع" پہلی بار لکھی تو خوشی سے ہاتھیں گھل
اٹھیں، اسی لیے سب سے پہلے "شعاع" ہی لکھتی ہوئی تھی۔
کو پڑھا، بہت زبردست اور خوبصورت ناول تھا۔
اسما قادری کا ناول بھی بہت زبردست تھا اور سندھو عمر
عمران نے بھی بڑھنے کی طرح بہت خوب لکھا۔
رخسانہ نگار نے اس واقعہ پھر "آخری تھیو" کا ذکر کیا گیا
پھر آخر میں جب ان کا محبت نامہ پڑھا تو ان پر یاد آیا۔
ارے رخسانہ انی! آپ کی محبت کا شکر یہ جو ہم قارئین
کا اتنا خیال رکھتی ہیں کہ ہمارے لیے وقت نکال کر خط بھی
لکھ ڈالیں۔ بیٹ خوش رہیں۔ "اکیسویں صدی کی لہجہ"
سندھو نے بہت اچھا لکھا۔ افسانوں میں حسینہ
عظمت علی کا افسانہ پہلے نمبر رہا۔ رفعت ہمایوں نے
چربے پہ مسکن سجا دی۔ راشدہ رفعت تو لکھتی ہی بہت
زبردست ہیں۔ "رنگ ہائے زینت" بھی بیشک کی طرح
پسند آیا۔
"زور موسم" وراحت آئی نے اس واقعہ بہت تیز چیز

لکھا۔ اب تو میں سندھو نہیں ہے کہ طاق صاحب ہی
انجمن کے شوہر نادر ہیں۔
نور بانو کو بے شرح کی ایک ایک بات اتنے خوبصورت
انداز سے پیش کی کہ ہمارے دلوں کو وہیں باندھ کے رکھ
دیا۔
عاقب جاوید سے مل کر اچھا لگا۔ "فراغ" ہی بولتی ہے
میں جلالہ شہیر کا انتخاب پسند آیا۔
اور امید ہے اس بار بھی "ہر بار کی طرح" ہمارا تبصرہ
نوکری میں جائے گا۔ کیوں ہے نا...؟
بڑا ناری اور تویہ! تصنیف سیرے کا شکر ہے۔ آپ کا
اندازہ غلط ثابت ہوا۔ آپ کا خط اس بار شامی اشاعت
ہے۔ آپ نے باور رکھنے کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا؟
مقابلہ افسانہ نگاری کے لیے اپنی گزریں ضرور بھیجیں۔
ہم انتظار کرتے ہیں۔
"شعاع" کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔
پیش و رحمت اللہ نے ہمارے سوال چھجھڑے لکھا ہے۔
دسمبر کا شمارہ ہر لحاظ سے تو نہیں مگر بہ حال زبردست
تھا۔ اگر فاضل موسم کی مسابقت سے ہو تو زیادہ اچھا ہے۔
سب سے پہلے سائلہ زار ناول پڑھے۔ "تاریخ کے
تھوڑے" میرا پسندیدہ ترین سائلہ ہے۔ "پہلے" "تاریخ کے
کو کھم گم کے اس کے صفحات میں اشتادہ کریں۔ آپ لکھنے

لکھنے کا یہ حد شوق ہے لکھا بھی مگر خود ہی پھاڑ دیا کہ
شعاع واسے تو خط شائع نہیں کرتے افسانہ یا ناول کیا
شائع کریں گے۔
پیش و رحمت اللہ میں افسوس ہے کہ آپ کے دو خط شائع نہ
ہو سکے۔ آپ نے یہ کہنے سے سوج گیا کہ خط شائع نہیں کرتے
تو افسانہ یا ناول بھی شائع نہیں کریں گے۔ آپ میں لکھنے
کی صلاحیت ہے تو ضرور لکھیں۔ شعاع میں نئے مستقبل
کی صلاحیتوں کو سامنے لانے کے لیے ہم نے مقابلہ افسانہ
نگاری کا انعقاد کیا ہے۔ آپ اس میں حصہ لے سکتی ہیں۔
دوسری باتوں کو بھی جن میں لکھنے کی صلاحیت ہے اس
مقابلے میں حصہ لینے کی دعوت ہے۔
فرحت اشتیاق اور نبیہ نقوی کے جن ناولوں کے
بارے میں آپ نے پوچھا ہے وہ کئی ناولوں میں شائع نہیں
ہوئے۔

سیماء امتیاز لاہور سے اپنی ای میل کے ساتھ جلوہ افروز
ہیں۔ لکھتی ہیں۔
"آخر میں سب باتوں کو کیا سال بہت دور رہا۔
محبت ہی محبت کا شت اب کے سال کرتے ہیں
پلو پھر آنے والی رت کا استقبال کرتے ہیں
کہ اب ہم سب کو ساروں کی ضرورت ہے۔
تھے سال میں آنے والی ہماروں کی ضرورت ہے۔
راہجہ اتاری طرف سے بھی تھے سال کی مبارک باد
قبول کیجئے۔ آپ کا محبت بھرا پیغام پھنچا ہے۔ محبت
اس کائنات کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ اگر سب
لوگ محبت سے رہیں تو یہ دنیا جنت بن جائے۔
اوارے کے اراکین کی تھاپ اور خواتین ڈاکٹریٹ کے 25
ویں سالگرہ نمبر میں شائع ہو چکی ہیں پھر کسی موقع پر آپ کی
فرمائش ضرور پوری کریں گے۔
"شعاع" کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ
مصنفین تک آپ کی تعریف ان صورتوں کے لیے پھنچا
رہے ہیں۔
صائمہ مشتاق حمد نے حفاظ آباد سے لکھا ہے۔
بھی اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

راہجہ شاہہ بانو انی سے تصنیفیں تمہارے ساتھ آئی
ہیں لکھتی ہیں۔
ماڈل کی سادگی اور معصومیت بہت پسند آئی۔ سب سے
پہلے "سیرے چارہ گر" ناول پڑھا اور رخسانہ آئی کا خط
پڑھی۔ "ریگ زار تمنا" کو ماہانہ بہت اچھے طریقے سے
آگے لے کر جا رہی ہیں۔ "زور موسم" میں ایسے بچے اتھا
تھیں گری اور مرزا نے انہیں کو جو کچھ پھوٹ دے
رہی ہے اور اپنی بیٹیوں پر جو بے جا شکی کرنی ہے تو یہ
دراولوں بائیں ہی غلط ہیں۔ انہیں بھی خراب ہو جائے گی اور
مراٹھی بھی بڑھ جائے گی۔
پھر اسما قادری کا ناول "چاہا ہے تجھے" پڑھا تو
بہت اچھا لگا۔ واقعی اس دنیا میں تو ہر خانہ شہد و شہیوں کی
کئی نہیں ہے۔ اس کا ایذا بہت پسند آیا۔
"کبھی عشق ہو تو یہ جیسے" زینت شانہ حیدر کا پسند آیا
مگر اس کا ایذا اچھا نہیں لگا۔ نوبان اور عبیدہ کا ناول
پڑھا تو اچھا لگا مگر شاید لیکن کو اس کے صبر کا پھل سا۔
"میں محبت اور تم" سندھو نے بہت اچھا لکھا۔ کبھی
کبھی تجھ پر بھی انسان کو پرکشش بنا دیتا ہے۔
آخر میں سب باتوں کو کیا سال بہت دور رہا۔
محبت ہی محبت کا شت اب کے سال کرتے ہیں
پلو پھر آنے والی رت کا استقبال کرتے ہیں
کہ اب ہم سب کو ساروں کی ضرورت ہے۔
تھے سال میں آنے والی ہماروں کی ضرورت ہے۔

راہجہ اتاری طرف سے بھی تھے سال کی مبارک باد
قبول کیجئے۔ آپ کا محبت بھرا پیغام پھنچا ہے۔ محبت
اس کائنات کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ اگر سب
لوگ محبت سے رہیں تو یہ دنیا جنت بن جائے۔
اوارے کے اراکین کی تھاپ اور خواتین ڈاکٹریٹ کے 25
ویں سالگرہ نمبر میں شائع ہو چکی ہیں پھر کسی موقع پر آپ کی
فرمائش ضرور پوری کریں گے۔
"شعاع" کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ
مصنفین تک آپ کی تعریف ان صورتوں کے لیے پھنچا
رہے ہیں۔
صائمہ مشتاق حمد نے حفاظ آباد سے لکھا ہے۔
بھی اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

پاکستان کی نظریاتی قوتوں کو جوہن کا ساگا۔ ہر حال میں اس کی ترقی ہوگی۔

نہایت پر نظر دوڑائی۔ ایک ساتھ تین ناول دیکھ کر ہمیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ویسے ”شعاع“ آج کل کی سب سے زیادہ ”ڈیڑھ“ نہیں ہو گیا۔ ناول کے معاملے میں۔ سب سے پہلے سدرہ سحر کا ناول ”بہار“ موضوع اگرچہ پرانا ہی تھا لیکن سدرہ نے جس طرح کہانی کو آگے بڑھایا اس میں دو ایک تسلسل تھا اور قابل مہین ہے۔ اس کا قدرتی آپ کا ناول بھی ایک ایسا ناول تھا جس کا پلاسٹک مکمل ہوتے ہی میں ساری کہانی سمجھ گئی تھی لیکن پڑھ کر مزہ آیا۔ رخصت اور ذرا ہمیں آپ کے ہونے پر یقین ہے۔ آخری قسط یقیناً اچھی ہوگی۔ سعید برکتیں کئی عرصے بعد ناول کے ہمراہ آئیں۔ کہانی کے شروع میں ان کا اسلوب بیان بے حد اچھا لگا۔ منظر و ماہیگیں اختتام کچھ مبہم سا تھا۔ کیا عمر حیات ماہم کو پتہ کرنا تھا یا نہیں؟ رفعت ہمایوں اس واقعہ پہلے جیسا مزہ نہ دے سکیں۔ افسانہ بہت دلچسپ لگا۔ ”زور موسم“ کی تو کہانی بات ہے۔ بہت دلچسپ اور تسلسل

سے آگے بڑھ رہا ہے لیکن راحت بی ”زور موسم“ کے علاوہ بھی کچھ لکھیے نا۔ قارئین آپ کہاں پھنس گئی ہیں؟ پلیز مخالفت دلائل آئیں آپ نے ”کاہوری انٹارکٹک“ کے ساتھ۔ ”تاریخ کے بھروسے“ میں رابرٹ بنگسن کے بارے میں پڑھ کر سب حد مزہ آیا اور حیرانی بھی ہوئی کہ کسے کیسے لوگ ہیں جن کے بارے میں سنا تک نہیں لیکن تاریخ کے صفحات پر انہوں نے کتنے اٹھ اتھوش چھوڑے ہیں۔

زور موسمی شائستہ موسمن کے انشورج کی درخواست کا کیا بنا؟ پلیز ضرور پوری کیجئے گا۔

بڑا عاقل شعاع پر تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔

عمر حیات نے سب کچھ جانتے ہوئے ہم سے شادی کی تھی تو یہ تیری کی کا جذبہ ضرور ہو گا لیکن شادی کے بعد ماہم کا رویہ دیکھنے کے بعد آپ خود فیصلہ کریں کہ چاہت یا پسندیدگی ہو سکتی ہے؟

شائستہ موسمن کے انشورج کی فرمائش ٹوٹ کر لی ہے کسی خاص نہیں ان کا انشورج شروع کریں گے۔

یہ اکی میل ہمیں روہینہ تو قیر نے کراچی سے بھیجی ہے لکھتی ہیں۔

ناگھٹل نہیں سو سوتھا۔ ”یہ بارے ہی کی بیماری باتیں“ اور ”بھیجا ہونے“ کا سلسلہ بے حد معلوماتی ہے۔ اس سلسلے کے پڑھنے تو ”ٹرگ زار تمنا“ اب کچھ زیادہ ہی تیزی سے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آئی بارامت مانسے کا مہربانی کا یہ ناول مجھے کچھ خاص متاثر نہ کر سکا۔ حالانکہ ماہیگی میری فورٹ رائٹرز میں بہت ایک ہیں۔ ”زور موسم“ میں۔ بے چاری انہیں یہ بے تحاشہ ترس آیا اور یہ سرخا ہر نمود کتنا خبیث ہے۔ راحت آئی اس کو ٹھیک ٹھاک سبق دیکھیے گا۔ مکمل ناول نہیں ہی لکھے گئے۔ ”بھیجا کر“ کی آخری قسط کا بے حد انتظار ہے۔ مگر انجام یقیناً ہماری توقع کے خلاف نہیں ہوگا اس کا تو ہمیں یقین ہے مگر پھر بھی۔ افسانے تینوں ہی زور دست تھے۔ ”شعاع“ کے ساتھ ساتھ ”مجھے بہت پسند ہے۔ نظر پو میں ایمان علی کو پانچویں خوش ہو گیا۔ نور بانو محبوب کا ”لیک“ پڑھ کر بے ساختہ خواہش ہوئی کہ کاش ہم بھی وہ سب کچھ لکھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتیں۔ بے حد ایمان آفریز تحریر تھی۔ ”موسم کے پھول“ بہت اچھے تھے۔ اور یہ بارے شعاع کے سارے مستقل سلسلے تو ہوتے ہی ملا دوات ہیں۔

بھیجا ہونے اور بھینس انیسویں صدی کا ناول ہے۔ آپ کو متاثر نہ کر سکا۔ دیکھیں کہ آپ کی رات ان سطور کے ذریعے پائی جا رہی ہے۔

ازم الخفاف نے راولپنڈی سے لکھا ہے

دو چھوٹے چھوٹے بیٹوں کی حد درجہ برکتی ہوئی مصروفیت اور اپنی پیکچر شپ کے ہاتھوں خلیہ لگھ لگی۔ آج اچانک دل میں یہ خواہش شدت سے ہوئی کہ آپ کو خط لکھا جائے۔

”کبھی عشق ہو تو پتہ چلے“ مزہ تھا۔ حیدر کی اچھی کاوش تھی۔ اگرچہ عبیرہ جیسی خود غرض لڑکی سے کوئی خاص ہمدردی نہیں محسوس کی مگر کہانی اپنی جگہ سولہ تھی۔ ”بھیجا ہے مجھے“ میں کوئی ٹاپ نہیں تھا۔ ہمیں محبت اور تم بھی نہیں ٹھیک تھی۔ زور جو مغرب میں رہا اس سے زیادہ۔ بے باک تو حیرت لگ رہی تھی۔ ”زور ہائے زور“ بہت ہی جلدی انداز میں لکھی گئی کہانی تھی اور سچ معنی میں حقیقت کی جوکان لگی۔ ”21 ویں صدی کی قیاسی“ پڑھی اچھی ہوئی کہانی تھی اور جبکہ عمر حیات ماہم

کے بارے میں جان چکا ہے کہ وہ جو اسے ملنے جا رہی تھی تو کیا وہ اسے قبول کرے گا۔ ”بھیجا ہی کہانی تھی مگر نہیں آیا۔“ ”میرے چارہ گر“ پڑھنے کا ایک ایسا ہی لطف ہے۔ پتہ نہیں بیماری قارئین کہیں اس چیز کو اتنا متاثر نہ کرے کہ وہ آخری قسط لکھا اور وہی نہیں۔

پیاری لڑکی آپ نے اپنی مصروفیات میں بہت وقت نکال کر خط لکھا۔ بے حد خوش ہوئی۔ جو ادا احسان واقعی ان کو ان کا سرغز تھا۔ عمر حیات کو شادی سے پہلے ہی ماہم کے عشق کے بارے میں پتہ تھا لیکن اس نے گھر والوں کے ہاتھ پر شادی کر لی تھی۔ شادی کے بعد ماہم نے جو کیا اب اس کے لیے عمر حیات کے دل میں جاگ بٹانا بہت مشکل ہوگا۔

سعید برکتیں اور سدرہ انیس نے کراچی سے لکھا ہے

اس ماہ سوری کی مضمون و سنجیدگی لڑکی اچھی لگی اور ”زور موسم“ کی ایمان تو بالکل ہی پاگل لگتی ہے۔ سرخا ہر تو بہت ہی زور لگتے ہیں۔ اہم تو کہتے ہیں اس کو پچاسی روکا دینا چاہیے۔ ماہ ملک کی تو کیا بات ہے۔ زور دست بہت اچھے لیکن ”زور موسم“ کا تو ایسا ناول ہی نہ تھا۔

”میرے چارہ گر“ کے ختم رخصت کا ناول ہے۔ تین چار قسطوں کے نامکمل ناول کو انہوں نے کیا بنا دیا۔ ہمارا خیال کہ اس میں اتنی مہیا تھی۔ اول تو ان کے ناول کے ہیروئن کی دو ٹوٹی شخصیت کچھ اچھی نہیں تھی۔ چلو مانتے ہیں کہ جب اس کو اس کے پار (یعنی منگیتیر) سے الگ کر کے اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کر دی گئی۔ غلط ہوا تھا اس کے ساتھ لیکن اس کا رد عمل تو اس سے بھی زیادہ غلط تھا۔ کئی بات تو یہ کہ وہ بھرتیہ کر رہا ہے کہ نہ بھول سکیں۔ دوسری بات ہے۔ اسی پیکر میں اس کی رافغ سے نہ نچر سکی اور اب باکا دوبارہ سے زریاب سے ملنا بالکل بھی صحیح نہیں تھا۔ وہ اب ایک شادی شدہ لڑکی تھی۔ تو ہر کے ”بھیجا ہے مجھے“ کی آخری قسط کی آخری لائن میں لکھا تھا عبیرہ احمد ”یہ کامل“ کا رد سراجیہ لکھنے والی ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ”یہ کامل“ کا ایڈیشن معلوم نہ کر سکتے ہیں اور مارا راسکندر نے بھی بتا نہیں۔

اور ہاں بھرتیہ احمد احمد کنن نائب ہو گئیں۔ ہمیں اپنا پتہ دینا کہ اور مناسب ہے۔

یہ دنوں کے رشتے اور دل کے موسم ”بھیجا ہے“ زور دست ناول لکھنے والی بیماری ہی مریم عزیز کہانی ہیں، پلیز مریم کو کوئی زور دست سائمن جیسا ناول لکھو۔

ہاں سعید برکتیں اور سدرہ انیس انیسویں صدی سے آپ کے پچھلے خط شعاع نہ ہو سکے۔ رخصت لگانے پر اصل یہ تھا کہ کسی کو شادی کی ہے کہ کبھی کبھی جو ہمیں بہت ناگوار ہوتا ہے اور ہم اسے شدید پسند کرتے ہیں وہ ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیا بہتر ہے اور کیا بد تر وہ انسان کے لیے اچھا کرتا ہے لیکن انسان بے صبر ہوتا ہے۔ ایسا کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ وہ جان نہ سکی کہ جس چیز کے پیچھے وہ بھاگ رہی ہے وہ سراب ہے۔

”بھیجا کر“ کے ایڈیشن انیسویں صدی اور سارا دل لگے تھے اور ان کی شادی ہو گئی تھی۔

نور احمد نے آپ کے لیے بہت خوبصورت ناول لکھا ہے۔ فروری کے شمارے میں آپ پڑھ سکیں گی۔ شعاع یا خواہشیں ڈاکٹسٹ میں شامل ہوگا۔

مریم عزیز بھی آپ کے لیے ناول لکھ رہی ہیں شاید۔

مریم عزیز کا فیشن سے لکھتی ہیں

میں نے کبھی کسی رسالے میں خط نہیں لکھا مگر آپ کو چار خط لکھ چکی ہوں۔ آپ کا رسالہ بہت اچھا ہے۔ آپ کی سب سے بہتر بہت اچھا لکھتی ہیں اس بار مکمل ناول میں ”بھیجا عشق ہو تو پتہ چلے“ اور ”بھیجا ہے مجھے“ بہت پسند آیا۔ ”میرے چارہ گر“ بھی اچھا جا رہا ہے مگر بہت جلد ہی ختم ہو رہا ہے۔ ماہ ملک کا ”بھیجا ہے“ بھی اچھا ہے مگر اب اختتام ہو چکا ہے۔ سدرہ سحر عمران کا مکمل ناول کچھ کچھ اچھا تھا مگر مکمل طور پر اپنے ہتھار میں نہ لے سکا۔ ”انیسویں صدی کی قیاسی“ بہت ہی اچھا لگا۔ اگر عمر حیات کا رویہ ماہم کے ساتھ کچھ نرم ہو تا تو اور بھی اچھی بات تھی۔ اس رسالے کی جان جو کہانی تھی ”جن“ ”جن“ اس کہانی کو پڑھنے کے بعد بھی کبھی آئی اور دیکھی لگا۔ شائستہ عظمت علی کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارکباد اور آخر میں ایک فرمائش کہ کلمہ عمران لکھ کر انشورج شروع کریں۔

بھرتیہ انیسویں صدی انیسویں صدی سے آپ کے پچھلے خط شعاع نہ ہو سکے۔ شعاع کی پتہ دینا کہ کسی کو شادی کی ہے کہ کبھی کبھی جو ہمیں بہت ناگوار ہوتا ہے اور ہم اسے شدید پسند کرتے ہیں وہ ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کیا بہتر ہے اور کیا بد تر وہ انسان کے لیے اچھا کرتا ہے لیکن انسان بے صبر ہوتا ہے۔ ایسا کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا۔ وہ جان نہ سکی کہ جس چیز کے پیچھے وہ بھاگ رہی ہے وہ سراب ہے۔

ساتھ لڑائی تھری جس کی طرف سے آپ کو ان کے
 پائل میں کی محسوس ہوئی۔ ہمیں یقین ہے ان کی آئندہ
 خبروں میں آپ کو یہ احساس نہیں ہوگا۔
 عمران نے بڑے انداز میں فرمائش کوٹ لڑی گی۔ جلد
 پورے کرنے کی کوشش کریں گے۔

مریم مظہر نے ہاؤس (ڈاکٹر) سے لکھا ہے

اس ماہ کا ٹیکل بہت ہی زبردست تھا۔ "آکسیجن
 صدی کی ایسی" کا انجام حیرت میں ڈال گیا۔ ڈاکٹر نے
 ہی بہت بہت اچھے تھے۔ اسماء قادری کا "چاہا ہے" ہے
 زبردست تھا لیکن یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ ایک باپ کا بیٹا
 روپ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں محبت اور تم "ٹائول بہت اچھا
 تھا" خاص کر میں میں حریر کا کراڑا بہت اچھا تھا۔ اسے
 ارے رکھے۔ میں اس باتوں کا تو ذکر کرنا تو بھول گئی ہوں اس ماہ
 کی جان تھا۔ ہاں وہی "بھی عشق ہو تو پتا چلے" آپ
 "تینے خانے میں" کی جگہ کوئی ایسا سلسلہ شروع کریں
 جس میں کسی بھی ایک مہنت کا اندازہ شروع کریں۔

مریم! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ معاف
 ہر وقتیں تک آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے
 ہیں۔

ساجدہ امیرین سومونے ساگھڑے لکھا ہے

اگر اس ماہ کے شعاع کی بات کی جائے تو بہت خوب تھا
 اور کتابوں کا تو کیا ہی کتاب۔ خاص طور پر "میرے چاہ کر"
 کی تو گواہی بات ہے۔

پچھلے ماہ میری چوتھی بھانجی پیدا ہوئی تو میں نے دیکھے ہی
 کہہ دیا یہ ابھی ہے۔ اپنی نے کہا۔ نہیں میں نے اس کا
 نام بنا رکھا ہے لیکن وہ سا جہاں ہی گیا تو جیسے بہت باندے
 اب ہم اسے چاہتے ہیں لیکن ہمیں اس کے معنی پتا
 نہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو ضرور بتائیے گا۔

اب آتے ہیں شعاع کی طرف تو "پیارے نبی کی پیاری
 باتیں" میں کبھی بڑھتا بھوتی نہیں۔ وہ بہت زبردست
 تھیں۔ آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ وہی شاہ اور فیض
 احمد فیض کی غزلیں شروع کریں۔

جہاں ساجدہ معذرت کہ آپ کے پچھلے خط شعاع میں جگہ
 نہ پاسکے۔

ابہا کے معنی ہیں "بہت کی پڑیا"

فیض احمد فیض اور وہی شاہ کی غزلیں کی قربانی ضرور
 پوری کریں گے۔ خود اانتظار کریں۔

مصباح گل مرگودھات لکھتی ہیں

"باتوں سے خوشبو آئے" سلسلے میں آخری انتخاب
 "باتوں کو لکھی ہے" میرا بچوایا ہوا تھا جو کہ "خبر
 (کراچی) کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کو معذرت
 چاہیے اور اس پر خاص توجہ دینے کے شائع ہونے والا انتخاب
 اپنے اصل بچوانے والے کے نام سے ہی شائع ہو۔

ہلا! مصباح! ہمیں بے حد انور میں سے ایسا راستہ نہیں
 سوا ہوا ہے۔ آئندہ خیال رکھیں گے کہ آپ کا بچوایا
 ہوا انتخاب کسی اور کے نام سے شائع نہ ہو۔ ایک بات
 بتاتے چلیں۔ آئندہ ایسا بھی ہونا ہے کہ ایک ہی شعرا ایک
 بہت سی باتیں بچوایا دیتی ہیں۔ لکھیں آپ کے سلسلے
 میں بھی کی ہوا ہو۔

حاصل پور سے عمران کوثر تشریف لائی ہیں لکھتی ہیں
 ضروری تو نہیں کہ لبوں سے کہہ دوں داستان اپنی
 زبان اک اور بھی ہوتی ہے اظہار کے لیے

واقعی بات ہے محبت کا استعمال

نہ ہونے اور سبھی زبان استعمال میں پڑتی ہے اور وہ ہے
 قلم کی زبان۔ میں برسوں سے شعاع کی خاموش قاری ہوں
 اور اس کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم رہا اور سیکھنے کے ہر
 چیز کے بغیر گزارا ممکن ہے مگر شعاع کے بغیر گزارنا ممکن
 ہے۔ آج کے اس مصروف اور مسائل سے بھرپور دور میں
 شعاع بہترین تفریح کا سامان بنا گیا ہے۔

دسمبر کا شمار خوب توقع بہت ہی ایسا ہے یعنی پانچ ماہ
 ماہ۔ سب سے پہلے نظر ٹیکل کر لیں پوری۔ فیروز کی فکر کے
 سوٹ میں ملیوں لائٹ میک اپ میں آجھی لگی۔ آنکھوں
 میں انٹیکشن بھی لگ رہی ہے مسکراہٹ سے غالی تھا۔

دسمبر کے حوالے سے پراثر اور ایسے کی تحریر نے ہی
 عمر اڈا لاک۔ حمد و نعت سے ہی فیض باب ہوا۔ انبارے
 نبی کی پیاری باتیں "بہت اچھی لکھی۔ ڈاکٹروں سے
 ملاقات اچھی لگی۔ ہنوں۔۔۔ توفیق و تقدیر پر مبنی خصوصاً
 پڑھ کر مزا آیا۔ واقعی قادر میں بہت بار ایک ہی سے کتابوں
 کا مطالعہ کرتے ہیں۔

"شامی کی بوکسی ہے" میں صالحہ شہیر کے لیورٹ اشعار

میں بھی پسند آئے۔ اس ماہ کی سلسلہ ہمیں سے واقف
 مشترک اپنے پر مجبور کر دیا اور ان فرمائش ہو گیا۔ آپ جو جاتے
 کچھ تبصرہ کتابوں پر بھی۔ سلسلے وار تو ساری ہی قابل داد
 ہیں۔

"مرگودھات سے محبت" باب اپنی اور میں نے کی محبت پر
 اپنی افسانہ ایک دلکش تحریر بھی مگر میں اور اپنی کی محبت تو
 دیکھیں ہے مگر باپ اپنی کی اپنی گہری محبت کچھ معنوی ہی
 تھی۔

"اے محبت" عشق و معشوق پر مبنی افسانہ کچھ خاص نہ
 لگا۔

سعدیہ رحیم کا ٹارگٹ "آکسیجن صدی کی لیدنی"
 اور ٹارگٹ بہت زبردست تھی۔ کتابی کا سائزٹ لکھنا بھی اچھا
 تھا مگر کتابی تو ہم کتابوں میں ہی لگی۔

ہر عمران شعاع کی بزم میں خوش خود ہے۔ آپ کو شعاع
 سے اتنی محبت ہے پھر بھی اتنی زبردست قلم کو زبان دی۔ اس
 نہیں ڈپا لکھتی رہے گا۔

باپ اپنی کی محبت آپ کو معنوی تھی یہ جان کر حیرت
 ہوئی۔ بیٹیاں میں کی تم کسار ہوتی ہیں لیکن وہ محبت باپ
 سے زیادہ کرتی ہیں "اسی طرح بیٹے باپ کا پاندہ ہوتے ہیں
 لیکن باپ کو زیادہ محبت بیٹوں سے ہی ہوتی ہے۔ ہوں بھی
 پرائی ہونے کے بعد بیٹیاں زیادہ وار آتی ہیں۔

رجیہ اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئی ہیں انہیں شکوہ ہے
 آپ باتوں سے خوشبو آئے "اور "رنگ رنگ پھول"
 میں میری تحریریں شائع کیوں نہیں کرتیں؟ ہر وہ انتظار رہتا
 ہے مگر کچھ کر لیں تو اس ہو جاتا ہے کہ اس بار بھی میرے
 اوائل تھیں "تھمہ فیرہ" آپ کو شاید پسند نہیں آئے۔

پڑھو رجیہ! آپ اچھی چیزیں انتخاب کر کے بھیجیں۔ ہم
 ضرور شائع کریں گے۔ قارئین کی شرکت کے لیے ہی ہم
 نے یہ سلسلے شروع کیے ہیں اور جنوں کے انتخاب سے ہی
 شعاع کے سلسلے سمجھتے ہیں۔

نسرین خورشید شمرین خورشید خانیوال سے آئی ہیں
 لکھتی ہیں

ماڈل کالجیوزی اور براؤن لباس بہت خوبصورت لگتا
 اگر اس کی گھنیری زلفیں پورے ٹیکل پر چٹو کرتے
 ہوتیں۔ آج کل کے پڑھنا ب حالات میں لکھنا زیادہ

ہیں اور شمرین بہت کم باندہ ہونے کے برابر رہی ہے
 اس لیے اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے لکھنا کی
 تفریح کا سامان کرنا اور تفریح بھی ایسی جس میں اصلاح کا
 پہلو نمایاں ہو بہت بڑا اور حکیم کام ہے اور اس سلسلے میں
 شعاع لیکچرنگ بریل ادا کر رہا ہے۔ اس نوزاد ہنسوا ہونے
 کتابوں پر۔ سب سے پہلے تو خیال ہی آپ پر غصہ کیا
 پھر قلم پر مبنی تو۔ یہ قلم اپنی اچھی تھی کہ اگر لکھنا صاف
 اس جہی دس القسط اور بھی لکھ رہی تو منظور۔ کتابی میں
 ہماری مٹلاشی لگاؤں خاکی خاکے کے مجھے کو حل کرنی
 رہیں۔

بڑا نسرین اور شمرین یہ تو بہت اچھا ہوا کہ رخصانہ کی قسط
 پڑھ کر آپ کا نہ صرف غصہ ختم ہو گیا بلکہ آپ دس مزید
 قسطیں پڑھنے کے لیے تیار ہیں۔

اب آخری قسط پڑھ کر تھکے گا کہ رخصانہ کا ٹائول آپ
 کو کیا لگا؟
 شعاع کی اتنی اچھی تعریف کے لیے بہت شکریہ۔

گوجرہ سے صدق حسین نے لکھا ہے

پہلے میں سو ہوا تھا۔ سب سے پہلے میں ڈاکٹر کر لیں کی نور
 بانو محبوب کا۔ ان کی جی ڈاکٹر انستان میں کراہیے لگا جسے ہم ان
 کے ساتھ مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھوم رہے ہیں۔ لیکن
 رہتے ہوئے میری اہی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے
 تھے۔ نور بانو نے ہمیں گھر بیٹھے ہی رنج کروا دیا۔ اس کے بعد
 "رنگ زار تمنا" پڑھی۔ اتنی تیس قسطوں کو ایک ہی قسط
 میں لکھا جس دن رجیہ نے "عبادنا" میں قدم رکھا مجھے
 اسی دن شک تھا کہ منورہ حکیم کا ضرور ریبہ سے کوئی رشتہ
 ہو گا۔ "میرے چاہ کر" رخصانہ نگار کے خط سے ہمارے
 گلے شکوے دور ہو گئے لیکن سو نہیں پتا چلا کہ اس خاکی
 لٹا نے میں کیا تھا۔ اسماء قادری کے ٹائل میں "حسن کا کردار
 انمول تھا۔ اسماء قادری نے بہت اچھا لکھا۔ غزالہ نگار نے
 اچھا لکھا۔ گتے نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔ سعدیہ رحیم
 نے بھی اچھا لکھا۔ تینہ غفلت علی جب بھی لکھتی ہیں
 جھنڈے ہی کا ڈرتی ہیں۔ مستقل سلسلے سب ہی اچھے
 جاتے ہیں۔

بڑا صدق نور بانو محبوب کا "سفر" آپ کو پسند آیا۔ ہم
 آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے ان تک پہنچا رہے

شاعری بیچ بولتی ہے

رشید اجپانی

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبو ہانی نہیں
میں نے اس قسم ٹھکر کو رکھا بہت اور خراب بہت

بے یقین راستوں پر سفر کرنے والے مسافر سنو
بے سہاروں کا ہے اک سہارا بہت ملی والا بہت

یہ کلام ہے سلیم کوثر کا اور جو شہزادوں میں بہ نگرانی
میں نے نقل کیا وہ ان کے جو کلام عالی ہاتھوں میں
ارجن وسار کا بہت مایوس ہے۔ میری ڈائریوں میں موجود
شاعری میں شرفیعد شاعری سلیم کوثر کی ہے۔ ان
کی عشق میں جتنی آہوں ہیں انہیں تو اور زیادہ عمدہ ہیں
ان کی ایک نظم میں سے ایک ٹکڑا پیش خدمت ہے۔
من آگن میں شہر بسا ہے

درد بان لہروں میں رہتے
رستوں میں ان دیکھے سے کھلے ہوئے ہیں

خواب، دھنک، خوشبو اور چہرے ملے بیٹے ہیں
تیر ہو میں دیر سے کے گلے ہوئے ہیں

لیکن شہر کے دروازے پر
بے خوابی کے مکھ ڈکھ اور بے
جانے کس کی آس میں نکلیں
نیندوں کا پہرہ دیتی ہیں

اور فیض احمد فیض صاحب فرماتے ہیں کہ
میں کیا کھوں کہ جو میرا تمہارا فرستے

وہ عاشقی کی زباں میں نہیں لہی درج نہیں
کھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد و فراق

مگر یہ کیفیت اپنی رقم نہیں ہے نہیں
یہ اپنا عشق ہم آغوش لیں میں بھر دوصال

یہ اپنا درد کہے کب سے ہمدم مرد و سال
اس عشق نام کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے

گم گویا ہے زمانہ لگے لگائے ہوئے

وہی جو بھولی میں خوشبو دھنک میں رنگ بھرتا ہے
دلوں کو نرم کر کے پیار کی فصلیں اگاتا ہے
نہایت بہراں ہے اور نہایت رحم والا ہے
شہزادوں اس نام سے جو صبح فریاد کا اجالا ہے

”وہی جو دکھ بھرے موسم کی خیرانی میں بیٹوں پر
دھنک لہروں کی خوشبو سے مہکا ہوا بھٹاتا ہے“ دلوں کو
بھٹاتا ہے اور پھر ان میں محبت نام کی سوغات رکھتا
ہے، مسافر میں راستے کم ہوں روکنے مگر یہی کتنی ہی ملی ہو
لہروں کی دھوپ چھلی ہو اسے کوئی کہیں جس وقت اور
بیس حال میں، وادہ جتا ہے اور مست ہے۔ بہت ہی
بہراں ہے رحم کرتا ہے، وہی سچ ہے ہمیں سچ بولنے
کا حکم دیتا ہے، سواں کو یاد کرتے ہیں اچھے کے نام سے
آغا کرتے ہیں۔

اور جس کے نام سے آغا کیا ہے اس کے فوراً بعد
جس ہستی کا نام لیا جاتا ہے کچھ ذکر اس کا بھی کرتے ہیں۔

سارے حرفوں میں اک حرف پیارا بہت اور یکا بہت
سارے ناموں میں اک نام سوینا بہت اور جلا بہت

اس کی مثالوں پر اگر زمانوں کے موسم بسیرا کریں
اک شجر جس کے واسن کا سایہ بہت اور گھنیا بہت

ایک آہٹ کی تھول میں ہیں زمین آسمان کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے چہرا بہت اور گہرا بہت

جس دیکے کی توانائی ارض و سما کی حرارت ہی
اس دیکے کا جس بھی حوالہ بہت اور اجالا بہت

میری پشانی سے اور میرے ذہن سے محو ہوتا نہیں
میں نے روئے محمد کو سوجا بہت اور چانا بہت

ڈاکٹر طارق عزیز کسی سے مخاطب ہیں تو کہیں
کس سے۔

ترہیں زادے جنو باتیں کر رہی شہر نشاکی
یہ باتیں جو سنگتی ہیں مگر کہیں نہیں بنتیں
انہیں روشن اگر کر یا نہ لڑکتے سخی بھیرو
مگر کیا کر سکو گے تم؟
مگر کیا کر سکیں گے ہم؟

کہ ہم اسی شہر میں بے خواب راتوں کے حوالے ہیں
ترہیں زادے، ترہیں پر جسے والے تھکتے والے ہیں

مستیر ہڈی کو میں نے بہت کم پڑھا ہے۔ ان کی نظم
آپ بھی پڑھیے۔

چاروں سمت اندھیرا کھپ ہے اور گھٹا گھٹا گھنکھور
وہ کہتی ہے..... کون؟
میں کہتا ہوں..... میں؟
کھولو یہ بھاری دروازہ

مجھ کو اندھیرا ہے تو
میں کے بعد آگ لہی چپ اور ہوا کا شور

اور بروین شاکر کی بھی سن لیجئے تو راز فرمائی ہیں کہ
جس صبح کی آواز میں بارش کی تھنک ہو

اس دن کا بدن دیکھے نہر کیسے ہوا بہو
جس شام کے ملنے پہ کھلے وصل کا تارا

اس رات کے اقرار کی کیا صورتیں ہوں گی
اسے بھید بھرے دن مرے اسے رزخ بھری رات

یہ ماہ نرہ، بہرگز نرہ دل و جشی
پھر کون سے جادو کے اثر میں سے گرفتار
ہر صامت میں چلتے ہوئے جنگل کے کنارے

کس تلاف کے باشندے سے شہری سے مختلف ہوتی
ایجا سلام احمد کی ہر نظم دوسری سے مختلف ہوتی
ہے۔ ذرا اس نظم کو پڑھ کر دیکھیے۔

گلاب چہرے پر بسکرا بہت

چمکتی آنکھوں میں شورش جذبے
جو ہستی تو ایسے لگا کہ جیسے چاندنی بگھن رہی ہو
کسی جو کج لگی میٹرھیوں سے ہیلیوں کو بیٹے آرتی
تو ایسے لگتا کہ جیسے دل میں آرتی ہو

وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی
سمندر وں کے لیے تھی ہے
وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی

کل ہی ملی تھی
اسی طرح تھی
گلاب چہرے پہ مسکرا بہت

چمکتی آنکھوں میں شورش جذبے
جو ہستی تو ایسے لگا کہ جیسے چاندنی بگھن رہی ہو
مگر جو بولی تو اس کے لہجے میں وہ ٹھکن تھی

کہ جیسے صدیوں سے دشتِ ظلمت میں چل رہی ہو
وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی

مستیر ہڈی کی تو شان ہی الگ ہے۔ ذرا ملاحظہ
کیجیے۔

سورج کے بے کنار صحرا میں
ذہول آرا تا ہے یاد کا موسم

اپنی بے حرف آنکھوں کیسے ہیں
زندگی کے وہ قی و لٹی ہے

جیسے بادش میں بھکتی چڑیا
کھولنے کی طرف چلتی ہے

اور غمزدگی میں بھی ان کا الگ رنگ ہے۔
تقل جیتے تھے کبھی مسنگ دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے منتقل بھرے بانڈے کے بیچ

اپنی پورٹاک کے چھن جانے پر انہوں نے نہ کر
سر سدا مت نہیں رہتے یہاں دستار کے بیچ

سرخیان امن کی تلمیخیں میں معروف رہیں
خرف پارو داکھتے رہے اجبار کے بیچ

جس کی چوٹی پر لایا تھا قبیلہ میں نے
ڈرنے جاگ پڑے ہیں انہی کہہ سار کے سچ

کاش اس خواب کو نصیر کی ہدایت نہ ملے
شعلے اگلے نظر آتے مجھے گزار کے سچ

ٹوہنتے سورج کی تمازت نے بکھر کر دکھا
سرکشیدہ میرا سایا صدف اشجار کے سچ

رزق، ملبوس، مکان، سامان، مرض، قرض، رونا
منقسم ہو گیا انسان، اپنی اذکار کے سچ

دیکھے جاتے نہ تھے آنسو سر سے عین
آج پھتے ہوئے دیکھا اسے انبار کے سچ

سرشار و بستی کی یہ نظم پھول ہے مگر بات بڑی ہے
لوگوں سے کہا

اس دور سے کہی
کوئی نا اُمید نہیں ہوتا
کوئی خالی ہاتھ نہیں ہوتا
میں بھی لوگوں کے ساتھ چلتا
چہرے پر گر دھمال لیے
اک پر اُمید خیال لیے
اک خان دست سوال لیے
جب قافلہ اس دور پر پہنچا
میں اس گھر کو پہچان گیا
پھر حال ہاتھ ہی ٹوٹ آیا
اس دور سے مجھے کیا ملتا تھا
یہ گھر تو میرا اپنا تھا

رات کے سحر پر کتنے شاعروں نے کیا کچھ لکھا
ذرا وزیرِ غاکو بھی پڑھیے۔

رات سجا کر لائی ہے اک تھال میں بھول ہزار
نیچے موٹی پگی کھیاں اور کیلوں کے ٹاو

بھینتی بھینتی باس کی زد میں آیا سب سنا
رات سجا کر لائی ہے اک تھال میں بھول ہزار
ہاتھ دھو بیٹھے ہونٹ دپکتے کھان کا گنگ اند
روشن مانتے کی کڑوں نے چھڑے دل سنا
رات سجا کر لائی ہے اک تھال میں بھول ہزار
زخمی تارے، گھانٹاں پیٹے، شبنم کے اسرار
لوگ کے زرد پھیلے کانٹے ہوئے جردل کے پار

ایں سلیم نور صاحب بخت کو کس طرح بیان
کہتے ہیں دیکھئے۔

تم سے منزل کا نہیں
ہر شے سفر کا ہے ہزار
یہ ضروری تو نہیں
ساتھ چپٹا بھی جائے
تم سے ملا بھی جائے

عشق دیدار کا تھاج نہیں ہوتا ہے
ایک احساس کا رشتہ ہے یہ خوشبو کی طرح
دیکھئے، چوٹے سے عاری کسی جادو کی طرح
صرف آواز ہی کافی ہے محبت کے لیے
اور سب کچھ ہی (مناں) سے محبت کے لیے

اور غزل سوزی گیس کہی (یہاں میرے دائرہ کام
کہتے تھے) کے میگزین میں، میں نے پڑھی تھی۔ شاعر ہیں
شمیم احمد شمیم (موجود) ملاحظہ فرمائیے۔

جمادی جاہ کی تم کو نہ کچھ حسیر ہوگی
شب خزاں تریپ کر لوں ہی بسر ہوگی

تمہارے حسی تصور سے ہے جہاں روش
تمہارے دید کے قابل نہ یہ نظر ہوگی

ہم اپنی جاہ کو رُسوا کر سیں، یہ ناممکن!
زبان زدل نہ ٹھکے گی نہ جشم تر ہوگی

روان ہے کون سی ہنسزل کو قافلہ دل کا
تمہاری یاد فقط اسی کی ہم سفر ہوگی

نہ جانا تم سے کبھی میری خاموشی کا سبب
ہمارے بعد ہماری نہیں قدر ہوگی

ہیں ناتواں یہ ارادے نہیں بھلائے گئے
میں جانتا ہوں کبھی، یہ ہم نہ سرا ہوگی

تمہارے پیار کی شمع ہے اس طرح روشن
نہ ہوگی شام کبھی اس کی نہ سحر ہوگی

جو سن سکو تو سناؤں میں داستانِ اہم
تمہاری ہلکوں پر آ کر جو مختصر ہوگی

شمیم ان سے گلہ کیا کہ وہ تو سنائیں ہیں
تمہاری نالہ و فریاد ہے اثر ہوگی

اور اب چند متفرق اشعار بھی پڑھ لیجئے۔
خواب محلوں کے تو میں نے نہیں دیکھے ہیں
دل میں اک حسرت تعمیر لیے پھرتا ہوں

تم بھی بالوں میں لیے برف چلے آئے ہو
میں بھی اک مشکوہ تاخیر لیے پھرتا ہوں
(سجاد انصاری)

بیت دل کو کشاؤہ کر لیا کیا
زلزلے بھر سے دعدہ کر لیا کیا

ہنرمندی سے اپنے دل کا صفحہ
مری جان تم نے مسادا کر لیا کیا

بیت نزدیک آتی جا رہی ہو
پھرتے کا ارادہ کر لیا کیا
(جون ایلیا)

آدمی غفلت کس نہیں ہوتا
حرفِ آخر نہیں کسی کی لائے
(انور شکور)

درد مسجد پر کوئی شے پڑی ہے
دُعا لے لے آخر ہوگی ہماری!

دُعا مانگیں گے کب تک آسمان سے
زمین کب معتبر ہوگی ہماری
(براحت اندرہوی)

اب میرا خیال ہے کافی ہو گیا۔ باقی کبھی اُردو شاعر
کر لیں گے۔ اپنے دل میں ہوں آپ کی جانی پہ جانی
سیدہ رشنا جوتانی۔ اس امید بکھرتی ہیں کے ساتھ کہ میرا
انتخاب پڑھنے والوں کو پسند آئے گا۔ اب اجازت
دیکھیے۔ اور ہاں اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔



خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
آئینوں کا شہر
فائزہ افتخار
قیمت: 400/- روپے
مندانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

سچائی کے ساتھ ساتھ

یاد رہے

عظیمی ریکس شیرازی بخندو آدم

ہمیں نام عظمیٰ ہے لیکن زیادہ تر لوگ ایسی کہتے ہیں۔
20 اگست میری ڈیٹ آف برتھ ہے اور عظیم میری
ابھی جاری ہے۔ میں نے اسے فاسٹل کی اسٹوڈنٹ ہوں
اور مستقبل میں انشا اللہ اردو ادب پڑھنے کا ارادہ ہے۔
آپ سب دعا کریں کہ میں اپنے مقصد میں ضرور
کامیاب ہو جاؤں۔

1۔ شعاع سے وابستگی کو زیادہ لمبا عرصہ نہیں گزرا
لیکن چند سالوں میں میں نے شعاع خواتین اور کزن
کے تمام پرانے شمارے پڑھ ڈالے۔ شعاع ہمارے گھر
آج سے نہیں بگڑا اس وقت سے آ رہا ہے کہ جب
سے اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ شعاع کے
حوالے سے یادگار واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہمارے یہاں
شروع سے ہی شعاع خواتین اور کزن پڑھنے کے بعد
بڑے بڑے کارٹن میں ترتیب سے رکھ دیے جاتے
ہیں تاکہ محفوظ رہے تو ہوا کچھ یوں کہ ان ڈائجسٹوں کی
تعداد بڑھتے بڑھتے بہت ہی زیادہ ہو گئی تو آئی نے ان
تمام ڈائجسٹوں کو تین بڑے بڑے کارٹن میں ترتیب
سے رکھ دیا اور ہی رات کا وقت تھا جب ہم سب عجیب
ہی آواز سن کر اٹھ گئے۔ سب کے سامنے لوکھا سا
منظر تھا۔ سب سے تینوں کارٹن کی کتابیں جب پارٹ
کی صورت میں نیچے سوئے ہوئے ماسوں کے اوپر برس
رہی تھیں کی منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہم سب
کاٹس میں گر رہا حال تھا اور رہے ماسوں تو انہیں کافی

در بعد یہ صورت حال سمجھ میں آئی۔ یہ کتابوں کی پارٹس
تو شاید انھوں نے زندگی میں پہلی اور آخری بار دیکھی
تھی۔ یہ عقیدہ تو بعد میں کھلا کہ جو تین کارٹن ایک کے
اوپر ایک رکھے گئے تھے ان بیلنس ہونے کی وجہ سے یہ
واقعہ ہوا۔ ایک اور واقعہ کہ جسے میں شعاع کے توسط
سے ہی سمجھتی ہوں وہ واقعہ 2 دسمبر 2005ء کو شعاع
کے دفتر آنے کا ہے۔ جن لوگوں کے نام آپ نے
کتابوں میں پڑھے ہوں ان سے آپ اپنا تک مل نہیں تو
شاید آپ کو بھی عرصے تک میری طرح تھیں۔
آئے کہ آپ ان پارٹس کو ان سے نہ چکے ہیں میں
اس بات کا پرانا اہلکار کزن کی کہ سب لوگ بہت اچھے

2۔ میری صبح ساڑھے سات بجے ہوتی ہے۔
ساڑھے آٹھ بجے میں گھر سے کالج کے لیے نکلتی ہوں۔
کالج میں سچر ہست اچھی ہیں۔ عائشہ صدیقہ بشری
ظاہرہ کے ساتھ فری پریس میں کپ شپ چلتی ہے۔
مجھے کالج کالی ایس کی بلڈنگ پسند ہے۔ وہاں ہیرانی
بہت خوب صورت منظر پیش کرتی ہے اور خوش رنگ
پھول جہاں ماسوں کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیتے
ہیں۔ وہیں پرندوں کی چکاریں ماسوں کو سحرزادہ کر دیتی
ہیں۔ میرا اس کالج میں لاسٹ ایئر ہے اور ہم سب کی
خوابش ہے کہ یہ تمام عرصہ یادگار گزرے۔
کالج ایک بچے آتا ہوتا ہے۔ گھر آکر فریڈیشن ہو کر
کھانا کھاتی ہوں اور نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں۔ ساڑھے
نہ بجے اٹھتی ہوں کیونکہ چار بجے ٹیوشن پڑھنے

والے بچے آجاتے ہیں۔ ان کو پڑھانے میں ناظم کے
گزرنے کا بالکل ہی پتا نہیں چلتا۔ یہ بچے مغرب کے
بعد گھروں کو روانہ ہوتے ہیں۔ بچوں کے جانے کے
بعد دوبارہ سے صفائی کرنا کھانا گانا اور سو رہے کاموں کو
تمثیل۔ اسی دوران اگر کوئی اچھا ڈرامہ آ رہا تو دیکھ لیتی
ہوں خصوصاً "نولڈر پرنے والے ڈرامے ضرور دیکھتی
ہوں۔ انڈین ڈراموں سے سخت چڑ ہے۔ شعاع کو
وقت سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد دیتی ہوں۔
مجھے لکھنے پڑھنے کے لیے دو وقت مناسب لگتے ہیں۔

ایک وقت ہے گرمیوں کی طویل اور سردی ہر طرف
سناٹا ہوتا ہے۔ وہ وقت لکھنے پڑھنے کے لیے مناسب
ہے اور دوسرا وقت رات کا۔ جب کوئی دسترب نہیں
کرتا اور نہ ہی وقت گزرنے کا پتا چلتا ہے۔ چونکہ اور کی
آواز ہی گھڑی کی سوئیوں کی طرف متوجہ کرتی ہے۔
ستائیس میں سو رہیں سے آن رہیں کی چمک چمک
ماحول کو پرسوں بنا دیتی ہے۔ مسرت و نیت میں وقت نکالنا
مشکل تو ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شعاع کا ہر نیا
شمارہ میری پڑھنے والی ہے اور وقت نکال دیتا ہے۔ اس
اسی طرح رات ہوتی ہے اور سنی صبح سے پھر وہی لگی
بندھی روٹھن میں لے اپنے بچپن کا زمانہ خاصہ نکھال
میں گزارا ہے اور سب کا یاد تمیذا ہے بلکہ اب تک
سمیٹ رہی ہوں۔ میں عرصہ دراز تک نالی گوانی کستی
آئی ہوں۔ چھٹی والے دن بھی تھوڑی روٹھن چھینچ ہو
جاتی ہے۔

3۔ ایسی بے شمار تحریریں ہیں جو آج بھی روز اول کی
طرح ذہن میں روشن ہیں اور بھلا کے نہیں بھولتیں۔
مجھے بیشیوشن تحریریں پسند رہی ہیں کہ جن کے اینڈ
خوشگوار ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خوشی اور غم
ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے ہم
حقیقت سے منہ موڑ نہیں سکتے۔ اسی لیے ناخوش گوار
انجام بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

فرحت اشتیاق کی تحریر "وہ جو قرض رکھتے تھے جان
پر" بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ اس ناول نے یقیناً "بہر

قاری کو رلایا ہے اور یہی حقیقت ہے کہ اس ناول کے
بعد میں نے جانا کہ فرحت اشتیاق کون ہیں۔ اس کے
نکلوانے "میں روئے آسو" اور فرحت اشتیاق کی ہر تحریر
عزیز ہے۔ عمیرہ احمد کی "سیر کابل" کی بیان "عمیرہ اور
محبت اور رخصتہ نگار عدنان کی "تعمیر ذات سے بھر کر"
میرا عزیز کی "میری پوجہ کنوں کو قرار دو" نرہت شہانہ
حیدر کی "زندگی مجھے ذرا اور سے چاہتا" کل کی سانس
یا مین بر کو اور کج کی ساڑھ عارف کی "تم یاد آئے" اور
"مجھے چاہتا" شائستہ عزیز کی "ستاروں کا سفر" افشان
آفریدی کی "تحریر" سجاد علی بھی عجیب شے ہے "اور
راحت" جس کی خوشبوؤں میں کسی ہوائی تحریر میں جو کہ
دلوں کو چھوکتی ہیں پسند ہیں۔

4۔ بہت ہی تحریریں لکھی ہیں جسے پڑھ کر دل ابھ گیا اور
عرصے تک الجھا رہا اس میں نکلت یہ سما کی "تحریر علیہ
میں نے نہیں خود کو بیا ہے" اور نرہت شہانہ حیدر کی
"دوسرا آنکھیں" ان دونوں تحریروں نے ذہن کو ابھنا
دیا۔

5۔ انھوں تو میری وہ لوگ ہی بتا سکتے ہیں کہ جو
میرے ساتھ ہوتے ہیں خامیاں مجھ میں بہت ہیں
میں مستقل مزاج نہیں ہوں مجھے غصہ جلدی آجاتا
ہے۔ پہلے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر آسو پتلوں کی پاڑھ
پھٹا تک لیتے تھے لیکن اب کو شش کر کے میں نے اس
خالی پر قابو پایا ہے۔ میں فصولی طرح بھی بہت ہوں
اور چند بار جس کاٹی ہے یا مزید راز کھولوں؟

6۔ تعریفی جملہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ میرا کالی بڑا
تعارف چھپا تھا جب وہ میری ماما نے پڑھا تو انہوں نے
مجھ سے کہا کہ "اگر تم میں صلاحیت ہے تو تم کو
اصلاحی تحریریں لکھو" یہ جملہ سن کر مجھے خوش ہوئی
تھی۔

7۔ سادان کے حوالے سے واقعہ یہ ہے کہ میری آئی
روزنت کی شادی کی شایعہ کے لیے ہم نے حیدر آباد
جانے کا پروگرام بنایا۔ جس دن ہم حیدر آباد جانے کے
لیے نکل رہے تھے وہ دن بہت گرم تھا سخت خوب لگی

ہوتی تھی۔ خیر سے حیدر آباد کی ریشم مٹی چبھنے اور شاپنگ شروع کر دی۔ شاپنگ کرتے کرتے چار پارچے گھنٹے گزر گئے فارغ ہو کر باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف آسمان کا لے سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ دوسرے شہر کا مسئلہ تھا اسی لیے بانی شاپنگ آئندہ پر چھوڑ کر فوراً واپس جانے کی تیاری کر لی۔ سب نے کہا جانا تو ہے بہت گرمی سے کولڈ ڈرنک لی لیتے ہیں پھر کولڈ ڈرنک کے ساتھ چائے بھی کھائی۔ آئی سٹینسل ڈائنٹ رہتی تھی کہ جلدی چلوور نہ پہنچے تھے گھر۔ میں نے کان نہیں دھرتے اور جھٹ پٹ برگر بھی پیگ کر والیے۔ اب ٹپ گھے لٹا بھی چٹو مست سمجھ کیجئے گا۔ سمجھا کریں سب نے مل یاٹ کر کھایا تھا) اپنے روٹ کی بس کی اور اسٹاپ تک پہنچے۔ پھر دین میں سوار ہوئے دین چلنے میں دیر تھی کہ ٹنڈو آدم سے کال آئی کہ یہاں شدید بارش ہو رہی ہے۔ آن کی کان میں حیدر آباد میں بھی آندھی چلتا شروع ہو گئی اور جب تک دین چلتی بارش شروع ہو گئی اور بارش بھی اتنی شدید کہ اگر میں گھر میں ہوتی تو کمرے تک ہی محدود رہتی۔ پگنی کی کڑک اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ بادلوں کو ہڈا رہی تھی اور ماحول کو مزید خوفناک بنا رہی تھی ہر زبان پر عافیت ہی کی دعا تھی۔ بولیں ہر بار پاریہ بنی الفاظ آ رہے تھے کہ یا اللہ آج خیریت سے گھر پہنچ جائیں۔ ہر طرف گہرے سیاہ بادلوں چھائے ہوئے تھے۔ دن میں رات کا ساں تھا۔ پانی روڈ پر ایسے بڑھ رہا تھا کہ جیسے ساحل پر لہریں آتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہوائی شروع ہو گئی اور بارش بھی اس قدر طوفانی ہو گئی کہ مجبوراً دین ایک طرف روکنا پڑی۔ ہر طرف ہوا کا عالم تھا اور دور سے آئے والی گاڑیوں کی پینڈ لائٹس ہی نظر آ رہی تھیں وہو بیکل بڑا کر جب قریب سے گزرتے تو ہم خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیتے ڈرامیور نے دین کے دروازے اور کھڑکیاں کھلو اور یہ کیونکہ بہت تھیں تھا۔

کھڑکیوں اور دروازوں کے کھلنے کے بعد جو منظر

ساتھ تھا۔ وہ نہیں ترین تھا۔ تھپتوں میں کھڑی فصلیں اور خست پتوں اور پتلیوں سے بھرے ہوئے اور بارش اس قدر طوفانی کہ بارش کاپالی حسب نیشن برگر رہا تھا لوہوں کی صورت میں رہ رہا تھا۔ اس وقت مجھے شدت سے راحت تھیں اور ان کی ساری خوب صورت تحریریں یاد آئیں۔ راحت تھیں بارش اور قدرتی مناظر کا جس خوب صورتی سے نقشہ کشی تھی کہ بندہ اس میں گم ہو جاتا ہے۔ جہاں ہر طرف لہلہا ہوا سبزہ آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔ وہیں گھر خیریت سے کھینچنے کی جلدی تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے خوب صورت بادلوں کے ساتھ گھر پہنچ گئے۔ ٹنڈو آدم پہنچے تو وہاں بھی جس جس گئی۔ یہ بارش یادگار ہے اور ہمیشہ یاد رہے گی۔

قارئین یاد رہے کہ یہ حیدر آباد کی ذہنی بارش ہے جس میں شہر کے بعض علاقوں میں کشتیاں چلنے کی نوبت آ گئی تھی۔

6 لطفے پڑھ کر کھول جاتی ہوں اس لیے محذرت۔ پسندیدہ شعر

میں کب کی زرد لٹھا میں بکھر چکی ہوتی
مجھے تو میری شکستوں نے پھر سنبھالا ہے
جو مطمئن تھے کہ دور خزاں تو بہت گیا
ستم کہ ان کو بہادری نے روند ڈالا ہے

مریم مظہر لاڑکانہ

شعاع کا اور ہمارا ساتھ کچھ اس طرح کا ہے بقول شاعر۔

ہم ہمیں چاہتے ہیں ایسے
مرنے والا کوئی زندگی چاہتا ہو جیسے
شعاع کے اور ہمارے بیچ خاتم سانج تو بہت آیا لیکن
وہ ہم ہی کیا جو کسی کے آگے جھک جائیں۔ ہم بچپن سے اپنے گھر میں شعاع اور خواتین دیکھتے آئے ہیں۔ اس وقت تو ہم بھی ایسی کہانیاں لکھ کر سوچتے تھے کہ

اگر وہ نہیں ایسا کیسے رہتی ہیں کہیں سب سے
Oath کے تو ہم نے کبھی ایسی کہانیاں پڑھنا
شروع کر دیں یعنی (ناول) میں اور میری ہسٹ فرینڈ
(سادیہ) جو کہ میری کزن ہیں اس وقت پڑھائی کے سلسلے
میں ہمارے گھر رہائش پذیر تھیں۔ میری بہنیں ہم
دونوں کو یاد جوج ماجوج کہا کرتی تھیں اور انی جڑواں کہہ
کر پکارتی تھیں۔ ہم دونوں ہر وقت ساتھ ساتھ ہوتے
تھے اس لیے شعاع بھی ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ میرے
ابو اعتراض کرتے تھے کہ یہ دن تم لوگوں کے کورس کی
کتابیں پڑھنے کے ہیں اور انی کہا کرتی تھیں کہ ابھی
سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کر دو گی تو نظر کمزور ہو جائے
گی اس لیے شروع شروع میں ڈرتے ڈرتے چھپ
چھپا کر پڑھتے تھے کیلئے اب کوئی خاتم سانج نہیں۔

2- میں ایسا تو نہیں کہوں گی کہ حج کا تہا اللہ کے نام سے ہوتا ہے کیوں کہ میں نماز پھر نہیں پڑھتی۔ پانی کی چار نمازیں پڑھتی ہوں۔ میری امی اور بہن ہمیشہ نصیحت کرتی ہیں کہ نماز فجر کے لیے اٹھ جایا کرو لیکن شیطان خاتم اٹھنے نہیں دیتا تو میری صبح چائے کی کپ سے شروع ہوتی ہے اور ناشتے کے بعد خود وقت ہوتا ہے وہ میرا چھتے اور اٹھتے کا وقت ہوتا ہے بارہ بجے کے بعد دوپہر کے کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دو بجے پہنچے سے فارغ ہو کر نماز پڑھتی ہوں۔ اس کے بعد تہیحات پڑھتی ہوں۔ شام کی چائے کے بعد تین وغیرہ چھوڑ کر فارغ ہوتی ہوں تو یہی وقت ہوتا ہے جب مجھے اپنی دوست سادیہ سے بات کرنا ہوتی ہے تو اس سے بات کرتی ہوں یا ایس ڈیم ایس کرتی ہوں کیوں کہ کالج اور اسکول کے زمانے میں اس وقت ہم اور چھت پر بیٹھ کر خوب باتیں کرتے تھے اب تو وہ زمانے خواب ہو گئے۔

ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد رات کے لیے روٹی بنانی ہوں۔ کھانا کھا کر کچھ دیر لی دی دیکھتی ہوں نماز پڑھ کر سونے سے پہلے تھوڑی بہت شاعری یا نثر کی کوئی بھی کتاب پڑھ کر سو جاتی ہوں 10 یا 11 بجے تک تو یہ تھا ہمارے پور ترین دنوں کا احوال۔
3- شعاع میں چھینے والی تمام تحریریں انھیں ہوتی ہیں

یعنی ان تحریروں کا ذکر کروں گی جو اب بھی مل وصال پر نقش ہیں۔ فرحت اشتیاق کا ”بن روئے آنسو“
عمیرہ احمد کا ”پوریادول“ حاصل اور پیر کامل بہت زبردست تحریریں تھیں نگہت عبدالقد کا ”ہمیں ہاتھ پیروسہ دو“ نے مجھے بہت رلا یا ہے۔ اس کی بہنوں کا کردار میری رشتے کی خلا سے بہت متا ہے۔ کب وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہیں۔

4- ہم تو سر کیا خاص ہیں پھر بھی کچھ تو لکھنا ہو گا۔ ہر ایک پر جلدی اعتبار کرتی ہوں اور کسی کی بھی ظاہری خوبی دیکھ کر جلدی متاثر ہو جاتی ہوں بقول گھر والوں کے ضدی ہوں لٹا پرست بھی اور یہ کہ حساس بہت ہوں انسان کو اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔

خوبیاں تلاش کرنا پڑیں گی۔ میں یہ نہیں سوچتی کہ میں کیا چاہتی ہوں اس یہ سوچتی ہوں کہ لوگ مجھ سے جیسی امید لگاتے ہیں وہ کروں اپنی خوشیاں سب کے ساتھ شیئر کرتی ہوں لیکن اپنے غم اور پریشانی میں کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی۔ سادیہ کہتی ہے تم بہت اچھی ہو تم لوگوں کو جلدی معاف کر دیتی ہوں۔

5- سادوں کے اچھا نہیں لگتا۔ ویسے مجھے سردیوں کی بارش بہت پسند ہے۔ دسمبر کی بارش ہو ہاتھ میں چائے کا بھاپ اڑا با کپ ہو اور ہم چھت پر بارش میں بھیک رہے ہوں اس سے اچھا موسم ہو سکتا ہے؟ سادوں کا کوئی یادگار قصہ تو نہیں لیکن ایک شام بارش مجھے بیک وقت اچھی بھی لگی تھی اور بری بھی اس ہر بارش میں وہ دن یاد آجاتا ہے۔

ایک چھوٹی سی پسندیدہ نظم لکھ رہی ہوں۔
کس قدر شواری ہے
اپنے آپ سے جھوٹا ہونا
اور یہ منواتا کہ
یہ جھوٹ ہی کج ہے
جب میں اس میں کھنسا پ ہوتی
تو پتا چلا اس وقت تک
میں اندر سے نوٹ کر
بکھر چکی تھی

عزت دار گھرانے کی ہونے جارہی ہے۔ (عزت دار گھرانے کی ہونے جارہی ہے۔)



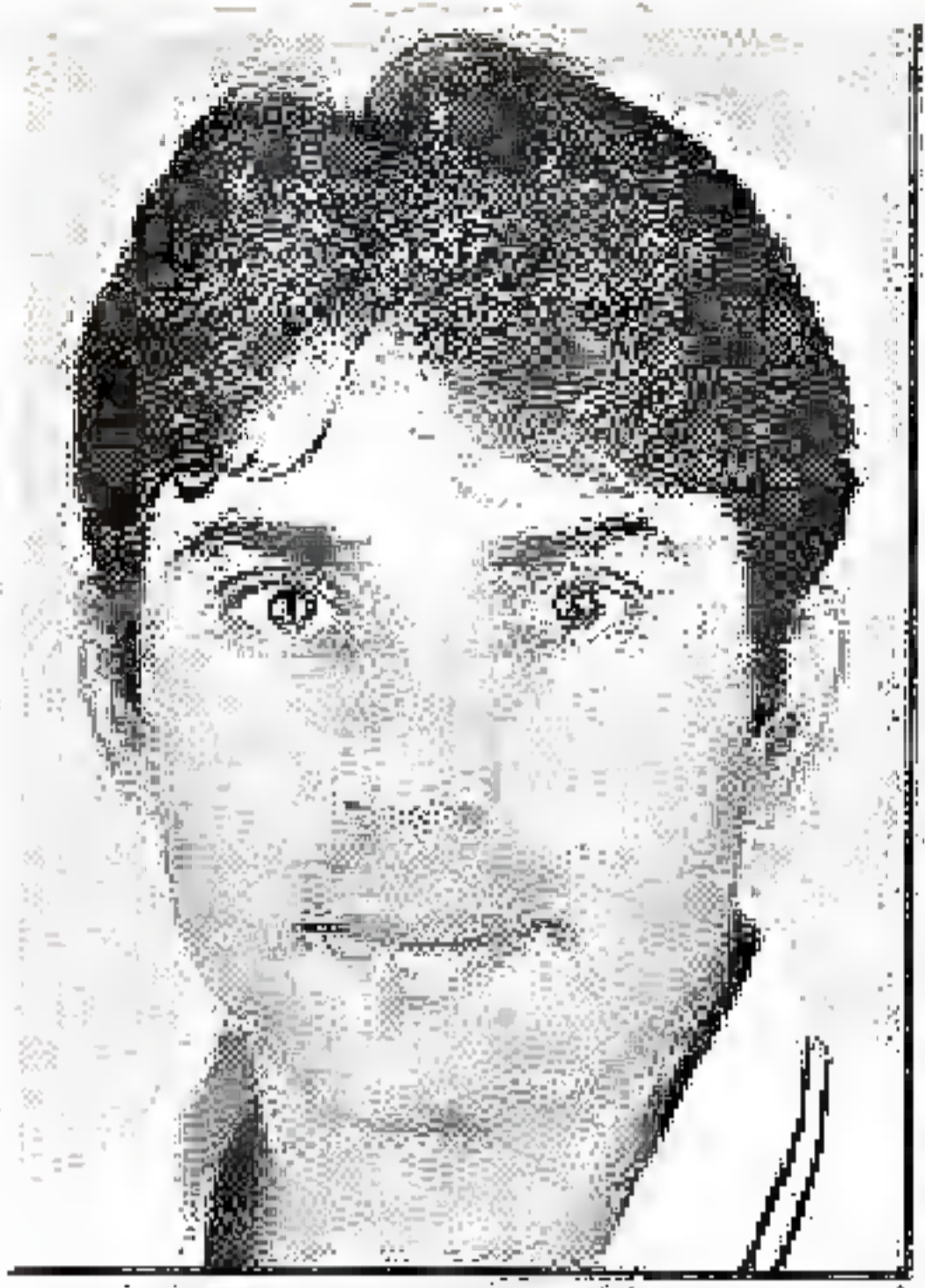
دھمکی

اودا کار جاوید شیخ ہر جگہ معروف فنکارہ شہو کی ماں سمجھے نظر آتے تھے۔ پھر اچانک ان دونوں کے درمیان کیا ہوا کہ شہو نے نخر نام نامی ٹی وی ان کو جیون ساگھی چن لیا۔ اس بات کو انہوں نے لگتا توں پر لیا کہ اب ہر جگہ شہو کو کوستے نظر آتے ہیں جس پر شہو ہی نہیں ان کے سنگیہ نخر نام نامی بھی خاصے چرخی پا ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اگر جاوید شیخ میں ہمت ہے تو پیچھے پیچھے ہاتھیں کرتے کے بجائے میرے سامنے یہ ہاتھیں نہیں۔ انہیں یہ کہنے سے پہلے اتنا سوچنا چاہیے کہ شہو ایک

عزت دار گھرانے کی ہونے جارہی ہے۔ (عزت دار گھرانے کی ہونے جارہی ہے۔) اگر ان کے دل میں شہو کے لیے کچھ تھا تو وہ اتنے عرصے سے کیوں رہے؟ اب جبکہ ہم نئی زندگی شروع کرنے والے ہیں تو انہیں دل کے دورے پر نہ لگے۔ اب یہ تو شہو کو ہی پتا ہو گا کہ انہوں نے جاوید شیخ کو کیا نہیں دیا تھا۔ اگر جاوید شیخ اپنی عزت چاہتے ہیں تو وہ سہول کی عزت کرنا سیکھیں۔ (پھر وہی عزت کی بات؟) آخر وہ خود بھی بیٹی والے ہیں۔ اپنے سے زیادہ اب بیٹی کی شہو کی فکر کریں اور جہاں تک میرے روزگار کا تعلق ہے تو لگا ہور میں بننے والے فاریو اشار ہو کر کا مانگ ہوں اور یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے کا پتہ لگا کر جاوید شیخ کی طرح میں ہوں میں طے نہیں رہا اور وہ بھی کسی کو اپنی ذاتی زندگی بگاڑنے کی اجازت دیں گا۔“ (نخر نام نامی آپ تو خاصے ہمت لگتے ہیں۔ اگر آپ اچھے کاموں سے ”نام“ لگائیں تو زیادہ بہتر ہو۔)

ادھوری

اودا کار منشی خان کو ادھورے کام کرنے کی عادت ہے چاہے اودا کاری ہو یا گلو کاری ہر فیڈ میں وہ کبھی عرصے بعد منظر سے غائب ہو جاتی ہیں۔ شاید اسی وجہ سے ابھی تک وہ کہیں بھی کوئی خاص مقام حاصل نہیں کر پائیں۔ گزشتہ دنوں وہ یہ کہتی نظر آئیں کہ ”میں نے حد سے بڑھی مصروفیات کے باعث میں موسیقی کو بالکل توجہ نہیں دے پائی۔ میری اہم اسی وجہ سے ادھوری پڑی ہے۔ جیسے ہی مجھے موقع ملا اسے مکمل کروں گی۔“ (منشی خان اگر آپ اپنے سابقہ ادھورے



کاموں پر نظر آئیں تو ہمت خاص ہی ہوتی ہے۔ اس کے لیے مکمل توجہ اور فکری کی ضرورت ہے جو کم از کم آپ میں نہیں۔ کوشش کریں کہ پہلے آپ صرف اچھی اودا کار بن جائیں۔ کہیں ہنس کی چال چلتے چلتے آپ اپنی چال بھی بھول جائیں۔)

مستقل مزاجی

کہتے ہیں کہ قابلیت اور صلاحیت اپنا آپ منوانا کر رہتی ہے چاہے اس کے لیے کتنے ہی پاپیلنا پڑے۔ ایسا ہی ہنر بھرتے ہوئے گلا ڈی مصباح الحق کے ساتھ ہوا۔ جو ٹونٹنی ٹونٹنی کب کے بعد ایسا پھلے کہ اب ان کی حیثیت لازم و ملزوم ہو چکی ہے۔ اپنی سابقہ کارکردگی کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ ”پہر سال ڈوبسٹک کرکٹ میں بہترین کارکردگی کے باوجود میں ٹیم میں جگہ نہ حاصل کر پاتا۔ یہ ایسا مشکل دور تھا جس میں مجھے صرف اپنی ہمت اور حوصلے سے کام لینا پڑا۔ میں نے ان نا افسانوں کے ہاں جو ہمت نہیں ہاری اور اللہ پر کامل یقین رکھا کہ اگر اس نے عزت دینا چاہی تو کوئی ٹیم سے نہیں ہٹے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے میری اور ٹونٹنی ٹونٹنی آپ نے میرے کیریئر کا رخ تبدیل کر دیا۔ (اسے کہتے ہیں قسمت اور ہمت کا وحی) اگر ایسا نہ ہوتا تو جہاں افریقہ کا یہی دور میرے کیریئر کا اختتام ثابت ہوتا۔ کوئی چیز میرے حق میں نہ تھی اور اسی چیز کو میں نے چیلنج کر قبول کیا۔ اگرچہ میرے کیریئر کے چند باقی سال ضائع ہوئے نام مجھے ہرچیز میں سویلڈ کارڈ کی پیش کرنے میں لطف آتا ہے۔“ (شاید یہی مستقل مزاجی آپ کی کامیابی کی دلیل ہے۔)

دھماکہ

بعض اودا کاروں کو دھماکہ کرنے کی عادت ہی ہوتی ہے۔ اب گلوکارہ کم اودا کار منشی خان کو بھی ایسے جو بے بھی خبروں میں آئیں کچھ پتا ہی کیا۔ ان دنوں وہ لڑکی پر دوبارہ نظر آ رہی ہیں جسے ان کی ٹو عمر بچی کی پرورش

سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ لیکن حقیقت اس سے کچھ مختلف ہے۔ وہ ایک ہار پھر فلمی دنیا میں داخل ہونے کے لیے پرتول رہی ہیں اور اس مرتبہ بھی یہ آفرامیں بڑوسی ملک سے موصول ہوئی ہے۔ جسے انہوں نے قبول تو کر لیا ہے تاہم اس کے لیے شرط یہ رکھی ہے کہ وہ بھارت جا کر خود کمانی کا جائزہ لیں گی۔ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی بھارت کے مشہور ہدایت کار ونیش چوہڑا آفر کی جانب سے کی گئی ہے جو اس سے قبل اپنی فلم ”کلیج“ میں انہیں بطور ہیروئن متعارف کروا چکے ہیں۔ (لیکن سے پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی وہ کچھ مختلف کر جائیں ہونے کو کیا نہیں ہوتا۔)

شوقین مزاج

انسان کے بھی کیا کیا شوق ہوتے ہیں۔ بات اگر شہو کے فن کاروں کی ہو تو ہر ستارہ کچھ زیادہ ہی لیتے ہیں۔ اب ہالی وڈ انٹار نٹو کس کیج کوئی نہیں جنہیں پرانی ہڈیاں جمع کرنے کا شوق ہیں خال ہی میں انہوں نے 67 ملین سال پرانا ہارانا سور نامی تخلیق کا ڈیمانچ خرید ہے جس کی مالیت 74 ہزار ڈالرز

اصحیاء متاثر ہونے میں اداکاروں سے زیادہ ہدایت کار اور پروڈیوسرز کے وار ہیں۔ ایک وقت کئی کئی سیریز اور سوپ ڈرامے بن رہے ہیں جس سے کام کا معیار متاثر ہو رہا ہے۔ دو سری فنکاروں کو وقت پر اداکاری نہیں کی جاتی۔ سینکڑوں اور جو نیوز فنکاروں کو بھی ایک ہی چھتری سے بانٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک ایسا آرٹسٹ جس نے اس فنڈ میں تینیس سال گزارے ہوں اور جو ابھی چند سال پہلے وارد ہوا ہو برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جس سے فنکاروں کی توجہ اور کارکردگی پر برا اثر پڑتا ہے۔ (تمتہ جی اور مغربی انداز اور بے باک جملوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ بھی معیار گراسے کی وجہ نہیں۔ ویسے بھی وہ سڑوں کی آنکھ کا تکیا بھی شہتیر ہی نظر آتا ہے۔)



کہ پونہ پھلون کرن کھیر کے بعد اب معروف اداکارہ سری دیوی بھی اسپ پاکستان ڈرامے میں جلوہ گر ہو رہی ہیں۔ ”مخواتین بہت ہی ہیں“ نامی اس ڈرامے کے نمایاں فنکاروں میں ایوب کھوسو، محبوب گل، عالیہ ایما، گیتہ، جمیر اور محمد اختر جیسے فنکار شامل ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اب ہمارے فنکاروں نے بھارت کے حالیہ ”ہٹاکام“ اداکاروں کو اپنے یہاں کاسٹ کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ کامیابی کے لیے مستعاروں، چمک دمک سے زیادہ محنت، اچھی اداکاری اور ہدایت کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ ہوتا ہوا ہرستہ سرمایہ یا فراوی قوت کی کیا ضرورت۔

تقنید

شیرازہ صاحبہ اداکاری جان دار کرتی ہیں بلکہ تمام تقنید بھی کھلے جام کرنے کی عادی ہیں۔ (ہواداری) اور یوں نہ ہوں ان کے کریڈٹ پر کئی ایسے کارنامے ہیں جو وہی انجام دے سکتی تھیں۔ ان دنوں وہ نئے پروڈیوسرز اور ہدایت کاروں کے رویوں سے بالکل نظر آتی ہیں۔ اس کے متعلق وہ کہتی ہیں۔ ”اداکاروں کا



تالی کی ہے۔ یہ مخلوق ڈاکٹر سوز سے بھی بے گھر اور صبر پر موزوں ہے۔ جس کو خریدنے کے لیے مشہور اداکار لیونا رڈوئی کہہ لو بھی بے چین تھے۔ لیکن کمپوزنگ نے کے باعث وہ اس ڈھانچے کو خرید نہ پاسکے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ٹولس کیج کا یہ شوق اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ وہ پرانی بنیاں اور ڈھانچے خریدنے کے لیے کسی بھی ملک جانے کو تیار رہتے ہیں اور اگر خود مصروفیت کے باعث نہ جلیا میں تو اپنے مہجر کو اس ٹیلہ میں بھیجتے ہیں۔ (واقعی شوق کا کوئی مول نہیں۔)

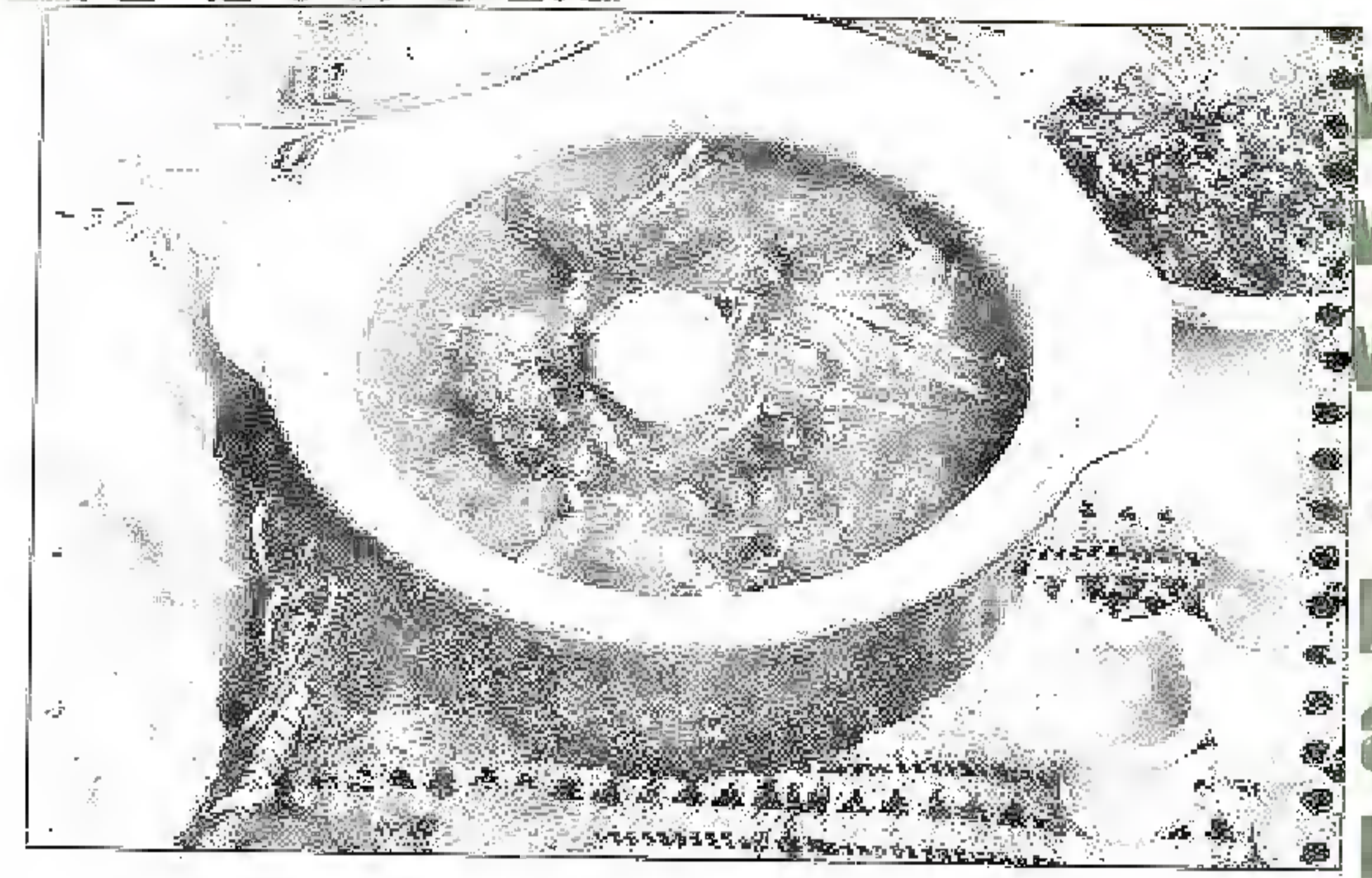
صفائی

اداکارہ ویٹا ملک کو اسکرین پر ہی نہیں دونوں پر بھی چھایا جانے کا فن آتا ہے۔ ابھرتے ہوئے اداکار کمبلال ہیرک شاہ ان سے خاصے متاثر ہیں۔ بلکہ معاملہ دلچسپی سے بڑھ کر پسندیدگی کے مرحلے تک آچکا ہے اس لیے ہر جگہ وہ سونے کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا گستا ہے کہ ”میں صاف گوشتخان ہوں جو آہستہ آہستہ پرست ہوتے ہیں۔ اس لیے خوب صورتی مجھے بہت جلد متاثر کرتی ہے۔ (بابت توجہ ہے، گمراہ) جیٹا کے معاملے میں بات چلنے متاثر ہونے سے زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے جب میں دو سری اداکاروں کی تعریفیں اس کے سامنے کی تو وہ مجھ سے ناراض ہو گئی۔ (دونوں طرف سے آگ برابری ہوئی) لیکن اس ناراضی نے ہمیں احساس دلایا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کیا حیثیت رکھتے ہیں (عشق واقعی اندھا ہوتا ہے) اور بنا کا میرے دل میں خاص مقام ہے۔ میں نے انہیں پروڈیوسر کروانا ہے۔ لیکن ابھی کچھ معاملات طے ہونا باقی ہیں۔ میں جائز طریقوں کا قائل ہوں اور اسی کے تحت یہ قدم اٹھایا ہے۔“

چمک دمک

کسی دور میں ہمارے یہاں اسکرین اور اچھی ہدایت کاری کی اہمیت تھی لیکن گلیمو اور چمک دمک کے آمدور میں سب رہا ہوجکا ہے۔ سٹار میں آیا ہے





موسم کے پکاوان

خاندان چیلانہ

سیاہ مرچ پاؤڈر
 نمک
 چلی ساس
 میکرینی (الٹی ہوئی)
 کارن فلور پیسٹ
 انڈا
 ترکیب :
 گوشت میں نمک اور پانی ڈال کر اچھی طرح دھواں
 لیں پانی اتاؤ اور اس کے گوشت ہٹانے کے بعد پانی بچ جانے
 والی مٹی میں سوپ تیار ہو سکے۔ اس کے بعد اٹھا ہوا
 گوشت نکال کر ریشے کر لیں۔ ایک دیکھی میں تخنی
 ڈال کر گرم کریں۔ اس میں بیاز گوشت میکرینی، سویا
 ساس، سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح ملائیں آخر
 میں انڈا کارن فلور ڈال کر چھچھو چلا لیں۔ گاڑھا ہونے

کہتے ہیں کھانے پینے کا مزہ تو سرودی کے موسم میں
 ہی آتا ہے۔ جو بھی کھاؤ کھم ہو جاتا ہے اور ہوک
 بھی خوب کھل کر لیتی ہے۔ گرم گرم سوپ کے ذائقے
 موسم کا لطف دہلا کر کے باعث بنتے ہیں۔ خصوصاً
 رات کے کھانے سے قبل انہیں اہتمام سے پیتے کیا
 جاتا ہے جو خوان کی بروقت میں اضافہ کرنے کا باعث
 بنتے ہیں۔ اس مرتبہ ہمارا دسترخوان سوپ کے مختلف
 ذائقوں سے سجایا ہے۔ بنائیے اور ولور وول بھیجیے۔

ہیف اینڈ لوئین سوپ

ضروری اجزاء :
 تخنی
 گوشت
 بیاز (سوپ کر لیں)
 سویا ساس
 دھیانیل
 ایک پاؤ
 ایک عدد
 کھانے کے تین تھپے

تک ہلکے آج پر پکا لیں۔ مزید ہیف اینڈ لوئین سوپ
 تیار ہے۔ سرولک باؤل میں نکال لیں اور چلی ساس
 کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔
 چکن کارن سوپ

ضروری اجزاء :

مرچی
 زون لیس (پال کر ریشے کر لیں)
 مرچی کی ہڈیاں
 نمک
 مٹی کے دانے
 چینی
 چائیز نمک
 سفید مرچ پاؤڈر
 کارن فلور
 (کھانے کے دو تھپے پانی شامل کر کے آمیزہ بنا لیں)
 انڈے
 ایک پاؤ
 تین چوتھائی پیمانی
 حسب ذائقہ
 آدھی پیمانی
 چائے کے دو تھپے
 چائے کے دو تھپے
 چائے کا ایک چوتھائی تھپے
 کھانے کا ایک تھپے
 دو عدد

لیمون کارس
 سرکہ
 ترکیب :

تخنی تیار کرنے کے لیے ایک بڑی دیکھی میں پانی
 پانی ڈالیں اس میں مرچی کی ہڈیاں ڈال کر چار سے پانچ
 گھنٹے کے لیے پکائیں۔ پھر مٹی کو چھان لیں تخنی کو
 ایک دیکھی میں ڈال کر اس میں مٹی کے دانے، چینی،
 نمک، چائیز نمک اور سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر
 پکائیں۔ چند وقت کے بعد لیمون کارس اور سرکہ
 ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں پھر کارن فلور کا آمیزہ ڈال
 کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ ایک لہاں آجائے تو
 انڈے پھینٹ کر ڈال دیں پانچ منٹ کے بعد مرچی کے
 ریشے شامل کر دیں۔ ٹھنڈی اور پکے دس اور پھر چولہا
 بند کر دیں۔ چلی ساس ڈال کر گرم گرم سرو کریں۔

اسپائسی بوئنگی ٹیمبل سوپ
 ضروری اشیاء :

ہر لڑکی کا ارمان

گورا، ٹھیکر اوپ!

انٹنشن ایشن ٹرمیک کریم

میرا لکی رہا تو ہوا کیا
 انٹنشن ایشن ٹرمیک کریم ہے۔
 ہاں رشتہ تیری ہوئی تکیں تھیں اور تیری
 اور پر سے یہ وہ وقت آئی جو تیری کو خوبصورتی کی عبادت ہے۔
 تیری ہمدردی، حساسیت اور سب سے بڑا ایسا حسن انراہ تیری ہو گیا۔
 بس انہیں سب خاص اور قدرتی انٹنشن ایشن ٹرمیک کریم ہے۔
 انٹنشن ایشن ٹرمیک کریم ہے۔
 آپ بھی تیری خیرین چھین سکتے ہیں
 انٹنشن ایشن ٹرمیک کریم ہے۔
 تیری رنگت میں گورے رنگ کا کچھ نہ پوئے۔
 کیونکہ۔۔۔
 خوبصورتی حق ہے آپ کا!



English
 HESTAN TURMERIC CREAM

English
 HESTAN TURMERIC CREAM

ESC-006

تین گلاس
 (ایک پیالی یعنی الگ رکھ لیں)
 ایک پیالی
 ایک پیالی
 ایک پیالی
 ایک پیالی
 سو یا ساں
 چکن کیوسپ ملا ہوا میدہ
 نمک
 ایڑا
 تل کا تیل
 کاربن فلور
 گاجر
 شملہ مرچ
 سفید مرچ
 کالی مرچ پس ہوئی
 چینی
 چلی ساں
 پتل
 سفید مرچ پس ہوئی

ترکیب :

ایک دیکھی میں تیار کی ہوئی تھنی ڈال کر ساتھ ہی
 سو یا ساں، سرکہ، سفید، چلی ساں، نمک، چینی، سفید
 مرچ اور ساری سبزیوں ڈال کر ہلکی آگ میں پکے دیں۔
 جب ابان آجائے تو چکن کی بوٹیاں ڈال دیں اور مزہ
 پانچ منٹ تک پکائیں پھر تھنی میں کاربن فلور کھول کر
 ڈال دیں اور کڑوی کا پیچہ ہلاتی رہیں۔ جب سوپ گاڑھا
 ہونے لگے تو انڈا ڈال دیں۔ تل کا تیل اور پیاز کے پتے
 ڈال کر پیش کریں۔

ایک عدد
 ایک عدد
 ایک گلوڈ
 ایک عدد
 کھانے کے دو تھپے
 چائے کا آؤصا چھچھ
 چائے کا ایک چم تھانی چھچھ
 کھانے کا ایک کپچہ
 چار پیالی
 کھانے کے دو تھپے
 ایک عدد
 چائے کا ایک کپچہ
 حسب ذائقہ
 حسب ضرورت
 حسب ضرورت
 پیاز
 (بھونے ساڑکا)
 کدو
 آنو
 مکھن
 اور ک پیسٹ
 دار چینی پاؤڈر
 ہری پیاز (چھپ کی ہوئی)
 سبزی کی تھنی
 پاؤڈر (ہو انیاں کٹی ہوئی)
 نازی لال مرچ
 (بچ نکال کر چوب کر لیں)
 نمک
 سیاہ مرچ پاؤڈر
 ہرا دھنیا
 (گارفشنگ کے لیے)

ترکیب :

پیاز کو باریک چوب کر لیں۔ شلیم ہمدو اور آنو کو
 چھیل کر ہر مہانے ساڑکے ٹکڑے کٹ لیں۔ سوں
 پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر چار
 سے پانچ منٹ تک قرانی کریں۔ اس کے بعد اس میں
 شلیم ہمدو اور آنو ڈال کر تین سے چار منٹ تک قرانی
 کریں۔ اس میں اور ک، دار چینی پاؤڈر، ہری پیاز،
 نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور پتل آگ
 پر ویں منٹ تک پکائیں۔ اس دوران مسلسل چھچھ
 چلاتی رہیں۔ سبزی کی تھنی، پاؤڈر لال مرچ اور شکر ڈال
 کر چھچھ چلا میں اور ڈھکن ڈھانچ کر ہلکی آگ پر
 پکائیں۔ مزیدار ایسا پس و بھی ٹھیک سوپ تیار ہے۔
 سر و نمک ڈال میں نکالیں اور ہرا دھنیا سا کر سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساڑ سوپ

ضروری اجزاء :

اندرو پارش کا دینا ہے۔ یہ بعد میں ان میدانوں
علاقوں میں پیدا ہوا جہاں پارش کی اہمیت زیادہ ہوتی
ہے۔ ڈیپٹی براڈن اسٹاکس نے اس کی حدود و معیاد کے
ذریعے تھوروس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ
کسی ایسے علاقے میں رہتے تھے جہاں جنگلات تو
ہیں تھے لیکن درختوں کے جھنڈ ضرور تھے۔ ان
درختوں میں شاہ بلوط، بید، بھوج اور کئی گوند اور
پلکھنے درخت شامل ہیں۔ یہ پھل دار نہیں تھے۔
پالتو جانوروں میں بے گائے سے واقف تھے۔ کچھ
پرندوں کا بھی علم تھا لیکن اہل جانوروں یعنی مچھلی وغیرہ
سے واقف نہ تھے۔
بعد آریائی زبان میں جن علاقوں کی نشاندہی کی گئی
ہے۔ اس میں ہندو کش، پامیر، کرغیز کے شمالی علاقے
شامل ہیں۔ گویا آریائی اجداد جہاں رہتے تھے ان ہی
علاقوں میں اس پودے کو تلاش کرنا چاہیے۔ یہ علاقہ
اوپر چائی میں سمندر سے سات سے دس ہزار فٹ کے
درمیان ہونا چاہیے اور ایسے علاقے ہندو کش اور پامیر
کی سطح مرتفع ہی ہو سکتے ہیں اور جب ہم ان علاقوں
میں ڈھونڈتے ہیں تو ہمیں واقعی ایک ایسا پودا مل جاتا
ہے جو نہ صرف سوا کی نشانیوں پر پورا اترتا ہے بلکہ اس
کا نام بھی سمیانی (SUMYANI) ہے۔
یہ پودا کلام سے اوپر "ماہوینڈ" کے آس پاس ملا۔
سوات کے لوگ اس کی راکھ سے نسوار بناتے ہیں۔
اس پودے میں پتے نہیں ہوتے۔ یہ بھڑا نما پتل ہے اور
پتوں کی جگہ چھوٹی چھوٹی ٹالی اور ریشمیں ہوتی ہیں۔
توڑنے پر اس سے ایک زور رنگ کارس نکلتا ہے جو
انتہائی کڑوا ہوتا ہے اور یہ بہت کم پایا جاتا ہے کیونکہ
نسوار کے لیے بہت بڑے پتے پر استعمال کیا گیا ہے
اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بیج دار نہیں ہے۔ ایک ہی
جز سے پھوٹا رہتا ہے اور سدا بہار ہوتا ہے۔
لیکن ہے آگے چرائی، قرقرم، پامیر اور وسطی ایشیا
میں یہ پودا موجود ہو۔ میرے خیال میں سوا کا پودا بھی
سمیانی ہے جسے آریوں کے اجداد پوچھتے اور استعمال

کر تھے لیکن مختلف آریوں کی صورت میں نقل
مقامی کے بعد آریائی گروپ اس کی پہچان کھو بیٹھے اور
بدیہی روایات لکھتے اور کتابوں میں اس کا ذکر باقی نہ
رہا۔
(ناویہ ایمان گوہر، اسٹامبل خان)

فاروق اعظم کا مدخل

حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے ابو سعید خدری کا
نام عبدالرحمن تھا۔ مصر میں انہوں نے ایک روز اور
سروہ کے ساتھ پینیلٹی (یعنی کھجور کا شربت) پینے
طوائف سے اور اس کے استعمال کا نام رواج تھا۔ پینلنگ
و حویب میں رو جائے یا گرمی کی شدت بڑھ جائے تو اس
میں خمیر پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہلکا سا نشہ ہو جاتا
ہے) ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ وہ دونوں حضرت عمرو بن
عاص کے پاس پہنچے کہ وہ ان پر حد جاری کریں۔ ابن
عاص کہتے ہیں کہ میں نے انہیں جھڑک کر نکل دیا۔
اس پر عبدالرحمن بولے۔

"اگر آپ نے حد جاری نہ کی تو عمر فاروق ہوں گے
اور میں ان ہستیاں شکیات کروں گا۔"
حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں جانتا تھا کہ
اگر ان دونوں پر حد جاری نہ کی تو عمر فاروق
بمراض ہوں گے۔ میں انہیں گھر کے صحن میں لایا اور
ان پر حد لگائی۔ عبدالرحمن بن عمر گھر کی کھڑکی میں
بٹھ گئے اور اپنا سر موڑا۔ خدا کی قسم ان سے اس
واقعہ کے متعلق عمر فاروق کو ایک حرف بھی نہیں
نکلا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ان کا یہ خط مجھے ملا۔
اللہ کے بندے عمر کی طرف سے عمرو بن عاص کے
نام

ابن عاص، تمہاری جرأت اور بد عہدی پر مجھے
حیرت ہوئی ہے اور میں تمہیں معذرتوں کے پتھروں
کا۔ تم نے عبدالرحمن کو اپنے گھر میں مادیانے لگا دیا
اور وہیں اس کا سر موڑا۔ حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ
کام میری مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔ عبدالرحمن

تمہاری زبان کا ایک فرد ہے۔ تمہیں اس کے ساتھ
بھی وہی سلوک کرنا چاہیے تھا جو تم دوسرے
مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو لیکن تم نے سوچا کہ وہ
امیر المؤمنین کا بیٹا ہے۔ حالانکہ تمہیں اچھی طرح
معلوم ہے کہ میرے نزدیک کسی شخص سے حق وصول
کرنے میں نژاد و رعایت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا
ہوتا۔ جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے، اس
وقت اسے ایک اپنی اہلیا پسناؤ اور کاٹھی پر بٹھا کر خود
پیر سے پاس لے جاؤ اور کہہ دو کہ رواری کی حقیقت سے
آگاہ ہو جائے۔"

ابن عاص کہتے ہیں: جیسا کہ حضرت عمر فاروق نے
کہا تھا میں نے ویسے ہی انہیں بھیج دیا اور معذرت نامہ
لکھا۔

"میرے اپنے گھر کے صحن میں انہیں حد لگائی اور
خدا کی قسم جس سے روٹی کوئی تم سے نہیں۔ میں ہر روز اور
مسلمان کو اپنے گھر میں ہی حد لگا تا ہوں۔"

اور یہ خط عبدالرحمن بن عمر کے ہاتھ روانہ کر دیا۔
عبدالرحمن اپنے والد کے پاس پہنچے تو اپنی اہلیان کے
گھر پر بھی اور کئی کئی عورتوں کی ہاتھوں میں بھی نہ گنتے
تھے حضرت عمر فاروق نے پتے پھینچا۔

"عبدالرحمن! تم نے یہ حرکت کی ہے؟"
عبدالرحمن بن عاص نے ان کی سفارش کی اور
کہا۔

"امیر المؤمنین ان پر حد لگائی جا چکی ہے۔"
لیکن حضرت عمر فاروق نے ان کی بات پر وہیمان نہ
دیا اور عبدالرحمن بن عمر کو اپنے گھر سے نکال دیا۔
"میں بیچارہ ہوں آپ مجھے مار رہے ہیں۔"

روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر فاروق نے
ان پر دو بار حد لگائی۔

(کنول شاہین، منہ لگ)

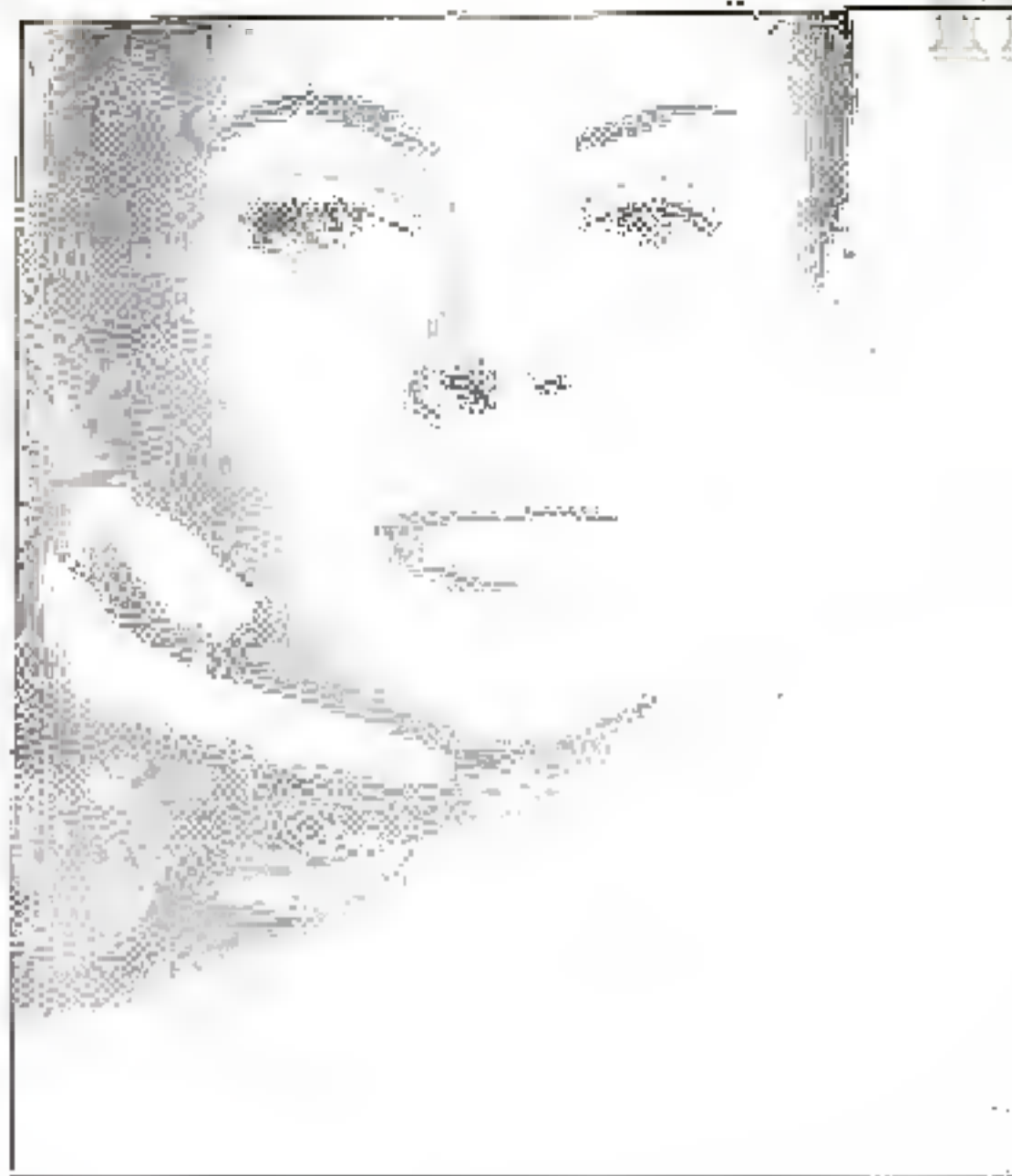
چناب رنگ

جھنگ کی سرزمین حسن و عشق، انوار و معرفت اور

انہی حکمرانوں کا ایک تاریخی گوارہ ہے۔ جھنگ اور
ملتان کے کئی مقامی حکمران ملک کبیر خان نے راجہ
سلطان کو تخت و تاج پر بٹھانے میں اہم کردار ادا کیا۔
حضرت مجدد الف ثانی نے بھی جھنگ کی سرزمین کو
اپنے باہرکت قدموں سے نوازا۔ وہ نواب سعد اللہ خان
کے دوست تھے اور ان کی سعیت میں ایک ہفتہ
چھوٹ میں قیام فرمایا۔ نواب سعد اللہ خان بعد میں
شاہنشاہان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ حضرت سلطان
باہو کی "مہو" کی گونگے نے اس سرزمین کو شاد اور آباد
کیا۔ عشق حقیقی کی، بختاب دانی، مہیر، مہر، جھنگ کے
ایک گاؤں میں چوچک سیال کے ہاں پیدا ہوئی جو ایک
معروف زمین دار اور عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ اولاد
حضرت شیر شاہ جلال سرخ بخاری کی رعا سے نصیب
ہوئی تھی جن کا مذہبی راجہ ہوا اور میں ہے۔ مہر کا نام
عزت علی بنی رکھا گیا لیکن اپنی عبادت گزار اور اراضت
اور زہد و تقویٰ کے باعث حوالہ اللہ اس بہار سے اسے
"مہیر" کے لقب سے پکارنے لگے۔ اس کے ایک مرید
اور خلیفہ کا نام مراد بخش تھا جس کی ذات را بٹھا تھی۔
عشق حقیقی کے یہ دونوں پرستار بھی جھنگ شہر میں
ایک ہی قبر میں آسورہ ہیں۔

وارث شاہ کے روحانی شاہکار مہر را بٹھا کا حقیقت
سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وارث شاہ خود بھاگ بھری
تالی ایک عورت کی محبت میں گرفتار تھا۔ جب ان کے
عشق کا راز فاش ہوا تو گھر والوں نے بھاگ بھری کی
شادی سیال اور کوئی اور صاحب حیثیت ہونے کی وجہ
سے وہ لوگ بھی ہاتھ دھو کر غریب وارث شاہ کے پیچھے
بڑ گئے۔ محبت کی ناکامی کے غم میں ڈوب کر موزوں
ٹھیکت والے نام اور عشق نے اپنا وہ شاہکار تصنیف کیا
جس میں اپنے وقت کی ایک عارف اور پاک باز خاتون
بھی ان کے ظلم کی نذر میں آکر عشق مجازی کا ایک
لا زوال گواہ بن گئی۔

(شہاب نامہ قدرت اللہ شہاب)
راہبہ رشید، جھنگ



کے علاوہ ہاتھ آکر بھی بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ہاتھ آکر 50 ملی لیٹر کی مقدار میں پانی میں ملا کر کبھی طرح سے غسل کریں پھر اس سے غسل کریں۔ پانی میں آکر شامل کریں اور اگر ہاتھ آکر دستیاب نہ ہو سکے تو عام غسل بھی اس مسئلے کا حل بن سکتے ہیں ان کا استعمال آپ غسل سے قبل اور بعد میں کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہنریٹ کا تیل، بادام کا تیل اور زیتون کا تیل بہت مفید ہے۔

ہونٹوں کا پھٹنا۔ یہ مسئلہ بھی سردیوں کے موسم کی ابتدا سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ نرم و نازک ہونے کی وجہ سے ہونٹ حساس ہوتے ہیں۔ سردی سے متاثر ہو کر خشک ہو جاتے ہیں اور پھٹنے لگتے ہیں بعض اوقات ان سے خون رسنے لگتا ہے۔ اور انکے ہونٹے اور جو کھائے پینے میں دشواری ہوتی ہے تو ایک الگ مسئلہ ہے۔ ایسے میں سیب کے بیج ٹائڈ سے منہ میں سیب کے بیج باریک کریں۔ رات کو ان کا کاٹھا لپ ہو ہونٹوں پر لگائیں۔ صبح و دو گریبان لگائیں۔ تین دن میں ہونٹ صحت مند ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ دودھ کی پلائی میں لیمن کا رس چند قطرے ملا کر لگائیں ہونٹ نہ صرف نرم ہوں گے بلکہ ان کی رنگت بھی

سورج کی اشعاعوں سے بچنے کے لیے ہونٹوں اور ہونٹوں سے لپکے ہوئے وقت استعمال کریں۔ غسل کے وقت ہاتھ آکر لگائیں۔ غسل کے فوراً بعد ہونٹ خشک کر کے لوشن لگائیں۔

خونوں کا درجہ۔ یہ مرض بھی سردیوں میں شدت اختیار کر لیتا ہے۔ یوں تو یہ مرض بڑی عمر کے لوگوں کو ہوتا ہے لیکن سرخوردہ اور کم عمر افراد بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں ہونٹوں کے پھٹنے کے ساتھ ساتھ مرض بھی برستنا جاتا ہے۔ سردیوں میں خونوں میں وٹامین دیکھنا ہے اساتھ ساتھ وٹامین ای جی ہے جو کہ تکلیف دہ ہے آپ اپنے ڈاکٹر سے پہلے ہی مشورہ کریں کہ جو وٹامین استعمال کر رہے ہیں۔ وہ صحیح ہے یا سردیوں میں مزید کوئی وٹامین استعمال کرنا ہوگی۔ ایسا ہے تو یہ تمام وٹامین سامنے رکھیں۔ اگر آپ گولیاں کھا رہے ہیں تو ہم گرم پانی یا دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ سو جن اور درد کم کرنے کے لیے متاثرہ جلد پر "روغن زیتون" کی ماساژ کریں۔ اپنے قریب ترین ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔ انور پھونٹا پھر پین لیں تاکہ یہ پھونٹے محفوظ رہیں۔ غذا میں دہی، کھنٹی پھریں یا زاری اشیاء سے تھلن پر تیز کریں۔ لسن اور کھربازہ میں غلی ٹانگ کا پچھلا حصہ زیادہ استعمال کریں۔ مریض آرام ضرور کرے لیکن متاثرہ ہونٹوں کو حرکت دینا رہے اور کوئی بھی پھٹکی ورزش مستقل اپنائے۔

غسل کے فوراً بعد خشکی سے بچنے کے لیے کوئی مرض نہیں ہے لیکن سردیوں سے اس کا گرا تعلق ہے۔ یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اس لیے اس کا ذکر بھی یہاں کرنا ضروری ہے۔ زیادہ گرم پانی اور صابن اس کا باعث بنتے

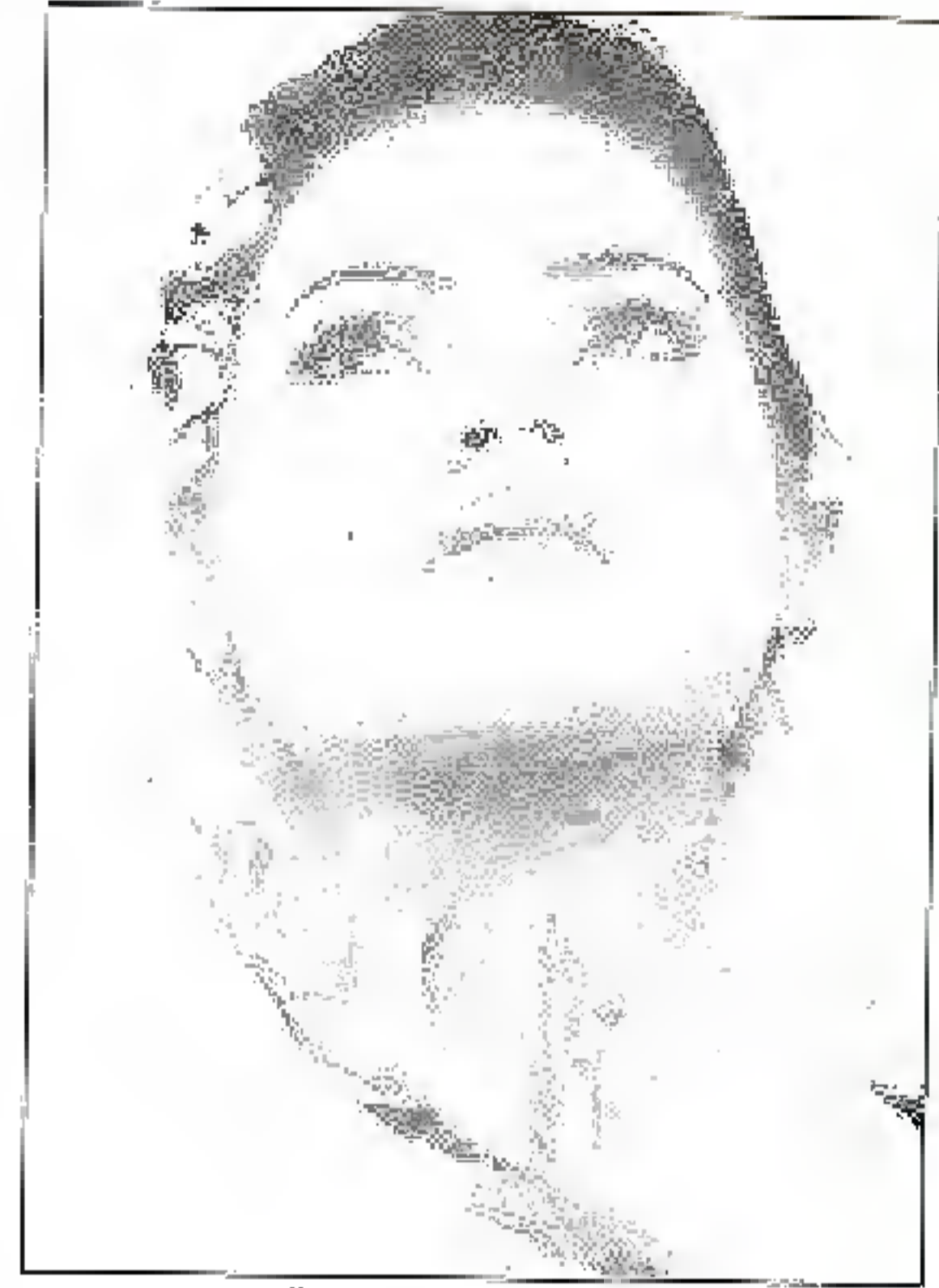
ہیں اس لیے ان کا استعمال کم سے کم کرنا چاہیے۔ جانوں کے موسم میں ایسے صابن استعمال کریں جن میں گھیسرین یا چکنائی کی مقدار زیادہ ہو۔ مونسچر انڈیا



زیادہ ہے۔ اس موسم میں درجہ حرارت فوراً ہوائی رطوبت دونوں میں ہی واضح ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری جلد خشک ہونے لگتی ہے۔ حساس جلد والے لوگ تو اس موسم میں بہت پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان کی جلد نہ صرف خشک ہو جاتی ہے بلکہ ہاتھوں کی کھال اترنے لگتی ہے۔ پانی لگانے سے جلد میں محسوس ہوتی ہے۔ ہونٹ اور زبیریاں انکے پھٹنے لگتی ہیں ہاتھوں کی لاکھیاں سوج جاتی ہیں۔ ہاتھوں کی کھال اترنے سے بعض اوقات خون نکل آتا ہے۔

کسی بھی چکنی کریم یا لوشن سے جلد کو نرم کیا جاسکتا ہے۔ یہ عرف نام میں مونسچر انڈیا کہلاتے ہیں عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم بازار میں دستیاب ہونے والے لوشن استعمال کر لیتے ہیں جن کا نام نہ مانتا ہو۔ جو کہ بالکل ہے جلد کے حساب سے یہ کریمیں لی جائیں تو زیادہ مستر

ایگزین یا سیدھی بیماری خشک جلد پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ لڈ کے پھٹنے کی یہ بیماری تاحیات برہتی ہے۔ جلد میں رطوبت کی مقدار کم ہو جاتی ہے اور سردی کے ساتھ ہونٹوں کی بیماری میں اضافہ ہو جاتا ہے پچاس سے ساٹھ سال کی عمر کے درمیان ذرا سی بھی خشکی یا ٹھنڈک ایگزین پیدا کر دیتی ہے جو ناٹھوں ہاتھوں بازوؤں میں زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ زیادہ شدت سے ہاتھوں سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کے مشورے سے کریم یا لوشن استعمال کریں۔ اپنی کپڑے پہننا اس موسم میں مجبوری ہے اور اس مرض میں جتنا افراد اپنی لپاس کی وجہ سے مزید بے حال ہو جاتے ہیں اس سے محفوظ رہنے کے لیے کوشش کریں کہ زیادہ ترکان کا



موسم سرما اور آپ کی جلد سردیوں کا آغاز ہو گیا ہے ہر موسم کا اپنا مزاج ہوتا ہے لیکن یہ موسم جلد کے لیے بہت ہی مشکلات لے کر آتا ہے اس لیے اس موسم میں جلد کی بہتر حفاظت کرنی چاہیے۔ ہماری جلد اس بدلتے ہوئے موسم کے لیے انتہائی حساس ہے اور فوری طور پر اپنے رنگتوں کا اظہار کرتی ہے۔ یہی اس پر غارش ہونے لگتی ہے۔ کبھی خشک ہو جاتی ہے کبھی پھٹنے لگتی ہے اور کبھی سوجن آجاتی ہے۔ ان جلد کی بیماریوں کی تکلیف میں سرد موسم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ سرد موسم میں جلد کو نمی کی ضرورت عام ہونٹوں سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ نکلہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ نامانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں ایلو ڈنگ
- ✧ ہریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کپی رایت کوالٹی
- ✧ عمران سیریز، مظہر کلیم اور این صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈ فزری لنکس، لنکس کو ایسے دکھانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ڈاؤن لوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤن لوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤن لوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر ہمیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤن لوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

گھر آئے گی۔ اس کے علاوہ شہد میں زیتون کا تیل شامل کر کے لگائیں۔ روغن بادام اور شہد ملا کر روزانہ لگائیں۔ پیٹریویم جینی کا باقاعدہ استعمال کریں۔ روغن بادام ہوٹوں کے لیے بہترین ہے۔ اپنی غذا میں گریپ فروٹ سنگتور اور مالٹا شامل کریں۔

بالوں کا مسئلہ۔ سرما کی ٹھنڈی ہوا آپس ہانوں کو خشک کر دیتی ہے۔ ہانوں کو نرم اور صحت دار رکھنے کے لیے زیتون یا روغن بادام کو نیم گرم کر کے انگلی کی پوروں سے ہانوں کی جڑوں میں لگائیں اور گول گول دائرے بناتے ہوئے پوروں کی مدد سے سر پر ہانے ہانے ماساژ کریں۔ اب انڈے کی زردی خوب پیسٹ کر

لگا کر گرم پانی میں تویہ بھلو کر نیچے لیں پھر دوس سے چند منٹ تک سر تویہ پوسٹ لیں اس کے بعد شیمپو سے سرد شو لیں۔ اس کے علاوہ سرسوں کے تیل میں لیٹوں کا رس ملا کر غسل سے قبل سر کی خوب ماساژ کریں۔ دوس سے چند منٹ تک گرم تویہ سر پوسٹ لیں پھر دوس سے تین منٹ تک تویہ کھول کر ہانوں کو ہوا لگنے دیں اب نیم گرم پانی سے سرد شو لیں۔ اس سے ہانوں کی ماساژ کے بعد صحت سے استعمال کریں۔ پانی بھی تیز گرم نہ استعمال کریں۔

سرور سے آواز کا بیٹھنا۔ اورک کا درمیان کھڑا لیں۔ نوک دار چھری سے سوراخ کریں اور اس میں نمک بھریں۔ اورک کے چورے سے سوراخ بند کریں۔ تھوڑا سا گندھا ہوا آتا اورک کے چاروں طرف لگائیں اور چومنے میں دیاویں تاکہ ایک جائے تو نکال کر الگ کر دیں۔ اورک تھوڑی سی لے کر کھائیں۔ آواز ٹھیک ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ سات بادام کی گریاں اور سات کالی مرچیں لے کر تھوڑے سے پانی میں چھٹی کی طرح چوس لیں۔ ایک چمچ چینی ملا کر چاٹ لیں۔ نیم گرم پانی میں نمک ملا کر صبح و شام غرارے کریں۔ کھنی اور ٹھنڈی چیزوں سے مکمل پرہیز کریں۔

سرور سے انگلیاں سوج جائیں تو یہ۔ آنا چھین کر جو ہوسا لنگے اس میں نمک ملا لیں۔ پانی میں جوش دے کر نیم گرم پانی کر کے اس میں ہاتھ بھلوئے۔ ہاتھ دھو کر گرم لگائیں ہاتھ بھرنے کے پانے سے دھکی ہاتھ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

ہاتھ پیروں کی جھانست۔ باقاعدگی سے پیروں کی جھلی لگائیں۔ پانی کا کام دستانے پہن کر کریں۔ ایک گلاس گلاب کے عرق میں دو ہونے تھکے پیسٹین اور ایک ہونے لیموں کا رس نیچے لیں اور ٹھیلوں کو سیکھی میں بھریں۔ رات کو سوتے وقت مل لیں۔ جلد ٹھیک ہو جائے گی۔

اگر پیروں کی جلد خراب ہو رہی ہے تو دو شام لیں۔ چھٹکوں سمیت نکلے کر لیں۔ کسی بڑی دھچھی میں

پانی بھر کر شام لیں۔ شام لیں جا میں تویہ پانی کسی لسنے یا شب میں ڈال کر اوتھا چھو (چھوٹا) نمک ملا لیں اور اتنا ہی سرسوں کا تیل اب پانی میں ہانوں ڈال کر دیکھ جائیں۔ پانی نیم گرم ہو۔ پانی کے ٹھنڈا ہونے پر پانی صاف کر کے پیروں میں لگائیں۔ اس سے پیروں کی جلد صحت مند رہے گی۔

اس کے علاوہ سرور میں پانی بھی خوب پیا کریں۔ سرور کی وجہ سے پانی نہ چھوڑیں۔ ہاں ٹھنڈا پانی پینا سادہ ہی پیا کریں۔ لیکن گرم پانی اور نوشن استعمال کریں جن میں کئی کاتے سب زیادہ ہوں۔

